رنگا رنگ کہانیوں سے آراستہ دلچسپ جریدہ

ماہنامہ

نئے اُفق

کراچی

naeyufaq.com

PakistaniPoint
www.pakistanipoint.com

خوفناک کہانی نمبر 2

10 دستک — مشتاق احمد قریشی

11 گفتگو — عمران احمد

16 اقرأ — طاہر قریشی

18 تجدید حیات

46 اندھیر نگری — محمد شعیب

52 پراسرار ہیولہ — عمارہ خان

56 بیڑ کا درخت — تسلیم شیخ

58 آوارہ — ذوالفقار ارشد گیلانی

82 ناگ حویلی — عثمان عبداللہ

96 ڈیپ فریزر — نشاء وقار

100 ہمزاد — سیدہ صائمہ کاظمی

پبلشر مشتاق احمد قریشی پرنٹر جمیل حسن مطبوعہ ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی

دفتر کا پتا: 81 نیپئر بیرکس، ہاکی کلب آف پاکستان، اسٹیڈیم نزد آنچل پریس کراچی 75510

Pakistanipoint

105 روح کا فخر — محمد شاہد محمود

106 لال حویلی — سباس گل

132 شہر پرستان — مہتاب خان

140 اسیر خواب — درنجف

146 بزبانِ خنجر — مظہر سلیم ہاشمی

156 مقید محبت — ماہ رخ ارباب

178 قاتل محبت — مونا شہزاد

156 رازِ سربستہ — ثناءاللہ خان احسن

192 ذوق آگہی — عثمان عبداللہ

196 خوش بوئے سخن — نوشین اقبال نوشی

200 طلسم ہوشربا — شہزاد خان

Pakistanipoint

خط و کتابت کا پتا: ماہنامہ آنچل پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی، 74200 فون نمبرز 021-35620771/2

03008264242 یکے از مطبوعات نئے افق پبلی کیشنز ای میل: info@naeyufaq.com.pk

دستک

مشتاق احمد قریشی

ایک جنگل کی کہانی

ایک بڑا سرسبز شاداب جنگل تھا جس میں اللہ کی ہر طرح کی مخلوق آباد تھی ہاتھی اپنی جسامت میں قوت میں سب پر حاوی تھا ویسے تو شیر جنگل کا بادشاہ کہلاتا ہے لیکن جب کبھی بھی جنگل کی بادشاہت کیلئے شیر کا انتخاب اگر کیا بھی گیا تو وہ بھی ہاتھی کی رضامندی سے مشروط ہوتا تھا ہاتھی کی خواہش ہوتی تھی کہ بادشاہی کے تخت پر صرف وہی بیٹھ سکتا ہے جو اس کا وفادار ہو اس کے اشاروں پر چل سکتا ہو جنگل میں کئی بار شیر کو حکومت سونپی گئی لیکن وہ تھوڑے ہی دنوں میں پھول جاتا کہ اسے جنگل میں یہ اعلیٰ مقام کس کیوجہ سے ملا ہے وہ من مانی پر اُتر آتا اور ہاتھی کیا حکامات کو نظر انداز کرنے لگ جاتا ہاتھی آخیر ہاتھی تھا وہ اپنے جنگل میں کسی کی من مانی کیسے چلنے دیتا وہ اپنے دوسرے تمام ساتھیوں کو جمع کرتا اُن سے بھی مشورہ بھی کر لیتا اور بادشاہ کو ہٹا کر کسی نئے کو بادشاہ بنا دیتا ایک بار اُس نے ایک چلاک لومڑی کو بادشاہ بنایا اس نے بھی کچھ ہی عرصہ میں اپنا رنگ دیکھا دیا تو مجبوراً اُسے ہٹا کر پھر شیر کو لانا پڑا شیر تو آخیر شیر تھا وہ اپنی کرنی سے کیسے باز آتا کئی بار جب ہاتھی بہت زیادہ پریشان ہو جاتا تو خود ہی اپنی بادشاہت قائم کر لیتا تھا جب تک ہو سکتا وہ اپنی بادشاہت برقرار رکھتا تھا جب جنگل کی رعایا اُس سے تنگ ہو جاتی تو وہ مجبوراً اپنی جگہ کسی اور کو سونپ دیتا لیکن پھر بھی حکم اس کا ہی چلتا رہتا تھا کیونکہ جنگل کی ساری طاقت اس کے پاس ہی تھی کوئی اس کے آگے سر نہیں اُٹھا سکتا تھا چونکہ ہاتھی کے ذمہ جنگل کی رکھوالی کرنا بھی تھا وہ شیر سے ایک بار شدید ناراض ہو گیا کیونکہ بار بار شیر کو موقع دینے کے باوجود شیر اپنی کرنی سے باز نہیں آتا تھا ہاتھی ہر طرح کے امیدواروں کو موقع دے کر دیکھ چکا تھا خود بھی کئی بار بادشاہت کر کے دیکھ چکا تھا وہ اپنی رعایا کو مطمئن نہیں کر سکا تھا جب اپنے علاوہ کسی اور کو جنگل کی حکومت دیتا تو وہ اپنی من مانی سے باز نہیں آتا تھا اس بار پھر شیر نے من مانی کی اور کچھ زیادہ ہی اپنے آپ کو بادشاہت کے نشے میں ڈبو لیا اور یہ قطعی بھول گیا کہ اس جنگل کا اصل حاکم تو ہاتھی ہے ہوتا ایسا تھا کہ ہر بادشاہ بننے والا کچھ ہی دنوں میں یہ سمجھنے لگتا تھا کہ میں تو بادشاہ ہوں اس طرح ہاتھی تو میرا ماتحت ہے وہ ہاتھی پر بھی اپنا حکم چلانے کی کوشش کرنے لگتا تھا یہی بات اُسے تخت سے محروم کر دیتی تھی اس بار جب شیر نے ہاتھی کو آنکھیں دیکھانا شروع کیں تو ہاتھی نے اسے قاضی گینڈے کے ذریعے پنجرے میں قید کرا دیا اور ایک چلاک لومڑ کو بادشاہت کے تخت پر بیٹھا دیا چلاک لومڑ بڑا خوش ہوا کہ شیر نے اپنی حماقت سے نا صرف بادشاہت سے ہاتھ دھوئے اور پنجرے کی ہوا بھی کھائی لیکن اسے ہر دم یہی کھٹکا لگا رہتا کہ کہیں شیر واپس نا آجائے وہ شیر سے پہلے سے ہی خوف زدہ رہتا تھا اسے شیر کی طاقت کا اندازہ تھا اس لئے وہ سب کاموں کو پیچھے چھوڑ کر اس بات کی فکر میں لگا رہتا کہ شیر سے کیسے جان چھڑائی جائے حالانکہ شیر کو تو ہاتھی نے گینڈے قاضی کے ذریعے پنجرے میں بند کر دیا تھا پھر بھی چلاک لومڑ کو چین نہیں آتا تھا وہ رات دن شیر کے خوف میں مبتلا رہتا اور اپنے ہر کام میں اس کا ذکر ضرور کرتا اپنی رعایا کو بتاتا رہتا کہ شیر نے کس کس طرح کے ظلم کیے ہیں کس طرح جنگل کی رعایہ کو نقصان پہنچایا ہے کس طرح اس نے اپنا پیٹ بھرنے کیلئے رعایا کا شکار کیا اور جنگل کو کافی نقصان پہنچایا ہے رعایا بے چاری تو بس تماشہ ہی دیکھتی رہتی تھی کیونکہ اسے پیٹ بھر کھانے کو مل رہا تھا چلاک لومڑ کو جانے کیا سوجھی یا اس کے کسی معاون نے مشورہ دیا کی رعایا کو دور دور ہی رکھنا چاہیے اس لئے اس نے اپنی رعایا کو اپنے قاضی سے حکم دلایا کہ سب اپنی چراگاہوں کو خالی کر کے کہیں اور چلے جائیں سارے سرسبز علاقے خالی کر دو اپنی رعایا کے کمزوروں کو ایک حکم سے بے گھر بے در کر دیا چراگاہوں سے دور کر دیا جس کی وجہ دیر عایا بھوکی مرنے لگی ان میں باشاہ لومڑ کے خلاف بے چینی پیدا ہونے لگی لیکن لومڑ بادشاہ مطمئن تھا کہ اسے تخت پر بیٹھانے والا ہاتھی اس سے مطمئن ہے لیکن رعایا کے ہاتھوں سے جب ان کی غذا تک چھینی جانے لگی تو ان میں بغاوت سر اُٹھانے لگی تب بادشا سلامت نے ہاتھی سے فریاد کی تو ادھر سے اسے اطمینان دلا دیا گیا کہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں سب ٹھیک کر دی گے لیکن لومڑ جو پہلی بار بادشاہت کے تخت پر بیٹھایا گیا تھا کی کسی طرح گھبراہٹ کم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی آخیر ہاتھی کو کہہ نا پڑا فکر نا کروں ہم تمہارے ساتھ ہیں بس تم ہمارا خیال رکھو اور بے فکر ہو جاؤ۔ لیکن لومڑ کے مخالفین نے لومڑ کے خلاف جمع ہونا شروع کر دیا تا کے لومڑ کو تخت سے کسی طرح اُتارا جائے جنگل میں طرح طرح کی آوازیں سنائی دینے لگیں ہر آواز پر لومڑ اور اس کے ساتھیوں کے کان کھڑے ہونے لگے سب پریشانی کا شکار ہو کر شور مچانے لگے لومڑ کے خوف میں اضافہ ہونے لگا پریشانی کم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی جانے اب کیا ہو جائے جنگل آوازوں سے گونجنے لگا مخالفین تو مخالفین اب تو عام رعایا کی چیخ پکار بھی شامل ہو گئی تھی۔

گفتگو

عمران احمد

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عرش کے سامنے ایک ستون ہے جب کوئی شخص لا الہ الا اللہ کہتا ہے تو وہ ستون ہلنے لگتا ہے اللہ کا ارشاد ہوتا ہے کہ ٹھہر جا وہ عرض کرتا ہے کیسے ٹھہروں حالاں کہ کلمہ طیبہ پڑھنے والے کی ابھی تک مغفرت نہیں ہوئی؟ ارشاد ہوتا ہے کہ اچھا میں نے اس کی مغفرت کردی تو وہ ستون ٹھہر جاتا ہے۔
فضائل اعمال شیخ الحدیث مولانا محمد ذکریا صاحب (رح)
صفحہ نمبر ۵۶۲ (مکتبہ البشریٰ)

عزیزان من.....سلامت باشد

اس سال کا پہلا شمارہ یعنی نئے افق جنوری ۲۰۲۰ خوف ناک کہانی نمبر ۲ حاضر خدمت ہے۔ آپ سب نے جس محبت کا اظہار کیا یہ اسی کا پیش خیمہ ہے کہ ادارے کو خوفناک کہانی کا نمبر ۲ پیش کرنا پڑا کیونکہ جس بڑی تعداد میں آپ سب نے کہانیاں ارسال کیں وہ یقیناً باعث مسرت ہیں اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نئے افق سے کتنی محبت کرتے ہیں۔ خوف ناک نمبر کے لئے اب تک موصول ہونے والی تمام کی تمام کہانیاں شائع کردی گئی ہیں۔ اگر کسی کی کہانی باقی رہ بھی گئی ہوگی تو وہ اب دیگر شماروں میں شائع کردی جائیں گی۔ میری کوشش ہوتی ہے کہ کسی بھی لکھاری کی تصنیف ضائع نہ ہو کیونکہ مجھے اندازہ ہے کہ کوئی بھی لکھاری کہانی بہت محنت سے لکھتا ہے اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ان کی اصلاح کریں اور ان کی لکھی ہوئی کہانیوں اور محنت کو ضائع ہونے سے بچائیں اس سلسلے میں اپنی بساط بھر کوشش کرتا ہوں۔ اس میں کہاں تک کامیاب ہو رہا ہوں یہ آپ ہی بتا سکتے ہیں۔

آیئے اب مزید کسی تاخیر کے آپ کے محبت ناموں کی جانب چلتے ہیں۔

شہزاد خان.....صادق آباد۔ محترم جناب عمران احمد صاحب السلام وعلیکم! مزاج بخیر۔ دسمبر 2019 کا شمارہ "خوفناک نمبر" ہاتھوں میں ہے، سب سے پہلے ادارہ نئے اُفق کا اور آپ کی محبت کا شکریہ ادا کرنا چاہونگا۔ ادارے کی جانب سے بھیجے گئے اعزازی شماروں کے لئے تہہ دل سے مشکور ہوں۔ موجودہ شمارہ میں منتخب تمام کہانیاں بہترین ہیں۔ تمام مصنفین نے بہت محنت کی ہے جس کے لئے وہ سب مبارکباد کے مستحق ہیں۔ کوئی بھی کہانی لکھنا اتنا آسان نہیں ہوتا ہے اس کے لکھنے میں مصنف کی بہت محنت اور وقت درکار ہوتا ہے..... قارئین سے التماس ہے کہ کسی بھی کہانی پر تنقید کرتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھیں کہ آپ کے لکھے گئے تعریفی الفاظ مصنف کے لئے تیر بہدف نسخہ کی طرح کام کرتے ہیں اور وہ مزید اچھا لکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ کسی بھی منزل پر پہنچنے کے لئے پہلا قدم اٹھانا بہت ضروری ہوتا ہے۔ ملک کے شہرہ آفاق مصنفین اسی طرح پہلی سیڑھی پر قدم رکھ کر شہرت کی بلندیوں پر پہنچے ہیں۔ دسمبر کے شمارہ کا ٹائٹل بہت اچھوتا اور کہانیوں کی مناسبت سے ہے، اس کے لئے مصور تعریف کا مستحق ہے۔ مشتاق احمد قریشی صاحب کی "دستک" موجودہ حکمرانوں کے آگے بین بجانے کے مصداق ہے کیونکہ انہوں نے اپنی آنکھیں، کان اور منہ یکسر بند کئے ہوئے ہیں، ہندو جوازل سے ہی مکار اور دغاباز رہا ہے وہ بھارتی مسلمانوں کو کھلم کھلا ذلیل و رسوا کرنے میں لگا ہوا ہے اور اس کے لئے وہاں کی نام نہاد عدالتیں بھی ان کا کھلے عام ساتھ دے رہی ہیں۔ اب تو صرف اللہ سے ہی بہتری کی امید رکھی جاسکتی ہے..... "گفتگو" میں عمران احمد صاحب نے جن خطوط کو خون میں اضافہ قرار دیا ہے تو اس کے لئے عرض ہے کہ ایسے خطوط کے لئے ایڈیٹرز حضرات بصد شوق منتظر رہتے ہیں اس لئے مشورہ ہے کہ ان کے پڑھنے سے اگر خون کی روانی میں اضافہ ہوتا ہے تو ہماری خاطر بخوشی قبول فرماویں۔ مزید سب دوستوں کے خطوط خصوصاً اکرام الحق، جہلم صاحب کا تبصرہ بہترین تھا۔ "اقراء" میں طاہر قریشی صاحب نے آیت کریمہ کے تراجم پیش کرکے دل موہ لئے، اللہ پاک انہیں لمبی عمر عطا کرے۔ اس شمارے میں بہترین کہانیوں میں صائمہ قریشی کی "تجدید حیات" ..... "ویرانہ" تو میری اپنی لکھی ہوئی کہانی ہے جسے پڑھ کر قارئین ہی فیصلہ کرینگے کہ کیسی لگی۔ محمد سلیم اختر کی "انجام" ..... دستگیر شہزاد کی "برہما بھوت" ..... ذوالفقار ارشد گیلانی کی "آوارہ" جو کہ قسط وار ہے بہترین تھی۔ ارسلان اللہ خان کی "وہ کون" مختصر مگر اچھی لگی، مونا شہزاد ایک بہترین لکھاری ہیں ان کی تحریریں بہت اچھی ہوتی ہیں اس لئے ان کی کہانی کی تعریف کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ ان کی لکھی

Pakistanipoint

ہوئی تحریر "پیاس" بہت اچھی تھی۔ نفیسہ سعید کی "اعتراف جرم" انسان کو جھنجوڑ دینے والی تحریر تھی بہت اچھی لگی، نسیم سکینہ صدف کی "عاشق بھوت" بلاشبہ ایک اچھی تحریر تھی، عنبرین اختر کی "بھیانک رات" بھی بہت اچھی کہانی تھی، ماہ رخ ارباب کی "اماوس کا چاند" ایک منفرد ٹاپک پر مبنی تحریر تھی جسے پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ اللہ پاک انہیں مزید زورِ قلم عطا کرے۔ ثناء اللہ خان احسن کی "رازِ سربستہ" نے چنگیز خان اور ہلاکو خان کی یاد تازہ کردی کہ وہ کس طرح انسانی خون سے اپنی پیاس بجھاتے تھے۔ بلاشبہ ایک تحقیقاتی تحریر تھی جس کے لئے مصنف مبارکباد کا مستحق ہے،..... "ذوقِ آگہی" میں سیدہ علیشاہ بہاولپور، ریاض بٹ حسن ابدال، محمد اکرام الحق جہلم، ارم کمال فیصل آباد، فوزیہ سلطانہ تونسہ شریف، عریشہ ناز خانیوال، راؤ تہذیب حسین رحیم یار خاں، امبرین کوثر ملتان ان سب کی تحریریں بہترین تھیں، "خوشبوئے سخن" میں فقیہہ حیدر کی غزل، سیف خان سیف کی غزل، یاسمین سحر کی غزل، شگفتہ شفیق کی غزل، انجیل صحیفہ کی غزل، لیلیٰ ارنواز بھکر کی آزاد نظم، نیئر رضوی کراچی کی غزل سب بہت اچھی لگیں، مشتاق احمد قریشی صاحب کی "اسٹیل کی سرنگ" کی تعریف کے لئے الفاظ نہیں ہیں۔ ان کی تحریریں اردو ادب میں مشعل راہ ہیں۔ آخر میں دعا ہے اللہ پاک ادارے کی انتظامیہ اور دیگر اسٹاف کو عمرِ دراز عطا کرے اور ادارہ کو دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی سے نوازے، آمین۔ اگلے ماہ کے لئے اجازت دیجئے، اللہ حافظ

رباب فاطمہ..... اسلام آباد سے رقم طراز ہیں۔ السلام وعلیکم۔ نئے افق مجھے تیئس نومبر کو ملا۔۔ یہ سرنے مجھے سرورق بنانے پر اعزازی شمارہ دیا۔ یہ میرا پہلا تبصرہ ہے کسی بھی شمارے کے لیے کوئی غلطی ہو تو معاف کیجئے گا۔ سرعمران کو بہت بہت مبارک ہو سرعمران کی یہی بات مجھے بہت پسند کہ وہ بھی اپنے لکھاریوں اور قاریوں کو مایوس نہیں کرتے۔۔ بلاشبہ لوگوں نے بہت مان اور دل سے تحاریر بھیجی تھیں کہ ان کے لیے ایک شمارہ اور بھی ہونا چاہیے تھا۔۔ یہ پڑھ کر بہت اچھا لگا کہ اگلے ماہ بھی خوفناک کہانیاں پڑھنے کو ملیں گی۔۔ ماشاء اللہ خطوط سے رونق لگی رہتی ہے۔۔ خطوط میں پہلا خط پرنس افضل کا تھا سرورق کے حساب سے قطعہ بہت اچھا لگا۔۔ ریاض بٹ، جاوید احمد صدیقی اور محسن علی طاب کا تبصرہ بھی بہت اچھا تھا۔۔ مجھے غلام یاسین نوناری کا تبصرہ بہت زبردست لگا وجہ یہ کہ میرے بنائے ہوئے سرورق پر بہت گہرائی سے جائزہ لیا گیا تھا۔۔ بہت بہترین انداز بیان تھا۔۔ تجدید حیات صائمہ قریشی کی کہانی پڑھنے میں بہت مزہ آرہا ہے۔۔ تجسس بہت بڑھ رہا ہے۔۔ اب کیا ہونے والا ہے معصومہ ریحان کے ساتھ۔۔ کتنی اور قسط ہیں اس کی، مجھے چپکے سے کان میں بتادیں۔۔ اگلے شمارے کا شدت سے انتظار ہے۔۔ کہانی مکمل ہونے پر کھل کر تبصرہ کروں گی۔۔۔ ابھی تو اگلی قسط کا انتظار ہے ویرانہ شہزاد خان کی تحریر ایک بہترین سبق آج کل کے نوجوانوں کے لیے کہ اپنے بزرگوں کی بات کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔۔ اور کبھی منزل تک پہنچنے کے لیے جلدی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ جلدی کا راستہ اکثر خطرناک بھی ثابت ہوسکتا ہے۔۔ مصنف کے لیے بہت ساری داد اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ انجام محمد سلیم اختر کی تحریر بہت پسند آئی۔۔ معلوم نہیں یہ کہانی سچ تھی یا جھوٹ۔۔ مگر میرے دل کو لگا کہ یہ کردار یقیناً ہمارے اردگرد موجود ہیں۔ اللہ کی مخلوقات کو بلاوجہ پریشان نہیں کرنا چاہیے، چاہے وہ انسان ہوں یا جانور۔۔ ایک بہترین کہانی۔۔ ایک بہترین سبق۔۔ ہر کردار کے ساتھ انصاف کیا گیا۔ مصنف کے لیے بہت ساری داد اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ برہما بھوت دستگیر شہزاد واہ کیا کہانی لکھی ہے۔۔ پڑھ کر بہت مزہ آیا۔۔ پہلی بار اس طرح کی کہانی پڑھنے کو ملی ہے۔۔ بہت خوب، مصنف کے لیے بہت ساری داد اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ وہ کون ارسلان اللہ خان ایک بہترین کہانی۔۔ بہت اچھا سبق۔۔ اس میں کوئی شک نہیں پر اسرار مخلوقات ہر جگہ ہیں۔۔ کہیں اچھی تو کہیں بری۔۔ اور اکثر اپنی موجودگی کا احساس دلا ہی دیتی ہیں۔۔ مصنف کے لیے بہت ساری داد اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ پیاس از مونا شہزاد بہت زبردست موضوع کی طرف نشاندھی کی گئی ہے۔۔ اس تحریر میں سبق۔۔ ہمارے معاشرے کی ایک تلخ حقیقت اور خوفناک تحریر۔۔ بہت زبردست لکھا۔۔ بہت پسند آئی۔۔ اعتراف جرم از نفیسہ سعید واہ کیا تحریر لکھی پڑھ کر مزہ آگیا۔۔ اعتراف جرم کا مطلب صحیح معنوں میں سمجھ آگیا۔۔ مصنفہ نے بہت خوبصورتی سے اختتام کیا۔۔ منظر نگاری بہت زبردست تھی اور الفاظ کا چناؤ بھی زبردست رہا۔۔ مصنفہ کے لیے بہت ساری داد مہمان روحیں از زرین قمر سب سے منفرد کہانی۔۔ ایک نیا موضوع اور بہت خوب لکھا۔۔ منظر نگاری کمال کی اور الفاظ کا چناؤ بھی بہت زبردست تھا۔۔ مصنفہ کے لیے بہت ساری داد اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ عاشق بھوت از نسیم سکینہ صدف ایک بہترین سبق دینے کی کوشش کی ہے ہم لڑکیوں کو۔۔ بھیانک رات از عنبرین اختر واہ ایک بہترین انداز میں لکھی ہوئی کہانی جو شروع سے لے کر اختتام تک دلچسپ رہی۔۔ والدین اور بچوں کے لیے ایک بہترین میسج ہے کہ کام کے ساتھ ساتھ بچوں کو بھی وقت دینا چاہیے کہیں دیر نہ ہو جائے۔۔ اماوس کا چاند از ماہ رخ ارباب واہ کس انداز سے مصنفہ نے قاری کے ساتھ رابطہ قائم کیا اور آخر تک دلچسپی رہی۔۔۔ بیشک برائی ہمیشہ ہار جاتی ہے۔۔ حق کی ایک دن جیت ہوتی ہے۔۔ منظر نگاری بہت زبردست اور الفاظ کا چناؤ بھی خوب تھا۔۔ مصنفہ کے لیے بہت ساری داد اللہ کرے خوفناک ملاقات از محسن علی طاب عنوان بہت اچھا تھا۔۔ منظر نگاری بھی زبردست تھی۔۔ لیکن لگتا ہے مصنف جو لکھنا چاہتے تھے وہ لکھ نہیں سکے۔۔ یہ کہانی مزید بہتر ہوسکتی تھی میرے خیال میں۔۔ خوفناک ملاقات میں چڑیل کے ساتھ کافی پینے والا واقعہ کچھ ہضم نہیں ہوا۔۔ ہاں اگر کافی کی جگہ خون ہوتا تو مزہ آجاتا۔۔ ہوتی ہیں کچھ اچھی مخلوقات بھی لیکن پھر عنوان پھر کوئی اور رکھنا تھا۔۔ شیطانی نرغہ از نزہت جبین ضیاء عنوان بہت منفرد تھا۔۔ مصنفہ نے یہ میسج دینے کی کوشش کی ہے کہ پر اسرار مخلوقات کے لیے بھی ایسے نہیں کہنا چاہیے کیونکہ ان کا ذکر تو قرآن پاک میں بھی موجود ہے۔۔ منظر نگاری زبردست تھی اور الفاظ کا چناؤ بہت خوب تھا۔۔ مصنفہ کے لیے بہت ساری داد اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ رازِ سربستہ از ثناء اللہ خان احسن ہمیشہ کی طرح منفرد اور زبردست موضوع۔۔ آپ کا انتخاب بہت اچھا ہے۔۔ ہمارے لیے اتنی ریسرچ کر کر کے ایک اچھا موضوع لے کر آتے

ہیں جس سے ہماری نالج میں اضافہ ہوتا ہے۔۔ذوق آگہی ذوق آگہی میں سب کا انتخاب بہت زبردست تھا۔۔مجھے سب سے زیادہ پرنس افضل شاہین اور فوزیہ سلطان کا بہت پسند آیا۔۔خوشبوئے سخن نوشین اقبال نوشی کا کالم بھی ہمیشہ کی طرح زبردست تھا۔۔سب کی غزلیات اور نظمیں بہت اچھی تھیں۔۔اسٹیل کی سرنگ از مشتاق احمد قریشی ایسی تحریر ضروری تھی۔۔خوفناک کہانیاں پڑھ پڑھ کر ہلکا پھلکا مزاح علی عمران کے ساتھ۔۔شروع سے لے کر آخر تک تجسس برقرار رکھا۔۔زبردست منظر نگاری اور اسلوب ہمیشہ کی طرح عمدہ۔۔اتنی مزے دار کہانیاں لکھنے پر آپ کو داد نہیں دوں گی بلکہ سلام پیش کرتی ہوں۔۔سلامت رہیے سر بہت ساری دعائیں اور نیک تمنائیں اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔

محسن علی طاب..... ساہیوال السلام وعلیکم۔نئے افق خوفناک کہانی نمبر کا ٹائٹل زبردست تھا۔دستک میں سر مشتاق نے درست کہا گفتگو میں بھائی عمران نے خوفناک نمبر 2 کی خوشخبری سنائی بے چینی سے انتظار رہے گا۔پرنس افضل۔اکرام اور غلام یاسین کے خط اچھے تھے۔میری کہانی وخط کو شائع کرنے پر ادارے کا شکر گزار ہوں۔بھائی طاہر نے اقراء میں اچھا سبق دیا۔تجدید حیات اس بار کی قسط بھی زبردست تھی اس قسط میں سبق تھا کہ محفل میں جب لوگ آتے ہیں چہرہ وہ اصلی چھپاتے ہیں۔اسلئے اعتبار کرنے سے پہلے سوچ لیں ویرانہ شہزاد خان اچھی تحریر تھی امانت بچ گیا انجام سلیم اختر سبق اموز تحریر تھی۔انسان کو اسکے اچھے و برے عمل کا پھل ضرور ملتا ہے اسلئے سوچ سمجھ کر قدم بڑھانا چاہیے۔برہما بھوت دستگیر شہزاد اچھی تحریر تھی۔ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر دی اک غلطی تھی کہ پیر صاحب اک بھوت کو پکڑنے کیلئے جنوں کو چھپا دیتا ہے عرض ہے۔اک جن کے لیے بھوت کوئی اہمیت نہیں رکھتے وہ انہیں اک اشارے سے فنا کر سکتا ہے۔آوارہ اچھی جا رہی ہے وہ کون تھے؟ ارسلان اللہ خان تحریر سچی محسوس ہوئی بہت اچھے۔پیاس موناشہزاد یہ تحریر خوفناک نمبر کے لئے ہے مگر اس تحریر نے آنکھیں نم کر دیں۔کاش کے حکمران پڑھ سکیں۔سبق آموز تحریر اعتراف جرم نفیسہ سعید اکثر انسان اپنے برے عمل کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے مگر اوپر والا چاہے تو انسان کو گھر بیٹھے ہی اسکی اصلیت دنیا کو دکھا دیتا ہے زبردست عاشق بھوت اچھی تحریر تھی بھیانک رات عنبرین اختر بے وفائی کرنے والوں کا انجام برا ہی ہوتا ہے ویلڈن۔اماوس کا چاند ماہ رخ ارباب جو لوگ برے راستے پر چلتے ہیں ان کا کیا جلد سامنے آجاتا ہے۔شیطانی نرغہ نزہت جبین ضیا پہلی دفعہ تحریر لکھی بہت زبردست لکھی کمال۔زرین قمر صاحبہ کی تحریر نہیں پڑھی کاش کے وہ انگریزوں کی جگہ اپنے وطن کے رائٹروں کے انداز میں لکھتیں اسٹیل سرنگ کی مشتاق احمد قریشی عمران کی حرکتوں نے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر دی آخر پر بانو کو یقین آہی گیا یہ احمق نظر آنے والا ہر فن میں کمال مہارت رکھتا ہے۔عمران کے چاہنے والوں کے بہترین ناول ہائی شارہ بھی اپنی مثال آپ تھا بشرط زندگی پھر ملاقات ہوگی خدا حافظ۔

پرنس افضل شاہین..... بہاولنگر ۔اس بار نئے افق ستائیس تاریخ کو ملا اور انتیس تاریخ کو تبصرہ ارسال کر رہا ہوں۔سرورق کی تصویر دیکھ کر دل یہ کہنے پر مجبور ہو گیا۔

سنا ہے جان لیتے ہو سنو یہ جان دینی ہے
سنا ہے مار دیتے ہو سنو میں مرنے آیا ہوں
سنا ہے روک دیتے ہو سنا ہے ٹوک دیتے ہو
بتاؤ کیا نہیں کرتے وہی میں کرنے آیا ہوں

ویسے ایک بات ہے سرورق خوفناک کہانی نمبر کی مناسبت سے تھا۔سرورق دیکھ کر ہمیں بھی ڈر لگنے لگا۔دستک میں انکل جی بھارتی عدلیہ کے سمجھوتا ایکسپریس کے فیصلے کا بتا رہے تھے کہ کیسے بھارت میں انصاف بکتا ہے۔اس فیصلے میں جل کر خاکستر ہونے والوں کے لواحقین کو انصاف کی جگہ سوختہ لاشیں ہی ملی ہیں۔دوسری طرف نیوزی لینڈ کی وزیر اعظم ہے جس نے نیوزی لینڈ کی مسجد میں فائرنگ کرنے والے کی مذمت کی ہے اور مسلمانوں سے معذرت کی ہے اور بروز جمعہ کو نیوزی لینڈ کی مساجد میں اسپیکرز پر اذان دی گئی جبکہ وہاں مسلمانوں کی آبادی صرف ایک فیصد ہے جبکہ بھارت میں مسلمانوں کی آبادی بارہ فیصد ہے۔بابری مسجد کا فیصلہ بھی آپ کے اندازے کے مطابق ہی آیا ہے یعنی وہاں بابری مسجد کی وجہ رام مندر تھا اس فیصلے نے بھی بھارتی عدلیہ کا منہ کالا کر دیا ہے۔انشاء اللہ مظلوم مسلمانوں کی ہائے بھارتی عدلیہ کو بھی لگے گی اور وہاں کے حکمرانوں کو بھی لگے گی۔ہماری دعا ہے اللہ تعالیٰ عالم اسلام کی حفاظت فرمائے اور بھارتی سورماؤں کو نیست و نابود کرے آمین۔گفتگو میں پہنچے تو خوشی ہوئی کہ خطوط نگاروں کی تعداد چار سے چھ ہو گئی ہے آپ نے قائد اعظم نمبر اور کشمیر نمبر نکالنے کا اعلان کر کے ہمیں خوش کر دیا ہے۔ناچیز کا خط پہلے نمبر پر شائع کرنے کا شکریہ۔دوسرا خط ریاض بٹ صاحب کا تھا۔آپ نے درست فرمایا کہ یہ ارض پاک ہمیں تحفے میں نہیں ملا ہے بلکہ لاکھوں چراغ بجھے ہیں تو یہ چراغ جلا ہے۔ہمیں سبز ہلالی پرچم کو بلند کرنا ہے بلکہ اس کی عزت اور آبرو کا بھی خیال رکھنا ہے آگے بڑھے تو اکرام الحق صاحب موجود تھے آپ سے فون پر بات کر کے بہت اچھا لگا۔آپ کے حکم پر ہر ماہ میری حاضری لگتی رہے گی جہاں تک آٹھ دس چوہارے روز کھانے کی بات ہے اس پر عمل مشکل ہے اتنے چوہارے معدہ کیسے برداشت کرے گا۔آگے بڑھے تو جاوید احمد صدیقی صاحب تھے آپ کا تبصرہ ہمیشہ ہی شاندار ہوتا ہے۔آگے بڑھے تو غلام یاسین نوناری صاحب تھے۔انہوں نے آپ سے کہا ہے کہ خط پڑھنے سے پہلے اخروٹ کے تیل میں تھوڑی سی برگ حنا شامل کر کے سر پر مالش ضرور کر لیجیے گا۔ہم قارئین کے لیے کیا حکم ہے آخری خط محسن علی طاب کا تھا آپ نے ناچیز کا خط پسند فرمایا شکریہ۔ویسے آپ نے کہانیوں پر مفصل تبصرہ کیا ہے۔ذوق آگہی میں ریاض بٹ، محمد اکرام الحق، دلکش مریم، ارم کمال، سیدہ جیا عباس، راؤ تہذیب حسین، خوش بوئے سخن میں وقاص اکمل، سیف خان سیف، شگفتہ شفیق، نیئر رضوی اقراء جٹ، لیلیٰ رب نواز، رانی مشفق چھائے رہے۔ہماری دعا ہے کہ

Pakistanipoint

آئندہ شمارے میں خطوط کی تعداد چھ سے بھی زیادہ ہو۔ آمین۔

عبدالجبار رومی انصاری..... بورے والا سے لکھتے ہیں۔

خالی سی پر اسرار حویلی خوفناک ہے
دہشت کے سائے ہیں منظر ہولناک ہے
ذرا بچ کے چلنا رومی ویران جگہوں سے
یہاں ابلی آنکھیں، بکھرے بال زوبی عبرت ناک ہے

نئے افق کا سرورق بہت ہی ڈراؤنا تھا اک خوفناک کہانی نمبر کو ایسا ہی ہونا چاہیے تھا دستک زبردست تھی۔ بھارت جیسے تنگ نظر ملک میں اقلیتوں سے جو سلوک روا رکھا جاتا ہے اور جیسے ظلم کے پہاڑ توڑے جاتے ہیں وہاں سے ایسے ہی فیصلوں کی توقع کی جاسکتی ہے چار ماہ ہونے کو ہیں مقبوضہ کشمیر کی جو صورت حال ہے اس پہ بھی دنیا بیان دینے کی حد سے آگے بڑھ چکی ہے مگر عملی طور پر کچھ بھی نہیں۔ راجہ داہر کے ظلم سے ایک بیٹی نے مسلمانوں سے فریاد کی تھی اور محمد بن قاسم لبیک کہتا آیا تھا یہاں ہزاروں بیٹیاں ظلم کی چکی میں پس رہی ہیں بچے بوڑھے جوان سبھی بے بسی کی تصویر نظر آتے ہیں مگر مسلمان بھی بیان بازی کی حد تک محدود ہیں آخر کب انڈیا کی اینٹ سے اینٹ بجے گی؟ کونسے پر رہتے ہوئے بھی معصومہ اعتماد کے ساتھ مضبوط آسرے کے تابع تھی مگر دنیا داروں کے سامنے جو صرف اپنے مفاد کے لیے مجبور لڑکیوں کو رکھے ہوتی تھی معصومہ اندر سے خوفزدہ رہتی اور مہرورانی اپنے تئیں ان لڑکیوں کے لیے غنڈی رن بن ہو جاتی ہے تجدید حیات میں ابھی تک محبت کا آغاز تو نہیں ہوا آگے چل کے پتا چلے گا کون اس حیات کی تجدید کرتا ہے۔ مختصر کہانی بھیانک رات بھی ٹھیک رہی اس میں ترینہ نے جلد بازی سے کام لیا اور اس جہاں سے کوچ کر کے روح بن بیٹھی موحد کی زندگی میں تو نئی لڑکیاں آئیں اور گئیں تو ترینہ بھی پیچھے ہٹ جاتی باقی مسز عاصمہ اور مسٹر رؤف جیسے والدین دولت کی دوڑ میں اولاد کو بے راہ روی پر چھوڑ دیتے ہیں۔ دوستوں اور گھر والوں نے اکیلے جانے سے منع کیا تھا مگر اسے بھی نئی نئی مساجد میں نماز پڑھنے کا شوق تھا اور پھر مسجد میں ہی جنات سے ملاقات کر بیٹھا۔ باقی روسڑی کے حوالے سے معلومات زبردست تھیں۔ مہمان روحیں بھی زبردست کہانی تھی ایکو اور ملاچی کی صلاحیتیں ایک جیسی تھیں جو روحوں سے باتیں کرتے اچھا ایف بی آئی نے ایکو کا اٹھارہ سال کی عمر ہونے تک انتظار کیا کہ وہ خود مختار ہو جائے گی اور ساری معلومات بھی مل جائیں گی حیرت کی بات ہے باقی ایکو اور آرچر کی محبت بھی کبھی رہی تھی اور آخر میں مہمان روحیں ساتھ نبھانے کا وعدہ کر کے چلی گئیں عمدہ کہانی اسٹیل کی سرنگ میں شہہ بانو کی بیٹیاں فرازیہ اور عالیہ تو بہادر نکلیں دونوں نے غار میں پانچ افراد کو روئی کی طرح دھنک کر رکھ دیا اور پھر انہیں پہاڑوں میں اسٹیل کی سرنگ نے عمران کے سامنے حقیقت کھول دی اور زمان جابری نے دشمن کی اسمگلنگ کھیپ کو دشمنوں سمیت تباہ و برباد کر دیا۔ آخری صفحات کی کہانی زبردست رہی۔ ابن صفی کا درس دیتی فریدیت اور عمرانیت نے بھی لازوال کام کیے اور ان کے شجر تناور نئے افق بھی خوب پھل پھول رہا ہے۔ گوشہ ابن صفی بہت عمدہ ہے۔ اماوس کی رات کتنے ہی جوانوں کو نگل گئی حتیٰ کہ پیر وحید شاہ اور اس کی ڈائن پری اپنی ہی اولاد کا خون کرتے رہے آخر میں پیر نواز کو بچاتے مشہوار بھی اماوس کی بھینٹ چڑھ گیا عمدہ کہانی تھی۔ گفتگو میں پرنس افضل شاہین، ریاض بٹ، اکرام الحق، جاوید احمد صدیقی، غلام یاسین نوناری اور محسن علی طاب نے بہت عمدہ تبصرہ نگاری کی اور میرا تبصرہ پسند کرنے کا سب کا بے حد شکریہ۔ احمد جہانگیر، شگفتہ شفیق، سبیلہ انعام، لیلیٰ رب نواز کا کلام اچھا لگا۔ والسلام

محمد اکرام الحق..... گتر ڈومیلی ۔ مدیران محترم اور قارئین کرام اور سب لکھاری بھائیوں اور بہنوں کو سلام عقیدت و محبت شمارہ دسمبر 23 تاریخ کو موصول ہوا۔ اداریے میں فاضل مصنف نے ہمارے ضمیروں کو جھنجھوڑا ایسے افراد کی ہماری قوم کو اشد ضرورت ہے۔ بھارتی سپریم کورٹ بھی ایک متعصبانہ ادارہ ہے جو کہ ہندوؤں کے ہاتھوں بک چکا ہے۔ سانحہ بجھوتا ایکسپریس میں نامزد ہندوؤں کو بری کرنا کسی دہشت گرد نوازی سے کم نہیں ہے ویسے بھارت تو ہے ہی دہشت گرد جس کا ثبوت ہمارے پاس کلبھوشن یادیو کی صورت میں موجود ہے۔ حکومت پاکستان نہ جانے کب خواب غفلت سے اٹھے گی اور اس کے بارے میں کوئی فیصلہ لے گی مقبوضہ کشمیر (ہمارا کشمیر) میں آج سو سے زائد دن ہو چکے ہیں کرفیو لگا ہوا ہے نظام زندگی ٹھپ ہے اور مشرکوں کی خبیث اور ناپاک فوج گلی کوچوں میں بھیڑیوں کی طرح دندنا رہی ہے۔ خدا کرے کوئی اللہ کا شیر بھارت پر مسلط ہو جائے اور مشرکوں کا چیر پھاڑ کر رکھ دے۔ اب آتے ہیں جی خطوط کی طرف سب سے پہلا خط پرنس محمد افضل شاہین کا تھا پڑھ کر اچھا لگا مجھے داد دینے کا شکریہ۔ دوسرا خط محترم ریاض بٹ صاحب کا تھا۔ ان کا نئے افق پر تبصرہ بہترین لگا۔ تیسرا خط مجھ ناچیز کا تھا اس کے بعد جاوید احمد صدیقی صاحب کی ادیبانہ نگارشات کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا میں انہیں زبردست تبصرے پر خراج عقیدت پیش کرتا ہوں۔ غلام یاسین نوناری اور محسن علی طاب کی رائے بھی لائق تحسین تھی۔ سلسلہ خطوط کے بعد محترم طاہر احمد قریشی صاحب نے اللہ رب العزت کے صفاتی نام القدیر کی مفصل مدلل اور جامع تشریح کر کے دل خوش کر دیا فاضل مصنف سے التماس ہے کہ جناب حضور ضیاء الامت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ کی حیات مبارکہ پر بھی مفصل مضمون لکھیں۔ محترمہ صائمہ قریشی کی تحریری کاوش ''تجدید حیات'' کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔ مصنفہ نے اس تحریر میں ایک ایسے کا تذکرہ کیا ہے کہ جب تک ہمارے معاشرے میں صنفی امتیاز کا خاتمہ نہیں ہو جاتا اس وقت تک ہمارے معاشرے سے طوائفوں کا خاتمہ نہیں ہو سکتا ہے ہمارے ہاں اس طوائف کلچر کی سب سے بڑی وجہ غربت اور بے حیائی ہے جب تک ہم اپنے معاشرے سے بے حیائی کی بیخ کنی نہیں کریں گے اس وقت تک کئی رانی محل نما کوٹھے بنت حوا کی عزتوں کے کھلواڑ کے اڈے بنے رہیں گے۔ محترم سلیم اختر کی تحریر

''انجام'' اچھی تھی۔ سانپوں کے متعلق میں یہاں کچھ باتیں قارئین کے گوش گزار کروں گا اگر آپ کو خدانخواستہ سانپ نے ڈس لیا تو آپ فوراً متاثرہ جگہ کو بلیڈ یا تیز دھار آلے سے کٹ لگائیں اور زہریلا خون بہنے دیں اور متاثرہ حصے کو تھوڑا سا اوپر کسی کپڑے سے سختی سے باندھ دیں تاکہ زہر باقی جسم میں نہ پھیل پائے اور فوراً ڈاکٹر سے رجوع کریں۔ محترم ذوالفقار ارشد گیلانی کی تحریر ''آوارہ'' کی تیسری قسط اچھی لگی اب چوتھی کا انتظار ہے میں تو کہوں گا کہ ''بھارتی فلم انڈسٹری بے حیائی کا مرقع ہے'' اور ہندوؤں کا وطیرہ ہی بے حیائی ہے آپ اندازہ لگائیں جو قوم گائے کے فضلے کو متبرک سمجھتی ہو اس سے بڑا بے حس اور بے وقوف اور کون ہوسکتا ہے۔ وہ کون (تحریر ارسلان اللہ خان) اچھی لگی اور عاشق بھوت (تحریر نسیم سکینہ صدف) میں بھی معاشرتی کہانی کو پیش کیا گیا۔ اس طرح کے کئی واقعات رونما ہوتے رہے ہیں اور اب بھی ہو رہے ہیں۔ محترمہ عنبرین اختر کی تحریر (بھیانک رات) بھی خوف سے بھرپور تھی۔ محسن علی طاب کی تحریر (خوفناک ملاقات) بھی دل کو بھائی۔ محترم ثناء اللہ خان کی تحریر راز سربستہ انتہائی دلچسپ اور معلوماتی تھی اور یہ بات مسلمہ حقیقت ہے کہ آج تک جس نے بھی ظلم و بربریت کا مظاہرہ کیا وہ نشان عبرت ہی بنا اور چنگیز خان اور ہلاکو نے جس طرح مسلمانوں کو تہ تیغ کیا وہ تاریخ کا ایک بھیانک باب ہے تاریخ کا اگر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ تاتاریوں نے مسلمانوں کا بغداد میں اس قدر خون بہایا تھا کہ تاتاریوں کے گھوڑے سموں تک خون میں ڈوبے ہوئے تھے اور پھسلتے تھے سلسلہ ذوق آگہی میں سیدہ علیشاہ، ریاض بٹ، پرنس افضل شاہین، ایم انعام ملک، ارم کمال، دلکش مریم، امبرین کوثر چھائے رہے۔ سلسلہ خوش بوئخن میں سب کا کلام اور انتخاب اعلیٰ تھا۔ علی عمران کا ناول کچھ خاص نہیں بہت بورنگ ہے اگر اس کی جگہ ستار طاہر کی تصنیف ''بطل حریت گود سے گور تک'' قسط وار شائع کردیں تو یہ قوم پر نئے افق کا احسان ہوگا کیونکہ

جس بات سے الفت کی تفسیر نہیں ہوتی
اکسیر کبھی ایسی تقریر نہیں ہوتی
شعروں کے سوا مجھ کو رستہ جو کوئی ملتا
خواہش مری کاغذ پر تحریر نہیں ہوتی
عادت جسے پڑ جائے خیرات لینے کی
وہ قوم کبھی خود سے تعمیر نہیں ہوتی

عبداللہ توفیق..... حیدر آباد، سندھ سے۔ مکرمی جناب برادر عمران احمد مدیر نئے افق کراچی۔ السلام علیکم امید ہے کہ بہت مطمئن اور ہشاش بشاش ہوں گے۔ مجھے اندازہ ہے نئے افق میں آپ کی واپسی کے خواہش مند قارئین کی تعداد ہزاروں میں ہے یا سیکڑوں میں مجھے اپنے دل و دماغ کے سودائی کا پتا ہے میرا اللہ کیسا برگشتہ و ناراض ہو چلا ہے۔ اس انتظار میں کہ گفتگو کے صفحات میں آپ کی دوبارہ آمد آخر ہوگی تو کیونکر؟ یوں جس وقت دسمبر کا تازہ شمارہ دیکھا تو حیرت کا جھٹکا کھا گیا۔ خطوط سے اندازہ ہوا کہ آپ پچھلے ماہ بھی بزوکش محفل بھی تھے تو بے حد طمانیت ملی۔ اس مرتبہ تمہید میں لکھاری اور قارئین کی ستائش بھی کی ہے تو اپنی گرانی طبع کے اندیشے کا اظہار بھی کیا ہے تو آنجناب اہل مرتبت کے لیے تو یہ سرا کا امتحان ہے بلکہ بار نیابت نہ ہو تو نہایت گھاٹے کا سودا ہے سراسر، خون کی روانی کا اندیشہ رہتا ہے تو اپنے مزاج کے تلون سے متجاوز خواہشوں کو ترک کردیں پلیز ڈیئر اپنے طبعی اعتدال سے گامزن ہی کیا کریں۔ انشاء اللہ آپ فشار خون سے جان چھڑا لیں گے۔ بات آپ کی غلط نہیں ہے عمران بھائی، ہم پاکستانی قوم کے لیے نابغہ روزگار خاصی مرغوب شے ہوتا ہے۔ اپنے ارادوں سے آپ کیسے نبرد آزما ہوتے ہیں۔ ملنے جلنے والے دوست احباب کو اپنی مطلب براری سے غرض یعنی ایک انار سو بیمار بہرحال اک لمبے وقفے کے بعد گفتگو کی محفل میں خط لکھنے کی جسارت کر رہا ہوں۔ امید ہے کہ آپ مرے سودائی دل کو ٹھکانہ مرحمت فرمائیں گے۔ ویسے چار سے چھ خطوط سوچنے کی بات ہے کہ آپ یوں بھی گزر بسر کرلیتے ہیں۔ میرے لیے تو آج محفل میں فقط دو شناسائی ہی رہ گئے ہیں ایک ریاض بٹ اور دوسرے جاوید احمد صدیقی، دونوں صاحبان کے تبصرے یوں پرلطف لگے کہ ادبی ذوق و شوق کا روگ لگا کر لٹریری کھپڑیل ہو چکے ہیں۔ دونوں کی خدمت میں سلام و نیک خواہشات۔ پرنس افضل شاہین خط خاصی فرصت سے لکھا تھا میرے خیال میں آزادی کشمیر کے لیے جذباتی رائے دینے کی بدولت سرفہرست منتخب ہوا ویسے مسند اول کے لیے غلام یاسین نوناری کا جامع تبصرہ ہوتا تو میرٹ کی بات ہوتی۔ اکرام الحق اور محسن علی طاب کے تبصرے اچھے اور جاندار تھے۔ عزیز من اقبال بھٹی کے وقت میں ایک ناولٹ ''عورت'' بھجوایا تھا مگر اس کے بارے میں جواباً کوئی اطلاع نہیں ملی۔ آپ اس کہانی کو براہ کرم تلاش تو کرادیں ڈاک کی رسید خط کے ساتھ نتھی کر رہا ہو۔ بے حد شکر گزار ہوں گا۔ خوفناک کہانی نمبر واقعتاً محسوس ہوتا ہے۔ بہرکیف جرم، پیاس اور بھیانک رات عمدہ کہانیاں ہیں۔ تاہم اچھی شاعری نہیں ملی۔

اقراء

طاہر قریشی

المولیٰ
(کارساز)

المولیٰ: اسم مفرد، دوست، کارساز، حمایتی، قرب، نزدیکی، مالک، آقا، غلام آزاد کرنے والا، ساتھی، قریبی رشتہ دار، پڑوسی، مہمان، شریک مددگار، پرورش کرنے والا، نعمت دینے والا، مہربان، نعمت دیا ہوا (لفظ مولوی اسی سے منسوب ہے)

ترجمہ:۔ یہ اس لئے کہ ایمان لانے والوں کا حامی وناصر خود اللہ تعالیٰ ہے اور کافروں کا کوئی حامی وناصر نہیں۔

(محمد۔۱۱)

جس کا آقا اللہ تعالیٰ ہو جو حاکموں کا حاکم، مالکوں کا مالک، قادرِ مطلق ہستی ہے ایسی عظیم ترین ہستی جس کی مددگار ہو تو وہ اس کے لئے ہر طرح سے کافی ہے، وہ شخص کیسے کسی کا محتاج ہو سکتا ہے وہ تو ہرگز کسی کا محتاج نہیں ہو سکتا، وہ تو ہر کسی سے بے نیاز ہو جائے گا، ایسے شخص پر اگر کبھی مشکل حالات آتے بھی ہیں تو وہ اس کی آزمائش کے لئے آتے ہیں۔ تو اسے سمجھ لینا چاہئے کہ یہ گردش کے دن اس کی آزمائش کے دن ہیں، اس کے بعد تو اس کے لئے خیر ہی خیر ہے۔ انسان پر آئے ہوئے مشکل حالات اس لئے نہیں ہوتے کہ اللہ اُن سے ناراض ہوتا ہے یا انہیں اللہ نے چھوڑ دیا ہے، بلکہ ایک بندہ مومن کی۔ یہ تو آزمائش ہوتی ہے کہ وہ اپنے مشکل حالات میں کس قدر اور کس طرح اللہ کا شکر گزار، اطاعت گزار، بندہ ثابت ہوتا ہے، اللہ نے اپنے بندوں سے جو مدد کا وعدہ کیا ہے وہ اس کی خلاف ورزی نہیں کرتا، اگر انسان اللہ تبارک وتعالیٰ کی جگہ اپنا کارساز و مددگار، اپنا آقا کسی اور کو بنائے یا سمجھنے لگے تو پھر اللہ ایسے کسی شخص کا کیسے حامی وناصر ہوگا ایسا شخص تو نامراد و ناکام ہی رہے گا، چاہے اس کی حمایت و ہمدردی میں دنیا کے سارے انسان اور جن کیوں نہ جمع ہو جائیں اور دنیا کی تمام ہی قوتیں کیوں نہ اس کی پشت پناہی کے لئے جمع ہو جائیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوا کسی اور پر بھروسہ کرنے والا ہمیشہ نامراد و ناکام ہی رہے گا جبکہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے والے انسان کا اللہ تعالیٰ حامی وناصر ہے۔ جس کا اعلان آیتِ مبارکہ میں کیا گیا ہے اور اس اعلان کو قرآنِ کریم میں بار بار دہرایا گیا ہے۔

ترجمہ:۔ اور اللہ تمہارا کارساز ہے اور وہی (پورے) علم وحکمت والا ہے۔ (التحرم۔۲)

اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات اپنے بندوں کے لیے بڑی ہی مددگار و کارساز ہستی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی تمام کمزوریوں میں ان کی مدد فرماتا ہے۔ وہی بڑا علیم وحکیم ہے، وہ بہتر جانتا ہے کہ اس کے بندوں کی بھلائی کس چیز میں ہے اور جو احکام بھی اس نے دیئے ہیں وہ سراسر حکمت و دانائی کی بنا پر دیئے ہیں۔ انسان کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ وہ قطعی خود مختار نہیں ہے۔ جو محدود اختیار اُسے دیا گیا ہے وہ صرف اتنا ہے کہ وہ خود اپنے اختیار سے نیک راہ لگے یا بدی اختیار کر لے، اس کے علاوہ اُسے کوئی اختیار نہیں ہے اللہ تبارک وتعالیٰ جو سب کا خالق و مالک ہے، جو سب کا پروردگار ہے، پرورش کرنے والا پالنے والا اور نگہداشت کرنے والا ہے۔ اس نے انسان کی پرورش اور نگہداشت وحفاظت کے لئے جو

pakistanipoint

قوانین نافذ فرمائے ہیں وہ بڑی حکمت وعظمت اور دانائی سے بنائے ہیں' انہیں ردوبدل کا انسان کو قطعی اختیار نہیں ہے' اسے تو بس اپنے آقا کے حکم کے آگے سرِتسلیم خم کرنا ہی کرنا ہے اور تمام معاملات اللہ کے سپرد کر کے پوری دیانت واخلاص سے اللہ کی اطاعت وبندگی کرتے رہنا ہے اور یہ بندگی واطاعت بھی اللہ کے بتائے اور بنائے ہوئے قوانین کے مطابق ہی ادا کرنی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے جس چیز کو حرام قرار دیا وہ ہر حال میں حرام ہی رہے گی کیونکہ تمام احکامِ الٰہی بڑے تدبر ودانائی کے ساتھ نافذ کئے گئے ہیں۔ جو لوگ اللہ پر کامل یقین وایمان رکھتے ہیں انہیں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ علیم وحکیم انسان نہیں بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہی علیم وحکیم ہے۔ انسان کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ تمام احکامِ الٰہی کی پیروی وتعمیل اسی طرح کرے جیسا کہ ان پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

ترجمہ:۔ پس تمہیں چاہئے کہ نماز قائم کرو' زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور اللہ کو مضبوط تھام لو وہی تمہارا مولیٰ اور مالک ہے' کیا ہی اچھا مالک ہے اور بہت ہی اچھا مددگار ہے۔ (الحج۔۷۸)

اسلامی نظامِ حیات اور نظامِ معاشرت کا اصل مقصد انسانیت کو اس کے درجۂ کمال تک پہنچانا ہے' اس لئے ہی اللہ تبارک وتعالیٰ جو اپنے بندوں پر بہت ہی مہربان اور رحم کرنے والا ہے وہ چاہتا ہے کہ اس کا نائب اور خلیفہ فی الارض زمین پر جو زندگی بسر کرے وہ ایک منظم زندگی ہو' اس کے لئے ہی اللہ تعالیٰ نے بہتری اور فلاح حاصل کرنے اور دائمی آسائشوں کے حصول کے لیے کچھ قوانین وضابطے نافذ فرمائے ہیں تاکہ انسان زمین پر جئے تو انسانیت کے ساتھ جئے' کسی طرح حیوانیت اور جانوروں کی طرح زندگی بسر نہ کرے۔ اس لئے ہی اسلام انسان کی روحانی ترقی پر زور دیتا ہے۔

اسلامی اقدار انسانیت کی بلند ترین اقدار ہیں یہ انسان کی مادی ضروریات کو بھی پیشِ نظر رکھتی ہیں۔ اسلام انسانی معاشرے کو صرف مادی ضرورت تک محدود نہیں کرتا' یہی اسلام کا مطالبہ ہے تاکہ امتِ مسلمہ دنیا کی قیادت اسلام کے جامع نظام کی روشنی میں کر سکے۔

آیتِ کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ تمام اہلِ ایمان کو ان کی بھلائی اور فلاح کی ترکیب بیان فرما رہا ہے' انسان جو کمزور وضعیف ہے اسے اس کا مالک وہ نسخہ کیمیا عطا فرما رہا ہے جس سے وہ اپنی آئندہ زندگی کا بہترین سامانِ حیات حاصل کر سکتا ہے۔ نماز ایک کمزور اور فانی انسان کا رابطہ اس ذاتِ عالی سے قائم کرتی ہے جو اپنی ذات میں قادرِ مطلق ہے' مقتدر وقوی تر ہے اور نظامِ زکوٰۃ ایسا عظیم الشان اسلامی نظامِ معاشرت ہے جو نہ صرف امتِ مسلمہ اور جماعت مسلمہ کے افراد کے درمیان صلۂ رحمی قائم کرتا ہے اور حاجات وضروریات میں افراد اور جماعت کی کفالت کا انتظام کرتا ہے تاکہ فساد پیدا نہ ہو۔ جب اہلِ ایمان ذاتِ الٰہی سے خود کو وابستہ کر لیتے ہیں اور راہِ حق پر مضبوطی سے جم جاتے ہیں یعنی اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیتے ہیں تو پھر وہ اپنے ہر ہر قدم کے لئے تمام ہدایت ورہنمائی قانونِ الٰہی سے حاصل کرتے ہیں' اللہ کی ہی اطاعت وبندگی کرتے ہیں' اسی سے ڈرتے ہیں' اسی سے اپنی تمام امیدیں وابستہ کرتے ہیں اور ہر طرح کی مدد کے لئے اسی کے آگے ہاتھ پھیلاتے اور اپنے توکل اور اعتماد کا سہارا بھی اللہ کی ہی ذاتِ عالی کو بناتے ہیں۔

Pakistanipoint

تجدید حیات

صائمہ قریشی

معاشرے کے ایک ایسے بگاڑ کی نشاندہی کرتی کہانی جس کی بدولت شخصیت مسخ ہونے لگتی ہے۔

ایک کے لیے محبت تو دوسرے کیلیے نفرت کے جذبات رکھنے والے شخص کی کہانی جو اپنی انا کی قید میں مقید تھا۔ اس کے نزدیک رشتوں سے زیادہ پیسے کی اہمیت تھی وہ اپنی اولاد میں تفریق کرتا تھا اور سامنے نظر آنے والی چیزوں پر یقین رکھتا تھا۔ جڑواں بھائیوں کا احوال جو ایک دوسرے کی ضد تھے اور نظروں سے گرانے کی کوششوں میں اپنا نقصان کررہے تھے۔

اللہ پر یقین اور برائی سے چھٹکارے کی کہانی ہے۔ اگر اللہ نہ چاہے تو کوئی کسی کو ذلیل و خوار نہیں کرسکتا۔ اس کا جو مقام دنیا میں ہے۔ وہ اللہ تعین کیا ہے اگر کسی کو دنیا میں وہ مقام نہیں ملتا تو اس کو آخرت میں مقام اعلیٰ مقام ملے گا۔ لیکن اس کے لیے اللہ پر ایمان لانا لازمی ہے۔

رانی محل کوٹھے کے حصار میں قید ایک لڑکی کی داستان، سسکتی بلکتی زندگیوں کے درمیان پنپتی محبت کی کہانی

اموسم جب بدلتا ہے تو ہر طرف ایک تبدیلی رونما ہونے لگتی ہے، چاہے وہ تبدیلی قدرتی نظاروں میں ہو یا پھر کسی کے دل کی دنیا میں۔

پرملال اور یاسیت آمیز دلوں پر موسم کی تبدیلی کسی اور طرح سے اثر انداز ہوتی ہے جبکہ آسودہ حال دل ہر موسم کو بھرپور طریقے سے خوش آمدید کہتے ہیں لیکن کچھ ایسی تبدیلیاں بھی ہوتی ہیں جو کسی موسم کی مرہونِ منت نہیں ہوتیں ان کا تعلق محض دل کی دنیا سے ہوتا ہے، وہ انجانی تبدیلی دماغ کی کارستانی ہوتی ہے۔ دونوں ہاتھوں کو سر کے پیچھے کر کے سر ٹکائے وہ آنکھیں بند کیے مدھم مسکان چہرے پر سجائے ہلکے سروں میں کچھ گنگنانے میں مصروف تھا، چہرے پر پھیلی مسکان دلی آسودگی کو ظاہر کررہی تھی، ملتے پاؤں من کی شانتی کا سگنل بھی دے رہی تھے، پلکوں کی ہلکی جنبش اس کی بیداری کی اطلاع بھی دے رہی تھیں۔ کتنی دیر تک وہ اسے دیکھتا رہا، پہچاننے کی کوشش کرتا رہا، اس کے انداز کو جانچنے کی بھی سعی کرتا جمال اب آگے بڑھا۔

''خیراں ہوں سرکاراں۔ پہلے کبھی اس انداز میں خوش ہوتے نہ دیکھا آج کون سا معرکہ سرانجام دیا۔'' جمال اس کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگا۔ تو اس نے نیم وا آنکھوں سے اسے دیکھا۔

''کیوں کیا مجھے خوش ہونے کا حق نہیں؟'' آنکھوں کو دوبارہ بند کرتے ہوئے وہ بولا۔

''اوہو..... ذیشان صاحب۔'' جمال ہنسا تھا، دوسرے پل اس نے پوری آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

''میں سمجھا..... خیر چھوڑو یہ بتاؤ کیا خوشی ملی ہے؟''

یک دم اس کے انداز میں ایک تبدیلی آئی تھی جمال نے بات کو ٹال کر اس سے پوچھا۔

''کوئی خاص نہیں، بس ایک فیصلہ کیا تو.....''

''فیصلہ.....؟ ہاہا..... ہاہا۔'' اس کی بات سن کر جمال کو اپنا قہقہہ روکنا مشکل ہوگیا۔ ذیشان نے متغیر نگاہیں اس پر ڈالیں۔

''آپ بھی کوئی فیصلہ کرنے کی سکت رکھتے ہیں؟''

Pakistanipoint

parsonspoint

جمال کا انداز سراسر مذاق اڑانے والا تھا۔

''میں نے ہی خود بگاڑا ہے' تم ہی بتاؤ کیا مجھ میں صلاحیت نہیں کہ میں کاشان کے جیسا بن سکوں.....؟'' ذیشان نے اس کی طرف دیکھ کر استفسار کیا۔

''میں اور اماں بی تو کب سے کہہ رہے ہیں کہ تم اپنے رویے میں لچک پیدا کرو' بڑے صاحب کی کچھ باتیں مان لیا کرو تا کہ تمہیں بھی تمہارا مقام مل سکے۔'' جمال نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''ہاں اب میں نے فیصلہ کیا ہے کہ ابا جی کی کچھ باتیں مان لیا کروں' دیکھتے ہیں تمہارے بڑے صاحب کتنے انصاف پسند ہیں۔'' ذیشان کے لہجے میں ایک کاٹ تھی جسے جمال نے بخوبی محسوس کیا۔

''اگر تم کاشان کی جگہ.....'

''نہیں جمال..... میں ذیشان ہوں' کاشان کی جگہ لے سکتا ہوں نہ لینا چاہتا ہوں۔ مجھے یہ جھوٹی عزتوں کا سہرا پہننے کا شوق بھی نہیں ہے' لیکن یہ دنیا دوغلے لوگوں کو اعلیٰ مقام سے نوازتی ہے تو جو دنیا چاہتی ہے اسے وہی دو' جو جس سوغات کا حقدار ہوتا ہے اگر نہ ملے تو تکلیف ہوتی ہے۔'' ذیشان تلخی سے بولا۔

''ذیشان تم..... کاشان سے ضد نہ کیا کرو' تم جانتے ہو ہر کسی کی قسمت الگ اور مقام الگ ہوتا ہے۔'' جمال نے ایک بار پھر اسے سمجھانا چاہا۔

''ہاں جانتا ہوں' اونچا مقام کاشان کے حصے میں آیا ہے اور ذلت میرے حصہ میں۔'' ذیشان کا حلق تک کڑوا ہوا تھا۔

''تم نے جو فیصلہ کیا ہے اس پر کاربند رہنا۔ بڑے صاحب کی باتیں مان کر دکان کا خیال کرنا ان شاء اللہ تمہیں کاشان سے بھی بلند مقام ملے گا۔'' جمال مزید بحث سے اجتناب برتتے ہوئے کہنے لگا۔

''ہاہا..... ہاہا..... بلی کے خواب میں چھیچھڑے.....'' ذیشان نے خود ہی اپنا مذاق اڑایا۔

''چلو دیکھتے ہیں۔'' جمال نے اسے گھورا تو وہ اپنے قہقہے پر قابو پاتے ہوئے کہنے لگا۔

''تم کہاں چلے بیٹھو ابھی ایک بازی ہو جائے۔'' جمال اٹھا تو ذیشان نے اسے روکا اور سائیڈ ٹیبل پر رکھی تاش کے پتوں کی طرف اشارا کیا۔

''اب چھوڑو یہ سب' اور جو فیصلہ کیا ہے اس پر عمل کرنا شروع کرو۔'' جمال نے اسے تنبیہ کرتے ہوئے کہا۔

''میں جا رہا ہوں دکان پر کاشان بھی شاید وہاں ہی ہے چلو تم اور کچھ کام کروا لو' جانتے ہو نا کہ دکان میں ایکسٹینشن کا کام ہو رہا ہے اور مال ایسی جگہ سیٹ کرنا ہے کہ گاہکوں کو کوئی دقت بھی نہ ہو اور مال بھی خراب نہ ہو۔ اگر فیصلہ کر ہی لیا ہے تو اب اس پر عمل کرنے کا موقع نہ گنواؤ۔'' جمال نے اسے تفصیل سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ دکان کی اس تبدیلی سے انجان تھا' کتنے دنوں سے تو وہ اپنے کمرے میں بند رہا تھا' نہ کسی نے اسے بتایا نہ اس نے خود جاننے کی کوشش کی' ذیشان کچھ دیر اسے دیکھتا رہا جب کچھ نہ بولا تو جمال افسوس میں سر کو دائیں بائیں ہلاتا وہاں سے جانے لگا۔

''چلو ذیشان عزیز پھر اپنی سوچ پر عمل بھی کر دو۔'' اس نے خود کلامی کی اور ایک ہی جست میں اٹھ کھڑا ہوا۔

''ٹھہر یار آتا ہوں ایک تو مجھے تمہارے ظالم حسیناؤں والے نخروں سے بڑی الجھن ہوتی ہے۔'' تیز چلتے جمال کو اس نے جالیا' اس کے فقرے پر جمال کا قہقہہ بھی بلند ہوا۔

''تجھے تجربوں سے نواز رہا ہوں مستفید ہو لے۔'' جمال نے دائیں آنکھ کا کونا دبا کر کہا۔

''اللہ بچائے۔ اب اتنے برے دن بھی نہیں آئے کہ ایسے تجربے حاصل کروں۔ تم تو جانتے ہو ایک زمانہ مرتا ہے تیرے یار پر۔'' ذیشان نے کالر جھاڑ کر کہا تو جمال یک دم رک کر سر تا پیر اسے دیکھنے لگا۔

''ہاں جانتا ہوں۔ کاش اس مر مٹنے والے زمانے میں عبدالعزیز بھی شامل ہوتے۔'' جمال نے مسخرے پن سے کہا۔ تو ذیشان سنجیدگی سے اس کو دیکھ کر اس سے دو قدم آگے ہو کر چلنے لگا۔ جمال بھی اب تیز تیز قدم اٹھاتا اس کے ہمراہ دکان کی جانب بڑھ رہا تھا۔

''السلام علیکم۔'' دکان میں داخل ہوتے ہی جمال نے با آواز بلند سلام کیا' عبدالعزیز جو کپڑوں کے تھان اٹھائے ان کو ایک کونے میں رکھنے لگے تھے انہوں نے سر ہلا کر سلام کا جواب دیا۔ ذیشان کو دیکھ تو لیا لیکن بولے کچھ نہیں' کاشان رجسٹر پر کسی حساب کتاب میں مصروف تھا ان کے

pakistanipoint

دکان میں آنے پر بھی وہ مصروف ہی رہا۔ ذیشان کو ان دونوں کے رویے سے سبکی محسوس ہوئی۔ جمال نے کنکھیوں سے اسے دیکھا۔

''بڑے صاحب آپ آرام کریں میں کرتا ہوں۔''

یک دم ہی جمال آگے بڑھا اور ان کے ہاتھ سے تھان لے لیے۔

''تمہارا کیسے آنا ہوا؟'' عبدالعزیز جمال کو کام سونپ کر اب اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھے تھے۔ ذیشان کو خاموش کھڑا دیکھ کر اس سے پوچھنے لگے۔ عام سا لب ولہجہ ذیشان کو طنز سے بھرپور لگا۔

''وہ..... ابا جی.....'' وہ کاشان اور جمال کے سامنے اس باز پرس پر شرمسار سا کہنے لگا۔ عبدالعزیز نے اس کے جھجکتے انداز کو دیکھا۔

''کتنے پیسے چاہیں؟'' دوسرے پل عبدالعزیز سائیڈ پاکٹ سے پیسے نکال کر گنتے ہوئے اس سے پوچھنے لگے۔ جمال نے مدھم مسکراہٹ سے انھیں دیکھا جبکہ مارے ذلت کے ذیشان کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ وہ پھر خواہش کرنے لگا کہ زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائے' ایک بار پھر ذیشان اپنے آپ کو کوسنے لگا کہ کیوں اس نے ایسا فیصلہ کیا تھا' کیوں وہ دکان میں آیا تھا۔

''نہیں ابا جی مجھے پیسے نہیں چاہیے۔'' بمشکل وہ کہہ پایا تھا۔

''بڑے صاحب ذیشان اب دکان میں آیا کرے گا۔'' جمال نے اس کی مشکل آسان کی تھی' عبدالعزیز نے چونک کر اسے دیکھا۔

''اچھا..... واقعی؟'' عبدالعزیز نے بھرپور حیرت کا اظہار کچھ اس انداز سے کیا کہ ذیشان شرمندہ ہوگیا۔

اچھی بات ہے' محنت کرو گے تو ہاتھ نہیں پھیلانے پڑیں گے۔'' وہ کچھ نہ بولا تو عبدالعزیز مزید گویا ہوئے۔

عبدالعزیز نے اس کے فیصلے کو کوئی خاص اہمیت نہ دی تھی' ویسے حوصلہ افزائی نہ کی تھی جیسے اس کا حق تھی۔ ذیشان کو کچھ بھی کہے بنا اب وہ کاشان کی طرف متوجہ ہوگئے تھے اور وہ وہیں کھڑا اس پل کو کوسنے لگا تھا۔

''اگر کچھ ٹھان ہی لیا ہے تو اس پر عمل بھی کرو۔'' کافی دیر تک وہ وہیں کھڑا رہا تو عبدالعزیز اپنے مخصوص کرخت لہجے میں بولے۔ وہ بجھل سا سر جھکا کر بکھرے تھانوں کو اٹھا کر ایک سائیڈ پر رکھنے لگا۔

''اپنے نوابی انداز کو ذرا سا بدلو۔ ہر کام میں اکڑ نہیں چلتی کبھی کبھی ذرا سا جھک جانا بھی پڑتا ہے۔'' اس کے پرسوچ انداز کو دیکھ کر عبدالعزیز پھر اس کی درگت بنانے لگے۔

''ابا جی یہ سارا حساب کتاب تو میں نے کر دیا ہے' ہمیں اوپر والے حصے کے لیے اب لکڑی کے کام کو ترتیب دینا ہوگا۔ سارے شیلف بنانے اور دیگر کام.....'' کاشان نے رجسٹر کو عبدالعزیز کی طرف بڑھا کر انھیں بتایا۔

''ہاں تو ٹھیک ہے ایک دو دن میں وہ بھی شروع کروا دیتے ہیں' تاکہ جلدی ختم ہو جائے' اس قدر سارا مال بکھرا ہے تو گاہکوں کو بھی پریشانی ہو رہی ہے۔'' عبدالعزیز نے رجسٹر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''ابا جی اوپر والے حصے کا زیادہ کام ہوگیا ہے میرے خیال میں یہ سارا مال اوپر شفٹ کر دیتے ہیں' انصاری ٹیکسٹائل والوں سے ڈیل مکمل ہے بس پے منٹ باقی ہے تو سارا مال پہنچ جائے گا۔'' کاشان مکمل طور پر اپنی مرضی چلا رہا تھا اور عبدالعزیز نے اسے اختیار دے دیا تھا۔ ذیشان اس سارے معاملے سے انجان تھا' ان دونوں کی باتوں کو خاموشی سے سن رہا تھا۔ لیکن اس کے دل و دماغ میں ایک جنگ جاری تھی۔

''تم میرا فخر ہو کاشان۔ تم نہ ہوتے تو میں کچھ بھی نہ کر سکتا تھا۔'' دکان کی ساری نئی سیٹنگ میں کاشان نے عبدالعزیز کو مکمل اعتماد میں لے لیا تھا۔

''ابا جی میں ہوں نا تو پھر نہ ہونے کا کیا سوال۔''

''اور بڑے صاحب اب تو ذیشان بھی دکان سنبھالنے کے لیے آپ کے ساتھ ہے۔'' جمال کو شاید اس کی حالت کا اندازہ ہوگیا تھا۔ عبدالعزیز نے یک دم ذیشان کو دیکھا' نگاہوں میں بے یقینی پر وہ بددل ہوا تھا۔

''اللہ کرے ایسا ہی ہو۔'' وہ گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولے۔

''ابا جی ایک آدھ دن تک گوجرانوالہ جانا ہوگا لیکن.....'' کاشان نے بات کرتے کرتے انھیں دیکھا تو عبدالعزیز کی سوالیہ نظروں کو اپنا منتظر پایا۔

''آپ کو جانا پڑے گا میں اگلے کچھ دن مصروف ہوں گا۔''

Pakistanipoint

''ہاں کوئی بات نہیں میں چلا جاؤں گا تم اپنے کام کر لینا۔'' ان کے جواب پر ذیشان کے تن بدن میں آگ لگ گئی' انہوں نے یہ بھی نہ پوچھا کہ وہ کہاں مصروف ہوگا نہ کوئی سوال کیا۔ کاشان نے کنکھیوں سے ذیشان کو دیکھا۔

''ابا جی گوجرنوالہ ذیشان چلا جائے تو..... کیوں ذیشان؟'' کاشان نے عبدالعزیز کو کہا اور ذیشان سے پوچھا۔

''تمہیں تو کوئی اور کام نہیں ہوگا نا؟'' وہ مزید اس کی مصروفیت کے متعلق پوچھنے لگا۔

''اسے کیا کام ہوگا' اگر چلا جائے تو اچھا ہے۔'' عبدالعزیز اس کی نالائقی پر طنز کرتے ہوئے بولے

''میں بھی چلا جاؤں گا ساتھ ذیشان کو اتنا پتہ نہیں۔'' ذیشان مسلسل خاموش تھا تو جمال بھی بولنے لگا۔

''نہیں میں اکیلا ہی جاؤں گا۔ کوئی چھوٹا بچہ نہیں ہوں کہ کچھ پتہ نہیں چلے گا۔'' ذیشان قدرے تیکھے لہجے میں بولا۔

''ٹھیک ہے کاشان پھر تم اپنے کام کر لو گوجرنوالہ ذیشان چلا جائے گا۔'' عبدالعزیز نے گویا بات ختم کر دی۔

''میں گھر جا رہا ہوں کاشان تم میرے ساتھ چلو تمہاری اماں بی نے کہا تھا کچھ سامان لانا ہے تو میری مدد کر دینا۔ دکان کا کام اب ذیشان اور جمال دیکھ لیں گے۔'' عبدالعزیز نے اٹھتے ہوئے کہا۔ تو کاشان نے ان کی تقلید کی۔

''لعنت ہے۔'' ان کے جاتے ہی ذیشان نے ہاتھ میں پکڑا کپڑے کا تھان زمین پر پٹخا اور انتہائی تلخی سے بولا جمال نے چونک کر اسے دیکھا۔

''نوکروں والا سلوک۔ حکم نامہ جاری..... اور ذلت۔'' وہ بے تحاشہ غصے میں بولا تھا۔

''ذیشان؟ کیا ہو گیا ہے۔'' جمال نے متعجب نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''تم نے دیکھا ان کا انداز؟ پوچھا انہوں نے کاشان سے ایسا کیا ضروری کام ہے جس کو وہ چھوڑ نہیں سکتا؟ نہیں نا..... کیونکہ وہ ذیشان نہیں ہے۔ اگر یہی بات ذیشان کرتا تو گستاخی کہلاتی۔ بے ادبی ہوتی' بدتمیزی اور نجانے کیا' کیا کہہ کر سو جوتیاں سر پر ماری جاتیں۔'' ذیشان پھر سے جل کڑ رہا تھا۔ انتہائی غصے سے کہنے لگا۔

''تم خوامخواہ اپنا دل برا کر رہے ہو ذیشان۔'' جمال نے اسے تسلی دینی چاہی۔

''کاشان پچھلے کتنے ہی دنوں سے مسلسل دکان کا کام کر رہا ہے۔'' جمال اس کے خطرناک تیوروں کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''تم چھوڑو کاشان کو' تم نے جس کام کا تہیہ کیا ہے اس کو پورا کرو' کاشان نے محنت کی تو عبدالعزیز کی نظروں میں قابل بن گیا' مسلسل کوششیں ہی کامیابی سے نوازتی ہیں۔'' جمال نے اسے حقیقت سے روشناس کراتے ہوئے اپنے آپ کو نرم رکھنے کا مشورہ دیا۔ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتا ذیشان اب خاموش ہو گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

وہ ان کے ہمراہ چلا جا رہا تھا' بار بار بجتے موبائل کی بالآخر اس نے آواز دبا دی' عبدالعزیز کے گاڑی میں بیٹھتے ہی موبائل کی اسکرین پر پھر ایک نمبر فلیش ہونے لگا تھا' وہ جانتا تھا کال ریسیو کرنے پر وہ اس قابل نہیں رہے گا کہ عبدالعزیز کے سامنے کوئی بات کہہ سکے۔

''ابا جی آپ بیٹھیں گاڑی میں' میں آتا ہوں۔'' عبدالعزیز گاڑی میں بیٹھے تو کاشان نے عجلت میں کہہ کر ڈرائیونگ سیٹ والا دروازہ بند کر کے خود باہر کھڑا ہو کر کال کرنے لگا۔

''میں ابھی بہت مصروف ہوں کچھ دیر بعد کال کرتا ہوں۔'' جیسے ہی کال ریسیو کی گئی کاشان نے ایک لمحہ بھی ضائع کیے بنا کہا اور قدرے مطمئن انداز میں گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا۔

''کس کو فون کر رہے تھے؟'' عبدالعزیز نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''وہ..... ابا جی.....'' ایک پل کو وہ بوکھلایا تھا۔

''کچھ دوست مل بیٹھے ہیں تو مجھے بھی بلا رہے ہیں۔'' کاشان نے کنکھیوں سے انھیں دیکھ کر کہا۔

''ہاں تو جاؤ کیا مسئلہ ہے؟'' عبدالعزیز خوش دلی سے بولے۔

''ابا جی وہ کچھ دن کے لیے آؤٹنگ پر جانے کا کہہ رہے ہیں۔'' کاشان نے اپنی خواہش کو ان کی مرضی کا تابع کیا۔

''ہاں تو ٹھیک ہے تم ہو آؤ' ذیشان گوجرنوالہ جا رہا ہے اور میرے ساتھ جمال ہے۔ تم فکر نہ کرو سنگی ساتھی بھی ضروری

Pakistanipoint

ہوتے ہیں۔'' عبدالعزیز نے نہایت خوش دلی سے اسے اجازت دی۔

''ابا جی آپ ذیشان سے ناراض نہ ہوا کریں۔'' دلی مسرت کو پسِ پشت ڈال کر کاشان نے ذیشان کا دفاع کر کے عبدالعزیز کی نظروں میں اپنا مقام مزید بلند کیا۔

''میں اس سے ناراض نہیں' بے زار ہوں' کاش اس میں بھی تمہارے جیسی سمجھ بوجھ ہوتی۔ ہو تو تم دونوں ایک جیسے لیکن مزاج میں زمین آسمان کا فرق تم دونوں کی پہچان خوب کروا دیتا ہے۔'' عبدالعزیز نے کہا تو کاشان خاموشی سے انھیں دیکھ کر دوبارہ ڈرائیونگ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

.....☆☆.....

''کاشان صاحب۔'' نسوانی آواز پر وہ یک دم اٹھ بیٹھا تھا۔

''آ.....آپ کون.....؟''

''وہی جس کو آپ اپنی مردانہ وجاہت اور دل نشیں انداز سے گھائل کر کے لاپتہ ہو گئے ہیں۔'' دل ربا مدھر ہنسی اور دلکش گمبھیر لہجہ ان کی سماعت سے ٹکرایا تھا۔

''مہرورانی۔'' وہ زیرِ لب بڑبڑائے۔

''گویا آپ مانتے ہیں کہ گھائل ہونے والی مہرورانی ہی ہے۔'' مہرورانی کے لہجے کا خمار انھیں سٹپٹانے پر مجبور کر گیا۔

''آپ ہمیں خوش فہمیوں میں مبتلا کر رہی ہیں۔'' ادھر سے بھی ادائیں دکھائی گئیں۔

''آپ کا شمار خوش قسمتوں میں ہونے لگا ہے کاشان بابو۔'' مہرورانی نے اک انداز سے بالوں کو جھٹک کر پیچھے کیا تھا۔

''آپ مجھے نہیں پھنسا سکتیں۔''

''ہاہاہا..... کاشان بابو دور بیٹھ کر دعوے کرنا آسان ہے۔'' اس چیلنج پر وہ چونکے تھے۔

''رانی محل آپ کا منتظر ہے۔'' مہرورانی انھیں خود دعوت دے رہی تھی۔

''صرف رانی محل؟'' وہ ہولے سے ہنسے تھے۔

''ہمارا تو انگ انگ آپ کی راہ تک رہا ہے۔ بس اب آپ آ جائیں۔'' مہرورانی نے تو حد کر دی تھی بے قراریوں کو بھی بازاری انداز میں عیاں کیا۔

''اس ذرہ نوازی کی کوئی خاص وجہ؟'' کاشان عزیز نے ان کی بات کا لطف لیتے ہوئے پوچھا۔

''رانی محل میں ہر سال بہار کو خوش آمدید کہا جاتا ہے' اسی سلسلے کا آغاز ہونے جا رہا ہے چند قدر دانوں کو ہم نے خاص طور پر مدعو کیا ہے'' مہرورانی اپنے قاتلانہ لب و لہجے سے انھیں اسیر کرنے کے درپے تھیں۔

''تو اس کا مطلب یہ کرم صرف ہم پر نہیں۔'' ان کے لہجے میں ایک شکایت کا عنصر نمایاں تھا۔

''نہیں سرکار۔ یہ کرم تو صرف آپ پر ہی ہے' مہرورانی ہر ایرے غیرے کو اپنی صحبت سے نہیں نوازا کرتی۔'' مہرورانی کے لہجے میں ایک غرور تھا'

''اچھا مان لیتے ہیں۔'' ان کا انداز جان چھڑانے والا تھا۔

''کاشان بابو آپ کی ادائیں ہمارے دل کو بھا گئیں' رانی محل کے در و دیوار آپ کا پوچھتے ہیں تو ہم بھی آپ ہی کے منتظر ہیں۔ آپ آ رہے ہیں نا؟'' مہرورانی کو لفظوں کے کھیل پر بھی مہارت حاصل تھی اور پھر جب لفظوں میں جذبات بھی مچل رہے ہوں تو کون بدذوق ہو گا جس کا دل نہ دھڑکے گا۔

''آپ بلائیں اور ہم نہ آئیں۔ ایسے تو حالات نہیں۔'' کاشان عزیز کے تصور میں دو سہمی نگاہوں نے ان کے اندر ایک ہلچل مچائی تو وہ مہرورانی کی پکار کو رد نہ کر سکے۔

''بھرم قائم رکھنے کا شکریہ۔ ہم منتظر ہیں۔'' مہرورانی نے کہا اور فون بند کر دیا جبکہ وہ سوچ میں ڈوب گئے۔

کتنے کام ابھی باقی تھے' وقت تیزی سے گزر رہا تھا اور رانی محل میں ابھی تک بہت سارا سامان بکھرا پڑا تھا۔ مہرورانی کا حکم تھا نگینہ اور کومل پر سب سے زیادہ ذمہ داریاں تھیں' کہکشاں اور لیلیٰ تو مہارانیاں بنی بیٹھی تھیں' اپنے بناؤ سنگھار کے سوا دوسرا کوئی کام ان کے ذمے نہ تھا' ان کی دیکھا دیکھی دوسری لڑکیاں بھی اپنے آپ کو بڑی ہی شے سمجھنے لگی تھیں' کومل بھاگ بھاگ کر مہرورانی کے حکم کی تعمیل کیے جا رہی تھی' اس کا مقصد ہی اور تھا اس کو کہکشاں اور لیلیٰ کے مقام تک پہنچنا تھا اور اس کے لیے اس کا مہرورانی کی نظروں میں جچنا ضروری تھا' اپنی اداؤں اور بناؤ سنگھار پر خاص توجہ دینا اور پھر ہر کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا کومل کا ان دنوں کا معمول

تھا' جبکہ نگینہ اپنے مخصوص انداز میں اپنے حصے کا کام کیے جا رہی تھی اس کے دل میں کوئی لالچ تھی نہ کسی مقام پر پہنچنے کی چاہا' ایک گہری سوچ مسلسل اس کے چہرے پر پھیلی تھی' وہ معصومہ کی مدد کے لیے کسی خاص موقع کی تلاش میں تھی اور معصومہ پل پل مر رہی تھی' ان سب کی تیاریاں اسے ہولا رہی تھیں' مسلسل استغفار کے ورد کے باوجود تاحال اسے ہر طرف اندھیرے بکھرے دکھائی دے رہے تھے۔

''نگینہ میرا دم گھٹ رہا ہے۔'' کومل کی تیاری دیکھ کر معصومہ نے کچھ فاصلے پر بیٹھی گلاب کے پھولوں کے گجرے بناتی نگینہ سے کہا۔

''تمہیں ہمت و حوصلے سے مقابلہ کرنا ہوگا' بس کمزور نہیں پڑنا۔ تمہارا اللہ تمہارے ساتھ ہے۔'' نگینہ نے مدھم آواز میں کہا۔

''اللہ صرف میرا نہیں ہم سب کا ہے' وہ ہمیں ستر ماؤں سے بڑھ کر چاہنے والا ہے' ہمیں آزماتا ہے لیکن پھر مشکلوں سے نکالنے کے وسیلے بھی وہی بناتا ہے۔'' معصومہ قدرے مضبوط لہجے میں بولی۔

''تو پھر دم کیوں گھٹ رہا ہے؟ تمہیں شکر ادا کرنا چاہیے کہ تمہیں بچانے کے لیے میں موجود ہوں' اس سے بڑھ کر تمہیں اس بات کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ تمہیں اللہ نے یہ سمجھ دی ہے تم غلاظت کو پہچان سکتی ہو' یہ محسوس کر سکو کہ غلط کیا ہے اور صحیح کیا' گناہ کو پہچان کر استغفار پڑھ سکو ورنہ یہاں ایسے بدبخت لوگ بھی ہیں جنہیں اندازہ نہیں وہ کیسی پستیوں کی طرف سفر کر رہے ہیں جو خود اپنی راہوں میں انگارے بچھا رہے ہیں۔'' نگینہ نے کومل کی طرف اشارہ کیا جو ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی اپنے بالوں کو سیٹ کر رہی تھی' گہری ریڈ لپ سٹک' میک اپ' مسکارا سے سجی آنکھوں میں کاجل کی موٹی تہہ' شیشوں کی فٹنگ والی قمیض کے ساتھ تنگ چوڑی دار پاجامہ' اب وہ بالوں کو سیٹ کرنے میں لگی تھی۔ معصومہ نے ذرا کی ذرا نظر اٹھا کر کومل کو دیکھا اور پھر نگاہیں پھیر لیں۔

''تم ان گلابوں کی پتیاں اتار کر اس تھال میں رکھ دو' پھر تیار کرتی ہوں تمہیں تب تک میں ذرا ایک دو کام نپٹا لوں۔'' نگینہ نے پہلی بار معصومہ کے ذمے ایک کام لگایا' اس نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

''مجھے پھولوں کو مسلنے سے خوف آتا ہے۔'' معصومہ انتہائی بے بسی سے گویا ہوئی۔

''آرام سے اتارنا' یہ پنکھڑیاں بہت نازک ہوتی ہیں۔'' نگینہ نے گہری مسکراہٹ کے ساتھ آنکھ کا کونا دبا کر کہا تو معصومہ اس کے ذومعنی جملے کو نظرانداز کر کے کانپتے ہاتھوں سے ایک تھال میں رکھے گلاب کے پھولوں کی پتیاں اتار اتار کر دوسرے تھال میں رکھنے لگی۔ نگینہ نے اسے کام کرتے دیکھا۔

''کومل تم اب اپنی تیاری کو بس کر دو' بہت زیادہ تیاری بھی کشش کھو دیتی ہے۔ مہرو رانی نے بلایا تھا تو چلو اب دیکھ آئیں وہاں کی تیاریاں کہاں تک پہنچی ہیں' شام تک سب آنا شروع ہو جائیں گے تو پھر کوئی افراتفری نہ پڑ جائے۔'' نگینہ نے تیار کیے گئے گجرے دونوں کلائیوں میں پہنے' کچھ پھول بالوں میں سجائے اور کومل کی نہ ختم ہونے والی تیاری کو تنقیدی نظروں سے دیکھ کر کہا۔

''بس ہو گیا چلیں اب۔'' دوسرے ہی لمحے کومل نے بالوں کو کمر پر پھیلا کر مسکرا کر کہا۔ اس کے گھومنے سے اس کی کلائیوں کی چوڑیوں کی کھنک پر معصومہ نے بھی اسے دیکھا۔

''کیسی لگ رہی ہوں؟'' کومل بل کھا کر دائیں پاؤں میں پہنے گھنگرو کو بائیں پاؤں سے چھیڑتے ہوئے عامیانہ انداز میں ان دونوں سے دریافت کیا۔

''اچھی لگ رہی ہو۔'' نگینہ نے گہری سانس خارج کی۔ اس کی عمر اتنی بے باکی کی نہ تھی لیکن.....

''دل دھڑکانے والی اچھی؟'' کومل نے نگینہ کی طرف بڑھ کر کھلکھلا کر اس سے پوچھا۔ اس نے حسمگین نگاہوں سے اسے دیکھ کر بنا کچھ کہے باہر کی جانب پیش قدمی کی۔ معصومہ نے گلابوں کی پتیوں کو الگ کر کے تھال میں رکھنے لگی تھی۔ کتنی ہی دیر گزر گئی۔

''معصومہ۔ چلو اب تم بھی تیار ہو جاؤ' باقی سب تیار ہیں پھر ہمیں ہال میں جانا ہوگا۔'' نگینہ کی آواز نے اسے چونکایا تھا' یک دم ہی اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑتی محسوس ہونے لگی تھیں۔

''نگینہ میں نے نہیں جانا۔'' وہ رونی صورت کے ساتھ منت بھرے لہجے میں بولی۔ نگینہ نے گہری سنجیدگی

PakistaniPoint

سے اسے دیکھا تھا۔

''جانا تو پڑے گا۔ اس میں کوئی رعایت نہیں' تم صرف یہ کاجل لگالو۔ اس سے زیادہ تیاری کی تمہیں ضرورت نہیں۔''

نگینہ نے کاجل پینسل اس کی طرف بڑھا کر کہا۔

نہ چاہتے ہوئے بھی اسے ایسا کرنا پڑا جس کا اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا' قہقہے' ہنسی' بے سرو پا ذو معنی باتوں کا تبادلہ' واہ واہ کی گردان' گھنگرو کی جھنکار' گلابوں کی مہکار' حسیناؤں کی بے باک اداؤں اور رئیس زادوں کی للچائی نگاہوں اور اوچھے انداز میں سراہنا معصومہ کا دم گھٹنے لگا تھا' سرتاپیر اپنے آپ کو اپنی چادر میں لپٹائے' سر جھکائے' خوف و دہشت سے کانپتی معصومہ رحمان بھی اس عجیب ماحول کا حصہ تھی' ایک بار نظر اٹھی تو دوبارہ نگاہیں اٹھانا محال ہوگیا۔

''دل چیز کیا آپ میری جان لیجیے' بس ایک بار میرا کہا مان لیجیے۔''

طبلے کی تھاپ کے ساتھ سارنگی کے ساز کو ملایا گیا تو گھنگرو کی جھنکار پر اس نے سر اٹھایا' سریلی آواز اور زیورات سے مزین محفل سجانے والی وہ شمسہ گلناز تھی اور اپنا تعارف ''امراؤ جان'' کے نام سے کرواتی تھی۔ محفل سج چکی تھی ایک طرف مہرورانی اپنے مخصوص تخت پر کسی ملکہ کی سی شان کے ساتھ براجمان تھیں' ان کے آس پاس منچلوں کی آنکھوں میں بہت سی خواہشیں مچل رہی تھیں' کسی نے مہرورانی کے ہاتھوں کو تھام رکھا تھا تو کوئی قدم بوسی میں مشغول تھے' معصومہ کے لیے ایسے مناظر دیکھنا ایک انتہائی کٹھن اور کراہت آمیز مرحلہ تھا' کتنی ہی نگاہیں اس نے اپنے آپ پر مرکوز پائی تھیں' نگینہ اور کومل پان کے سجے تھال کو تھامے دھیمے دھیمے قدم اٹھاتی سب کو پان پیش کرنے لگی تھی' وہاں موجود ہر شخص عیاشی کا مدعا تھا' پان اٹھاتے اور ایک ذو معنی جملہ' ان کے بالوں پر سجے گجروں' کلائیوں پر کھنکتی چوڑیوں' اور مہندی سے رنگے پاؤں پر چھن چھن کرتے گھنگرو سے چھیڑ خانی کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ نگینہ نے کنکھیوں سے معصومہ کو دیکھا جو پسینے سے شرابور' زرد رنگت' ہلتے لبوں کے ساتھ وہاں براجمان تھی' آنکھوں میں بلا کا خوف اور چہرے پر اڑتی ہوائیاں نگینہ اس کی حالت پر فکر مند ہونے لگی۔

''اس انجمن میں آپ کو' آنا ہے بار بار' دیوار و در کو غور سے پہچان لیجیے۔'' اس سے پہلے کے نگینہ معصومہ رحمان کی جانب بڑھتی' رانی محل کی آج کی محفل میں اک انہونی ہوگئی' وہاں موجود اس محفل کی رنگینوں میں مگن ہر اک نفوس اب حیرت سے آنکھیں پھاڑے ایک اور ابھرتی آواز اور تھرکتے وجود کو دیکھ رہی تھیں' یہ مہرورانی تھی جنہوں نے اپنے اصولوں کے خلاف رانی محل کی امراؤ جان کے ساتھ اس رقص سے تال ملائی تھی' واہ واہ کی آواز اس پل رانی محل کے در و دیوار میں گونج اٹھی' اس چھت تلے موجود ہر عیاش لپک لپک کر انھیں چھونے کے لیے مچل اٹھا تھا۔

''آپ کے واسطے ہم اصول توڑ سکتے ہیں۔'' انھی اداؤں اور جھنکار کے ساتھ مہرورانی اس سرکل کو توڑ کر اسی لمحے اس ہال میں داخل ہونے والے شخص کی جانب بڑھی تو سب نے ان کے قدموں کی سمت نگاہیں ڈورائیں۔

''کاشان عزیز۔'' ان کی پچھلی ملاقات کا حوالہ وہاں موجود بہت سے لوگوں کو ازبر تھا' ان کو دیکھتے ہی زیر لب ان کے نام کو دہرایا گیا۔ معصومہ کی سماعت میں بھی یہ نام گونجا' گو کہ وہ آشنا نہ تھی لیکن ویلوٹ کے پردے کے جھروکوں سے دکھائی دینے والا عکس اور سماعتوں سے ٹکرانے والا بے باک اور عریاں لہجہ اسے اکیلے میں بھی خوفزدہ کردیا کرتا تھا' اب وہ سراپا اس کے سامنے موجود تھا۔

''آپیے سرکار۔ ہم آپ ہی کے منتظر تھے۔'' بھری محفل میں مہرورانی کا کاشان عزیز کی طرف جھکاؤ ان کے جان نثاروں پر کسی بم کی مانند آگرا۔ جہاں موڈ بدلے وہاں تیور بھی بگڑنے لگے تھے' برسوں سے اس حسن سے دو آشتہ ہونے والے دو ملاقاتوں کے عاشق کو کیسے بازی جیت لینے دیتے۔

''اس عزت افزائی کے لیے ممنون ہوں۔'' کاشان عزیز نے جھک کر آداب عرض کیا۔ محفل پر لمحہ بھر اک سناٹا انھیں اپنی آمد پر دیگر مدعوین کی ناگواریت سے خوب آشنا کرا گیا تھا' مہرورانی کا جھکاؤ کاشان عزیز کے لیے شہ اور مات کے جیسے تھا۔ مہرورانی ان کی بانہوں میں بانھیں ڈالے آگے بڑھی وہ بھی سرتانے ان کے ہمراہ چل پڑے تھے' یک دم وہ ٹھٹک گئے' نظریں اس سہمی ہرنی پر جا ٹھہری تھیں قدم تو جامد ہوئے تھے نگاہیں بھی پلٹنا بھول گئی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

''آپ نے اس پر بھروسہ کرکے بہت اچھا کیا ہے۔''

ایک خوشی ایمن بی کے چہرے پر جھلک رہی تھی' عبدالعزیز نے انھیں دیکھا کف لنک کو اتار کر آستین فولڈ کیں اور گہری سانس خارج کی۔

''میں نے تو اچھا کیا اب اللہ کرے وہ بھی اچھا کر دے۔'' عبدالعزیز اپنی مخصوص جگہ پر براجمان ہوئے۔

''اچھا ہی کرے گا۔ جب اسے یقین آ جائے گا کہ آپ اس پر اعتبار کر رہے ہیں تو وہ بھی سدھر جائے گا۔ دل کا برا نہیں ہے ضدی ہے اور.....''

''اس کی ضد اور ہٹ دھرمی ہی تو اسے لے ڈوبی ہے۔'' عبدالعزیز نے بے یقینی سے ایمن بی کو دیکھ کر قدرے کرختگی سے کہا۔

''ذیشان کی ضد اور ہٹ دھرمی کے ذمے دار بھی ہم ہی ہیں۔'' ایمن بی کہنا تو چاہتی تھیں کہ صرف آپ ذمہ دار ہیں لیکن مصلحت کے تحت اپنا آپ بھی شامل کیا۔

''ذیشان کو کبھی وہ اہمیت نہ دی جو کاشان کے حصے میں آئی ہے' کاشان کی شرارت پر ذیشان سے باز پرس کی گئی' ذیشان کے اچھے کام پر کاشان کو سراہا گیا۔ بے شک ہم سے انجانے میں ہوتا رہا سب لیکن وہ تو نہیں سمجھتا نا۔ اس کی نظر میں تو یہ ناانصافی ہے۔'' ایمن بی دھیمے لہجے میں عبدالعزیز کو بتا رہی تھیں۔

''میں نے کبھی دونوں میں فرق نہیں کیا۔ کاشان محنتی ہے اور محنت کا پھل ملتا ہے' اگر ذیشان کوئی اچھا کام کرتا ہے تو اس کو بھی سراہا جائے گا لیکن اس نے ہمیشہ ضد اور نافرمانی ہی کی ہے۔'' وہ سنجیدگی سے گویا ہوئے۔

''ذیشان سے بات ہوئی ہے؟ جس کام سے گیا ہے کیا سمجھ گیا تھا؟؟'' ایمن بی نے مزید اس کے متعلق کوئی بات کہنا مناسب نہ سمجھا۔

''ہاں ابھی تھوڑی دیر میں اس کا فون آیا تھا کہ پہنچ گیا ہے' اور انصاری ٹیکسٹائل میں بات چیت ہو گئی ہے۔'' عبدالعزیز نے نیم دراز ہوتے ہوئے بتایا۔ ایمن بی نے بے اختیار شکر کا کلمہ پڑھا۔

''میری بھی بات کروا دیں۔'' ایمن بی نے فرمائش کی۔

''اس نے کہا تھا ابھی سونے لگا ہے' جب جاگے گا تو بات کر لینا۔''

''اور کاشان سے بات ہوئی؟'' ایمن بی نے کاشان کا پوچھا تو وہ چونکے۔

''نہیں اس کا فون نہیں آیا' وہ دوستوں کے ساتھ ہو گا تو خود کر لے گا۔'' عبدالعزیز نے بتایا۔

''اچھا آپ آرام کریں میں چائے لاتی ہوں۔'' ایمن بی نے کہا تو آنکھیں موندتے ہوئے عبدالعزیز نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ باہر نکل گئی۔

ایمن بی خوش تھیں' ماں تھیں اور ماں کا دل اولاد کے معاملے میں بہت حساس ہوتا ہے' اس کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ اولاد کو ہر ایک کی نظر میں بلند مقام ملے' خاص طور پر باپ کی نظر میں ایک ماں اپنی اولاد کو ہمیشہ اعلیٰ مقام پر دیکھنا چاہتی ہے' وہ مطمئن تھی کہ عبدالعزیز نے ذیشان پر تھوڑا سا ہی سہی بھروسہ تو کیا' ذیشان بھی شاید عبدالعزیز کو مزید تنگ کرنے کا ارادہ ترک کرنے کا عہد کرنے لگا تھا۔ ایمن بی دل سے اس کے لیے دعا مانگتی کچن کی جانب بڑھ رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

مہرورانی نے متغیر و متعجب نظروں سے کاشان عزیز کو دیکھا اور پھر ان کی نگاہوں کا تعاقب کیا۔ ان کی نظریں سمٹی سمٹائی معصومہ رحمان پر جا ٹھہری۔ کاشان عزیز کی پرشوق نگاہیں مہرورانی کو انتہائی گراں گزرنے لگی تھیں' نگینہ نے معصومہ کو دیکھا' کاشان عزیز کی اس پر مرکوز نگاہ شوق نے نگینہ کو ایک مسرت سے دوچار کیا تھا۔ اس نے مہرورانی کو دیکھا جن کی نظروں میں معصومہ کو منظر سے ہٹائے جانے کا واضح پیغام تھا۔ اس سے پہلے کہ نگینہ اس کی جانب بڑھتی ایک لمحے میں معصومہ وہاں سے اٹھی اور تقریباً بھاگتی ہوئی وہاں سے نکلتی چلی گئی' یک دم ہی سب کی نظریں اس لہراتے آنچل پر پڑیں' کاشان عزیز کے قدم اس جانب اٹھے لیکن مہرورانی کے ہاتھ کی گرفت پر رکنا پڑا۔

''مہرورانی۔ آپ کے محل کی یہ آنکھیں اپنے سحر میں جکڑنے کا ہنر رکھتی ہیں۔'' دلنشیں مسکراہٹ چہرے پر سجا کر انہوں نے سر گھما کر مہرورانی کی جانب ذرا سا جھک کر سرگوشی کی۔ مہرو نے ابرو اچکا کر کاشان کو دیکھا۔

''آپ ہماری توہین کر رہے ہیں کاشان بابو۔'' مہرو رانی برا مناتے ہوئے بولی

''گستاخی معاف۔ آپ تو سراپا کمال ہیں بھلا ان

Pakistanipoint

نگاہوں کا آپ سے کیا مقابلہ۔'' کاشان عزیز نے ان کے جھمکے کو چھیڑتے ہوئے کہا۔

''باتیں بنانا تو کوئی آپ سے سیکھے۔'' مہرورانی نے پھر اداؤں کا سہارا لیا' کاشان عزیز اب متوجہ نہ تھے' ان کا قرار تو وہ نگاہیں لوٹ کر لے گئی تھیں'

''آپ تشریف رکھیں۔'' مہرورانی یوں بچھی جا رہی تھیں جیسے وہاں کوئی اور موجود نہیں'

''اگر ہمارے بیٹھنے کا انتظام کہیں اور ہو جائے تو؟''

کاشان عزیز کا لہجہ ہی نہیں اشارے بھی معنی خیز تھے۔

''وہ بھی ہو جائے گا پہلے ہمیں تو سیراب ہونے دیں۔''

لہجے کی معنی خیزی تو مہرورانی کی بھی کمال کی تھی' کاشان عزیز نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر ان کی پیش کردہ نشست پر براجمان ہو گئے اور امراؤ جان کے رقص سے لطف لینے لگا' جبکہ مہرورانی کے اندر پھپھولے پھوٹنے لگے تھے' معصومہ کا تصور ہی ان کا حلق کڑوا کر رہا تھا' ایک بار وہ ان کے سامنے بول کر اپنا آپ ان کی نظروں میں گرا چکی تھی اور پھر کاشان کا اس کی طرف رجحان ان سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

ایسا پہلے کب ہوا تھا؟ کب وہاں آنے والے عاشقوں نے مہرورانی کے علاوہ کسی کو ایسی گہری نظروں سے دیکھا تھا؟ جالانکہ کہکشاں' لیلیٰ' کومل' نگینہ اور شمسہ دلنواز بھی سراپا حسن تھیں' اداؤں سے گھائل کرنے کے ہنر سے مالا مال' لیکن جو بات مہرورانی کی تھی وہ کسی دوسری میں کہاں؟ کاشان عزیز کی معصومہ کی طرف اٹھتی نگاہوں میں اک ایسی چمک تھی کہ مہرورانی گھبرانے لگی' نگینہ نے بخوبی کاشان عزیز کی توجہ بھی بخوبی محسوس کی تھی۔

''کک..... کون ہے.....؟'' ہلکی دستک پر اس کی گھگھیائی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تو اسے یہ اندازہ لگانے میں اک پل بھی نہ لگا کہ وہ رو رہی ہے۔

''میں ہوں نگینہ' دروازہ کھولو۔'' نگینہ کی نرم آواز پر اندر آنسوؤں کی بارش میں بھیگتی معصومہ نے اپنی چادر سے آنکھوں کو رگڑا اور انتہائی بے دلی سے دروازہ کھول دیا'

''مہرورانی آپ.....؟'' اس سے پہلے کے نگینہ اندر قدم رکھتی مہرورانی اس کے پاس آ کھڑی ہوئی' نگینہ نے گھبرا کر انھیں دیکھا مہرورانی کے چہرے پر ایک بہت تلخ مسکراہٹ تھی نگینہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے اندر دھکا دیا حملہ ایسا

> مرحلے شوق کے دشوار ہوا کرتے ہیں
> سائے بھی راہ کی دیوار ہوا کرتے ہیں
> وہ جو سچ بولتے رہنے کی قسم کھاتے ہیں
> وہ عدالت میں گنہگار ہوا کرتے ہیں
> صرف ہاتھوں کو نہ دیکھو کبھی آنکھیں بھی پڑھو
> کچھ سوالی بڑے خود دار ہوا کرتے ہیں
> وہ جو پتھر یونہی رستے میں پڑے رہتے ہیں
> اُن کے سینے میں بھی شہکار ہوا کرتے ہیں
> صبح کی پہلی کرن جن کو زلا دیتی ہے،
> وہ ستاروں کے عزا دار ہوا کرتے ہیں
> جن کی آنکھوں میں سدا پیاس کے صحرا چمکیں
> در حقیقت وہی فنکار ہوا کرتے ہیں
> شرم آتی ہے کہ دشمن کسے سمجھیں محسن
> دشمنی کے بھی تو معیار ہوا کرتے ہیں
>
> شاعر: محسن نقوی
>
> انتخاب: ثمرین شاہد..... کراچی

اچانک تھا کہ وہ بمشکل گرتے گرتے خود کو سنبھال سکی' معصومہ کو پیچھے دھکیلتی اندر بڑھ کر دروازہ بند کر دیا۔

''میں نے کہا تھا اس کو تیار کر کے لانا ہے' رانی محل کی شام تمہاری بدولت برباد ہو رہی ہے۔'' مہرورانی اب جارحانہ انداز میں نگینہ کی طرف بڑھی اور قہر آلود لب لہجے میں اس سے مخاطب ہوئیں۔

''اور میں نے.....''

''اس میں نگینہ کا قصور نہیں میں نے ہی کہا تھا مجھے تیار نہیں ہونا' مجھے نہیں بننا آپ لوگوں جیسا' مجھے اپنی نمائش نہیں کروانی۔'' معصومہ میں نجانے کہاں سے ہمت آئی تھی کہ وہ مہرورانی اور نگینہ کے درمیان آ کھڑی ہوئی اور بنا کسی لحاظ کے چلائی۔

''تمہاری ہمت کیسے ہوئی' مہرورانی کی بات کاٹنے کی؟ اوقات کیا ہے تمہاری؟ مت بھولو لڑکی کہ دام دیے ہیں' میں نے خریدا ہے تمہیں۔'' ایک زناٹے دار طمانچے کے ساتھ مہرورانی چلائی تھیں' نگینہ آنکھیں پھاڑے انھیں دیکھے گئی' آج سے پہلے مہرورانی نے رانی محل کی کسی لڑکی کے ساتھ زور زبردستی نہیں کی تھی' اس کی طرف اٹھنے والی

PakistaniPoint

نگاہوں کو ہمیشہ اوجھل رکھا تھا' لیکن یہ کیسی انہونی تھی؟ اس کی خوبصورتی پر مہرورانی کا حسد انتہاؤں کو چھونے لگا تھا۔ ان سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

''طوائف کے ایسے تیور نہیں ہوا کرتے۔ اسے اجازت نہیں ہوتی کہ وہ اپنی مرضیاں چلا سکے۔'' مہرورانی عالم طیش میں اس کی جانب بڑھی اس کی ٹھوڑی کو پکڑ کر اسے باز رکھنے کی سعی کی۔ نگینہ کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا اسے کیا کرنا چاہیے' معصومہ اب خاموش تھی لیکن اس کا رواں رواں کانپ رہا تھا۔

''کیا ہو گیا مہرورانی؟'' نگینہ نے انھیں دیکھ کر دھیمی آواز میں دریافت کرنا چاہا۔

''اسے تیار کرو۔ کاشان عزیز اس سے ملنا چاہتے ہیں۔'' مہرورانی نے پل کے پل فیصلہ کیا تھا۔

''مہرورانی یہاں کا تو یہ قانون نہیں ہے۔'' ان کے حکم پر نگینہ بھی کانپ کر رہ گئی۔

''اس نے خود یہاں کے قانون توڑے ہیں۔ یہ بھول گئی ہے کہ طوائف کی اوقات کیا ہوتی ہے۔'' مہرورانی حسد اور رقابت کی آگ میں جل کر اپنے ہی بنائے ہوئے اصولوں کے خلاف ہو رہی تھیں۔

''میں طوائف نہیں ہوں۔ نہ ہی میں کسی نامحرم کے سامنے ایسے جاؤں گی۔'' معصومہ چلائی تھی۔

''رانی محل سے باہر تمہارا ہمیشہ یہی تعارف رہے گا۔ طوائف ہو تم۔ عزت کے قابل نہیں ہو اور جب وہ سامنے آئے گا تو نامحرم نہیں رہے گا۔'' مہرورانی نے قہقہہ لگا کر اسے خوفزدہ کرنا چاہا اور کامیاب بھی ہو گئی۔

''مہرورانی۔'' معصومہ چلائی۔ نگینہ مہرورانی کے تیوروں کو جانچ رہی تھی اس لیے خاموش تھی۔

''مہرورانی آپ جائیں باہر محفل میں سب آپ کا انتظار کر رہے ہوں گے میں اسے دیکھتی ہوں۔'' یک دم ہی نگینہ نے معصومہ کے قریب ہو کر کہا۔ مہرو نے اسے دیکھا۔

''اب کوئی کوتاہی ہوئی تو یاد رکھنا مہرورانی تمہیں بھی اس کے ساتھ زندہ درگور کر دیں گی۔'' مہرورانی کا یہ روپ نہایت گھناؤنا تھا۔ نگینہ نے اثبات میں سر ہلایا مہرورانی نے ایک قہر آلود نگاہ معصومہ پر ڈالی' اپنا پلو سنبھالا' چہرے کے زاویے درست کیے' اپنی مخصوص دلکش مسکراہٹ سے اپنا حسن نکھارا اور باہر نکل گئی۔

''میں ایسا کچھ نہیں کروں گی۔'' معصومہ نے نگینہ کا ہاتھ جھٹک کر انتہائی نفرت کا مظاہرہ کیا تھا۔

''دیکھو معصومہ۔''

''نہیں نگینہ آپ دیکھیں۔ خدا کا واسطہ ہے نگینہ مجھے مار دیں۔'' معصومہ ہذیانی انداز میں اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اپنی گردن پر رکھے اور چلائی۔

''دیکھو معصومہ یہ کسی قسم کے جوش کا نہیں ہوش میں رہنے کا وقت ہے' تمہیں بھی خدا کا واسطہ ہے بھروسہ کرو اپنی دعاؤں پر اور تھوڑا سا مجھ پر بھی۔'' نگینہ اس کے مقابلے میں بہت حوصلے میں تھی۔

''ہمیں ایک رسک لینا ہوگا۔'' نگینہ پرسوچ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

''کاشان عزیز کی دلچسپی تم میں' میں دیکھ چکی ہوں' اگر تم نے رانی محل سے نکلنا ہے تو کاشان عزیز سے ملاقات کرنی ہوگی اور ان سے ملاقات کا یہی راستہ ہے۔'' معصومہ کی استہزائیہ نظروں پر نگینہ نے اپنی سوچ کو عیاں کیا' معصومہ کے چہرے پر کئی رنگ آ کر گزر گئے' نگینہ کی بات پر اس کی زبان گنگ ہو چکی تھی۔

''میں جانتی ہوں یہ مشکل ہے اور شاید ایک غلط طریقہ بھی لیکن یہ بھی سچ ہے کہ مہرورانی تم پر بگڑ چکی ہیں اور اس کی وجہ کاشان عزیز کی تم میں دلچسپی ہی ہے۔ اسی حسد اور رقابت کی آگ میں جل کر وہ رانی محل کو ایک کوٹھے میں بدلنے لگی ہیں' جسم کے سودے کرنے لگی ہیں۔'' نگینہ مہرورانی کے بگڑے تیوروں کی اصل وجہ سے واقف تھی۔

''مہرورانی بھی یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ جو اسے بھا گیا ہے وہ کہیں اور متوجہ ہو۔'' نگینہ مہرورانی کی رگ رگ سے واقف تھی' بلاشبہ مہرورانی نے وہاں کی لڑکیوں کو محفوظ رکھا ہوا تھا لیکن خود ان کی اپنی زندگی بدترین تھی' گندگی میں گھری ہوئی' مہرورانی خود جتنی خوبصورت تھی اپنی زندگی کو اس سے کئی گناہ زیادہ بدصورت بنا رکھا تھا' نہ خوف خدا تھا نہ پچھتاوا۔

''میں تو کسی کے سامنے گئی نہیں پھر.....'' معصومہ پسینے سے شرابور' کانپتے ہاتھوں کو مسلتے ہوئے کہنے لگی۔

''کہا تھا تمہیں کہ رونا نہیں' تمہارے چہرے میں ایسی کشش ہے کہ ایک نظر میں ہی کسی کی بھی کایا پلٹ جائے

PakistaniPoint

اور پھر رانی محل تو ہے ہی بازارِ حسن۔'' نگینہ اس کا ہاتھ تھام کر مدھم آواز میں اس کو سمجھانے لگی تھی۔

''کاشان عزیز خوبصورتی پر مرمٹنے والا ہے' اس کی آنکھوں میں' میں نے ہوس نہیں دیکھی' وہ ایک بگڑا ہوا رئیس ہے لیکن شاید ایک اچھے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔''

''ایک ہی نظر میں آپ نے کیسے یہ اندازے لگا لیے ہیں؟'' معصومہ کی سمجھ بوجھ کی ساری صلاحیتیں دم توڑ چکی تھیں۔ اس وقت وہ مکمل طور پر نگینہ کے رحم و کرم پر تھی' اس قدر بے بسی کا شکار تھی کہ دعا مانگنے کی بھی سکت کھو چکی تھی۔ یہ تصور ہی اس کے لیے کسی عذاب سے کم نہ تھا کہ اس کمرے میں کوئی مرد آئے گا۔

''یہ پہلے بھی آ چکا ہے' اپنے اوپر پڑنے والی نگاہ کو ایک عورت اچھی طرح پہچانتی ہے' اس کی باتیں بے باک سہی لیکن کاشان عزیز کی نگاہیں سرسری ہوتی ہیں' ان میں خباثت نہیں نظر آئی۔'' نگینہ ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی کاسمیٹکس کو اٹھا کر اس کی جانب بڑھی' مہرورانی کے حکم کی تعمیل بھی کرنی تھی اور معصومہ کو یہاں سے نکالنا بھی تھا۔

''نگینہ۔'' معصومہ نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر روکا۔

''میں جانتی ہوں یہ صحیح نہیں ہے لیکن تمہیں یہاں سے ایک مرد کے علاوہ کوئی نہیں نکال سکتا' اور یہاں آنے والے کسی مرد پر میں بھروسہ نہیں کر سکتی کیونکہ وہ اس قابل نہیں کہ ایک 'معصومہ' کو محفوظ رکھ سکیں۔ تمہیں اس جہنم سے کاشان عزیز کے علاوہ کوئی نہیں نکال سکتا۔'' نگینہ اس کی چادر سرکا کر اس کے بالوں کو سیٹ کرنے لگی تھی' موسچرائزر کو ہتھیلی پر انڈیل کر اس کے رخساروں پر لگانا شروع کیا تو معصومہ نے اپنی چادر سے پھر سر کو ڈھانپ لیا۔

''تمہیں کاشان عزیز کے سامنے بولنا پڑے گا۔ اسے بتانا ہوگا کہ تم یہاں سے نکلنا چاہتی ہو اور تمہیں اس کی مدد چاہیے۔'' نگینہ فاؤنڈیشن کو اس کے چہرے پر لگاتے ہوئے اسے سمجھانے لگی تھی۔ معصومہ کی آنکھوں کا پانی اس کے رخسار پر بہنے لگا تو نگینہ نے برش سے ان آنسوؤں کو بھی جذب کر دیا۔

''تمہیں بہت بہادری کا بہت پھرتی سے مظاہرہ کرنا ہوگا۔'' نگینہ اسے مضبوط رہنے کا کہہ رہی تھی۔ ابھی وہ تیار نہ ہوئی تھی کہ دروازے پر دستک نے اسے پوری جان سے کپکپا دیا۔ نگینہ کے چہرے پر بھی ایک رنگ آ کر گزر گیا۔

''نہیں نگینہ۔'' اس کے دروازے کی جانب بڑھتے قدموں پر اس کا ہاتھ پکڑ کر معصومہ نے التجا کی۔

''بھروسہ رکھو۔'' نگینہ نے ہاتھ چھڑا کر تسلی دی۔

''کاشان صاحب آئے ہیں۔'' آنے والی مہرورانی تھی' کاشان کا بازو تھامے اپنے مخصوص دلکش انداز کے ساتھ' کاشان دونوں ہاتھ جینز کی پاکٹ میں ڈالے ادھر ادھر یوں دیکھ رہا تھا جیسے معائنہ کرنے آیا ہوا ہے۔

''آئیں صاحب۔ تشریف لائیں۔'' نگینہ نے ایک طرف ہو کر انھیں اندر آنے کی دعوت دی۔ معصومہ رخ موڑے بیٹھی درود شریف کا ورد کیے جا رہی تھی۔

''تم جاؤ۔'' مہرورانی نے سپاٹ لہجے میں نگینہ کو وہاں سے جانے کا کہا' اس نے ایک نظر کاشان عزیز پر ڈالی' وہ اسی کو دیکھ رہا تھا' نگینہ خاموشی سے وہاں سے چلی گئی۔

''یہ معصومہ رحمان ہے۔'' مہرورانی قدرے اونچی آواز میں اس کا تعارف کراتے چلتے چلتے اس کے پاس جا کر رکی۔ یک دم ایک جھٹکے سے اس کی چادر کو کھینچ کر اتارا' اگلا لمحہ معصومہ رحمان کے لیے مر جانے کا تھا۔ ایک چیخ اس کے اندر دم توڑ گئی۔ مہرورانی نے اس کی بے بسی پر قہقہہ لگایا۔ کاشان عزیز نے آنکھیں پھیلا کر اسے دیکھا اور پھر دھیرے سے مسکرایا۔

''ہماری یہ کلی آپ کے حوالے۔'' مہرورانی کاشان عزیز کی طرف بڑھی اور اپنی مخصوص ادا سے معصومہ کی طرف اشارہ کر کے خاصے ذومعنی انداز میں کاشان عزیز سے مخاطب ہوئی تھی۔

''دروازہ بند کر کے جایئے گا۔'' کاشان عزیز نے ہاتھ بھر کا فاصلہ بیٹھ کر ان کے قریب ہو کر سرگوشی کا سا انداز اپنایا۔ مہرورانی نے خمگین نظروں سے اسے دیکھا۔

''بہت شریر ہیں آپ۔'' مہرورانی نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی قربت عطا کرتے ہوئے کہا۔

''جب ایسی قاتل حسینہ سامنے ہوگی تو شرارت تو ہوگی نا۔'' کاشان عزیز بھی کمال حاضر جوابی کا مظاہرہ کیا کرتے تھے۔ مہرورانی نے قہقہہ لگایا۔

معصومہ اپنے مر جانے کی دعا میں مشغول تھی' ڈری سہمی اس پل کسی معجزے کا ہی انتظار کر رہی تھی' زبان خشک اور

Pakistanipoint

دھڑکن ساکن ہو رہی تھی۔ اس کی ہمت نہ تھی کہ ان دونوں کی اس پل کی قربت کے یہ مناظر دیکھ پاتی۔

مہرو رانی کے قدموں کی آواز آئی اور پھر دروازہ بند ہونے کی آہٹ۔ معصومہ رحمان نے اونچی آواز میں سورۃ فلق پڑھنے لگی۔ گڑگڑا کر روتے ہوئے دعا مانگتے ہوئے اس نے کاشان عزیز کو شاکڈ کر دیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

کچھ لمحے بہت دلسوز ہوتے ہیں' گہری گمبھیرا دا سی ان لمحات کو اپنے آہنی شکنجے میں جکڑے پوری طاقت کے ساتھ براجمان ہوتی ہے۔

خوف و ہراس میں لپٹی ہوئی یہ شام معصومہ کی زندگی کی سب سے بھیانک شام تھی' ہر اک پل اسے سو سو بار مار رہا تھا۔ وہ خوف زدہ تھی' سہمی ہوئی تھی' بے بسی و لاچاری کی تصویر بنی تھی' بہتے آنسوؤں میں مسلسل روانی آتی جا رہی تھی لیکن زبان پر قفل لگے تھے' وہ چیخنا چاہتی تھی' چلانا چاہتی تھی' ہر اک شے کو بھسم کر دینا چاہتی تھی' اور بے بسی یہ تھی کہ اس پل وہ صرف 'چاہا' سکتی تھی' کوئی طوفان برپا کرنا اس کے اختیار میں نہ تھا۔ کاشان عزیز کے لیے اس کا یہ ردِعمل انتہائی حیران کن تھا' وہ ہکا بکا اسے دیکھے گیا' ایک قدم آگے بڑھا کر معصومہ کو دیکھا کاشان عزیز پر ایک خواب کی سی کیفیت طاری ہو رہی تھی' کچھ بہت عجیب سا ماحول تھا' کاشان عزیز سمجھے نہ تھے بے اختیار قدم آگے بڑھے اور بلا ارادہ معصومہ کی چادر کو زمین سے اٹھا کر اس کے شانوں پر پھیلا دی' معصومہ نے برق کی سی تیزی سے اپنے آپ کو ڈھانپا' اور تشکر آمیز نظروں سے کاشان عزیز کو دیکھا۔

''مم..... میں وہ..... نہیں..... میں..... ویسی نہیں۔'' بے ربط انداز میں وہ نگینہ کی کہی باتوں پر عمل کرنے لگی تھی۔ کاشان عزیز یک دم چونکے' متعجب و متغیر نظروں سے اس کو دیکھا' انتہائی سہمی ہوئی' خوف سے کانپتی' ایک بے بس لڑکی کا شان عزیز کا شکار کبھی بھی نہیں تھی۔

''کیا مطلب..... کون ہو تم.....؟'' کاشان عزیز جب سے وہاں آنے لگے تھے انھیں ادائیں لٹاتی اور ان کے آگے بچھ جانے والی حسیناؤں نے اسیر کرنے کی کوشش کی تھی' معصومہ رحمان اس قدر حسین ہونے کے باوجود کوئی ایسی حرکت نہ کر رہی تھی جو ان کو بہکا سکتی۔

''مم..... میں..... ویسی نہیں..... میں..... طوائف نہیں۔'' معصومہ کے لیے ایک مرد کے سامنے یہ لفظ ادا کرنا بھی انتہائی مشکل مرحلہ تھا۔ تھوک نگلتے ہوئے اٹک اٹک کر وہ بولی تھی۔

''اچھا..... پھر تم کون ہو؟'' کاشان عزیز نے گہری سنجیدگی کے ساتھ پوچھا۔ اس کی طرف سے کوئی کوشش نہ کرنے کے باوجود بھی وہ اس کے اسیر ہو رہے تھے۔

''مجھے یہاں سے نکال دیں۔'' اس کی خواہش بہت عجیب تھی' اس کے چادر دینے پر معصومہ کو نگینہ کی پیشن گوئی سچ ہوتی محسوس ہو رہی تھی کہ کاشان عزیز وہاں آنے والے دوسرے لوگوں سے مختلف ہے۔

''کیوں.....؟'' کاشان ابھی تک اسی کیفیت میں مبتلا تھے۔

''مجھے یہاں نہیں رہنا' کچھ بھی کر کے مجھے یہاں سے نکال دیں' میں آپ کی منت کرتی ہوں۔'' معصومہ باقاعدہ ہاتھ جوڑے اس کے سامنے گڑگڑانے لگی تھی' کاشان بوکھلا گیا۔

''نہیں..... ایسے ہاتھ نہ جوڑو۔'' کاشان کے انداز میں ایک بے چینی در آئی تھی۔ بغور اسے دیکھا' اس کا چہرہ چادر کی اوٹ میں چھپا تھا' وہ دیکھ رہا تھا کہ یہ لڑکی حسن کی دولت سے مالا مال ہے' کانپتے ہاتھ انتہائی اضطرابیت کے باعث مسلسل مروڑ رہی تھی۔ ہلتے لب ظاہر کر رہے تھے کہ وہ قرآنی آیات کا ورد کر رہی ہے' ان لمحات سے پناہ مانگ رہی ہے۔ خوف میں مبتلا ہے پھر بھی ایک امید کا دیا مسلسل روشن تھا۔ کاشان کی جیسے کایا پلٹنے لگی تھی۔ وہ یک ٹک اس کی طرف دیکھے جا رہے تھے۔

''رب کا واسطہ ہے' میں..... یہاں نہیں رہ سکتی' مجھے کسی دارالامان میں چھوڑ دیں۔'' معصومہ پھر گویا ہوئی۔ لہجے میں وہی التجا' انداز میں وہی بے بسی۔ کاشان عزیز مسلسل اک خاموشی کی زد میں تھے۔

''میں تمہیں یہاں سے کیسے نکال سکتا ہوں۔'' کاشان عزیز کا لہجہ پرسوچ تھا' وہ حیران تھے سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ انھیں کیا کرنا یا کہنا چاہیے۔ اس خاموشی اور التجا میں ایک بات طے تھی کہ وہ اس طرح کی بے چین ہو رہے تھے' ان سہمی نگاہوں کے اسیر ہو رہے تھے۔

''ٹھک..... ٹھک.....'' اس سے پہلے کہ مزید کوئی

بات ہوتی دستک کے ساتھ ہی دروازہ کھل گیا۔ کاشان عزیز نے جو اس سے بہت دور کھڑے تھے یک دم قدم بڑھا کر فاصلے کو کم کیا۔ معصومہ کا دل زور سے دھڑکا۔

''آپ کو مہورانی نے طلب کیا ہے۔'' آنے والی کومل تھی' اپنے مخصوص دل پھینک انداز کے ساتھ کاشان عزیز سے مخاطب ہوئی اور گہری نظروں سے معصومہ کو دیکھا۔ معصومہ رخ موڑے مکمل طور پر چادر میں لپٹی بیٹھی تھی' کاشان ایک نظر معصومہ رحمان پر ڈال کر بنا کچھ کہے وہاں سے نکل گئے' اس کی اس قدر تیاری پر تو کاشان عزیز نے ایک مسکراتی نظر بھی نہ ڈالی تھی کومل نے منہ بسور کر ایک تیکھی نگاہ سے ان کو جاتے دیکھا۔

''اونہہ۔'' جب معصومہ بھی اس کی طرف متوجہ نہ ہوئی تو انتہائی بدمزہ ہو کر کومل وہاں سے چلی گئی تھی۔ معصومہ ایک بار پھر زار و قطار رونے لگی' ایک امید جو بندھی تھی کاشان کے خاموشی سے چلے جانے کے باعث وہ بھی دم توڑ چکی تھی۔ وہ یہ بھی جان چکی تھی کہ مہورانی اس سے بگڑ چکی ہیں اور اب وہ اس کے ساتھ کچھ بھی کر سکتی ہیں' اگر کاشان کو اس کے کمرے میں بھیج دیا ہے تو کسی اور کو بھی بھیج سکتی ہیں اور نگینہ نے کہا تھا کہ وہاں آنے والا ہر مرد۔۔۔ اس سے آگے اس سے کچھ سوچا نہ جا رہا تھا وہ کانپ کر رہ گئی اور وہاں سے فرار کا کوئی راستہ بھی نظر نہ آ رہا تھا۔

''اللہ میاں پلیز میری دعائیں جلدی قبول فرمالیں۔ میں ایسی جگہ نہیں ہوں جہاں دعائیں دیر سے قبول ہوں تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اللہ میاں آپ کو سب خبر ہے' میرے آنسو' میری بے بسی سب کچھ آپ کے سامنے ہے' میری مدد کریں' اللہ میاں آپ کے لیے تو کچھ بھی مشکل نہیں ہے' مجھے یہاں سے نکالنا تو آپ کے لیے بہت آسان ہے نا' کسی کو وسیلہ بنا کر بھیجنا تو آپ کے لیے مشکل نہیں نا' اللہ میاں پلیز پلیز..... مجھے بچالیں..... بچالیں..... پلیز۔'' ہاتھ پھیلائے وہ شدت سے دعا مانگ رہی تھی۔ نگینہ نے کمرے میں قدم رکھا تو اس کا یوں ہاتھ پھیلائے اور آنسو بہانے سے سمجھ گئی کہ کاشان عزیز کو سمجھنے میں غلطی کی تھی۔ وہ خاموشی سے وہاں سے پلٹ گئی۔ لیکن دل بہت مضطر تھا' اک عجب سی پریشانی نے اسے بھی جکڑ لیا تھا۔ مہورانی کے سامنے وہ معصومہ کی وکالت نہیں کر سکتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

رانی محل کی محفل برخاست ہو چکی تھی' اب کومل کے ساتھ مل کر نگینہ نے بکھرے ارمان سمیٹنے تھے۔ کاشان عزیز نے رانی محل کے سارے اصول توڑ دیے تھے اور ابھی تک مہورانی کے ہمراہ خوش گپیوں میں مگن تھے۔ سورج بھی نکل آیا تھا لیکن ان کا وہاں قیام ابھی تک جوں کا توں برقرار تھا' نجانے ان کے کیا ارادے تھے' معصومہ کے سر کو ڈھانپنا ان کا ایک بے اختیارانہ عمل تھا اور یہ بھی سچ ہے کہ کاشان عزیز نے کسی غلط نیت سے اس دروازے کو عبور نہ کیا تھا۔ اس کی نگاہوں میں ایک طلسم تھا جس پر اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکے اور مہورانی کے ایک اشارے پر معصومہ رحمان کی طرف کھنچے چلے گئے تھے' اور اب..... اس کے خوف' آنسو سے لبریز آنکھوں اور ایک التجاء نے انھیں بے کل کر دیا تھا۔ وہ جان گئے تھے کہ رانی محل میں کسی معصومہ رحمان' کا وجود بہت مس فٹ ہے' وہ ان در و دیوار میں بسنے کے لیے نہیں بنی ہے۔ کاشان عزیز مسلسل ایک سوچ میں گم تھے۔ مہورانی نے انھیں بغور دیکھا' چہرے پر ایک دھیمی مسکراہٹ' شخصیت میں ایک ایسا انوکھا پن جو مہورانی کو ان کی طرف مائل کر رہا تھا' وہ کیسے ایسی جان نواز شخصیت کو کسی اور کو سونپ سکتی ہیں؟ معصومہ رحمان نے ان کے سامنے زبان چلائی' ان کے حکم کو ماننے سے انکار کیا تو اسے سبق سیکھانا مہورانی پر اب لازم تھا' شاید معصومہ کی قسمت اچھی تھی کہ اس وقت رانی محل میں کاشان ہی ان کا دل لبھا رہے تھے اور طیش میں آ کر مہورانی نے انھیں ہی معصومہ کے پاس بھیج دیا لیکن وہ کاشان عزیز کو معصومہ رحمان پر قربان نہیں کر سکتی تھی۔

''سرکار آپ ہماری طرف توجہ نہیں دے رہے ہیں۔'' مہورانی کی آواز میں شکایت اور تھکن بہت واضح تھی۔ کاشان عزیز نے چونک کر انھیں دیکھا۔

''نہیں مہورانی۔ آپ سامنے ہوں اور آپ سے غافل ہو جانا ممکن نہیں۔'' کاشان عزیز رانی محل کے اصولوں کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ سمجھنے لگے تھے کہ مہورانی کس طرح کی عورت ہے۔ تو کیا کاشان عزیز بھی اس قدر پستی میں گر سکتے ہیں۔

''یہ میں کیسی جگہ آ گیا ہوں؟ یہ میرا مقام تو کبھی بھی نہیں

رہا' میں تو اتنی پستی میں جانے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔''
یک دم انہوں نے جھرجھری لی۔
''لیکن آپ تو اپنی سوچوں میں گم ہیں۔'' مہرورانی نے پلکیں جھپکائیں' ناز برداری اٹھوانے کی چاہا مچلنے لگی تھی۔
''مجھے معصومہ..... چاہیے.....'' کاشان عزیز کی اتنی دیر کی سوچ بچار کا نتیجہ یہ تین الفاظ تھے۔ جنہوں نے مہرو رانی کا حلق کڑوا کیا اور باہر کھڑی نگینہ اپنی بازی الٹ جانے کے خوف سے لرز گئی۔
''اس وقت.....؟'' مہرورانی نے کلائی پر بندھی سنہری گھڑی میں وقت دیکھا۔ صبح کے آٹھ بج رہے تھے' رت جگوں سے نڈھال کاشان کی فرمائش نے انھیں حیران کر دیا تھا۔ انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔
''بڑے بے وقت ارمان جاگے کاشان بابو۔'' مہرورانی کے معنی خیز انداز پر انہوں نے فقط مسکرانے پر اکتفا کیا۔
''اسے بلائیں یہاں۔'' اگلے پل کاشان عزیز نے مہرورانی کے برابر بیٹھ کر ان کا ہاتھ تھام کر فرمائش کی۔ جانتے تھے کہ مہرورانی سے کوئی بات کیسے منوا سکتے ہیں۔ مہرورانی نے تیکھی نگاہوں سے انھیں دیکھا۔
''نجانے کیا جادو ہے آپ کی شخصیت میں' ایسا میٹھا س بھرا لب و لہجہ کہ مہرورانی زیر ہونے لگتی ہے۔ آپ کی فرمائش پر انکار نہیں کر سکتی ہوں۔'' مہرورانی نے آنکھیں موند کر ان کے شانے پر سر ٹکا کر کہا۔ کاشان عزیز نے ذرا کی ذرا رخ موڑ کر مہرو کو دیکھا' کاسمیٹکس اور پرفیوم کی تیز خوشبو انھیں کچھ خاص بھلی نہ لگی تھی' لیکن معصومہ کے لیے انھیں مہرورانی کی قربت برداشت کرنی تھی۔
''یہ تو آپ کی ذرہ نوازی ہے۔'' کاشان عزیز نے مسکرا کر کہا۔ دوسرے پل ان کو اپنے آپ سے کچھ فاصلے پر کر کے اٹھ کھڑے ہوئے۔
''نگینہ۔'' مہرورانی کی بلند آواز کمرے کے باہر تک با آسانی پہنچی تھی۔
''معصومہ کو سنوارنے کی ساری ذمہ داری نگینہ کی ہی ہے' نگینہ خود بھی بہت خوبصورت ہے۔ معصومہ بہت عام سی شکل و صورت کی ہے۔'' نگینہ نے دروازہ کھول کر اندر قدم رکھا تو مہرورانی کی آواز نے اس کے قدم روک دیے۔ وہ سمجھ گئی کہ مہرورانی ان کی توجہ معصومہ سے ہٹانا چاہتی تھی اس لیے نگینہ کی خوبصورتی کو پیش کیا۔
''خوبصورتی تو آپ کے پاس بھی کمال کی ہے۔'' کاشان عزیز نے مہرورانی کو دیکھ کر خمار آلود لہجے میں کہا۔ نگینہ جس کو پہلی نظر میں کاشان رانی محل میں آنے والے دوسرے رئیس زادوں سے الگ لگے تھے ان سے بھی بدتر لگنے لگے۔
''مہرورانی آپ نے مجھے بلایا۔'' اس سے پہلے کہ مہرو رانی کاشان عزیز کی بات پر نگینہ کی موجودگی کا لحاظ کیے بنا حدیں پھلانگنے لگتیں نگینہ بول اٹھی۔
''معصومہ کو یہاں لے کر آؤ' کاشان صاحب نے دیکھنا ہے۔'' مہرورانی کے الفاظ اور انداز دونوں ہی انتہائی تحقیر آمیز تھے۔
''صرف دیکھنا ہی ہے نا.....؟'' مہرورانی نے آنکھوں میں شرارت بھر کر ذو معنی انداز میں پوچھا تو ہلکا سا قہقہہ لگا کر کاشان عزیز نے نفی میں سر ہلا کر ان کی طرف جھک کر سرگوشی کی جس پر مہرورانی کی مسکراہٹ بھی گہری ہو گئی۔
''وہ کچھ زیادہ ہی کم گو ہیں میں خود ہی چلتا ہوں۔'' کاشان عزیز نے دھڑلے سے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو اب مہرورانی نے ناگواری سے انھیں دیکھا۔
''ہم نے اس پر بہت پیسے لٹائے ہیں کاشان بابو۔'' مہرورانی ایک حد تک انھیں من مانیوں کی اجازت دے سکتی تھی' اب تو انھیں بولنا ہی تھا۔
''ہم بھی لٹا دیں گے..... پہلے لٹ تو لیں۔'' کاشان عزیز میں اعتماد کمال کا تھا۔ آنکھ کا کونا دبا کر بولے مہرورانی من ہی من میں تلملا کر رہ گئی۔
''چلیں۔'' کاشان عزیز نگینہ کی طرف بڑھ کر بولے تو اس نے ایک نظر مہرورانی کو دیکھا انہوں نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ ان کے ہمراہ چل پڑی۔
''معصومہ..... ویسی لڑکی نہیں ہے۔ وہ آپ کے ساتھ۔'' کاشان سے دو قدم پیچھے چلتی نگینہ نے مدھم آواز میں کہنا شروع کیا تو کاشان نے یک دم پلٹ کر اسے دیکھا۔
''معصومہ کو یہاں سے نکالنے میں مجھے تمہاری مدد کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔'' کاشان جان گیا تھا کہ نگینہ معصومہ کی خیر خواہ ہے۔
''کیا واقعی آپ اسے یہاں سے نکال دیں گے؟'' نگینہ کے لیے اس کی بات پر ایک دم سے یقین کرنا ممکن نہ

Pakistanipoint

تھا' کیونکہ وہ مہرورانی اور کاشان کے درمیان فاصلوں کو کم ہوتے بھی دیکھ چکی تھی۔

''ہاں نکال لوں گا لیکن مہرورانی سے بغاوت.....''

کاشان عزیز کو معلوم ہو چکا تھا کہ رانی محل میں ذرا سی گستاخی کی بھی گنجائش نہیں' مہرورانی کی ہر بات مان لی جائے تو وہ بہت اچھی ہیں دوسری صورت میں بہت بری۔ ان کا ایک روپ بے حد گھناؤنا بھی ہے۔

''معصومہ کو بچالیں یہاں میں سنبھال لوں گی۔'' نگینہ کا انداز رازدارانہ تھا۔

معصومہ نے نگینہ کے ہمراہ کاشان عزیز کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھا تو ایک بار پھر ایک بے اعتباری نے سر اٹھایا تھا۔

اس نے ڈبڈباتی نظروں سے نگینہ کو دیکھا۔ کاشان عزیز نے اس کی آنکھوں کے سحر سے خود کو بچایا۔

''مہرورانی کو قیمت ادا کرنی پڑے گی۔'' اب وہ دونوں معصومہ کے سامنے کھڑے کہہ رہے تھے' نگینہ کہہ رہی تھی اور کاشان ہامی بھر رہا تھا۔

اس کے سامنے اس کا سودا ہو رہا تھا' اس کی قیمت لگ رہی تھی وہ سب دیکھ رہی تھی' سہہ رہی تھی' دل کے چیتھڑے اڑ رہے تھے اور وہ برداشت کر رہی تھی' کیسے یہ صرف وہی جانتی ہے' کس شدت سے زمین کے پھٹ جانے کی دعا مانگی وہی جانتی تھی لیکن..... کوئی معجزہ ہوا نہ کسی دعا کو قبولیت کا شرف ملا۔

''یہ سب کیسے ہوگا؟'' کاشان کیوں کر رہا تھا ایسا؟ وہ خود جانتا تھا نہ نگینہ کو کوئی اندازہ ہو رہا تھا۔

''مہرورانی معصومہ کو اتنی آسانی سے آپ کے ساتھ نہیں بھیجیں گی۔ نہ آپ کو اتنی جلدی جانے دیں گی۔'' نگینہ معصومہ سے کوئی بھی بات کیے بنا کاشان سے سب طے کر رہی تھی۔

ان کی ذومعنی باتوں پر معصومہ کا الجھنا جائز تھا۔ اس کے لیے یہ تصور ہی جاں گسل تھا کہ وہ بک رہی ہے۔

شرمندگی..... درشرمندگی..... کیا ہے یہ سب؟ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ کیا ہو رہا ہے؟؟ اس کے چاروں طرف جیسے سائیں سائیں ہو رہی تھی' اسے کچھ سنائی نہ دے رہا تھا۔

''میں مہرورانی کا پابند نہیں ہوں۔ نہ مہرورانی مجھے یہاں روک سکتی ہے نہ کوئی رکاوٹ کھڑی کر سکتی ہے۔ اگر تم سب سنبھال سکتی ہو تو اسے میرے ساتھ روانہ کرو۔''

کاشان عزیز کا فیصلہ دوٹوک تھا۔

''ابھی؟'' نگینہ نے بے یقینی سے آنکھیں پھیلا کر پوچھا۔

''اسی وقت.....'' کاشان عزیز کا انداز حتمی تھا۔

''مہرورانی کو بتائے بغیر؟'' نگینہ کا حلق خشک ہوا تھا۔

''اسے بتایا تو کیا جانے دے گی؟'' کاشان نے پوچھا تو نگینہ نے نفی میں سر ہلایا۔

''معصومہ رحمان رخصتی کے لیے تیار ہو جاؤ۔'' کاشان عزیز نے قدرے مسخرے پن سے کہا' نگینہ اس آنا فانا فیصلے پر ہکا بکا کھڑی دیکھ رہی تھی۔ بوکھلاہٹ کا شکار ہو رہی تھی۔

''کہاں لے کر جائیں گے اسے؟'' نگینہ کو اپنے حواس بحال رکھنا انتہائی کٹھن لگ رہا تھا۔

''یہاں سے باہر کی دنیا میں بہت سی اچھی جگہیں ہیں۔'' کاشان عزیز پرسکون تھے۔ جبکہ معصومہ کی زندگی میں بھونچال آیا ہوا تھا اور تتر بتر تو نگینہ کی بھی دھڑکنیں تھیں۔

''میں معصومہ کو اس لیے یہاں سے نکال رہی ہوں تاکہ یہ کسی محفوظ مقام پر پہنچ جائے۔ جہاں اس کی عزت محفوظ رہے۔'' اب نگینہ کچھ سمجھ بوجھ کا مظاہرہ کرنے لگی تھی۔

''کیا آپ.....'' نگینہ کی نظروں کے سامنے کاشان عزیز اور مہرورانی کی قربت کے کریہہ مناظر گھوم گئے۔

''کیا آپ معصومہ کو کسی محفوظ مقام تک پہنچا دیں گے۔'' نگینہ نے سنجیدگی سے اس سے دریافت کیا۔

''ہاں میں پہنچا دوں گا جہاں یہ کہیں گی۔'' کاشان عزیز نے ہامی بھری۔

''آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟'' نگینہ کو تشویش بھی ہو رہی تھی کہ کاشان عزیز اتنی جلدی آنا فانا اسے کیوں نکال کر لے جا رہے ہیں۔

''میں نہیں جانتا..... بس بھروسہ رکھیں اور.....''

''آپ ایسا کریں کہ یہ.....'' بات کرتے کرتے کاشان نے جیب سے چیک بک نکال کر ایک رقم اس پر لکھی۔

''چیک مہرورانی کو دے دینا۔'' چیک نگینہ کی جانب بڑھا کر کہا۔

''آپ ان سے ملیں گے بھی نہیں؟'' نگینہ نے چیک

Pakistanipoint

لے کر اس پر لکھی رقم کو دیکھا۔ ایک لاکھ تیس ہزار۔ اس نے متغیر نظروں سے کاشان کو دیکھا۔

''ملوں گا لیکن یہ چیک انھیں آپ ہی دے دینا۔ میرے پاس اس وقت اتنی ہی رقم ہے۔'' کاشان نجانے کیسے بہت آرام سے بات کر رہا تھا۔

''معصومہ تم اپنا کوئی ضروری سامان ساتھ رکھ لو۔ اور دھیان سے کومل یا کسی بھی اور کو خبر نہ ہو کہ تم یہاں سے نکل رہی ہو۔'' نگینہ اس کے پاس آ کر اس سے کہنے لگی تھی۔

''نگینہ میں اس انتہائی اوباش انسان کے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گی۔'' معصومہ کے لیے کاشان پر اعتبار کرنا ایک ناممکن سی بات تھی۔

''بے وقوفی کی باتیں کرنے کا وقت نہیں ہے معصومہ۔ موقع مل رہا ہے تو اس سے فائدہ اٹھاؤ۔ یہاں سے نکل جاؤ آگے راستے مل جائیں گے۔ ورنہ مہرو رانی تمہیں کس راستے کی طرف کھینچنا چاہتی ہیں تمہیں اندازہ نہیں۔'' نگینہ دانت پیسے اسے سمجھانے لگی تھی۔

''اور آپ.....؟ نگینہ کیا میں یہ نہیں سمجھتی کہ مہرو رانی کس قدر جابر عورت ہیں؟ کیا آپ کی یہ غداری وہ برداشت کر لیں گی؟ نہیں نگینہ وہ آپ کو بھی نہیں بخشیں گی۔ آپ بھی میرے ساتھ چلیں۔ نکل چلیں آپ بھی اس جہنم سے۔'' معصومہ انتہائی فکرمندی سے اسے کہہ رہی تھی۔

''میری فکر نہ کرو مجھے حالات کا مقابلہ کرنا آتا ہے۔ اس وقت میرا مقصد صرف تمہیں بچانا ہے۔'' نگینہ نے دونوں ہاتھوں سے اس کا چہرہ تھام کر بے حد محبت سے کہا۔ کچھ فاصلے پر کھڑا کاشان اس پل معصومہ کی طرف نگاہیں جمائے نجانے کن سوچوں میں گم تھے۔

''آپ تیاری کر لیں میں مہرو رانی سے مل کر آتا ہوں۔'' کاشان کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئے۔

''نگینہ میرا دل نہیں مان رہا۔ کاشان عزیز پر اعتبار کیسے کر سکتے ہیں؟'' معصومہ نے اپنے خدشات ظاہر کیے۔

''میں جانتی ہوں وہ بھی کوئی ایسا قابل بھروسہ انسان نہیں ہے لیکن یہاں سے نکل جاؤ گی تو شاید کوئی بہتر مقام مل جائے۔'' نگینہ بھی کوئی زیادہ مطمئن نہ تھی' ایک تو کاشان کا مہرو رانی سے تعلق اور پھر معصومہ کو یہاں سے نکالنے پر اتنی جلدی راضی ہو جانا' پلک جھپکتے ہی چیک بک پر سائن کر دینا۔ بہت سی باتیں کاشان عزیز کی شخصیت کو بے اعتبار ثابت کر رہی تھیں۔

''نگینہ'' وہ معصومہ کی چند ضرورت کی چیزیں سمیٹ رہی تھی کہ کومل آ گئی۔ معصومہ نے گھبرا کر اسے دیکھا اور نگینہ کا دل بھی زور سے دھڑکا تھا۔

''کاشان صاحب جا رہے ہیں۔'' کومل بہت اداس انداز میں بولی۔

''شکر ہے جائیں اب۔'' نگینہ نے جان بوجھ کر اکتاہٹ کا اظہار کیا۔

''لیکن تم کیوں منہ لٹکا کر گھوم رہی ہو؟'' نگینہ نے متعجب نظروں سے اسے دیکھا۔

''نگینہ کیا واقعی میں خوبصورت نہیں کہ وہ مجھے دیکھتے؟'' کومل شیشے کے سامنے کھڑی ہو کر اپنے آپ کو بغور دیکھتے ہوئے بولی۔

''شکر کرو کہ وہ تمہیں نہیں دیکھتے۔ کیوں تم چاہتی ہو کہ کوئی تمہیں دیکھے؟'' نگینہ نے غمگین نظروں سے اسے دیکھا۔

''دیکھا نا آپ نے کہکشاں اور لیلیٰ کے کیا ٹھاٹھ ہوتے ہیں۔ کیسے وہ محفلیں لوٹ لیتی ہیں۔ کیسے لوگ ان پر صدقے واری جاتے ہیں۔ میں کیوں نہیں۔ کیوں میں صرف ان کے کام کرنے کے لیے ہوں؟'' کومل نے نزدیک ہو کر آئینے میں اپنے عکس کو قریب سے دیکھا تھا۔ انداز یاسیت سے پر تھا اور لہجے میں ایک خفگی۔

معصومہ نے اس کی خواہشات پر داہل کر اسے دیکھا۔

''کیسی لڑکی جو اپنے لیے خود جہنم کی آرزو کر رہی ہے۔'' معصومہ نے سوچا۔

''تم ایسی خواہش نہ کیا کرو۔ کہکشاں یا لیلیٰ کی زندگی بہت کراہت زدہ ہے' انھیں معلوم نہیں کہ یوں محفلیں لوٹنا یا ایسے آوارہ لوگوں کا صدقے واری جانا کس قدر پستی میں دھکیلتا ہے۔ اپنے لیے عزت مانگو' رسوائی نہیں۔ ایک پاکیزہ زندگی کی خواہش کرو' ایسی گندگی کی نہیں۔'' بہت کوشش کے باوجود معصومہ خاموش نہ رہ سکی' کومل نے یک دم گھوم کر اسے دیکھا تھا۔

''تمہاری سوچ ابھی تک وہیں اٹکی ہوئی ہے۔'' کومل نے قہقہہ لگایا تو معصومہ نے لب بھینچ کر اب خود کو چپ رہنے پر قائل کر لیا۔

''کومل! تم جاؤ کہکشاں اور لیلیٰ کو مدد کی ضرورت ہوگی اور تمہیں خود بھی تو آرام کرنا ہوگا نا۔'' نگینہ نے کومل کو دیکھ کر کہا تو وہ منہ بسور کر رہ گئی۔

''ہاں کومل اب صرف دوسروں کی مدد کے لیے ہی رہ گئی ہے۔'' وہ ایک بار پھر وہی شکایت کرنے لگی۔

''کومل۔'' نگینہ نے تیکھی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''جا رہی ہوں نا۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی وہ وہاں سے چلی گئی۔

''غلط اور صحیح کی پہچان تبھی ہوسکتی ہے جب آپ میں احساس ہو' پاکیزگی اور گندگی میں فرق جاننے کے لیے ضروری ہے کہ آپ کے دل میں خوفِ خدا موجود ہو۔'' معصومہ اس کی باتیں سن کر بے حد رنجیدہ دکھائی دینے لگی تو نگینہ نے مدھم آواز میں کہا۔

''اسے بھی یہاں سے نکال دیں۔ ورنہ وہ اپنی زندگی برباد کرلے گی' وہ خود کو ایسے ہی پیش کرتی رہی تو کوئی کب تک اسے نظر انداز کرے گا؟'' معصومہ نے اپنا خدشہ بیان کیا۔

''اسے جب تک خود احساس نہیں ہوگا میں یا کوئی بھی کچھ نہیں کرسکتے۔'' نگینہ نے ایک چھوٹا سا بیگ اس کی طرف بڑھایا۔

''میں باہر جا رہی ہوں ہال میں اس وقت کوئی نہیں ہوگا اس سے پہلے کہ کومل واپس آئے تم نکل جاؤ۔'' نگینہ نے باہر قدم بڑھائے۔

''کسی نے میرا پوچھا تو آپ کیا کہیں گی.....؟'' معصومہ کو اس کی فکر لاحق ہوئی۔

''وہ تم فکر نہ کرو۔'' نگینہ نے مسکرا کر کہا۔

''نگینہ.....'' معصومہ نے اسے پکارا تو اس کے بڑھتے قدم پھر رکے تھے' اس کے رکتے ہی وہ نگینہ سے لپٹ گئی۔

''آپ بہت اچھی ہیں نگینہ میں ہمیشہ آپ کو یاد کروں گی اور دعا بھی کروں گی کہ آپ کا بھی رانی محل سے نکلنے کا کوئی سبب بن جائے۔'' معصومہ نم لہجے میں اس سے مخاطب ہوئی۔

''اللہ تمہیں اپنی امان میں رکھے۔ فکر رہے گی تمہاری لیکن یہ بھی امید ہے کہ کاشان یقیناً تمہیں کسی محفوظ مقام پر پہنچا دیں گے۔'' نگینہ اسے خود سے الگ کرتے ہوئے بولی اور اپنی پلکوں کو ہتھیلی سے رگڑتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆☆☆☆

ان دنوں ''عزیز ولا'' میں ایک خاموشی کا راج تھا' ذیشان دکان کے لیے مال لانے کے لیے گرجرنوالہ گیا ہوا تھا صبح ہی اس کی کال آئی تھی کہ جو مال اس نے لانا تھا وہ ابھی تک انصاری ٹیکسٹائل مل میں تیار نہیں ہوا تھا انہوں نے کہا کہ کل شام تک مال تیار ہوگا عبدالعزیز نے انصاری صاحب کے منیجر سے بات کی اور ذیشان کو کہہ دیا کہ وہ کل مال لے کر ہی آئے' ذیشان ان کی منیجر سے تصدیق کرنے پر قدرے نالاں ہوا تھا' اعتبار کر کے بھی عبدالعزیز نے اسے بے اعتبار کر دیا تھا۔

کاشان اپنے دوستوں کے ساتھ آؤٹنگ کے لیے گیا ہوا تھا' اس کا پروگرام بھی دو تین دن تک واپسی کا تھا' عبدالعزیز دن بھر دکان میں مصروف ہوتے تھے اور ایمن بی گھریلو ذمہ داریاں نبھانے میں مگن' جمال دکان کا اوپر والا حصہ سیٹ کرنے میں عبدالعزیز کی مدد میں مشغول تھا۔

''ذیشان ہوتا تھا تو ہلہ گلہ رہتا تھا۔'' جمال نے ذیشان کا نمبر ڈائل کیا مسلسل بیل جاتی رہی لیکن ذیشان کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا جمال نے گہری سانس خارج کی اور خود کلامی کی۔ اس کے ہر وقت کے ہنگامے' کاموں کو بگاڑنا اور پھر عبدالعزیز کا طیش..... عبدالعزیز کی صلواتیں' ذیشان کا غصہ اور جمال کی ہمدردیاں..... کاشان کے اپنے شغل میلے' ماحول میں ایک ہلچل رہتی تھی لیکن پچھلے چند دن سے تو ایک بیزاریت دکان اور عزیز ولا دونوں میں چھائی ہوئی تھی۔

''کہاں ہو تم..... یار میں شدید بوریت کا شکار ہو رہا ہوں۔'' تقریباً دس منٹ بعد ذیشان کی کال آگئی۔

''تھوڑا سا مصروف ہوں' دکان کے لیے جو مال کل شام آنا تھا وہ آج ہی آگیا ہے۔ فارغ ہو کر بات کروں گا۔'' ذیشان نے اسے آگاہ کیا۔

''کیا تم آج ہی آجاؤ گے؟ لیکن ابھی تو بہت دیر ہو رہی ہے؟'' جمال نے اس سے پوچھا۔

''اگر جلدی فارغ ہوگیا تو آج ہی نکل آؤں گا نہیں تو صبح۔'' ذیشان نے کہا اور اس کا جواب سنے بغیر فون بند کر دیا۔ جمال بھی اب اپنا کام ختم کر چکا تھا اس لیے وہ بھی

Pakistanipoint

اب دکان بند کرنے کا سوچ رہا تھا عبدالعزیز کافی دیر پہلے اپنا کام نمٹا کر گھر روانہ ہو چکے تھے۔

''ہیلو۔ السلام علیکم۔'' عبدالعزیز نے نماز سے فارغ ہو کر اب سونے کی تیاری کرنے لگے تھے کہ انھیں کاشان کی کال موصول ہوئی۔

''وعلیکم السلام۔ جیتے رہو بیٹا کیسے ہو۔ صبح سے کوئی رابطہ نہیں کہاں غائب ہو؟'' اس کی آواز سنتے ہی عبدالعزیز کے چہرے پر مسکراہٹ ابھری تھکاوٹ کے باوجود وہ بشاش لہجے میں اس سے دریافت کر رہے تھے۔

''میں ٹھیک ہوں' آپ کیسے ہیں' اور اماں بی کیسی ہیں؟ میں کل دوپہر تک آجاؤں گا دوستوں کے ساتھ ہوں تو وقت گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلا۔'' کاشان اعتماد سے بولا۔

''اچھا تم نے اچھا وقت گزار لیا یہ بہت بڑی بات ہے۔'' عبدالعزیز خوش ہو رہے تھے۔

''ذیشان واپس آگیا کیا؟'' چند مزید ادھر ادھر کی باتوں کے بعد کاشان نے ذیشان کا پوچھا'

''نہیں۔ انصاری مل میں مال ابھی تیار نہیں ہوا تھا تو وہ رک گیا ابھی کچھ دیر پہلے ہی جمال سے میری بات ہوئی تو اس نے بتایا کہ ذیشان آج ہی روانہ ہو رہا ہے۔ یقیناً اب صبح تک ہی پہنچے گا۔'' عبدالعزیز نے کاشان کو حالات سے آگاہ کیا۔

''اگر سارا کپڑا تیار نہیں تھا تو کہتے اسے وہ واپس آجاتا پھر میں خود چلا جاتا' اسے ان معاملات کی صحیح سمجھ بھی نہیں تو کوئی پریشانی نہ ہوئی ہو۔'' کاشان نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

''تم کب تک اس کے حصے کے کام کرتے رہو گے؟ اسے خود بھی اندازہ ہونا چاہیے کہ پیسہ کمانا آسان کام نہیں ہے' خون پسینہ بہانا پڑتا ہے تب جا کر چار پیسے ہاتھ آتے ہیں۔'' عبدالعزیز کا دوٹوک انداز کمرے میں موجود ایمن بی کو بری طرح کھٹکا تھا۔

''اچھا تم آرام کرو اب۔ کل ملاقات ہوگی۔'' عبدالعزیز نے کاشان کو کچھ زیادہ ہی اہمیت دے رکھی تھی۔

''اچھا ابا جی۔ اپ بھی اپنا خیال رکھنا اماں بی کو سلام کہنا۔ اللہ حافظ۔'' کاشان نے الوداعیہ کلمات کہہ کر فون بند کر دیا۔

''ذیشان کو بھی کال کر لیں۔ وہ کہاں پہنچا.....؟'' ایمن بی نے دھیمی آواز میں کہا۔ عبدالعزیز نے خاموشی سے انھیں دیکھا۔ اور ذیشان کا نمبر ڈائل کرنے لگے۔

''اس نے پہلے کبھی میری کال نہیں اٹھائی ہے جو آج اٹھا لیتا۔'' عبدالعزیز نے سپاٹ لہجے میں کہہ کر فون سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

''جمال سے بات ہوئی تھی وہ کہہ رہا تھا کہ ذیشان کل تک پہنچ جائے گا۔ فکر نہ کریں۔'' عبدالعزیز نے ایمن بی کے رنجیدہ چہرے کی طرف دیکھ کر کہا اور آنکھیں موند لیں۔

ایمن بی ہاتھ میں پکڑی تسبیح اپنے معمول کے مطابق پڑھتی رہی' کاشان اور ذیشان پر آیت الکرسی کا حصار باندھ کر اللہ تعالیٰ سے ان کی حفاظت کی دعائیں مانگتی رہیں' کتنے پل یوں ہی بیت گئے۔ اب ان کی آنکھوں میں نیند ہچکولے لینے لگی تھی' ایمن بی نے تسبیح سرہانے کے نیچے رکھ کر آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

اپنی چادر کو اچھی طرح لپیٹ کر وہ کاشان کے مہرورانی کے کمرے سے نکلنے کا انتظار کرنے لگی تھی' کتنی دیر گزر گئی' وہ اب خوف زدہ بھی ہو رہی تھی' ہال میں کوئی بھی نہ تھا' اس نے سوچا یوں ہی بھاگ جائے لیکن اس سے آگے اس کی سوچ نے اس کا ساتھ نہ دیا' وہ کہاں جائے گی..... اور اگر پکڑی گئی تو..... اس سے آگے وہ کچھ سوچ نہ سکی اور کاشان کا انتظار کرنے لگی۔ سب ایک بار پھر رات کی تیاری میں مشغول تھیں' کچھ پچھلی رات کی تھکن کے باعث ابھی تک سوئے پڑے تھے۔ مہرورانی کے کمرے کا دروازہ کھلا اور کاشان باہر نکلے۔ پہلی نظر ان کی معصومہ کے کمرے کی جانب ہی اٹھی تھی ان نگاہوں کی گھمبیرتا نے انھیں ایک بار پھر ایک انجانے سے احساس سے دوچار کیا تھا۔ معصومہ کی نگاہیں بھی اسی جانب تھیں' انہوں نے اشارہ کیا اور معصومہ نے ایک نظر ہال پر ڈال کر قدم اٹھائے تھے۔ وہ سانس بھی رک رک کر لے رہی تھی مبادہ کسی کو اس کی بغاوت کی بھنک نہ پڑ جائے۔

ایک..... دو..... تین..... وہ قدم اٹھاتی گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ بالآخر رانی محل کی حدود عبور کر گئی۔

اس عجیب اور وحشت زدہ در و دیوار کو الوداع کہنا اس کے لیے کسی معجزے سے کم نہ تھا' جس طرح اس کے وہم و

Pakistanipoint

گمان میں نہ تھا کہ وہ زندگی میں کبھی کوئی ایسا موڑ بھی آئے گا' کبھی کسی ایسی جگہ پر قدم بھی رکھ سکتی ہے جس کا چپہ چپہ غلاظت سے بھرپور ہوگا' اتنی گندگی میں شب و روز گزارے گی کہ اپنے آپ سے بھی بدبو آنے لگی تھی، اسی طرح وہاں آنے کے بعد اس نے تصور بھی نہ کیا تھا کہ اب یہاں سے فرار بھی ہو سکتی ہے' معصومہ رحمان کو اپنی دعاؤں پر پختہ یقین ہونے لگا تھا۔ اس کا اللہ کی طرف سے غیبی امداد پر ایمان پکا ہو گیا تھا' کاشان کے ہمراہ چلتی معصومہ رحمان کا جسم پسینے سے شرابور تھا' دل انہونی کے خوف میں مبتلا تھا' کتنے لوگوں نے اسے کاشان عزیز کے ساتھ چلتے دیکھا تھا' راہ چلتے لمحہ بھر رک کر دیکھتے تو ان کی نگاہوں میں حقارت اور چہرے پر تمسخرانہ مسکراہٹ معصومہ کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ تھی۔

''جو ایک بار یہاں آ جائے پھر اس پر ساری زندگی ایک مہر لگ جاتی ہے' گھنگھروؤں کی جھنکار پھر اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی' تم طوائف ہو..... طوائف ہو تم..... تمہاری قیمت دی گئی تھی' تم.....'' معصومہ کی سماعتوں میں مہرورانی کی زہر آلود آواز نے اسے زمین پر لا پٹخا تھا۔

''لوگ نہیں بھولتے۔ ایک عورت کا ماضی کیا تھا؟ وہ کہاں سے آئی ہے سو سال بعد بھی لوگوں کو یاد رہتا ہے' وہ یہ نہیں دیکھتے کہ عورت کے دامن پر کوئی دھبہ نہیں وہ یہ دیکھتے ہیں عورت کن نگاہوں کی زد میں رہی ہے۔ میں کوشش کر رہی ہوں جتنی جلدی تم یہاں سے نکل جاؤ اتنا اچھا ہے۔'' نگینہ نے اسے کہا تھا۔

اس نے زیادہ وقت وہاں نہ گزارا تھا' اس کے دامن پر کوئی داغ نہ تھا' لیکن پھر بھی وہاں سے ایسے ہی نکلی جیسے ایسی جگہوں سے عورت نکلتی ہے۔ ایک قیمت کی ادائیگی کے بعد' ایک مرد کے ہمراہ۔ بہت سی دعاؤں کی قبولیت کے باوجود معصومہ رحمان ایک منفی سوچ کی زد میں آ گری تھی۔ لیکن اس کے لبوں پر شکر کے کلمات بھی تھے۔ وہ خود تو جانتی تھی نا کہ اس کے دامن پر کوئی داغ نہیں۔

''اللہ میاں میرے گواہ ہیں۔ وہ مجھے ایسی آزمائش میں نہیں ڈالیں گے جو میرے لیے سزا بن جائے۔'' اس نے بے اختیار کھلے آسمان کی طرف دیکھا۔ کتنے دنوں بعد اس نے ایسی کھلی فضا میں سانس لی تھی' اب وہ دونوں رانی محل کی حدوں سے بہت دور آ چکے تھے' کاشان عزیز مسلسل خاموشی سے اس کے ہمراہ چل رہے تھے' یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ان کے سنگ چلتے اس کے وجود سے ہی بے خبر ہوں جس کو انہوں نے ایک لاکھ پچیس ہزار روپوں کے عوض خریدا تھا۔

معصومہ نے چور نظروں سے کاشان کو دیکھا' اسے پانی کی طلب ہو رہی تھی۔ حلق اس قدر خشک تھا کہ آواز تک نہ نکل رہی تھی۔ لیکن وہ متوجہ نہ تھا' وہ نہیں جانتی تھی کہ کاشان عزیز کی سوچیں کس نہج پر رواں دواں ہیں۔

''میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے کہ میں آپ کو کسی دارالامان میں چھوڑ سکوں۔'' کاشان عزیز نے لمحہ بھر رک کر اس سے کہا،

معصومہ کو اپنے پاؤں کے نیچے سے زمین سرکتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

''آپ میرے ساتھ ہی چل رہی ہیں۔'' کاشان عزیز نے اس کے چہرے پر نظر جما کر کہا' اس کے چہرے میں کوئی ایسی کشش تھی کہ کاشان عزیز ٹھہر جاتا تھا۔ اس کی بات سن کر معصومہ کے چہرے پر کئی رنگ آ کر گزر گئے' اس نے یک دم قدم پیچھے ہٹائے' سمجھ نہ پائی کہ کاشان کا لہجہ کیسا ہے..... پوچھ رہا ہے..... یا جو رقم ادا کی وہ وصول کرنے کا منصوبہ بنا رہا ہے.....؟

''مم..... میں.....'' اس کی بوکھلاہٹ' خوف اور ایک کراہت انگیز نظر کاشان عزیز خوب پہچان رہا تھا۔

''آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ میں ویسا نہیں ہوں جیسا رانی محل میں آپ نے مجھے دیکھا۔'' کاشان کا لب و لہجہ معنی خیز تھا' معصومہ نے ناگواری سے ایک نظر دیکھ کر رخ موڑ لیا۔

''آپ میرے ساتھ چلیں' کوئی نہ کوئی محفوظ پناہ کا بھی انتظام ہو جائے گا۔'' کاشان نے فوراً حل پیش کیا۔

''یہاں تک آ گئی ہیں تو آگے بھی اعتبار کر لیں' میں آپ کو یہاں ایسے نہیں چھوڑ سکتا۔'' کاشان عزیز اس کے ڈر کو اس کے چہرے پر دیکھ کر مزید گویا ہوئے۔

''ہاں قیمت ادا کی تو.....'' معصومہ مزید نہ بول سکی۔

''اتنی بھاری رقم نہیں ادا کی۔'' کاشان کا مضحکہ خیز انداز اسے بے مول کر گیا تھا۔

Pakistanipoint

''میرے گھر چلیں' فی الحال آپ وہاں محفوظ رہیں گیں۔ پھر سوچ لینا کہ کہاں جانا ہے۔'' کاشان نے شاید پہلے سے سوچ لیا تھا کہ اسے گھر لے کر جائے گا۔ معصومہ نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

''آپ کے گھر.....؟'' وہ بھونچکا ہو کر بولی۔ ''کیا اور کوئی بھی نہیں ہے؟'' اپنے خدشے کو اس نے الفاظ میں بیان کیا۔

''اماں بی' ابا جی اور بھائی ان کے علاوہ نوکر چاکر۔'' کاشان کا لہجہ پر اعتماد تھا۔ معصومہ نے ناسمجھی کے سے انداز میں دیکھا۔

''آپ کے والدین کو اعتراض نہیں ہوگا؟'' حیرت در حیرت۔ اس نے سوال کیا۔

''آپ اس بات کی فکر نہ کریں۔ وہ میں سنبھال لوں گا۔'' کاشان نے کہا اور چل پڑا۔ معصومہ ایک بے اعتباری کی لپیٹ اس کے ہمراہ چل پڑی تھی۔

وہ اتنی سمجھدار نہ تھی کہ ڈھکی چھپی باتوں کی گہرائی ناپ سکتی لیکن اتنی سادہ بھی نہ تھی کہ یہی نہ سمجھ پاتی کہ کوئی بات ڈھکی چھپی ہے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ کاشان کے ساتھ ایک سفر پر روانہ ہوگئی تھی۔

کوئی رسوائی ..... یا اس آزمائش سے نجات..... اب قسمت نے اگلے پنوں پر کیا لکھ رکھا ہے وہ انجان تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

دن بھر کی تھکن اور ذہنی اذیت سے نڈھال نگینہ اپنے بستر پر نیم دراز معصومہ کے بارے میں سوچ رہی تھی' اس کے حق میں بہتری کی دعا بھی مانگی' اور پھر آنکھیں موند کر لیٹ گئی۔ کومل کہکشاں کے ساتھ رہی' لیلیٰ کو بھی مدد کی ضرورت تھی اور رانی محل کی امراؤ جان بھی اب اپنے آپ کو کوئی بڑی ہی شے سمجھنے لگی تھی۔ ان سب کی خدمت میں کومل گھن چکر بنی ہوئی تھی۔ جتنا وہ ان سب کی خدمتوں کو بلا جان سمجھتی تھی اتنا ہی اسے وہ سب کرنا پڑتا تھا۔ نگینہ وقت بے وقت اسے سمجھاتی بھی رہتی تھی لیکن اس کی آنکھوں میں ایسے گھناؤنے خواب آ بسے تھے' جو اسے بہت حسین معلوم ہو رہے تھے نگینہ جانتی تھی کہ اس کے خوابوں کی چاہا اسے ایک ایسی دلدل میں دھکیل رہی ہے جو اسے سوائے تباہی کے کوئی دوسری چیز دان نہیں کرے گی۔ معصومہ ایک پاکیزہ خیالات کی نیک لڑکی تھی اسی لیے وہ جلدی اس جہنم سے نکل بھی گئی' اب نگینہ کومل کو راہ راست پر لانے کے لیے سوچ میں مبتلا تھی۔

نگینہ آنکھوں کو بند کیے کتنی دیر گزر گئی لیکن ذہن مسلسل طرح طرح کی سوچوں کے تانے بانے بننے میں مصروف تھا کہ کومل کی گھبرائی بوکھلائی آواز پر چونکی ہونے کے باوجود نگینہ نے آنکھیں نہ کھولیں۔

''یہ کیسے ہوسکتا ہے؟'' اس کی خود کلامی نگینہ کی سماعت سے ٹکرائی۔ لیکن نگینہ نے پھر بھی آنکھیں نہ کھولی۔

''نگینہ..... کیسی بے ہوش سو رہی ہیں جانتی بھی ہیں کیا ہوا ہے؟'' اگلے ہی پل کومل کی آواز کے ساتھ ہی باہر سے آتی بہت سی دوسری آوازوں نے اسے آنکھیں کھولنے پر مجبور کر دیا۔

''کیا ہوا..... ایسی کون سی آفت آ گئی جو یوں چلا رہی ہو.....؟'' نگینہ نے ناگواری سے اسے دیکھ کر پوچھا۔

''دیکھ رہی ہو نا سو رہی ہوں ابھی کتنے کام کرنے والے ہیں اور ذرا آرام نصیب نہیں ہوا اب دو گھڑی لیٹی ہوں تو۔''

''نگینہ جانتی ہیں معصومہ بھاگ گئی ہے۔'' کومل نے اپنی طرف سے دھماکا کیا تھا۔

''ہاں جانتی ہوں۔'' جس قدر کومل نے دہلا کر خبر سنائی تھی اسی قدر نگینہ نے اطمنان کا مظاہرہ کرتے اسے چونکایا تھا۔

''کیا..... آپ کو معلوم ہے.....؟'' حیران ہونے کی باری کومل کی تھی۔

''ہاں معلوم ہے۔'' نگینہ نے کومل کے سامنے اقرار کر لیا یہ دیکھے بغیر کے مہرورانی دروازے میں کھڑی ہیں۔

''نگینہ.....!'' چنگھاڑتی آواز پر نگینہ کانپ کر رہ گئی' پلک جھپکتے ہی کومل مہرورانی کے پاس جا کھڑی ہوئی۔

''مہرورانی یہ نگینہ جانتی ہیں معصومہ کے بارے میں' اس کی ساری ذمہ داری انھی پر تو تھی۔'' کومل نے مہرو کی نظروں میں اپنا مقام بلند کرنے کا موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ مہرورانی نے کومل کو دیکھا اور پھر قہر آلود نظروں سے نگینہ کو۔ وہ سر جھکائے کھڑی تھی۔

''یہ سب کیا ہے نگینہ؟'' مہرورانی بہت ضبط سے پوچھنے لگی۔ نگینہ نے سر اٹھا کر انھیں دیکھا۔ لیکن خاموش رہی۔

''بولو..... جواب دو..... کہاں ہے وہ لڑکی..... رانی

PakistaniPoint

محل سے باہر کیسے نکل گئی.....اور میں کیوں بے خبر ہوں؟''
مہرورانی چلتی اس کے پاس آرکی اور بے حد کرخت لب و لہجے سے اس سے استفسار کرنے لگی تھی۔

''میں.....''

''مہرورانی نگینہ سب جانتی ہیں' انھی کی تو ذمہ داری تھی یہی تو اسے رانی محل کے اصولوں اور یہاں کے طور طریقوں سے آگاہ کررہی تھی۔'' اس سے پہلے کہ نگینہ کوئی بات کہتی کومل انتہائی بدتہذیبی کا مظاہرہ کرتی ہوئی ان دونوں کے پاس آکھڑی ہوئی تھی نگینہ نے متغیر نظروں سے اسے دیکھا اس کے چہرے پر ایک مکروہ مسکراہٹ اس کی بدنیتی کو واضح کررہی تھی۔

''کیسے گئی ہے وہ.....؟'' مہرورانی کے ساتھ ساتھ کومل کے لیے بھی معصومہ کا یہاں سے نکل جانا ایک حیران کن بات تھی۔

''کاشان عزیز اسے لے کر گئے ہیں۔'' نگینہ نے بالآخر وہ بم پھوڑ ہی دیا جس کے لیے وہ کتنی دیر سے ہمت جمع کررہی تھی۔ آہستہ روی سے چلتی ہوئی الماری کے پاس جارکی اور اپنے بیگ سے وہ چیک نکالا جو کاشان عزیز اسے تھما گئے تھے۔

''لے کر گئے یا بھاگ گئے' اور کس کی اجازت سے.....؟''
مہرورانی کے تن بدن میں آگ جل اٹھی تھی۔ ''اور کب..... صبح تک تو کاشان عزیز یہاں ہی تھے' جاتے ہوئے مل کر بھی گئے تھے۔'' مہرورانی آگ بگولا لہجے میں اس سے پوچھنے لگی تھی۔

''کاشان عزیز جاتے وقت یہ دے کر گئے تھے۔''
نگینہ نے چیک مہرورانی کی جانب بڑھایا۔

''تمہیں سب معلوم تھا.....تم جانتی تھی کہ وہ کب گئی ہے اور.....'' مہرورانی نے اس کے ہاتھ سے چیک لے کر دیکھے بغیر ہوا میں اڑا دیا اور اس کو ٹھوڑی سے پکڑ کر اس سے پوچھنے لگی۔

''مجھے.....'' ان کی گرفت میں نگینہ سے سانس لینا دو بھر ہورہا تھا۔ بمشکل تھوک نگلتے ہوئے وہ کچھ بولنے کی کوشش کرنے لگی۔

''معلوم نہ تھا کہ کاشان عزیز نے آپ کو نہیں بتایا ہوگا۔''
نگینہ رک رک کر بولی۔

''کیا یہ معمولی بات ہے.....کیا ایسی بات ہے کہ تم یوں خاموشی سے اس کو راز بنا لیتی؟'' مہرورانی نے ایک جھٹکے سے اسے چھوڑا تھا۔

''ایک لاکھ تیس ہزار۔'' کومل نے نیچے گرا چیک اٹھایا اور اونچی آواز میں پڑھ کر قہقہہ لگایا۔ مہرورانی نے یک دم اس کے ہاتھ سے چیک چھین لیا۔ اگلے پل وہ چیک نگینہ کے منہ پر دے مارا۔

''تو یہ سارا تمہارا کیا دھرا ہے؟'' مہرورانی کے غضب سے اسے اپنا آپ بچانا محال لگنے لگا تھا۔

''میں نے کچھ نہیں کیا ہے' کاشان عزیز کو یہاں آنے دعوت آپ نے دی تھی وہ لے اڑے اسے۔'' نگینہ قدرے مضبوط لہجے میں بولی۔

''لے اڑے..... یا اڑا دیا گیا.....؟'' مہرورانی کی بجائے کومل نے شوخی دکھائی۔ نگینہ نے اسے دیکھا اور افسوس سے سر کو دائیں بائیں ہلایا۔

''میں ایسا کیوں کروں گی؟ اگر ایسا کرنا ہی ہوتا تو خود بھی بھاگ جاتی' کاشان عزیز کو معصومہ کی معصومیت نے اسیر کیا تو اسے لے گئے۔'' نگینہ نے ان دونوں کو باری باری دیکھ کر لاپرواہی سے کہا۔ کومل منہ بسور کر رہ گئی جبکہ مہرورانی طیش میں آگئی۔

''لے جانے کے بھی طریقے ہوتے ہیں کاشان عزیز نے دھوکا دیا ہے۔'' مہرورانی کے لیے یہ دھوکا برداشت کرنا ناممکنات میں تھا۔

''تم جانتی ہو نا کہ مہرورانی سے غداری کرنا ایک جرم ہے۔'' مہرورانی اپنے اصل میں لوٹنے لگی تھیں۔ وہ جو ہمیشہ رانی محل کی لڑکیوں کی حفاظت کیا کرتی تھیں آج ثابت کرنے لگی تھی کہ رانی محل کے در و دیوار کی طرح ان کی اپنی ذات اور ان کے قول و فعل بھی دوغلے ہیں۔

مہرورانی ایک ایسی عورت تھیں جن کی بے انتہا خوبصورتی اور میک کی دبیز تہہ میں ایک ایسی غلاظت پوشیدہ تھی جس کا عام فہم تصور کرنا بھی گناہ سمجھتا ہے' گناہوں کی ایک بھاری گٹھری ان کے سر پر انہوں نے خود لاد رکھی تھی' لیکن پھر بھی رانی محل کی بے سہارا لڑکیوں کو بچا کر رکھا ہوا تھا۔

اور اب رانی محل کی ملکہ مہرورانی اپنے اصل میں لوٹ کر آنے لگی تھی' نگینہ نے انھیں دیکھا۔

''نہیں مہرورانی۔ میں نے کچھ نہیں کیا ہے' معصومہ کی

PakistaniPoint

مدد اس کے رب نے کی ہے' وہ پاک باز لڑکی تھی مہرورانی۔ اس نے اس رانی محل کی بدبودار جگہ پر بھی اپنی خوشبو کو ماند نہ پڑنے دیا۔ اس جگہ پر بھی اس نے گڑگڑا کر رب کو پکارنا نہ چھوڑا۔ وہ نماز پڑھ کر سوتی تھی' بے شک ایک بگڑا امیر اسے نکال کر لے گیا ہے لیکن وہ اس جگہ سے زیادہ محفوظ مقام پر ہوگی' اس کا رب اسے اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔'' نگینہ کچھ تلخ لہجے میں بولتی مہرورانی کو مزید طیش دلا گئی' کومل ہکا بکا نگینہ کی زبان درازی اور مہرورانی کے غصے کو دیکھ رہی تھی۔

''بے شک وہ یہاں سے نکل گئی ہے' کسی محفوظ مقام پر جائے لیکن اس کی زندگی پر 'طوائف' کا دھبہ کبھی نہیں مٹے گا۔ رانی محل میں گونجتی گھنگرو کی جھنکار اس کے پیچھا کبھی نہیں چھوڑے گی اور تم..... مت بھولو کہ اس وقت رانی محل میں کھڑی ہو۔'' مہرورانی کا قہر الود لہجہ اس کو لرزا گیا تھا۔ وہ مہرورانی جن کی شان و شوکت' بناؤ سنگھار وہاں کی لڑکی کے لیے انتہائی متاثر کن تھا' ایک دم وہی مہرورانی ایک انتہائی مکروہ صورت لگنے لگی تھی' بلاشبہ ان کے بہت احسانات ہیں لیکن ان کی اپنی زندگی؟ ان کی اپنی ذات؟ سب کچھ حرام خوری کی لپیٹ میں تھا' نگینہ کو اس سب کا زیادہ احساس معصومہ کے رانی محل میں آنے کے بعد ہوا تھا' وہ جانتی تھی کہ مہرورانی کیسی عورت ہے لیکن وہ وہاں محفوظ تھی تو اسے غرض نہ تھی کہ وہاں بسنے والوں کی زندگی کن مکروہ رنگوں میں رنگی ہے۔ اسے سروکار تھا تو بس اپنی پاک دامنی سے۔ عزت سلامت تھی' دو وقت کی روٹی مل رہی تھی' سر چھپانے کو چھت میسر تھی تو اور کیا چاہیے تھا۔ معصومہ نے وہاں آ کر اسے احساس دلایا کہ وہ کس قدر غلط جگہ پر ہے' کسی بھی پل اس کی بولی لگ سکتی ہے' کسی کی بھی نگاہوں کو وہ بھا سکتی ہے' کبھی بھی اس کی کایا پلٹ سکتی ہے اور وہ ایسی گندگی میں جا گرے گی جہاں سے نکل کر خود کو پاک کرنے والا کوئی پانی میسر نہ ہوگا۔

''تو اب تم بھی پکارو رب کو' کرو سجدے اور مانگو دعائیں..... کیونکہ تم اب.....'' مہرورانی نے اسے بے مول کر دینے کی ٹھان لی تھی۔

اپنی بات ختم کر کے مہرورانی وہاں سے جا چکی تھی' نگینہ کی ساری زندگی تتر بتر ہو چکی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اب مہرو رانی اپنی ناکامی کا بدلہ اس سے لیں گی' کاشان عزیز' مہرو رانی کو رد کر کے معصومہ کو لے اڑا تھا اس ناقدری کا غم انھیں ایک ضد پر اکسا رہا تھا' کومل وہاں کھڑی مسلسل گنگنا رہی تھی' اسے معلوم نہ تھا کہ یہ وقت اس کی زندگی میں بھی آئے بس ذرا در آگہی کھلنے کی دیر ہے۔

نگینہ حیران تھی کہ مہرورانی نے کیسے اپنا یہ روپ سب سے چھپا کر رکھا ہوا تھا' وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اب سے پہلے کب مہرورانی کے مقابل کوئی آ کھڑی ہوئی ہے؟ کب کسی نے ان کی حکم عدولی کی ہے۔ یہ سرکشی تو اک پاکیزہ لڑکی نے دیکھائی اور مہرورانی کا وہ روپ بے نقاب ہوا جس کو وہ برسوں سے چھپائے رانی محل پر راج کر رہی تھی۔

نگینہ کے ساتھ کوئی نہ تھا' کوئی نہ تھا جو اس نافرمانی پر اس کی حوصلہ افزائی کرتا اور مزید بغاوت پر اکساتا۔

اور پھر..... اس نے بھی اپنے رب کو پکارا۔

اللہ اکبر..... اس نے با آواز بلند کہا اور سجدہ ریز ہو گئی۔

عزیز ولا میں ایک بار پھر گہما گہمی شروع ہو چکی تھی' ذیشان بھی لوٹ آیا تھا اور اس کے ساتھ ہی عبدالعزیز کی تیوریاں بھی۔

کاشان عزیز بھی اپنے دوستوں کے ساتھ چند دن گزار کر دوبارہ دکان کے معاملات سنبھال چکا تھا' ذیشان نے ایمن بی اور جمال کے بار بار کہنے پر اپنا رویہ کچھ نرم کیا تھا۔

مزاج کی معمولی سی تبدیلی کے باوجود اس کے کچھ بے پروا اور ضدی انداز کے باعث عبدالعزیز اس سے خائف ہی رہتے تھے' ذیشان کی من مانیاں اور دریا دلی کا سا انداز عبدالعزیز کو دانت کچکچانے پر مجبور کیے رکھتا تھا' کبھی تو وہ مفت مال بانٹنے لگتا' تو کبھی دام زیادہ کر دیتا۔ لاکھ ضبط کے باوجود عبدالعزیز اسے کچھ نہ کچھ سنا جاتے تھے جس کے باعث اس کی سرکشی بڑھ جاتی تھی اور وقتاً فوقتاً عبدالعزیز کے عتاب کی زد میں آتا رہتا تھا۔ لیکن اسے کب پروا تھی؟ ان کی صلواتیں وہ آرام سے سن کر ادھر ادھر ہو جاتا تو اپنی نصیحتوں کو رائگاں جاتا دیکھ کر انہیں مزید قہر چڑھتا تھا لیکن اس پر کہاں اثر ہوتا تھا۔

''یار کم از کم اپنے حلیے پر ہی تھوڑی توجہ دے دیا کرو۔ کیا ملنگوں والا حال بنا رکھا ہے۔'' جمال اس کی بڑھی شیو'

Pakistanipoint

ملگجے کپڑوں اور بکھرے بالوں کی جانب اشارہ کرکے بولا۔
''ہم تو ایسے ہی ہیں۔'' اس نے سگریٹ کا کش لگا کر دھواں ہوا میں چھوڑ کر ہنستے ہوئے کہا۔
''تم نے دیکھا نا کاشان اپنے کپڑوں کا کتنا خیال رکھتا ہے' کس قدر نفیس انداز اپنا کے رکھتا ہے۔'' جمال اور ذیشان اس وقت دکان میں اکیلے تھے۔ عبدالعزیز گھر گئے ہوئے تھے اور جمال کو خاص طور پر کہا تھا کہ ذیشان کے ساتھ رہے کیونکہ اسے گاہکوں سے نپٹنا نہیں آتا' کاشان باہر کے چند کام نبٹانے میں مصروف تھا۔
''وہ تو تمہارے 'صاحب' ہیں انہیں اچھے حلیے میں ہی ہونا چاہیے۔ ہم تو فقیر لوگ ہیں۔'' جب بھی اسے کاشان کے مدِ مقابل کیا جاتا اس کا انداز خود بخود تلخ ہو جاتا تھا اور انداز ایسا ہوتا کہ وہ اپنا مذاق اڑا رہا ہوتا۔ ذیشان نے آنکھ کا کونا دبا کر کہا' جمال اس کے لوفرانہ انداز سے ہمیشہ عاجز رہتا تھا' کاشان اور عبدالعزیز کے ''جینٹل مین'' قسم کے امیج کے ساتھ ذیشان رف اور ملگجہ حلیہ مخمل میں ٹاٹ کا پیوند والا کام کر رہا تھا' اور وہ جان بوجھ کر ہی تو ایسا حلیہ اپنا کے رکھتا تھا' عبدالعزیز کی تنقیدی نگاہوں کو وہ نظر انداز کر کے انہیں طیش دلا کر لطف لیتا تھا۔
''تم مجھے زیادہ عزیز ہو۔'' جمال نے کہا تو ذیشان کا قہقہہ بلند ہوا۔
''ذرہ نوازی ہے آپ کی۔'' ذیشان نے سر کو جھکا کر آداب عرض کیا۔
''کیوں خود اپنے آپ کو بے مول کیا ہوا ہے؟'' گہری سانس خارج کرتے ہوئے جمال نے ہزار دفعہ پوچھا جانے والا سوال پھر پوچھا۔
''کاشان عزیز اور ذیشان عزیز میں کوئی تو فرق ہونا چاہیے۔'' ذیشان کی ہنسی ذو معنی تھی۔ جمال متغیر نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔
''خیر چھوڑو یہ سب چلو اب۔'' جمال اس کو کوئی جواب دیتا ذیشان نے کلائی پر باندھی گھڑی پر ٹائم دیکھتے ہوئے کہا۔ اب دکان بند کرنے کا بھی وقت تھا۔
''ہاں ٹھیک ہے۔'' جمال نے بھی ٹائم دیکھ کر کہا اور دونوں اٹھ گئے۔ جمال نے دکان کے فرش پر چند بکھرے کپڑوں کے تھان لپیٹ کر شیلف میں رکھے اور ایک دو

ہم بتوں کو جو پیار کرتے ہیں
نقلِ پروردگار کرتے ہیں
کیا محبت بھی کوئی پیشہ ہے
لوگ کیوں اتنے پیار کرتے ہیں
اتنی قسمیں نہ کھاؤ گھبرا کر
جاؤ ہم اعتبار کرتے ہیں
اب بھی آ جاؤ کچھ نہیں بگڑا
اب بھی ہم انتظار کرتے ہیں
دشمنی غیر تو نہیں کرتے
یہ شرافت تو یار کرتے ہیں
تو خفا ہو یا خوش مگر ہم تو
واقعی تجھ سے پیار کرتے ہیں
خوبیوں کو بھی قدر دان عدم
خامیوں میں شمار کرتے ہیں

شاعر: عبدالحمید عدم
مفیضہ انصاری سکھر.....

دوسری چیزیں بھی اٹھا کر صاف صفائی کی جبکہ ذیشان کسی نواب صاحب کی طرح وہاں کھڑا اس کو یہ سب کرتے دیکھتا رہا۔
''سب نہ سمیٹا تو صبح بڑے صاحب نے خوب کھری کھری سنانی ہیں۔ تمہیں تو عادت ہے ایک دم ہضم ہو جائیں گی لیکن میرا ہاضمہ تھوڑا کمزور ہے۔'' ذیشان کی خشمگیں نگاہوں کو دیکھ کر جمال نے وضاحت دی۔
''ان کا اور کام کیا ہے۔ چل اب ہو گیا نا۔'' ذیشان اکتاہٹ سے بولا۔
''تم چلے جاؤ میں ابھی اوپر والے ہال میں چیک کر کے نکلوں گا۔'' جمال نے کہا اور دکان کے اوپر والے ہال میں جانے کے لیے سیڑھیوں کی جانب بڑھا' ذیشان نے اسے گھور کر دیکھا۔
''جلدی آنا۔'' اس نے ہانک لگائی تو جمال نے پلٹ کر متعجب نظروں سے اسے دیکھا۔
''تم بھی ساتھ چلنا عزیز ولا میں آج اماں بی نے میری فرمائش پر گاجر کا حلوہ بنایا ہے۔'' ذیشان نے اسے دعوت دی تو اثبات میں سر ہلاتا جمال آگے بڑھ گیا

Pakistanipoint

اور ذیشان آگے بڑھ کر عبدالعزیز کی سیٹ پر جا بیٹھا' انداز میں ایک طنطنہ اور چہرے پر ایک انوکھی مسکراہٹ تھی۔ ذہن میں کئی سوچیں اچھل پچھل مچا رہی تھی۔

کچھ دیر گزر گئی جمال بھی آ گیا تو دونوں نے اچھی طرح دیکھ بھال کر دکان کے لاک لگا کر عزیز ولا کی طرف پیش قدمی کی۔

''السلام علیکم اماں بی۔ ابا جی۔'' وہ سیٹنگ روم میں داخل ہوا تو ایمن بی اور عبدالعزیز دونوں ہی وہاں موجود تھے۔

''وعلیکم السلام جیتے رہو۔'' ایمن بی نے جواب دیا اور عبدالعزیز نے صرف سر ہلا کر اس کا خیر مقدم کیا۔

''اماں بی کیسی ہیں آپ؟'' جمال نے ایمن بی سے پوچھا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں اور اب تو بہت خوش بھی۔'' انہوں نے محبت پاش نظروں سے ذیشان کو دیکھا۔

''میرے تینوں بیٹے میری نظروں کے سامنے ہیں۔'' جمال کی استفہامیہ نظروں پر انہوں نے مسکرا کر کہا۔

''مجھے تو ذیشان ساتھ لے آیا' اور میں بھی گاجر کے حلوے کی چاہ میں کھنچا چلا آیا۔'' جمال نے ہنستے ہوئے کہا تو ایمن بی بھی اس کی شرارت پر مسکرا دیں۔

''کاشان کہاں ہے؟'' جمال نے قدرے نگاہ سے انہیں دیکھ کر کاشان کے بارے میں پوچھنے لگا۔

''وہ بھی ابھی کچھ دیر پہلے آیا ہے' کچھ کاروباری معاملات دیکھنے گیا ہوا تھا' میرے خیال میں فریش ہو رہا ہے آتا ہی ہوگا۔'' ایمن بی کی بجائے عبدالعزیز نے جواب دیا تو اس کے لہجے میں ایک فخر تھا جسے ذیشان نے بطورِ خاص محسوس کیا تھا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے عبدالعزیز نے ذیشان کو جلانے کی خاطر کاشان کا ذکر شاہانہ انداز میں کیا ہے' ورنہ ایسا کوئی ضروری کام نہ تھا جس کا خاص طور پر ذکر کیا جاتا۔

''آپ لوگ بیٹھو میں کھانا لگاتی ہوں۔'' ایمن بی نے ذیشان کے چہرے پر بے زاری دیکھتے ہوئے کہا اور اٹھ گئی۔

''اماں بی میں تو گجریلہ کھانے آیا ہوں۔'' جمال نے قدرے اونچی آواز میں کہا۔

''ہاں بیٹا ضرور۔'' ممتا بھرے لہجے میں کہہ کر ایمن بی باہر نکل گئی' ان کے جاتے ہی کاشان بھی وہاں آ گیا تھا' نیوی بلیو ڈھیلی ٹراؤزر کے ساتھ وائٹ ٹی شرٹ' شیمپو ہوئے ادھے گیلے اور کچھ بکھرے بال' پاؤں میں سلیپرز' چہرے پر ایک اطمینان اور دلکش مسکراہٹ' اپنے مخصوص انداز میں چلتا وہ جمال کے برابر آ بیٹھا تھا۔

جمال نے باری باری دونوں بھائیوں کو دیکھا تھا' کوئی فرق نہ ہوتے ہوئے بھی دونوں میں بہت فرق تھا' کاشان کے مقابلے میں ذیشان نہایت رف حلیے میں تھا' نجانے کتنے دن کی پہنی ہوئی جینز اور کاٹن کی بلیک کالر ہاف سلیو شرٹ' جس کی کریزیں واضح کر رہی تھیں کہ اس کو پہنے بھی دو دن ہو گئے ہیں' جمال نے گہری سانس خارج کی اور کاشان کی طرف متوجہ ہوا' ذیشان نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر سر جھکا کر اپنے موبائل پر گیم کھیلنے لگ گیا۔ کاشان اور جمال دکان کی باتیں کرتے رہے بیچ بیچ میں عبدالعزیز بھی ان کے خالصتاً کاروباری گفتگو میں شامل ہو جاتے لیکن ذیشان کو زیرِ بحث ٹاپک میں کوئی دلچسپی نہ تھی' عبدالعزیز وقتاً فوقتاً اسے دیکھ کر تاسف سے سر کو دائیں بائیں ہلا دیتے تھے' ذیشان اس کی طرف متوجہ نہ ہونے کے باوجود جانتا تھا کہ اس کا جھکا ہوا سر اور لاتعلقی انہیں کس قدر گراں گزر رہا ہے۔ لیکن ہمیشہ کی طرح اسے اس وقت بھی ان کی پروا نہ تھی۔

عزیز ولا کے مین گیٹ کی بیل نے سب کو چونکایا تھا' عبدالعزیز نے وال کلاک پر ٹائم دیکھا تو شام کے آٹھ بج رہے تھے'

''کون آیا ہوگا؟'' انہوں نے با آواز بلند کہا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

''بڑے صاحب آپ بیٹھے رہیں میں دیکھتا ہوں۔'' جمال نے وفاداری نبھاتے ہوئے اپنی خدمات پیش کیں' ذیشان نے تو اٹھنا تھا ہی نہیں' کاشان بھی باپ کو اٹھتا دیکھ کر خاموش ہی رہے تھے' جمال نے کہا اور اگلے پل باہر نکل گیا۔

''کاشان صاحب .....'' جمال واپس آیا اور دروازے میں کھڑے ہو کر کاشان کو بلایا۔

''کاشان صاحب کوئی لڑکی آئی ہے آپ کا پوچھ رہی

ہے۔'' وہ اٹھ کر اس کے پاس گیا تو جمال نے اسے بتایا۔ کاشان نے چونک کر اسے دیکھا۔

''کک..... کون ؟'' یک دم ہی وہ بوکھلا گیا۔ عبدالعزیز اور ذیشان بھی ان کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔

''کون آیا ہے جمال؟'' ذیشان نے اونچی آواز میں پوچھا۔

''و.....وہ..... کوئی لڑکی آئی ہے کاشان صاحب کا پوچھ رہی ہے۔'' جمال نے کاشان کی طرف دیکھ کر کہا۔

''کیا.....؟ کوئی لڑکی اور اس وقت.....؟'' عبدالعزیز نے ایک بار پھر اپنی گھڑی پر ٹائم دیکھا شام کا یہ وقت کسی لڑکی کا کسی کے گھر جانے کا مناسب وقت قطعی نہ تھا۔ انہوں نے بھاری آواز میں پوچھا۔ کوئی جواب دیے بنا کاشان باہر نکل گیا' تو عبدالعزیز بھی اٹھ کر اس کی طرف بڑھے۔

''جمال.....'' ذیشان نے جمال کو بلایا۔

''کون ہے؟'' ذیشان نے پوچھا۔

''پتہ نہیں یار۔ کوئی لڑکی ہے کہہ رہی کہ کاشان عزیز سے ملنا ہے۔'' جمال نے اسے بتایا تو ذیشان بھی سوچ میں پڑ گیا۔

''چلو دیکھتے ہیں پھر کون ہے؟''

''اندر آؤ یوں رستے میں کھڑے ہو کر بات نہیں ہو سکتی۔'' اس سے پہلے کے وہ دونوں باہر جاتے عبدالعزیز انتہائی سپاٹ انداز میں اس لڑکی کو ہمراہ لیے اندر آ گئے۔

''ہاں بولو۔ کہاں سے آئی ہو؟ کون ہو اور کس سے ملنا ہے؟'' عبدالعزیز اپنی مخصوص جگہ پر جا کر بیٹھے' ایمن بی بھی وہاں آ چکی تھیں اور صورتِ حال کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''مم..... میں..... میں معصومہ رحمان ہوں۔'' ان کی رعب دار آواز سے وہ بوکھلاہٹ کا شکار ہونے لگی تھی۔

''کاشان عزیز مجھے یہاں لائے ہیں۔'' سر تا پیر چادر میں لپٹی معصومہ رحمان کی آواز نے سب کو حیران کیا۔

''میں.....؟ میں کب لایا ہوں.....؟ مجھے تو نہیں پتہ۔'' کاشان نے اچٹتی نظروں سے اسے دیکھ کر کہا۔ معصومہ نے سر اٹھا کر کچھ فاصلے پر کھڑے کاشان کو دیکھا اور پھر وہاں موجود دوسرے لوگوں کو' ذیشان عزیز پر نظر پڑتے ہی اسے اپنا سر چکراتا ہوا محسوس ہوا' اس نے ایک دم پھر سے کاشان کو دیکھا۔

دونوں میں سوائے کپڑوں کے کوئی فرق نہ تھا' ایک جیسے نقوش' سر تا پیر ایک شکل اور دو وجود۔ وہ حیران ہوئی تھی۔

''کیسے ہو سکتا ایسے.....؟'' معصومہ رحمان ان دونوں کو دیکھ کر تذبذب کا شکار ہونے لگی تھی' اس نے ایک بار پھر ذیشان کو دیکھا جو سنجیدگی سے بیٹھا ساری صورتِ حال کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا' اسے سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ کاشان عزیز اور ذیشان عزیز جڑواں ہم شکل بھائی ہیں۔ اس کی نظریں اب کاشان پر آ کر رکی تھیں' وہی انداز' وہی چہرہ' وہی گہری آنکھیں اور وہی ڈیسنٹ انداز۔

''کاشان عزیز..... کب ؟ کہاں سے .....؟'' عبدالعزیز نے اس سے پوچھا۔

ایمن بی' جمال اور ذیشان گنگ ہوئے بیٹھے تھے' اس پل وہاں ایک عجیب سا ماحول ہو رہا تھا۔ سب سے زیادہ حیران تو جمال تھا کیونکہ وہ تو جانتا تھا کہ کاشان کے حلقہء احباب میں لڑکیاں بھی شامل ہیں لیکن ان میں سے کوئی گھر بھی آ سکتی ہے جمال اس بات سے انجان تھا۔

''ابا جی مم..... میں نہیں جانتا اسے۔'' کاشان عزیز بوکھلایا تھا۔ معصومہ نے کاشان عزیز کو دیکھا۔

''کہاں سے لایا ہے؟'' عبدالعزیز نے رعب دار آواز میں پوچھا۔

''رانی محل سے.....'' یک دم معصومہ رحمان کی زبان سے نکلتے الفاظ پر کاشان عزیز کو اپنے آس پاس کسی بم کے پھوٹ جانے کا احساس ہوا۔ اس نے متغیر نظروں سے معصومہ کو دیکھا۔

''رانی محل.....؟'' کاشان عزیز زیرِ لب بڑبڑایا۔

''کیا تم کوئی شہزادی ہو جو محل میں رہتی ہو اور کاشان بھاگا لایا تمہیں ؟'' ایمن بی اپنے حواسوں پر قابو پاتے ہوئے اب غصیلے لہجے میں اس سے دریافت کرنے لگیں۔

''میں نہیں بھگا کر لایا' میں نہیں جانتا' مجھے نہیں پتہ کہ رانی محل سے یہ یہاں کیسے آئی۔'' کاشان مسلسل ایک ہی بات کہے جا رہا تھا۔

''رانی محل کیا ہے؟'' عبدالعزیز نے گرجدار آواز میں

PakistaniPoint

پوچھا' لیکن کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔

''گویا تم جانتے ہو کہ رانی محل ایسی جگہ ہے جس کا تصور بھی ہمارے ہاں گناہ سمجھا جاتا ہے۔'' عبدالعزیز باہر کے دھندوں سے ایسے بھی بے خبر نہیں تھے کہ وہ جان نہ پاتے کہ کون سی جگہ کس نام سے مشہور ہے' وہ دہاڑے تھے۔

''نن..... ابا جی مجھے نہیں معلوم۔'' کاشان نے ان کی بے اعتباری کو حیرت سے دیکھا تھا۔

''ذیشان کیا تم جانتے ہو؟'' یک دم ہی عبدالعزیز نے ذیشان کو مخاطب کیا۔

''میں تو رانی محل کا نام ہی پہلی بار سن رہا ہوں۔'' ذیشان پر اعتماد لہجے میں بولا۔

''مجھے نہیں معلوم کچھ بھی۔'' ذیشان مزید گویا ہوا۔ معصومہ رحمان کو اپنا آپ ایک بار پھر کسی گہری کھائی میں دھنستا ہوا محسوس ہونے لگا تھا۔

''کاشان عزیز جانتے ہیں کہ میں رانی محل بہت کم دن رہی ہوں' ان کو میرے سارے حالات معلوم ہیں۔'' معصومہ رحمان نے پھر اپنی ذات کو پاکیزہ نظروں سے دیکھے جانے کی درخواست کی تھی۔

''کاشان میرے سارے حالات جانتے ہیں' یہی مجھے رانی محل سے نکال کر لائے ہیں۔''

معصومہ اپنے متعلق وہ سب بتانے لگی جو اس پر بیت چکا تھا۔ رانی محل میں کاشان کی آمد اس کی مدد کی درخواست اور اس کا اسے وہاں سے نکال کر محفوظ مقام پر پہنچانے کا وعدہ۔ معصومہ رحمان کو کاشان نے یہ نہیں بتایا تھا کہ اسے کیا بتانا ہے اور کتنا چھپانا ہے اپنی سادہ طبیعت اور اپنی پاکیزگی پر یقین ہونے کی بنیاد پر اس نے ساری کہانی سنا دی۔ رانی محل کی اصلیت بھی واضح کر دی۔ ضبط کے مارے عبدالعزیز کا چہرے سرخ ہو چکا تھا۔ ایمن بی' جمال اور ذیشان کے لیے بھی یہ انکشاف انتہائی جان لیوا تھا۔

''کاشان عزیز مجھے تم سے ایسی امید ہرگز نہیں تھی' اگر ذیشان کسی طوائف کو بھا گالا تا تو میں برداشت کر لیتا لیکن تم؟ کاشان عزیز تم نے آج میرا سارا غرور مٹی میں ملا دیا ہے۔'' عبدالعزیز بے حد دکھ میں چنگھاڑتی آواز میں اس سے کہہ رہے تھے۔

''میں طوائف نہیں ہوں۔'' معصومہ چلائی تو عبدالعزیز اس کے اس قدر تلخ انداز پر آگ بگولا ہونے لگے۔ قہر آلود نظروں سے کاشان کو دیکھا۔

''ابا جی میں..... بے قصور ہوں میں نہیں جانتا۔ آپ ذیشان سے بھی تو پوچھیں۔'' کاشان عزیز جھنجلایا تھا' جمال نے دونوں کو باری باری دیکھا' وہ جانتا تھا کہ ذیشان اور کاشان عزیز کچھ نہ کچھ موج مستی میں مگن رہتے ہیں لیکن ان میں سے کوئی اس حد تک جا سکتا ہے کہ رانی محل جیسی جگہ پر بھی جائے گا جمال کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا' معصومہ رحمان کے ساتھ کس کے تعلقات ہیں جمال اندازہ نہ لگا پا رہا تھا۔

''کیا یہ معاملہ اتنا سادہ ہے کاشان.....؟ ایک لڑکی کہاں سے آئی ہے اور تمہارے پیچھے آئی ہے۔ عبدالعزیز کی عزت اتنی سستی نہیں کہ کوٹھے والیوں کے حوالے کر دی جائے۔'' اب وہ اپنی جون میں لوٹے تھے' چنگھاڑتی آواز پر وہاں موجود سب لوگ لرز گئے تھے۔ وہی برتاؤ جو ذرا سی کوتاہی پر ذیشان کے ساتھ ہوتا تھا وہی آج کاشان کے ساتھ بھی ہو رہا تھا۔

''میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا' میں جو ہوں آپ کے سامنے ہوں ابا جی۔'' اور ایک ذیشان تھا جو عبدالعزیز کو دیکھ کر مسلسل ایک دھیمی مسکراہٹ چہرے پر سجائے انہیں مزید طیش دلا رہا تھا۔ عبدالعزیز کے الفاظ (اگر ذیشان کسی طوائف کو بھا گالاتا تو برداشت کر لیتا) پر اس کا خون کھول رہا تھا۔

''میں ایسا بھی گیا گزرا نہیں ہوں کہ ایک طوائف کے عشق میں گرفتار ہو جاؤں۔'' ذیشان نے انتہائی تلخی سے عبدالعزیز کو دیکھ کر کہا تھا۔ عبدالعزیز نے بے تاثر نظروں سے اسے دیکھا۔ ایمن بی مسلسل خاموش تھیں ان کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا انہیں کیا کرنا چاہیے' وہ تو ذیشان کو ہر وقت سمجھاتی رہتی تھیں کہ کوئی ایسا کام نہ کرے جس کی وجہ سے عبدالعزیز کی نظروں میں مجرم بن جائے' لیکن اب تو کاشان نے ہی ایسی کام کر دیا کہ عبدالعزیز کے ساتھ ساتھ عزیز ولا کا ہر فرد کا سر شرم سے جھک گیا تھا۔

''میں طوائف نہیں ہو۔ کاشان عزیز بولیں آپ میں طوائف نہیں ہوں۔'' اس الزام پر معصومہ چیخی تھی' کاشان

عزیز کی طرف دیکھ کر چلائی تھی۔ وہ یک ٹک اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

''دھوکا دیا ہے مجھے' آپ نے جھوٹ بولا ہے' آپ نے وعدہ کیا تھا کہ میری عزت پر کوئی حرف نہیں آئے گا' میں بھول گئی تھی کہ آپ جیسے عزت دار کیا جانیں عزت کیا ہوتی ہے۔'' اس کی خاموشی پر اس کا گریبان پکڑے معصومہ روتے ہوئے بولی۔

''دیکھو تم آرام سے بات کرو۔'' کاشان عزیز نے ایک جھٹکے سے اس کے ہاتھ جھٹک کر اسے دور کیا۔

''وہی اندازِ گفتگو' وہی آواز' وہی دلکشی کاشان عزیز کیا میرا دل جھوٹ بول رہا ہے؟ کیا یہ گواہی جھوٹی ہے؟'' معصومہ قدرے مدھم آواز میں اس سے پوچھنے لگی تھی۔ وہ حیران تھی کہ کاشان عزیز نے محفوظ مقام پر پہنچانے کا دعوا کر کے اس کی ذات سے ہی کیوں مکر رہا ہے؟

''دیکھو میں نہیں جانتا کہ تم کون ہو۔ کہاں سے آئی ہو' کیوں آئی ہو میں نہیں جانتا۔'' کاشان جھنجلا کر بولا۔ معصومہ حیران تھی کہ وہ کیوں مکر رہا ہے۔

''مہرورانی نے آپ کو دعوت دی تھی۔ کیا آپ بھول گئے سب؟ مجھے محفوظ مقام پر پہنچانے کی رقم ادا کی تھی کیا یہ بھی بھول گئے۔'' مہرورانی کے نام پر کاشان گڑبڑا کر رہ گیا تھا' معصومہ بلند آواز میں تلخی سے بولی تو کاشان کی رنگت زرد پڑنے لگی۔

''اور وہاں سے نکال کر یہاں طوائف بنا دیا؟'' معصومہ گلوگیر لہجے میں بولی۔ اور بس اس سے زیادہ دیر تک عبدالعزیز سر اٹھا کر نہ دیکھ سکتے تھے ان کا سر مزید جھک گیا۔ ایمن بی باقاعدہ ہچکیوں سے رونے لگی تھی اور جمال وہ تو جیسے کسی خواب کی کیفیت میں مبتلا ہو رہا تھا۔

''ہاں دی تھی دعوت لیکن.....''

''واہ کاشان عزیز واہ.....'' رنج کے مارے عبدالعزیز کا گلا گھٹنے لگا تھا۔

''تم نے تو آج مجھے زندہ درگور کر دیا' میرے یقین اور اعتماد کا خون کر کے اپنے آپ کو مٹی میں رول دیا۔'' عبدالعزیز مارے صدمے کے بول بھی نہ پا رہے تھے' ایسے میں ذیشان عزیز کی تمسخرانہ نگاہیں انہیں بری طرح چبھنے لگی تھی۔ کاشان کا رانی محل اور مہرورانی سے شناسائی واضح کر رہی تھیں کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔

''لیکن ابا جی میں نے کچھ نہیں کیا۔'' کاشان عزیز پھر بولا۔

''ابا جی اب آپ کو معلوم ہوا کاشان اور ذیشان میں فرق؟ ساری زندگی میں نے آپ کی نفرت سہی ہے منظور ہے مجھے کیونکہ میں جانتا تھا کہ میں آپ کو دھوکا نہیں دے رہا ہوں۔'' ذیشان کو موقع مل گیا تھا اپنی ساری عمر کی ناقدری کا احساس دلانے کا۔

''دیکھو لڑکی تم غور سے دیکھو تمہیں کس نے رانی محل سے نکالا ہے؟'' ایمن بی نے کانپتی آواز میں اس سے پوچھا۔

معصومہ نے ذیشان کو دیکھا سوائے شکل کے اس میں کاشان جیسا کوئی انداز نہ تھا' وہ نرم گفتاری نہ وہ دلکش انداز' دل فریفتہ ادائیں نہ ویسی گہری نگاہیں۔ معصومہ رحمان کاشان عزیز کو کیسے نہیں پہچان سکتی تھی بھلا' لیکن ان کے انکار کی وجہ شاید وہ سمجھ رہی تھی لیکن اس کے پاس سچ بولنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

''میرے دل کی گواہی کافی ہے' بے شک یہ انکار کر رہا ہے لیکن میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ کاشان عزیز ہی وہ شخص ہے جس نے مجھے اس جہنم سے آزاد کرایا تھا۔'' معصومہ نے من ہی من میں کہا اور کاشان کی طرف اشارہ کیا' ذیشان کا انداز اس کا حلیہ کسی طرح بھی کاشان جیسا نہیں تھا اور دوسری بات اس کی نگاہوں میں وہ تاثر نہ تھا جو رانی محل میں کاشان کی نگاہوں میں ہوتا تھا۔

''تم نے بہت دکھ دیا ہے کاشان عزیز۔'' عبدالعزیز صحیح معنوں میں ٹوٹ گئے تھے۔

''ابا جی میں نہیں جانتا کچھ بھی۔۔۔ میں تو دوستوں کے ساتھ تھا۔'' کاشان نے پھر کہا انہوں نے ایک نظر اسے دیکھا وہ خاموش ہو گیا۔

''اس کو وہیں چھوڑ کر آؤ جہاں سے لائے تھے۔'' ان کا اگلا حکم معصومہ رحمان کے پیروں تلے سے زمین کھینچ کر لے گیا تھا۔

ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ

Pakistanipoint

اندھیر نگری

محمد شعیب

جنات سے دوستی کرنے کے شائق ایک نوجوان کا قصہ، اس پر ایک ڈائن عاشق ہوگئی تھی۔ اس نے نوجوان کو تیس سال کا ہونے کے بعد ملنے کا کہا تھا۔ مقررہ وقت آنے پر وہ نوجوان کو اغوا کر کے اپنی دنیا میں لے گئی۔

نئے افق کے قارئین کے لیے بطور خاص رونگٹے کھڑے کر دینے والی تحریر

اگست..... یقیناً وہ اگست کا ہی مہینہ تھا۔ آپ سوچ رہے ہونگے میں مہینے کے بارے میں ہی ابہام کا شکار ہوں تو کہانی کیسے بیان کر سکوں گا؟ لیکن میرا یقین کریں' میری زندگی ابہام کا شکار ہو سکتی ہے مگر وہ واقعہ نہیں جو میں ابھی بیان کرنے جا رہا ہوں۔ وہ واقعہ میری یادداشت پر ایسے نقش ہے جیسے کسی سنگ مرمر پر ایک دراڑ اس کی خوبصورتی کو داغدار کر دیا کرتی ہے بالکل ویسے ہی' میری زندگی کہ وہ پل میری خوبصورت زندگی کی بھیانک یادیں ہیں۔ ان یادوں سے میں چاہ کر بھی پیچھا نہیں چھڑوا سکتا۔

اس سے پہلے کہ میں اپنی آپ بیتی بیان کرنا شروع کروں پہلے اپنے بارے میں کچھ بتانا چاہوں گا۔ میرا نام خرم ہے۔ میرا تعلق کسی امیر گھرانے سے بالکل نہیں تھا۔ میرے بابا کے پاس گاؤں میں اپنی زمین تھی۔ جو ہماری آمدنی کا ذریعہ تھی۔ میں بہن بھائیوں میں سب سے بڑا تھا اس لیے بابا کے بعد تمام تر ذمہ داریاں مجھ پر تھیں۔ ویسے تو بچپن سے ہی میں سنجیدہ تھا اور اپنے کام سے کام رکھنا میری عادت تھی لیکن ایک شوق بچپن سے جیسے میری رگوں میں خون کی طرح دوڑتا تھا اور وہ شوق تھا۔ کسی اجنبی مخلوق سے بات کرنا۔

جی ہاں..... یہ شوق کیسے میرے اندر پیدا ہوا' اور اس کا سبب کیا تھا؟ یہ میں خود نہیں جانتا۔ بس ایک یہی خواہش تھی کہ کسی طرح میں ان کو ایک بار دیکھ لوں مگر کیسے؟ یہ نہیں جانتا تھا۔ اس خواہش کا ذکر میں نے ایک بار بابا سے بھی کیا تھا پھر آپ سب جانتے ہی ہیں کیا جواب ملا ہوگا؟ نصیحتوں کو ایک بڑی سی پوٹلی میرے سامنے کھول دی گئی۔ میں اکتاہٹ کے ساتھ ان نصیحتوں کو ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے بڑی ہی آسانی سے نکالتا جا رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ بابا نے کبھی ایسی خواہش نہیں کی تھی تبھی وہ ایسا بول رہے ہیں مگر مجھے کیا خبر تھی کہ ان کا ایسی خواہشوں سے روکنا۔ میرے حق میں ہی تھا مگر بچہ تھا' اس لیے نہ سمجھ سکا۔

خیر دن گزرتے چلے گئے اور میں بچپن سے لڑکپن میں داخل ہوا۔ دوسرے لڑکوں کی طرح میرے بھی دوست تھے مگر محض اسکول کی حد تک۔ مجھے بے جا رفاقتیں بڑھانے کا کوئی شوق نہیں تھا۔ ہاں کبھی کبھی جب دل اکتا جاتا تو ان کے پاس جا کر کچھ کھیل لیتا مگر میرا دل ان کھیلوں سے نہ بھرتا تھا۔ میرا دل تو بس ایک ہی خواہش کے پیچھے تھا۔

اُس شام بھی میں تن تنہا اپنے بابا کی زمین پر تھا۔ گرمی معمول سے بڑھ کر تھی' بھی دور دور تک کوئی دیکھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں بھی ستانے کے لیے آم کے درخت پر چڑھ گیا۔ چھاؤں کی چھاؤں اور آم کے مزے علیحدہ سے۔ خیر باقی واقعات کو ایک طرف رکھ کر میں نکتے پر آتا ہوں۔ میں وہاں آم کے درخت پر کافی دیر تک بیٹھا سامنے بیری کے درخت کی جانب دیکھتا رہا۔ گاؤں والوں سے اس بیری کے متعلق کافی باتیں سنی تھیں اور وہ باتیں میں اکثر قصے کہانیوں میں بھی پڑھ چکا تھا مگر مجھے کہاں یقین تھا؟ بس ٹکٹکی باندھے اسے دیکھتا رہا اور سوچ رہا تھا کہ کاش آج ہی مجھے اپنی خواہش کی تکمیل کا راستہ مل جائے۔ شاید میری دعا قبول ہوگئی یا پھر وہ محض ایک وہم تھا۔ میری نظر اسی بیری کے پیچھے ایک عکس پر گئی۔ سفید لباس مجھے دور سے نظر آیا تھا۔ میں نے اپنی پوری آنکھیں کھولیں

Pakistanipoint

شاید یہ میرا وہم ہو مگر نہیں..... ایسا نہیں تھا۔ میں جاگتی آنکھوں سے اس عکس کو دیکھ سکتا تھا۔ میں نے ایک لمبی جست لگائی اور نیچے اتر آیا۔ یہ میرے لیے دوسرا حیران کن واقعہ تھا۔ کیونکہ میں اس وقت تقریباً درخت کی سب سے اونچی ٹہنی پر بیٹھا تھا اور میں نے جست ایسے لگائی جیسے زمین سے کوئی چار پانچ فٹ ہی اونچا ہوں۔ حالانکہ مجھے جست لگاتے ہوئے ایک خوف آتا تھا مگر آج ایسا نہیں ہوا۔

خیر..... میں نے اس پر زیادہ دھیان نہیں دیا اور بھاگتا ہوں اس بیری کے درخت کی جانب بھاگا۔ وہاں وہ عکس اب بھی موجود تھا۔ درخت کی اوٹ میں چھپا ہوا۔

میری سانسیں ذرا سی خشک ہوئیں مگر ڈر..... میرے اندر نہیں سما سکتا تھا۔ بھلا ایسی خواہش کرنے والا کیسے ڈر سکتا تھا؟ میں دھیمے قدموں سے آگے بڑھا۔ دل کی عجب سی حالت تھی۔ میں اس عکس کا چہرہ دیکھنا چاہتا تھا مگر اس کی پشت میرے سامنے تھی۔ گھنے سیاہ بال سفید لباس پر بکھرے ہوئے تھے۔ میں تو جیسے ان زلفوں کی آغوش میں سما چکا تھا۔ ایسی عمر میں ویسے ہی دل جلد پھسل جایا کرتا ہے۔ میرا بھی دل ان زلفوں پر آ چکا تھا۔ بنا دیکھے ہی ایک کسک اس دل میں ابھری تھی۔

"کون ہو تم؟" میرے لب متحرک ہوئے تھے مگر وہ وجود اپنی جگہ پر ساکت رہا۔ میں نے دھیرے سے اپنے ہاتھ اس کے شانوں کی جانب بڑھائے اور میں اسے چھونے میں کامیاب ہوا تھا۔ میرے چھونے پر جیسے اس نے ایک جھرجھری لی تھی۔

"تمہیں مجھے نہیں چھونا چاہیے تھا۔" بنا دیکھے اس نے کہا تھا۔ آواز میں بھی ایک سرور تھا۔ میں اس سحر میں بری طرح جکڑ چکا تھا۔

"میں تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔" خوف کے سبب بھاگنے کی بجائے میں وہیں کھڑا اصرار کر رہا تھا مگر وہ میری اس خواہش کو پورا کرنے کی بجائے میرے صبر کا امتحان لے رہی تھی۔

"تم مجھے ابھی نہیں دیکھ سکتے۔" اس نے کہا تو میری پیشانی پر کچھ سلوٹیں ابھری تھیں۔ میں نے خود ہی اس کے سامنے جانے کا ارادہ کیا اور جھٹ سے اس کے سامنے ہو لیا مگر وہ شاید مجھ سے زیادہ تیز تھی۔ میرا دوسری طرف جانا تھا کہ اس نے اپنی پشت دوبارہ میری طرف کر لی۔ وہ اپنا چہرہ چھپائے ہوئے تھی۔ میں نے یہ کوشش کئی بار کی مگر ہر بار ناکامی میرا مقدر بنی تھی۔ میں تھک چکا تھا مگر اس کی ایک ہنسی فضا میں گونجی۔

"تم انسان..... بہت ضدی ہوتے ہو۔"

اگر کوئی اور انسان ہوتا تو یقیناً اس جملے پر اس کے حواس بکھر جاتے اور وہ دم دبا کر بھاگ جاتا مگر میں ایسا نہیں تھا۔ اس جملے نے جیسے مجھے راحت پہنچائی تھی۔ میرے دل میں اسے دیکھنے کی جستجو پہلے سے زیادہ بڑھ گئی۔

"باقی انسانوں کا تو پتا نہیں..... مگر میں تمہیں دیکھ کر ہی دم لوں گا۔" میں نے آخری بار کوشش کی تھی مگر وہ اس بار بھی جیت گئی۔ ہنسی دوبارہ فضا میں گونجی۔ اس کا سفید لباس میری آنکھوں میں جیسے سماتا چلا گیا تھا۔ مجھے اپنے اردگرد کی ذرا خبر نہ تھی۔

"مجھے دیکھنے کے لیے تمہیں انتظار کرنا ہوگا۔" اس نے کہا تھا

"میں زندگی بھر تمہارا انتظار کر سکتا ہوں۔" جانے کیوں میرے لبوں نے یہی کہا تھا۔ شاید میرے دل میں اس کا ایک انجانہ سا وجود سما چکا تھا۔ اس کی آواز ہی..... محبت کا باعث بنی تھی۔

Pakistanipoint

''ٹھیک ہے..... جب تم تیس برس کے ہوجاؤ اسی درخت کے نیچے آجانا۔'' یہ کہنا تھا کہ وہ وجود ہوا میں جیسے تحلیل ہوگیا۔ میری آنکھوں کے سامنے..... بس وہی درخت تھا۔ میں نے کئی چکر اس درخت کے لگائے تھے مگر وہاں کچھ نہیں تھا۔ میں تھا اور وہ درخت..... کافی دیر تک میں یہی سوچتا رہا کہ وہ کہاں گئی' کون تھی' اور مجھے تیس سال کے ہونے کی مہلت کیوں دے گئی؟ ابھی تو میری عمر محض اٹھارہ سال تھی مگر اتنے سال میں کیسے اس واقعے کو یاد رکھ سکتا تھا۔ بچپن کی تو خوشیاں یاد نہیں رہتی..... تو میں یہ چند لمحے کیسے یاد رکھ سکتا تھا؟

خیر میں واپس گھر لوٹ آیا اور اس بات کا ذکر کسی سے نہ کیا۔ میں جانتا تھا کوئی میری بات کا یقین نہیں کرے گا۔ سب میرا وہم سمجھتے اور مجھے بھولنے کا کہتے مگر میں اسے بھول نہیں سکتا تھا۔ بس دنوں کی گنتی کر رہا تھا۔ کب دن ہفتوں میں..... ہفتے مہینوں میں اور مہینے برسوں میں تبدیل ہونگے اور میں اس سے دوبارہ مل سکوں گا۔ میں نے اس دن کے بعد کئی بار اس درخت کے چکر لگائے۔ دوبارہ اس کا وجود تراشنا چاہا مگر وہ تو جیسے اپنے وعدے کا پکا تھا۔ بس ایک آواز گونجتی۔

''تیس برس کے ہوجانے کے بعد ہی تم مجھے دیکھ سکو گے۔''

اب میں مصمم ارادہ کر چکا تھا کہ میں تیس سال کا ہوجانے کے بعد ہی اس درخت کے پاس آؤں گا۔

جب تک مجھے اس خواہش کو اپنے دل میں کہیں چھپا کر رکھنا تھا مگر کیسے؟ اس کا انتظام بھی شاید قسمت نے کر دیا۔ بابا نے مجھے پڑھنے کے لیے شہر بھیجا اور وہاں سے ماسٹر کی ڈگری لے کر ایک بار پھر اپنے گاؤں کی سرحد پر قدم رکھا۔ اتنے برسوں تک ایک بار بھی مجھے اس درخت کا خیال نہ آیا شاید باہر کی ہوا تھی مگر جیسے ہی میں نے گاؤں میں قدم رکھا تو تمام تر واقعات ایک بار پھر یادداشت کا حصہ بننے لگے تھے۔ ایک بار پھر وہی خواہش ابھرنے لگی تھی مگر اب جذبات میرے قابو میں تھے۔

ادھر اماں نے میری شادی کی بات شروع کر دی۔ مجھے یہ سن کا کافی دھچکا لگا۔ جانے کیوں میں ابھی شادی کرنے کے حق میں نہ تھا۔

''شادی نہیں کرنی..... مگر کیوں؟ چوبیس کے ہو چکے ہو؟'' اماں نے کرخت آواز میں کہا تھا۔

''اماں..... میں کسی اور کو چاہتا ہوں۔'' میرا دل جیسے آج بھی اس نادیدہ وجود کی گرفت میں تھا۔ تبھی یہ الفاظ میری زبان سے جاری ہوئے تھے۔ یہاں پر بتاتا چلوں کہ میں یہ الفاظ کہنا نہیں چاہتا تھا اور نہ ہی مجھے خبر تھی کہ میں کیا کہنے جا رہا ہوں۔ جب الفاظ ادا ہوگئے' تب جا کر مجھے خبر ہوئی۔ اس کے بعد ایک عدد طمانچہ بابا سے ضرور لگا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ میں شہر میں جا کر بگڑ گیا مگر انہیں کیا خبر تھی میرا دل تو اسی گاؤں میں ہی..... کسی اجنبی وجود کی گرفت میں تھا۔

''کون ہے وہ؟'' کافی دن بعد بابا نے غصے میں پوچھا تھا۔ میں خاموش رہا اور بس اتنا جواب دے سکا کہ اس نے مجھے تیس برس کے ہوجانے تک خاموش رہنے کا کہا ہے۔ جب میں تیس کا ہوجاؤں گا تو وہ مجھے اپنا لے گی۔

یہ سن کر ان کا قہقہہ گونجا تھا۔ میں سمجھ گیا وہ مجھے پاگل سمجھ رہے ہیں۔ میں نے بھی اپنے لفظوں پر غور کیا۔ شاید میں ہی پاگل تھا۔ جو ایک ملاقات میں ہی دل لگا بیٹھا۔ بابا اور اماں کے سمجھانے پر میں نے اپنے چچا کی بیٹی سے شادی کر لی۔ اس وقت میری عمر پچیس برس تھی۔

وقت نے ایک بار پھر اپنی آغوش میں سما لیا اور پانچ سال آنکھیں بند کر کے گزر گئے۔ ہاں..... ان پانچ سالوں میں میں نے گاؤں کو الوداع کہہ دیا تھا کیونکہ میری نوکری شہر میں تھی اور بار بار گاؤں آنا میرے لیے مشکل تھا۔ اماں اور ابا کی بھی اسی دوران وفات ہوگئی اور یوں میں اپنی بیوی ثمینہ اور اپنے بیٹے ارمان کے ساتھ شہر میں رہنے لگا تھا۔

میرے تیس برس کے ہونے میں بس تین ہفتے باقی تھے اور میں اس واقعے کو فراموش کر کے اپنی زندگی میں کافی آگے بڑھ چکا تھا۔ اب نہ ہی میں واپس لوٹنا چاہتا تھا اور نہ ہی مجھے یاد تھا مگر مجھے خواب میں بار بار وہی منظر دکھائی دیتا۔ وہی درخت..... وہی عکس..... وہی باتیں..... وہی وعدہ..... ہر بار میں آنکھ کھول کر وقت دیکھتا تو رات کے بارہ بج رہے ہوتے۔

اگست کی اٹھائیس تاریخ کو بھی یہی خواب مجھے نظر آیا تھا۔ میں اٹھا تو پسینے سے شرابور تھا۔ اگرچہ اے سی چل رہا تھا۔ مگر میں اپنے آپ کو کسی تندور میں پھنستا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ میرا دم گھٹ رہا تھا۔ ثمینہ کو اٹھانا مناسب نہ سمجھا اور خود بالکونی کی طرف اٹھ کر آ گیا کھلی فضا میں نکل کر مجھے جیسے سانس آیا تھا۔

''آخر کیوں یہی خواب مجھے آ رہا ہے؟'' میں نے زیر لب کہا تھا تبھی ایک سرگوشی ہوئی تھی۔

''تم صرف میرے ہو خرم..... تم وعدہ خلافی نہیں کر

سکتے۔" زندگی میں پہلی بار مجھے خوف آیا تھا۔ ایک انجانی آواز..... جسے میں مسلسل بھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اب جاگتے ہوئے بھی سن سکتا تھا۔ میں نے پلٹ کر ثمینہ کی طرف دیکھا تو اسے ان سب سے انجان پایا۔

"میں اسے دھوکا نہیں دے سکتا۔" میں ارادہ کر چکا تھا اور جتنا ممکن ہو پا رہا تھا اس آواز سے جان چھڑا رہا تھا۔ وہ دن میں نے کیسے گزارے میں جانتا تھا۔ ہر وقت ایک ہی آواز میری سماعت سے ٹکراتی تھی۔

"واپس آجاؤ خرم..... میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔ اسی درخت کے نیچے..... جہاں تم نے آنے کا وعدہ کیا تھا۔" میں جیسے پاگل ہو رہا تھا۔ ثمینہ نے میری اضطرابی کیفیت کو بھانپتے ہوئے جواز جاننا چاہا تھا مگر میں بہانہ کر دیتا۔ بھلا کیونکر اسے سچائی بتا کر پریشان کر سکتا تھا؟ بس خود ہی اس کیفیت سے لڑتا رہا۔

پھر تیس اگست کا دن آیا۔ میری سالگرہ کا دن..... ثمینہ نے انتیس اگست کی رات ہی مجھے وش کیا تھا۔ میں بہت خوش تھا۔ میری بیوی نے میرے جنم دن کو یاد رکھا۔ اس رات میں اور وہ کافی دیر تک جاگتے رہے اور تین بجے کے قریب ہماری آنکھ لگی تھی۔

صبح ہوئی تو سورج کی کرنیں میری آنکھوں میں چبھ رہی تھی۔ میں نے آنکھیں بند کیے ہی کروٹ لی تو ایک نوکیلی شے چبھی۔ مجھے عجیب سا لگا اور فوراً اٹھ بیٹھا۔ زندگی میں پہلی بار میرا حلق خشک ہونے لگا تھا۔ مجھے تو جیسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ دل کی دھڑکنیں بھی جیسے جواب دے گئیں۔

"ناممکن.....!" بے ساختہ میری زبان سے جاری ہوا تھا۔ آپ کو بھی یہ جان کر حیرت ہوگی کہ میں اُس وقت اپنے گاؤں والے گھر میں تھا۔ میں وہاں کب اور کیسے پہنچا؟ مجھے کچھ خبر نہ تھی۔ میں نے ثمینہ اور اپنے بیٹے کو پکارا مگر کوئی جواب موصول نہ ہوا۔ حیرت کی بات یہ کہ میں اسی نائٹ سوٹ میں تھا جو میں نے رات پہنا تھا۔ میں باہر آیا تو سب مجھے وہاں دیکھ کر حیران ہوئے اور میرے آنے کا سبب پوچھا۔ اب بھلا میں ان کو کیا جواب دیتا؟ حیران و پریشان واپس کمرے میں چلا گیا۔

گھر فون کیا تو ثمینہ کو بھی اپنے لیے اداس پایا۔

"آپ کہاں چلے گئے؟ میں صبح سے پریشان ہوں؟" اب سچائی بیان کر کے میں اس کی پریشانی میں اضافہ نہیں کر سکتا تھا۔ تبھی جھوٹ بولا۔

"مجھے آفس سے ضروری کال آئی تھی۔ تبھی آؤٹ آف سٹی جانا پڑا۔ تم پریشان نہ ہو۔ میں رات تک لوٹ آؤں گا۔" یہ کہہ کر میں نے تسلی دی اور فون بند کر دہاں سے جانے کا سوچا مگر مجھے لباس بھی تبدیل کرنا تھا۔ میں نے الماری کھولی تو وہاں شیروانی دیکھ کر میرے گلے میں تھوک بھی اٹک کر رہ گیا۔ قدم خود بخود پیچھے کھسکنے لگے۔

"تمہارے لیے ہے یہ۔" ایک سرگوشی ہوئی۔ میں دفعتہً پلٹا مگر وہاں کوئی نہ تھا۔ میں نے گردن جھٹکتے ہوئے وہاں سے اسی حالت میں جانے کی سوچا۔

باہر آ کر معلوم ہوا کہ شہر جانے والی تمام سڑکیں مرمت کے باعث بند ہیں۔ یہ میرے لیے عجیب صورت حال تھی۔ میں گھر دوبارہ آیا اور دن گزرنے کا انتظار کرنے لگا۔ اس دوران وہ شیروانی میری آنکھوں کے سامنے تھی۔ بار بار مجھے وہ شیروانی پہننے کو کہا جاتا مگر میں کانوں پر ہاتھ رکھے اس آواز سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔ تبھی مجھے باہر سے ایک آواز آئی۔ میں اٹھا مگر بدقسمتی کہیے۔ میرا سر بری طرح دروازے سے جا لگا اور میں وہیں بے ہوش ہو گیا۔ ہوش آیا تو میرا سر بری طرح بوجھل تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے کسی نے نشہ آور شے دے کر بے ہوش کیا تھا۔ میں سر کو جھٹکتے ہوئے اٹھا تو اپنے آپ کو اسی درخت کی چھاؤں میں پایا' جہاں بارہ سال پہلے کھڑا تھا۔ میرے لیے یہ بات ناقابل یقین تھی۔ میری نظر اپنے لباس پر گئی تو میری سانسیں اکھڑ گئیں' وہی شیروانی میرا لباس بن چکی تھی' جو میں اپنے گھر میں پہلے ہی دیکھ چکا تھا۔

"ایسا نہیں ہو سکتا۔" میں ہر شے کو توڑ کر واپس جانا چاہتا تھا۔ ابھی واپسی کے لیے قدم موڑے ہی تھے کہ وہی آواز سماعت سے ٹکرائی۔

"کہاں جا رہے ہو خرم؟ مجھے دیکھو گے نہیں؟" وہ میرے عین پیچھے کھڑی تھی۔ میرا وجود آگ میں جھلس رہا تھا۔ اپنے آپ کو ضبط کیے میں خاموش کھڑا رہا۔

"کیا ہوا؟ اٹھارہ سال پہلے تو تم مجھے دیکھنے کے لیے بے تاب تھے۔ اب کیا ہوا؟" وہ لہجہ انتہائی شیریں تھا۔ اس نے میرے شانے پر ہاتھ رکھے تو میرا غصہ پانی کی طرح بہہ گیا۔ آنکھوں میں ایک تمکنت ابھر آئی۔

"تب کی بات کچھ اور تھی۔ اب مجھے تم سے کوئی سروکار نہیں۔" میں نے نرم لہجے میں سمجھانا چاہا تھا۔

"لیکن مجھے ہے..... میں تمہیں پسند کرتی ہوں اور تم سے

Pakistanipoint

ہی شادی کروں گی۔'' وہ اپنی بات پر قائم تھی۔

''مگر میں پہلے ہی شادی شدہ ہوں اور اپنی بیوی سے بے حد محبت کرتا ہوں۔'' میں نے پلٹ کر کہا تو اس کے چہرے پر نگاہیں جم کر رہ گئیں۔ کیا کشش تھی اس چہرے میں..... میں لفظوں میں بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ ایک حسین گلاب..... شباب کی انتہا..... جھیل سی آنکھیں اور ان میں تیرتی ہلکی سی نمی..... گویا ان آنکھوں میں اتر کر اپنی زندگی تمام کرلوں۔ لبوں کی نازکی..... گلاب کی پنکھڑیوں کی مثل تھی۔ اس حسین چہرے کو دیکھ کر دل بری طرح دھڑکا تھا۔ آنکھوں میں بھی اضطرابی کیفیت تھی۔ گویا سرتاپا میں اس کے حصار میں آچکا تھا۔

''اب کرتے ہو اپنی بیوی سے محبت؟'' گویا اس نے میرے استقلال کا امتحان لینا چاہا تھا۔ حسن کے مجسمے کو دیکھ کر بھلا کس کا دل اُس طرف مائل نہیں ہوتا؟ میرا بھی ہوا تھا۔ مگر حقیقت میرے سامنے عیاں تھی۔

''ہاں.....'' میں نے دوٹوک لہجے میں کہا تھا۔

''مگر کیوں؟ وہ تو سانولی ہے۔ میرے حسن کے آگے اس کی کوئی حیثیت نہیں۔'' اسے اپنے حسن پر ناز تھا۔

''جانتا ہوں مگر وہ میرے ہم پلہ ہے۔ وہ انسان ہے اور انسان کی شادی فقط انسان سے ہوتی ہے۔ تم جو کوئی بھی ہو۔ میرے لیے نہیں ہو۔'' میں نے حقیقت بیان کی تو اس کی آنکھوں میں جیسے انتقام ابھر آیا تھا۔ اس کے حسین چہرے پر سلوٹوں کا جہان آباد ہونے لگا۔

''یہ بات سچ ہے کہ ایک وقت تھا..... میرا دل اجنبی مخلوق دیکھنے کو چاہتا تھا مگر خواہش کے لیے حقیقت سے منہ نہیں موڑا جاسکتا۔ میں اس خواہش کو اپنی زندگی کی بھول سمجھتا ہوں اور تمہارے لیے بھی بہتر یہی ہوگا کہ مجھے یہاں سے جانے دو۔'' یہ کہہ کر میں نے واپسی کے لیے قدم کھسکائے تھے مگر جو آہیں گونجیں میری تو جان ہی نکل گئی۔ وہ ثمینہ کے چلانے کی آواز تھی۔ میں حواس باختہ پلٹا تو درخت کی ٹہنی سے جکڑا ہوا اس کا جسم لٹکا تھا۔

''خر..... خرم.....'' وہ مدد کے لیے پکار رہی تھی۔ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔

''کیا کر رہی ہو یہ؟'' میں چلایا تھا۔

''اس آدم زادی کے لیے تم نے مجھے دھتکارا..... اب اس کو بھی نہیں چھوڑوں گی میں۔'' ایک آواز گونجی اور اس کا بے جان جسم میری نگاہوں کے سامنے تھا۔ میری بیوی..... میری شریک حیات..... ایک پل میں مجھ سے جدا ہوگئی۔

''یہ کیا کیا تم نے؟'' میری آنکھوں سے آنسو بھی رخصت ہوچکے تھے۔ آواز بھی ہکلاہٹ کا شکار تھی۔ جبکہ اس کی ہنسی فضا میں گونجتی رہی۔

''اب بتاؤ..... کرو گے مجھ سے شادی؟'' اس کی آواز میں تکبر کا خمار تھا۔ اس کا تعلق جس جنس سے بھی تھا۔ میں اتنا سمجھ چکا تھا کہ اس میں ہمدردی کا عنصر نہیں۔ بس ایک انا تھی۔ جس کی خاطر وہ کچھ بھی کرسکتی تھی۔

''کبھی نہیں..... اپنی بیوی کی قاتلہ کو میں کبھی اپنی زندگی میں شامل نہیں کروں گا۔'' میں نے کرخت لہجے میں جواب دیا تھا۔

''سوچ لو..... تمہارا بیٹا ابھی زندہ ہے۔'' اس نے ذومعنی لہجے میں کہا تھا۔ میری رہی سہی جان بھی نکل گئی۔ ڈگمگاتا ہوا کھڑا ہوا اور اسے ایسا کرنے سے روکا مگر وہ کہاں رکنے والی تھی۔ اگلے ہی لمحے میرے بیٹے کا ننھا وجود ہوا میں معلق تھا۔ اس کی چیخ و پکار میری سماعت میں گونج رہی تھی۔

''چھوڑ دو میرے بیٹے کو۔'' میں اس کے آگے منت سماجت کررہا تھا مگر اس کے دل میں جیسے کوئی رحم کا عنصر نہیں تھا۔ وہ سنگ دلی سے اس کو ہوا میں معلق کیے اس کے جسم سے روح نکلنے کی منتظر تھی۔

''چھوڑ دو..... میرے بیٹے کو..... تم جو کہو گی..... میں کروں گا۔'' میں نے مجبور ہوکر کہا تھا۔ یہ الفاظ سننے تھے کہ اس نے میرے بیٹے کو چھوڑ دیا مگر اتنی بلندی سے گرنے پر اس کی ایک چیخ بلند ہوئی۔ میں نے آگے بڑھ کر اسے اپنی آغوش میں لینا چاہا مگر اس تک پہنچنے سے پہلے ہی میں ایک گڑھے میں جاگرا۔ ایک اندھا کنواں تھا شاید..... یا پھر گہری کھائی۔ میں اندر دھنستا ہی چلا گیا۔ میری فلک شگاف چیخ نے بھی اس گہری کھائی کو ناپنا چاہا تھا۔ جب میں زمین پر آیا تو اپنے آپ کو ایک اندھیری جگہ پر پایا۔ چاروں اطراف اندھیرا تھا۔ میں چیختا چلاتا رہا مگر باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہ ملا۔

''چیخنے چلانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ یہ اندھیر نگر ہے۔ برسوں سے روشنی اس نگر سے خفا ہے۔ اب تم بھی اسی اندھیر نگر کا حصہ ہو۔'' ایک آواز سنائی دی مگر مجسم سامنے نہیں تھا۔ میں نے اس کے بابت سوال کیا تو اس نے بتایا کہ وہ بھی اسی وجود کے سحر میں جکڑ کر اس اندھیر نگر پہنچا۔ میں نے اپنی کہانی سامنے

رکھی تو اس نے بھی اپنی کہانی سنائی۔ دونوں کی کہانی ایک جیسی تھیں۔ اسے بھی تیس برس کی عمر میں ملنے کا کہا گیا تھا اور جب اس نے بھی شادی سے انکار کیا تو اس نگر میں قید کر دیا گیا۔

"مگر وہ کون ہے؟ اور ایسا کیوں کرتی ہے؟" میرے ذہن میں ایک سوال تھا۔

"وہ کون ہے؟ یہ تو نہیں معلوم مگر اس اندھیر نگر میں رہ کر یہ بات سمجھ آئی ہے کہ اس چڑیل کو جوان رہنے کے لیے کسی جوان مرد کی جوانی چاہیے ہوتی ہے۔ یہ اندھیر نگر اس کا سحر ہے۔ یہاں رہ کر وہ روزانہ تمہارے جسم سے تمہاری جوانی چوس کر اپنی پیاس بجھائے گی۔ جیسا اس نے میرے ساتھ کیا ہے۔ صرف میرے ساتھ ہی نہیں..... ہم جیسے باقی مردوں کے ساتھ بھی۔ جب میں یہاں آیا تھا' اس وقت یہاں کئی نوجوان تھے۔ ان کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آیا تھا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ بوڑھے ہوتے گئے اور ہڈیاں بن کر اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے اور عنقریب میری بھی یہی حالت ہونے والی ہے۔ پھر تم بھی اس حالت تک پہنچ جاؤ گے۔ اتنے میں وہ اپنے لیے نئے شکار ڈھونڈ لے گی۔" یہ سن کر جیسے میرے ہوش اڑ گئے۔

"یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ؟"

"اگر معلوم ہوتا تو میں خود نہ نکل جاتا؟" مایوسی اس کے لہجے سے عیاں تھی۔ بس اب میں بھی زندگی کے دن گزار رہا ہوں۔ ہر رات مجھے کمزوری محسوس ہوتی۔ ایسا لگتا جیسے کوئی میرے جسم سے خون چوس رہا ہے۔ میری نقاہت بڑھتی جا رہی تھی۔ مجھے اپنی زندگی کے حسین پل یاد آنے لگے۔ جب بابا اور اماں مجھے سمجھایا کرتے تھے۔ کاش میں سمجھ جاتا اور اس وقت کو آنے سے پہلے ہی ٹال دیتا۔ مگر اب سب کچھ میرے ہاتھوں سے باہر تھا۔

"جب انسان کو ہر طرف سے مایوسی کا سامنا ہو تو رب کا در کھٹکھٹانا چاہیے۔ وہ اپنے بندوں کو خالی ہاتھ نہیں لٹاتا۔" اماں کی ایک نصیحت یاد آئی تو میں نے بھی فوراً خدا سے مدد مانگی۔ اپنی بے بسی ظاہر کی اور پھر اس پر توکل رکھتے ہوئے ایک انجانی منزل کی طرف چل دیا۔ آپ سوچ رہیں ہونگے وہ ساتھی کہاں گیا؟ جو میرے ساتھ تھا۔ اس کا حشر بھی وہی ہوا' جو پہلے لوگوں کا ہوا۔ یعنی وہ بھی ہڈیوں کا ڈھیر بن گیا۔ اب میری باری تھی۔ میں اندھیرے میں اپنے آپ کو دیکھ تو نہیں سکتا تھا مگر محسوس کر سکتا تھا کہ میں پہلے سے بہت کمزور ہو چکا ہوں۔ وہ لباس جو میں نے زیب تن کیا ہوا تھا۔ اب کافی ڈھیلا ہو چکا ہے۔ اس سے پہلے کہ میری حالت بھی اوروں کی طرح ہوتی مجھے وہاں سے نکلنا تھا۔ بھی چلتا رہا۔ کب تک؟ یاد نہیں..... شاید ہفتوں..... یا شاید مہینوں۔ چلتے چلتے میں ایک دہانے پر پہنچا۔ جس سے آگے قدم اٹھ نہیں رہے تھے۔ ایک آڑ تھی۔ میں سمجھ گیا۔ بس دیوار مل گئی۔ جس کے پار حیات ہے۔ مگر اس دیوار کو کیسے توڑا جائے؟ میں الجھا ہوا تھا۔ کئی کوششیں کی مگر ناکام رہا۔ تبھی مجھے خیال آیا۔ میرے گلے میں ایک تعویز تھا۔ جس میں ایک نقش تھا۔ جسے اماں نے سنبھال کر رکھنے کا کہا تھا۔ میں نے اس نقش کو تعویز سے نکال کر اس دیوار کے ساتھ چپکا دیا۔ سحر ٹوٹتا چلا گیا۔ ایک روشنی کی لکیر عیاں ہوئی۔ مہینوں بعد میں نے روشنی کی کرن دیکھی تھی۔ آنکھیں خود بخود بند ہونے لگیں۔ تبھی ایک چیخ سنائی دی۔

"تم یہاں سے نہیں نکل سکتے۔" یہ وہی آواز تھی۔ جس نے میرا سب کچھ برباد کیا تھا۔

"اب تم مجھے چاہ کر بھی نہیں روک سکتیں۔ میں یہاں سے آزاد ہو کر ہی دم لوں گا۔" بس اتنا کہا اور خدا کا نام لے کر ایک مکا دیوار میں مارا۔ دراڑیں گہری ہوتی گئیں اور روشنی سے وہ اندھیر نگر منور ہوا۔ کچھ ہی لمحوں میں روشنی نے پورے اندھیرے نگر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور وہ دیوار خود بخود مندمل ہو گئی۔ وہ وجود جس نے برسوں اندھیر نگر پر راج کیا تھا۔ روشنی میں جل کا خاکستر ہو گیا۔ میں آگے بڑھا اور اس وادی سے باہر نکل آیا۔ ایک بار پھر میں اسی درخت کے سائے تلے تھا۔ ایک حقارت بھری نگاہ سے میں نے اس طرف دیکھا اور اپنے گھر کی جانب چل دیا۔ راستے میں کئی لوگ مجھے ملے اور میری حالت کو دیکھ کر کئی سوال کیے مگر میں خاموش رہا۔

شہر فون کیا کہ شاید وہ ایک خواب ہو۔ مگر حقیقت یہی تھی۔ میری بیوی اور بیٹا اس دنیا میں موجود نہیں تھے۔ دونوں مجھ سے جدا ہو چکے تھے۔ میرا دل ایک بار پھر بھر آیا تھا۔ کئی دن تک میں نے اپنے آپ کو گھر میں بند رکھا مگر زندگی کہاں رکنے والی تھی۔ میں بھی سب یادوں کو دل میں دبائے' آگے بڑھنے لگا اور آج آپ سب کے سامنے ہوں۔ اپنی داستان بیان کر رہا ہوں۔

PakistaniPoint

پراسرار ہیولہ

عمارہ خان

زندگی میں کچھ واقعات ایسے رونما ہوتے ہیں جس کی عقل کوئی توجیہ پیش کرنے سے قاصر رہتی ہے۔دنیا سے رخصت ہوجانے والے ایک نوجوان کی روداد۔

اس کی روح ہوٹل کے کمرے میں مقیم تھی

"ہاسٹل جانے کی کیا ضرورت ہے علی۔" امی نے زچ ہوکر کہا۔ "گھر ہوتے ہوئے ایسے جانا مجھے اچھا نہیں لگ رہا بیٹے۔"

"ایک اسائنمنٹ بنانا ہے امی۔وہ اس گھر میں رہ کے نہیں بن سکتا۔یہ بات آپ بھی جانتی ہیں۔" علی نے منہ بناتے ہوئے اپنا لیپ ٹاپ اٹھایا۔

"غلط بات..... مہمانوں کے لیے ایسا رویہ مناسب نہیں۔" امی نے فوراً مجھے ٹوکا۔

"مہمان ایک یا دو دن کے لیے ہوتا ہے پیاری امی جان۔یہ روز روز کے آنے والے مہمانوں سے دل گھبراتا ہے اب۔جب دیکھو کوئی نا کوئی آیا بیٹھا ہے۔باجی کے سسرال والے جاتے نہیں آپی کے آجاتے ہیں۔سسرالوں سے پیچھا نہیں چھٹتا' دوستیں ٹپک پڑتی ہیں باجی' آپی کی۔جو وقت بچ جاتا ہے' اس کی کسر ابو کے دوست پوری کردیتے ہیں ورنہ وہ آپ کی دوستوں کا گروپ بیٹھ جائے تو جاتا ہی نہیں۔میری پڑھائی کا کسی کو کوئی احساس نہیں ہے۔سب اپنے ہی چکروں میں لگے رہتے ہیں بس۔میں وہی لے آؤں یا کولڈ ڈرنکس لاتا رہوں۔" علی نے پچھلے کئی ہفتوں کی بھڑاس ایک ساتھ نکالی۔

"شادی کا گھر ہے بیٹے۔کچھ دن دنوں کی بات ہے سب اپنے اپنے گھر سیٹ ہوجائیں گے تو کون آئے گا روز روز۔" امی نے ہمیشہ کی طرح علی کو کول ڈاؤن کرنے کی کوشش کی لیکن اس بار شاید علی نے بھی تہیہ کرلیا تھا وہ اپنی ضد پوری کرے گا۔جب کسی کو اس کا احساس نہیں تو وہ کیوں جبراً گھر میں رہے جبکہ اس کے پاس دوسرا آپشن بھی موجود تھا۔

"یہ بات میں پچھلے دو تین ہفتوں سے سن رہا ہوں۔آپ کو معلوم ہے نا' میرا اسائنمنٹ بہت ضروری ہے اسی پر بیس ہوگا میرا رزلٹ۔اب آپ دیکھ لیں چار سالوں کی محنت ایسے ضائع کروانی ہے تو میں گھر بیٹھ کے سب کے ساتھ شادی کے پروگرام ڈسکس کرتا ہوں اور رات کو ہلا گلا کرتے اگلے دن کی پلاننگ کرتا ہوں۔بس پھر جب فیل ہوجاؤں تو مجھ سے شکایت مت کریں۔" علی نے فوراً گیند امی کے کورٹ میں ڈال دی۔مرضی ہے آپ کی' جیسا آپ کہیں۔" علی نے منہ بنایا۔

"اوکے..... اوکے....." ممتا نے فوراً ہار مان لی۔" جاؤ لیکن دیکھو رابطے میں رہنا۔مجھے وہ ہاسٹل ویسے بھی عجیب سا لگتا ہے۔بھوت بنگلہ۔" جھرجھری لیتی ہوئی امی کو دیکھ کے علی بے ساختہ ہنسنے لگا۔میں سچ کہہ رہی ہوں علی اس ہاسٹل کو دیکھ کے مجھے ہمیشہ ہی وہم آتا ہے جیسے جیسے۔امی کو یقیناً کوئی بہترین مثال نہیں مل رہی تھی۔

"ظاہر ہے قبرستان پاس ہے اسی لیے ایسی فیلنگ ہے۔نارمل سی بات ہے۔" علی نے کندھے اُچکائے اور اپنا لیپ ٹاپ چارجر ڈھونڈنے اٹھ کھڑا ہوا۔"بے فکر رہیں' اتنے سارے لڑکوں کی موجودگی میں کوئی بھوت نہیں ٹک سکتا۔لڑکے بھی وہ جو دنیا سے بے زار ہوکے اپنی پڑھائی پوری کرنے کے چکر میں دن رات پاگل بنے ہوتے ہیں۔" علی نے امی کے چہرے کی پریشانی کم کرنے کے لیے خود ہی بات سے بات نکالنی شروع کردی۔"اب یہ ایگزام ختم ہوجائیں تو دیکھیں آپ سارے لڑکے کیسے بھاگ کے اپنے اپنے گھر جاتے ہیں' اور ایک میں ہوں' گھر ہوتے بھی ہاسٹل جاکے اسائنمنٹ پورا کرنا پڑ رہا ہے۔"

"بس تم گھوم پھر کے گھر پر آجا کرو۔دو دو بہنوں کی شادی

PakistaniPoint

ہے کوئی مذاق تھوڑی ہے جو خاموشی اور سناٹے راج کریں گھر پر یہ ہلا گلا ہی تو شادی کی اصل رونق ہوتی ہے۔" مسئلہ حل ہوتے ہی کمرے میں ایک بار پھر خوش گوار ماحول واپس آنے لگا تھا۔

"لیکن شادی کے قریب نا میری پیاری امی جان۔ ایسے کون ہفتوں پہلے کسی کے گھر جا کے بیٹھ جاتا ہے۔ وکھرا ہی سیٹ اپ ہے ہمارے گھر کا تو۔" علی نے ایک بار پھر منہ بنا کے نوٹس بھی لیپ ٹاپ کے ساتھ رکھے۔ لمحہ بھر رک کے طائرانہ نظروں سے کمرے کا جائزہ لیا۔ مبادہ کوئی چیز رہ نہ جائے اور ہاسٹل میں پریشانی ہو۔

اچھا چھوڑو یہ باتیں' تم یاد سے سبحان کے لیے مٹھائی لے جانا۔ ورنہ وہ بعد میں شکایت کرے گا۔"

"اوہ..... اچھا ہوا یاد دلا دیا امی..... لائیں دے دیں۔"

"چلو میں لاتی ہوں اور ہاں تم اپنی ساری چیزیں اچھی طرح دیکھ کے رکھ لو اور یہ بھی بتاؤ واپسی کب ہوگی۔"

"جیسے ہی یہ کام پورا ہوگا میں واپس آجاؤں گا۔ میرا بھی کہاں دل لگتا ہے اس چڑیا گھر کے علاوہ۔" علی نے شرارتی انداز اپناتے منہ بسورا۔

"علی ....." مصنوعی ناراضگی سے بھرپور لہجہ کمرے میں گونج کے رہ گیا۔

"ویک اینڈ واپس آجاؤں گا لیکن پھر پیر کو جاؤں گا' او کے .....؟"

"اچھا بابا..... اچھا..... تم نے کون سا سن لینی ہے۔" علی نے دو انگلیوں سے ماتھے کو چھوتے ہوئے شکریہ کا انداز اپنایا اور گہری سانس بھرتے ہوئے بیڈ پر خود کو اچھال دیا۔

❖❖❖❖

شام کے گہرے سائے ہوتے ہی علی نے اپنی بائیک بوائز ہاسٹل کے مرکزی دروازے پر روکی۔ سامنے ہی چودہ پندرہ سال کا لڑکا' چوکیدار کی کرسی پر بیٹھا ہوا اسے دیکھ کے ہاتھ ہلانے لگا۔

"آج کیسے آیا' علی بھائی؟"

"بس کچھ کام تھا..... سبحان .....؟" علی نے سبحان کا پوچھا۔

"وہ تو کل رات سے نہیں آئے۔"

"ارے ایسے کیسے۔ کل سے نہیں آیا تو گیا کدھر؟" علی نے

PakistaniPoint

فوراً فون نکال کے سبحان کو فون کیا۔

"ام کو کیسے مولوم۔ چابی اور کھی اے۔ تو م لے کے جاؤ۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"وہ تو لے جاؤں گا لیکن سبحان کی فکر ہو رہی ہے گیا کدھر آخر....."

"آ جائیں گا۔ کدھر جائے گا اوبی۔ جمعے کو ویسے بھی ہاسٹل ماسٹل کھالی ہی اوتا اے۔ سب اپنے گھروں کو بھاگ جاتا اے۔ ایک تو م ہو جو گھر سے بھاگ کے ہاسٹل آتا اے۔" نوعمر پٹھان لڑکے نے بے فکری سے جواب دیا۔

"پیزا کھانا ہے یا نہیں۔ زیادہ ٹرٹر مت کرو سمجھے اور یہ چاچا کہاں ہیں جو ان کی کرسی پہ قبضہ جما کے بیٹھے ہو؟" علی نے بندوق خان کو گھورتے ہوئے کہا۔

"ابا کی طبیعت کھراب اے۔ وہ دوا کھا کے سونے لیٹا اے۔" پیزا کا سن کے وہ فوراً ہی سیدھا ہو گیا۔ علی کی عادت تھی جو اپنے کھانے کے لیے منگواتا تھا اس میں سے چوکیدار یا اس کے بیٹے کے لیے لازمی حصہ نکالتا تھا۔

"او کے۔ چلو میری طرف سے اپنے ابا کو پوچھ لینا اور دیکھو ذرا یہ سبحان فون ہی نہیں اٹھا رہا۔ لاؤ چابی تو دو میں جاؤں۔" علی نے ہونٹ بھینچتے ہوئے بات پوری کی۔

"اے لو..... اور ہاں بھائی جان..... اور پیزا شزہ زرا بار بی کیو والا منگوانا۔ میرے کو اوئی مزے کا لگتا اے۔"

علی نے بے ساختہ قہقہہ لگایا۔ اپنا لیپ ٹاپ اور بکس لیتا ہوا وہ سبحان کے کمرے کی طرف بڑھا۔ تالا کھول کے بکھرے کمرے میں داخل ہو گیا۔ ایک سرد ہوا کا جھونکا اسے ہلا کے رہ گیا۔ علی نے الجھی ہوئی نگاہوں سے کمرے کو بغور دیکھا۔ ہر چیز نارمل تھی لیکن نجانے کیوں ایک ویرانی سی محسوس ہو رہی تھی۔ کچھ الگ تھا جو محسوس ہو رہا تھا لیکن سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ اس نے سوچوں کو جھٹک کے گہری سانس لی اور ہمیشہ کی طرح سب سے پہلے کمرے کو انسانی وجود کے رہنے کے قابل بنایا۔ سبحان کے کپڑے، فائل، جوتے اور چند برتن بکھرے پڑے تھے۔ ہر چیز سمیت کے چائے کا گرما گرم کپ بنا کے لیپ ٹاپ کھول لیا۔ ابھی اسائنمنٹ کے متعلق ویب سائیٹ کھولی ہی تھی کہ امی کی وڈیو کال آ گئی۔

"اُف امی....." علی نے کراہ کے ماں کو دیکھا جو مسکراتے ہوئے اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔

"بس یہ پوچھنے کے لیے فون کیا ہے پہنچ گئے نا۔ کوئی مسئلہ تو نہیں ہے۔"

امی کوئی پہلی بار آیا ہوں کیا؟" علی نے بیچارگی سے جواب دیا۔

"اچھا..... اچھا..... زیادہ باتیں مت کرنا اس سے۔ کام کی طرف دھیان دو تا کہ جلدی واپس آؤ۔ وہ تو اب سوئے گا نہیں نا تم کو سونے دے گا۔ پتہ نہیں کیسے کام کر لیتے ہو تم دونوں ایک جگہ بیٹھ کے۔" امی نے علی کے پیچھے اشارہ کیا۔

"او کے امی جی پلیز..... مجھے کام کرنے دیں بائے۔"

"اچھا..... اچھا..... بند کر رہی ہوں فون۔ بائے بچو۔" ٹون ٹون کی آواز سن کے علی نے سکون بھری سانس لی اور پلٹ کے دیکھا جہاں سبحان کی پکچر رکھی ہوئی تھی۔

"اب امی کو لگتا ہے میں اس پکچر سے باتیں کروں گا۔ اف..... ف۔" سر جھٹک کے اس نے فوراً ہی اپنے کام کی طرف توجہ دی اور تیزی سے کی بورڈ پر انگلیاں چلانے لگا۔

❖❖❖

ٹھک..... ٹھک..... ٹھک..... دھیرے دھیرے اور وقفے وقفے سے لگاتار دستک کی آوازیں سن کے علی کی آنکھ کھلی۔ دکھے ہوئے سر کو دائیں ہاتھ سے دباتے ہوئے اس نے سر جھٹک کے نیند کے غلبے سے پیچھا چھڑانا چاہا۔

"کون ہے بھائی۔" نیند میں ڈوبی ہوئی بھاری آواز سن کے دستک کی آواز رک گئی۔

"ام اے بھائی جان۔"

"اوہ تم..... کیا ہوا.....؟" علی نے چوکیدار کے بیٹے کو دیکھ کے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"سبحان بھائی آیا؟"

علی نے چونک کے اسے دیکھا۔ بے ساختہ کلائی میں بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھ کے اس کی آنکھیں پوری طرح کھل گئی۔ صبح کے چھ بج گئے تھے اور کب کام کرتے کرتے سو گیا معلوم ہی نہیں ہوا۔

"سبحان تو نہیں آیا ابھی تک۔ تم رکو میں فون کرتا ہوں اسے۔" علی نے پھرتی سے اپنا موبائل دیکھا اور نمبر ٹرائی کیا۔ لیکن اس بار فون بند تھا۔

"کیا ہوا بھائی جان؟"

"ہوں..... اب تو یار فون بند آ رہا ہے۔" علی چونک کر

PakistaniPoint

بولا۔

"سبحان بھائی کا ابو بھی بار بار کرتا اے.....وہ پریشان اے.....ام کو تمہارے کو جگانے کا بولا....."

"اوہ.....وہ کب سے غائب ہے۔" علی کو صورت حال کی سنگینی کا اندازہ ہوا۔

"ٹیک سے تو ام کو مالوم نہیں بھائی جان۔ ام کل سے ادھر اے اور سبحان بھائی کا کمرے کا چابی بھی لٹک رہا تھا۔"

"چلو میں ذرا فریش ہو کے آتا ہوں پھر نکلتا ہوں' اس کو دیکھنے۔ پتہ نہیں کہاں چلا گیا وہ۔" علی نے پلٹ کے الجھی ہوئی نظروں سے سبحان کی تصویر پر نظر ڈالی۔

"ام ابا کو بتا کے آتا اے ام تمہارے ساتھ جائے گا۔"

"ہاں' اوکے۔" علی نے مسکرانے کی کوشش کی لیکن دل ایک دم بوجھل ہو گیا تھا۔

"کہاں چلا گیا یار.....کیوں تنگ کر رہا ہے سب کو۔" زیر لب بولتا ہوا علی باتھ روم کی سمت بڑھا' اسی وقت اس کے موبائل پر رنگ ہوئی۔ اس نے باتھ روم کے دروازے سے ہی پلٹ کے واپس آنے میں لمحہ لگایا۔ سامنے امی کی وڈیو کال دیکھ کے وہ گہری سانس بھر کے رہ گیا۔

"جی امی بولیں۔"

"تم ابھی تک جاگ رہے ہو؟"

"بس ابھی اٹھا تھا۔"

"ہاں میں نے تمہارا لاسٹ آن لائن وقت دیکھ کے فون کیا ہے۔" امی نے مسکراتے ہوئے بیٹے کو دیکھا جس کے چہرے پر پریشانی جھلک رہی تھی۔ "کیا ہوا علی' کوئی پریشانی ہے؟"

"امی.....وہ سبحان....."

"سبحان کو بھی اپنے ساتھ لگا لیا تم نے۔ دیکھو یہ غلط بات ہے نا۔ تم تو آجاؤ گھر اس نے صبح جاب پر جانا ہوگا۔"

"امی....." علی نے جھنجلاتے ہوئے ماں کو دیکھا۔

"سبحان تم جاؤ سو جاؤ شاباش۔ یہ تو پاگل ہے اپنا گھر بار چھوڑ کے تمہیں پریشان کرنے آ گیا۔"

"امی سبحان کل سے ہاسٹل نہیں آیا اور اب میں اسے دیکھنے باہر نکلنے لگا ہوں۔ انکل بھی پریشان ہو رہے ہیں۔" علی نے اس بار سانس لیے بغیر ہی پوری بات کہہ دی مبادا امی پھر ٹوک دیں۔

"علی کیا کہہ رہے ہو.....؟" امی کی آواز لرزی۔

"جی میں اسی لیے اس وقت جاگا ہوں۔ سوچ رہا ہوں

> منزل کے آس پاس ہیں کچھ تو سبیل کر
> رہبر نہ جان بوجھ کر رستہ طویل کر
> کل اک پرانی یاد نے سینے میں سانس لی
> آنسو نکل پڑے مری آنکھوں کو چھیل کر
> اے دل کسی کے سامنے رکھ لے مرا بھرم
> اک شخص کے لئے نہ تو اتنا ذلیل کر
> میرا نمازِ عشق میں پہلا قیام ہے
> معبود! آج رکھ ذرا سورج کو کیل کر
> اٹکا ہوا ہے ہجر یوں شہ رگ میں الاماں
> آتی ہے سانس سانس بھی اب چھیل چھیل کر
>
> شاعر: میثم علی آغا
>
> درنجف.....بھلوال

ایدھی اور جناح دیکھ لوں۔ شاید کوئی....." علی نے بات ادھوری چھوڑی۔ "وہ اتنا غیر ذمہ دار ہے تو نہیں جو ایسے کسی کو بنا کچھ بتائے غائب ہو جائے۔"

"علی' کیا سبحان کمرے میں نہیں ہے.....؟" سرسراتی ہوئی آواز کمرے میں گونجی۔

"جی امی وہ کل غائب ہے۔ انکل بھی پریشان ہو رہے ہیں۔"

"اگر سبحان تمہارے پاس نہیں ہے تو۔ وہ کون تھا جو کل تمہارے پیچھے بیٹھا ہوا مسکرا رہا تھا' اور ابھی بھی وہ مجھے دیکھ کے ہاتھ ہلا رہا ہے۔ تمہارے بالکل پیچھے تو کھڑا ہے۔"

میں ایک دم پیچھے پلٹا لیکن وہاں کوئی نہ تھا۔ پھر امی نے کیسے دیکھا تھا۔ میں نے فون بند کیا اور جلدی سے باہر نکل گیا میں نے سب سے پہلے ایدھی کے سرد خانے کا رخ کیا۔ سبحان کی تصویر میرے موبائل میں تھی۔ میں نے کلرک کو تصویر دکھا کر ساری صورتحال بتائی تو وہ مجھے سرد خانے لے گیا۔ جہاں سبحان کی لاش میری منتظر تھی جو حادثہ کا شکار ہوا تھا۔ میں نے باہر نکل کر اس کے ابا کو فون کر کے سرد خانے آنے کا کہا۔

آج سبحان کا چالیسواں ہے لیکن مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ امی نے کیسے میرے عقب میں دیکھا تھا۔

بیڑ کا درخت

تسلیم شیخ

انسانوں سے قبل اس کرہ ارض پر جنات آباد تھے یہ ہر جگہ پھیلے ہوئے تھے جنہیں حضرت آدم علیہ السلام کی زمین پر آمد کے بعد ویرانوں میں دھکیل دیا گیا لیکن ان کی شرارتیں ختم نہیں ہوئیں وہ اب بھی لوگوں کو تنگ کرنے سے باز نہیں آتے۔

ایک نوجوان دوشیزہ کی روداد، اس نے جنات کی رہائش گاہ پر پتھر پھینک دیا تھا

ہر سو اندھیرا پھیلا ہوا تھا' اور وہ کسی سائے کے زیرِ اثر چلی جا رہی تھی۔ ہر چیز سے بے نیاز..... نا کوئی ڈر تھا..... نا ہی خوف..... اپنے ہی وجدان میں وہ چلی جا رہی تھی۔ پتوں کی آہٹ' پرندوں کی چہچہاہٹ اُسے لطف دے رہی تھی۔ کالا رنگ ہر سو پھیلا ہوا تھا۔ دکھائی کچھ نا دے رہا تھا۔ لیکن سنائی سب صاف دے رہا تھا۔

ہر آہٹ چونکا رہی تھی کہ اچانک وہ رُک گئی۔ جیسے کوئی گھر ہو' اور گھر ایسا کہ لگتا ہو جیسے پتوں سے بنایا گیا ہوا۔ ایک درخت اور اُسی کی ہر طرف اُس کی حکمرانی۔

وہ اُدھر کھڑی ہوئی تو اُسے محسوس ہوا کہ کسی نے اُس کی ٹانگ کو جکڑ لیا ہے۔ وہ خود کو چھڑانے کی بھرپور کوشش کر رہی ہے۔ مگر ہر بار وہ اِس کوشش میں ناکام ہو جاتی ہے۔ ابھی اُسے ٹانگ کی جکڑ تنگ ہی کر رہی ہے تو وہیں اُسے محسوس ہوا کہ اُس کی ناک میں سے کچھ گرم سیال مادہ نکل رہا ہے' اور وہ مادہ اُسے گھپ اندھیرے کے باعث دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اُس نے اپنے دائیں ہاتھ سے مادے کو صاف کیا۔ اُس مادے کی چپچپاہٹ عجیب سی تھی۔ اُسے ٹانگ کا درد بھر گیا۔ جکڑنے والا لگتا۔ بہت زور سے جکڑ کر بیٹھا تھا۔ اُس نے یکدم ٹانگ کو جھٹکا دیا۔

تبھی اُس کی آنکھ کھل گئی۔ اُس نے دور صوفے پر پڑی اپنی بڑی بہن کو دیکھا۔ وہ خود چارپائی پر سو رہی تھی۔ ماں اور چھوٹی بہنیں بیڈ پر تھیں۔ اُس نے اپنی چارپائی کے نیچے دیکھا۔ تو وہاں کوئی نا تھا۔ چارپائی کے نیچے دیکھنے سے اُس کی ناک سے بہنے والے خون کے قطرے زمین پر گر پڑے۔ نسیم کی جب نظر اُن قطروں پر پڑی۔ تو اُس نے اپنا ہاتھ دیکھا۔ جو خون سے لت پت تھا۔

ناک سے ابھی بھی خون بہہ رہا تھا اور اُس کی بائیں ٹانگ شدید درد کر رہی تھی۔ وہ درد سے کراہی۔ اِتنا خوفزدہ وہ خواب کے ہولناک اندھیرے سے نہیں ہوئی تھی۔ جتنا اُسے جاگ کر اور کمرے کی روشنی کے ہوتے ہوئے۔ خوف اور ڈر محسوس ہو رہا تھا۔ اُس نے آیت الکرسی پڑھنا شروع کر دی۔ ابھی وہ آیت الکرسی پڑھ ہی رہی تھی کہ اُس کی ٹانگ کا درد کم ہونے لگ گیا۔ پھر اُس نے چاروں قل پڑھے۔ تو ناک سے خون آنا بھی بند ہو گیا۔

نسیم پر کپکپی سی طاری ہو گئی۔ اُسے کچھ سمجھ نا آیا کہ ہوا کیا ہے۔ خواب میں آنے والے درخت کے بارے میں سوچتی ہوئی سو گئی۔ صبح اسکول جانے کے لیے اُٹھی۔ تو اُسے لگا اُس کے پیچھے کوئی کھڑا ہے۔ اُس نے جلدی سے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اُسے کوئی نا نظر آیا۔

نسیم نے اپنا وہم سمجھا اور کالج کے لیے گھر سے نکل گئی ابھی وہ تھوڑا دور ہی گئی تھی کہ اُسے رات خواب میں دیکھا گیا درخت نظر آیا وہ ہونقوں کی طرح اُس درخت کو تکنے لگی۔ تبھی اُس کی بڑی بہن نے اُسے جھنجوڑا۔

"کیا ہے..... کھڑی کیوں ہو.....؟ چلو کالج کے لیے ہم لیٹ ہو رہے ہیں۔" نسیم کی بڑی بہن کلثوم نے اُس کا بازو کھینچتے ہوئے آگے گھسیٹا۔ نسیم تو ایسا لگ رہا تھا کہ بُت بن جائے گی۔ وہ اسکول کے لیے چل دی۔

PakistaniPoint

❖❖❖❖❖

"نسیم..... نسیم....." نسیم کی ماں نے اُسے آواز دی۔ وہ سونے کے لیے لیٹ گئی تھی۔ ماں کے آواز دینے پر فوراً اُٹھ گئی۔

"جی ماں۔" نسیم نے ماں کے اوپر جھک کر پوچھا۔

"مجھے پانی پلاؤ۔ میرا دل گھبرا رہا۔" ماں نے دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے پانی مانگا۔ نسیم کی ماں نیند سے جاگی تھیں انہیں پیاس لگ گئی تھی۔

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ہم گہری نیند سو رہے ہوتے ہیں اور یک دم ہمارا گلہ خشک ہو جاتا ہے۔ ایسا لگتا ہے۔ جیسے پانی کی بوند کو گلے سے اُترے ہوئے کئی سال ہو گئے۔

نسیم پانی لینے گئی۔ تو سامنے شیشہ لگا ہوا تھا۔ اُس شیشے میں کوئی لمبا سایہ نظر آیا۔ اُس نے جب اپنے پیچھے دیکھا۔ تو کچھ نا تھا۔ اُس نے سمجھا کہ شائد وہ اُس کا عکس ہو۔ لیکن پھر جب وہ آگے ہوئی اور گزرنے لگی۔ تو ایک عجیب بدنما سا سایہ دکھائی دیا۔ وہ چیخ مار کر اندر کمرے میں بھاگ گئی۔ ماں کو پانی پلایا اور جلدی سے اپنے بستر پر لیٹ گئی اور زور سے آنکھیں بند کر لی۔ اُسے ابھی بھی لگ رہا تھا کہ جیسے وہ سایہ اُس کے پاس ہے۔ اُس کی ٹانگ پر یک دم درد شروع ہو گیا۔ اتنی درد کہ اُس سے برداشت نا ہو رہی تھی۔ درد کے باوجود بھی اُس نے آنکھیں نا کھولیں۔

نسیم کی ساری رات ڈر سے گزری۔ اتنا ڈر کے اُس سے بولا بھی نا جا رہا تھا۔ رات کے آخری پہر اُس کی آنکھ لگ گئی۔ ابھی اُسے سوئے دس منٹ ہی ہوئے تھے۔ تو جو خواب وہ تین دن سے دیکھ رہی تھی۔ وہ خواب اُسے پھر دکھائی دیا۔ لیکن اِس بار اُس نے خواب کچھ زیادہ ہی خوفناک دیکھ لیا تھا۔ اُس نے چیخیں مارنا شروع کر دیں۔ نسیم کے گھر کے سبھی احباب جاگ گئے۔

"کیا ہوا میری بچی کو؟" نسیم کی ماں نے بھاگ کر بیٹی کو گلے لگایا۔ وہ مسلسل رو رہی تھی۔

"امی مجھے بچالیں..... بچالیں مجھے..... وہ..... مار دے گا مجھے۔" نسیم باہر کی طرف اشارہ کرتی ہوئی ہکلاتی بولی۔

"کون مار دے گا۔" نسیم کی ماں نے اپنی بیٹی کا منہ اپنے دونوں ہاتھوں سے اُوپر کو اُٹھاتے ہوئے پوچھا اور اُس کے چہرے پر خون دیکھ کر دنگ رہ گئیں۔

"یہ..... یہ کیا ہوا میری بچی کو....." نسیم کی ماں نے اپنے دوپٹے سے جلدی سے اُس کا چہرہ صاف کیا۔

"امی میں نے..... میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی سایہ سا مجھے مجھے مارنا چاہتا ہے۔ اور..... اور..... میں خون میں ڈوبی ہوئی ہوں....." نسیم نے اٹکتے ہوئے بتایا۔

نسیم کی ماں نے نسیم کو گلے لگایا اور کچھ نا کچھ پڑھ کر اُسے دم کرتی رہیں۔

صبح جب ہوئی تو اُنہوں نے نسیم کو کالج سے چھٹی کروا لی اور اُس کی بڑی بہن کلثوم سے کہا کہ اِس کی عرضی دے دے۔ نسیم کی ماں نسیم کو لے کر کسی دم والے بابا جی کے پاس لے کر گئیں پہلے دور کے بابا جی بھی اچھے ہوتے تھے۔ دم وغیرہ سے سب کو ٹھیک کر دیتے تھے مگر آج کے جدید دور میں پیر فقیر لوٹ مار کر رہے ہیں۔

بابا جی کے پاس لے کر گئے۔ تو اُنہوں سے نسیم کو دم کیا۔ تو وہ سایہ نمودار ہو گیا۔

"تو اِس بچی کے پیچھے کیوں پڑا ہے۔" بابا جی نے سایہ سے پوچھا تو اُس نے بتایا۔

"میں ایک بیڑ کے درخت پر رہتا ہوں اپنے خاندان کے ساتھ یہ لڑکی روز سہ پہر کو آ کر بیڑ پر پتھر مارتی ہے اور ہمارے آرام میں خلل ڈالتی تھی میں نے دیکھا کہ اِس کی بڑی بہن اسے روز منع کرتی کہ یہ یہاں نا جائے یہاں سایہ ہے مگر یہ ہر بار نظر انداز کر دیتی تھی اِس کو سبق سکھانے کے لیے یہ سب کر رہا تھا اور اگر آپ نا بلاتے مجھے تو میں اِسے آج کل میں مارنے والا تھا اور میں پھر بھی اِسے مار کر دم لوں گا۔"

یہ جن چڑیل بھی انسانوں کی طرح ہوتے ہیں۔ ایک بار کسی بات پر اڑ جائیں۔ تو بس اڑ جاتے ہیں۔ اِن کا دماغ ٹھکانے میں لانے کے لیے چھترول ضروری ہوتی۔ چاہے وہ انسان ہو۔ یہ کوئی اور مخلوق۔

بابا جی نے نسیم کو صبح شام دم کیا اور اُس کی جان سائے سے چھڑوائی اب وہ جب بھی بیڑ والے درخت کے قریب سے گزرتی ہے تو جھرجھری سی لیتی ہے۔ اب وہ تین بچوں کی ماں ہے اور ہر بار اُنہیں نصیحت کرتی ہے کہ کبھی اِن ہولناک بیڑ کے درختوں کے پاس نا جانا۔ ورنہ یہ چمٹ جائیں گے اور کبھی نا چھوڑیں گے۔

Pakistanipoint

(قسط نمبر 4)

آوارہ

ذوالفقار ارشد گیلانی

بھارتی فلم انڈسٹری کے پس منظر میں لکھی گئی کہانی جو چہروں پر پڑے نقاب اترانی نظر آئیگی

ہر نشے کا اپنا سرور ہے، بے شک وہ طاقت کا ہو، حسن کا ہو یا آوارگی کا۔ حسن اسے پیدائشی ملا لیکن کچھ ماں کے ظلم وستم کی نذر ہو گیا اور کچھ یتیمی چاٹ گئی۔ جب اسے عقل کی ہوا لگی تو اس نے اپنی نوجوانی کے نشے کو استعمال کرنا بھی سیکھ لیا۔ کچھ مہربانوں نے اس کی خوب صورتی کو چکھا تو وہ خود بھی اپنے عشووں کی قیمت وصول کرنا جان گئی۔ اس نے اپنی کامیابیوں کی بڑی بھاری قیمت چکائی لیکن فلمی افق کا ستارہ بننے میں کامیاب ہو گئی۔ اور پرا ایک وقت ایسا بھی آیا کہ فٹ پاتھ کی باورن اور عیاشوں کے بستروں کی زینت بننے والی ایک مسلمان ریاست کے مالک و مختار کے دل و جان کی ملکہ بن گئی۔

ایک خوب صورت لڑکی کی کہانی جسے پڑھ کر اندازہ ہوگا کہ مجبور لڑکی کے ساتھ معاشرہ کیا سلوک کرتا ہے

آدی نارائن اور انیل کمار محل کے وسیع وعریض لان میں چہل قدمی کر رہے تھے۔

''کیا وہ میرے سلوک کو نظر انداز کر دے گی؟'' انیل کمار نے سگریٹ کا کش لیتے ہوئے آدی نارائن سے دریافت کیا۔

''اور میں سوویں دفعہ تمہیں یاد دلا رہا ہوں کہ اس نے خود ہمیں بلایا ہے۔'' آدی نے زچ ہو کر جواب دیا۔

''وہ تمہاری مخالف بھی نہیں رہی لیکن ممکن ہے اس نے مجھے دلدل میں دھکیلنے کے لیے یہاں بلایا ہو۔''

''اگر تمہارے دل میں یہ خوف رچ بس گیا ہے تو پھر یہی کہوں گا کہ آئیڈیا برا نہیں، تم اسی قابل ہو۔''

''وہ آخر خود کو اتنی پر اسرار بنا کر کیوں پیش کر رہی ہے؟'' انیل بالکل بچوں کی طرح بحث کر رہا تھا۔

''میرے اپنے اندازے کے مطابق وہ دوبارہ فلمی دنیا میں داخل ہونا چاہتی ہے۔''

''لیکن میں کہاں فٹ ہوتا ہوں؟''

''تم اس کے آخری ہیرو تھے۔ تمہارے ساتھ مل کر وہ اپنے پرانے جاننے والوں کو اکٹھا کرنا چاہتی ہے، لیکن یہ بھی یاد رکھنا کہ جب وہ اس میں کامیاب ہو گئی تو تمہارا مستقبل تاریک ہو جائے گا پھر تم اس کے کندھوں تک بھی نہ پہنچ پاؤ گے۔''

''میں اس سے نفرت کرتا ہوں۔'' انیل نے سگریٹ کا آخری کش لے کر پیروں سے ٹکڑے کو مسلتے ہوئے کہا۔ ''میں اس دلدل میں گرنے کو قطعی تیار نہیں۔''

''اب بھی تو تم گمنامی کے گڑھوں میں ہی ہو۔''

انیل نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔ ''کم از کم میں پیشہ ورانہ طور پر زندہ تو ہوں، وہ چاہتی ہے کہ میں کسی کتے کی طرح عقبی ٹانگوں پر کھڑا ہو کر اس سے رحم کی بھیک مانگوں اور وہ اپنا انتقام لینے میں کامیاب ہو جائے۔''

''یہ بات بعد کی ہے کہ تم پچھلی ٹانگوں پر کھڑے ہو کر اس سے رحم کی بھیک مانگتے ہو یا اگلی ٹانگوں پر جھک کر اس کے تلوے چاٹتے ہو، فی الحال ریسپشن ہال میں چلو، وہ

Pakistanipoint

PakistaniPoint

ہماری منتظر ہوگی۔"

انیل نے چونک کر گھڑی دیکھی اور پھر ریسپشن ہال کی طرف بڑھ گیا۔ آدی نارائن اس کے ساتھ ساتھ تھا۔

شیتل نے مسکراہٹوں کے ساتھ ان کا خیر مقدم کیا۔ آرام دہ نشستوں پر بیٹھنے کے بعد شیتل نے ان سے پوچھا تھا کہ کیا وہ مہمان نوازی سے پوری طرح لطف اندوز ہو رہے ہیں یا نہیں۔ آدی نارائن نے فوراً اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

"تم تو جنت میں رہ رہی ہو شیتل۔" انیل نے کمرے کی خوب صورتی اور سجاوٹ دیکھتے ہوئے کہا۔ "کامیاب شادی، سراہنے اور محبت کرنے والا شوہر، بچے اور سر پر حرم کی کوئی دھمکی....."

"رامیر کے دادا نے شاہی حرم پر پابندی عائد کردی تھی۔" شیتل نے ہنس کر جواب دیا۔ "ان کا خیال تھا کہ ایک وقت میں ایک مرد کے لیے ایک ہی عورت کافی ہے۔"

"تم تو بہت خوش ہوگی؟"

"میں مطمئن ہوں۔"

"کیا واقعی؟" آدی کرسی کے کنارے کھسک آیا۔

"ہاں۔" شیتل نے پلکیں جھپکائیں۔ "مجھے اور چاہیے بھی کیا؟"

"تعریف، جوش و خروش۔" آدی نارائن نے برجستہ کہا۔ "زندگی کی رنگینیاں جو اطمینان سے کہیں آگے کی چیزیں ہیں، تم جنت جیسی جگہ پر ضرور رہ رہی ہو لیکن جنت سے بہت دور ہو، سچ سچ بتانا تمہیں ان کی کمی محسوس نہیں ہوتی؟"

"کس چیز کی کمی؟ تم مجھے پریشان کر رہے ہو۔"

"بمبئی۔" آدی نے اطمینان سے جواب دیا۔ "فلمی دنیا کی سنسنی، ساتھی اداکاروں کی محفلیں..... تمہیں یاد ہیں نا وہ رنگین دن؟ سیٹیوں کا شور، روزانہ رش پرنٹ دیکھتے وقت ذہنی کھنچاؤ اور ایسی بہت سے دوسرے ہنگامے، یہ اطمینان جو تمہیں یہاں حاصل ہے تمہارے لیے ناکافی ہے۔"

"تمہارے جیسی نوجوان عورت کے لیے۔" انیل نے لقمہ دیا۔

"نوجوان؟" اس نے مصنوعی خفگی سے اپنے سابق ساتھی اداکار کو دیکھا۔ "میری عمر اڑتیس سال ہے اور تم انیل..... عمر میں اس لڑکی سے تین گنا بڑے ہو جسے کنیز کے فلمی میلے میں ساتھ لے گئے تھے۔"

"کیا.....؟" انیل نے غصیلی نگاہوں سے اسے گھورا۔

"ہاں..... وہ لڑکی کیا نام تھا اس کا.....؟" جو تمہاری اپنی بیٹی سے بھی عمر میں چھوٹی ہے۔"

"وہ..... سنیتا، بمبئی فلم کی ٹاپ گرل۔" انیل کمار نے شرمندگی سے کہا۔ "وہ سمجھتی ہے کہ میں اسے مزید آگے بڑھنے میں مدد دے سکتا ہوں۔ انڈسٹری میں اب بھی میرا نام ہے۔"

"تم کیا بچوں کی طرح جھگڑنے بیٹھ گئے؟" آدی نے دخل اندازی کی۔ "تم دونوں اپنے زمانے کے جادوگر تھے میں تصور کی آنکھ سے وہی کچھ دوبارہ رونما ہوتے دیکھ رہا ہوں۔"

"کیا رونما ہوتے دیکھ رہے ہو؟" شیتل نے پلکیں جھپکائیں۔

آدی نے گرم لوہے پر چوٹ لگائی۔ "اچھی کہانی، ماہر ہدایت کار..... اور شیتل وانیل..... اسکرین کے ساحر..... فلمی دنیا کے دیوی، دیوتا....."

"اور آدی نارائن پروڈیوسر؟" شیتل نے گرہ لگائی۔

"بالکل۔" آدی نارائن نے فوراً ہاں میں ہاں ملائی۔ "یہ بھارت کی فلمی تاریخ کا ایک عظیم واقعہ ہوگا، تمہاری آخری فلم "سائے سے بھی بڑا۔"

"مجھے یوں لگتا ہے جیسے تم دونوں یہ منصوبہ لے کر ہی یہاں آئے ہو۔" شیتل نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ اندر سے اس کے من میں لڈو پھوٹ رہے تھے جو وہ خود کہنا چاہتی تھی وہ دونوں اپنی زبان سے کہہ رہے تھے۔ "تم دونوں میرے مہمان ہو، فی الحال ہماری مہمان نوازی سے لطف اٹھاؤ۔" اس نے رک کر تین بار تالی بجائی، فوراً ہی ایک باوردی آفیسر اندر آ گیا۔ "لیفٹیننٹ ناگی! میرے دوستوں کا خیال رکھو۔ میں چاہتی ہوں کہ یہاں ان کا قیام عرصے تک یاد گار رہے۔" وہ دوبارہ مہمانوں کی طرف مڑی۔ "ہم اب کاک ٹیلز پر ملیں گے لیفٹیننٹ ناگی تمہاری رہنمائی کرے گا۔"

PakistaniPoint

آدی نارائن اور انیل کمار دروازے کی طرف بڑھ گئے۔ شیتل نے عقب سے پکار کر آدی کو مخاطب کیا۔ ''مایوس مت ہونا، جو کچھ تم نے کہا ہے میں اس پر غور کروں گی۔ ایک عورت آسانی سے اپنا ذہن بدل سکتی ہے۔''

انہوں نے مڑ کر امید بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ ''لیکن اس عورت کے لیے بڑا مشکل کام ہوگا۔'' شیتل نے ذرا سے توقف کے بعد کہا۔ ''ایک ملکہ کے پاس بدلنے کے لیے ذہن کے علاوہ بھی بہت کچھ ہوتا ہے۔

☆.....☆.....☆

''اپنی آمد کو شاہانہ بناؤ، شیتل۔'' اسے آج بھی اپنے سب سے پہلے فلمی ہدایت کار راجیش بھٹناگر کے الفاظ یاد تھے جو اس نے پہلے فلمی شارٹ کے موقع پر اسے کہے تھے۔ ''اپنا سر بلند رکھو، گردن سخت اور چال ملکاؤں جیسی ہو۔''

اور شیتل اس کی ہدایت کے عین مطابق کیمرے کی آنکھ کے سامنے آئی تھی۔ اپنی تھوڑی اٹھائے، تمتمائے چہرے اور جگمگاتی آنکھوں کے ساتھ اس نے اپنی ساڑھی ذرا سی اٹھائی اور شہزادیوں جیسی چال کے ساتھ سیڑھیاں اتر کر اپنے سب سے پہلے ہیرو دھرمیندر کی بانہوں میں سما گئی تھی جو اس وقت جنرل کی وردی میں ملبوس تھی۔ پورے سیٹ پر شور مچ گیا۔ وہ اب تک فلم انڈسٹری میں آنے والی شاید پہلی اداکارہ تھی جس کے پہلے سین کے ری ٹیک کی ضرورت نہیں پڑی تھی، پہلی ہی کوشش کامیاب رہی تھی۔

آج شب نقیب نے جب سٹنگ روم کا دروازہ کھولا تو اسے اپنا پہلا سین یاد آ گیا۔

لیکن آج اس سیٹ پر کیمرے، ہدایت کار، اداکار اور معاون موجود نہیں تھے۔ فلم کا جانا پہچانا شور نہیں تھا اور نہ ہی کسی ہدایت کار نے باآواز بلند 'کٹ' کہنا تھا۔

آج کی ہدایت کار وہ خود تھی۔ کاسٹ کے جو اداکار سامنے بیٹھے تھے وہ اتنے سستے نہ تھے کہ دن کی تنخواہ لے کر گھروں کو نکل جاتے۔

سب سے پہلے انیل نے اسے دیکھا۔ وہ فوراً کرسی دھکیل کر کھڑا ہو گیا۔ دوسروں نے اس کی تقلید کی۔ شیتل نے اپنی مخصوص کرسی سنبھالنے سے پہلے تمام لوگوں سے فرداً فرداً مصافحہ کیا۔ تمام لوگوں کے چہرے تمتما رہے تھے۔

آدی نارائن نے شراب کی بوتل اٹھائی۔ ''میں ملکہ کا جام صحت تجویز کرنا چاہتا ہوں۔''

شیتل نے ہاتھ اٹھا کر اسے منع کر دیا۔ ''ابھی نہیں، ڈنر کے بعد، اور جام میں خود تجویز کروں گی۔''

☆.....☆.....☆

ڈنر مکمل ہوتے ہی ہر کرسی کے عقب میں کھڑے ملازم نے میز کی صفائی شروع کر دی۔ طویل و عریض میز چشم زدن میں صاف ہو گئی۔

بٹلرز کی آنکھیں ملکہ پر مرکوز تھیں جونہی اس نے پلکیں جھپکائیں وہ روبوٹوں کی طرح حرکت میں آ گئے۔ فوراً ہی تمام مہمانوں کے سامنے شیمپین کے گلاس رکھ دیے گئے۔

شیتل کی نگاہیں اپنے ایک ایک مہمان کا چہرہ پڑھ رہی تھیں۔ جونہی بٹلر اپنے کاموں سے فارغ ہوئے، شیتل کی پلکیں دوبارہ جھپکیں چیف بٹلر فوراً اپنی ملکہ کے سامنے جھک گیا۔

''تمام ملازمین کمرے سے باہر چلے جائیں۔'' شیتل نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ ''دروازے کے قریب بھی کسی شخص کو موجود نہیں ہونا چاہیے۔''

لمحوں میں کمرہ مہمانوں کے سوا تمام ملازمین سے خالی ہو گیا۔ شیتل اپنا گلاس تھام کر میز کے آخری سرے پر اپنی کرسی سے کھڑی ہو گئی۔

''کوئی اور اٹھنے کی زحمت نہ کرے۔'' اس نے دوستوں کو مخاطب کیا۔ ''جو کچھ میں کہنے جا رہی ہوں اسے سن کر تمام لوگ بیٹھے رہنے کو ترجیح دیں گے۔'' اس نے اپنا گلاس اٹھا کر لہرایا ''میں جام تجویز کر رہی ہوں جو میرے ہی لیے ہے۔ میں اپنی زندگی کے ایک ایسے دوراہے پر پہنچ چکی ہوں جہاں میرے لیے ایک اہم فیصلہ کرنا ضروری ہو گیا ہے اور میں وہ فیصلہ کر چکی ہوں۔''

اس نے ذرا سا رک کر حاضرین کا جائزہ لیا۔ ''ممکن ہے میرا فیصلہ آپ میں سے کچھ کے لیے غیر متوقع ہو لیکن بہت جلد آپ سب کو میری پوزیشن کا احساس ہو جائے گا۔ جب میرے شوہر واپس آ جائیں گے تو میں انہیں وہ سب کچھ بتا دوں گی جو میں اس وقت آپ کو بتانے جا رہی ہوں..... تقریبات کے بعد، میں نے بحریت چھوڑنے کا

فیصلہ کیا ہے، میں بمبئی واپس جا رہی ہوں۔"

کمرے میں اچانک ہی بہت سی سرگوشیاں گونج اٹھیں۔ شیتل نے ہاتھ اٹھا کر سب کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

"اور میرا ارادہ کبھی واپس نہ آنے کا ہے۔" اس نے دوسرا دھماکا کیا۔

"میز کے دوسرے سرے پر بیٹھی سلمٰی فاروق نے کرسی دھکیلی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم نے کیا کہا؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔ "مجھے تو تم نے بتایا تھا کہ.....!" شیتل تھکے تھکے سے انداز سے مسکرائی۔

"خواتین و حضرات! میں تخت سے دستبردار ہو رہی ہوں۔"

☆.....☆.....☆

"مائی گاڈ، تم نے تو زبردست دھماکا کیا ہے۔" سلمٰی نے آتش دان میں مزید کوئلے انڈیلتے ہوئے کہا۔ وہ اس وقت شیتل کے بیڈروم میں تھی۔ "کیا تمہیں دستبرداری کا اعلان کرنے کے لیے وہی بے وقوفوں کا جھرمٹ ملا تھا؟"

"میرا خیال ہے کہ مجھ میں اداکاری کے جراثیم پھر پیدا ہو رہے ہیں۔" شیتل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اور میرے خیال میں تم اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرو۔"

"ناممکن، میں....."

"ایک حد تک تو یہ ہو چکا۔" سلمٰی نے اس کی بات کاٹی۔ "گزشتہ شب تمہارا انداز مختلف تھا۔"

"بکومت۔" شیتل نے پیار سے اسے ڈانٹا۔ "جو فیصلہ میں نے آج سنایا ہے وہ اس وقت بھی میرے ذہن میں تھا جب میں نے دعوت نامے پوسٹ کیے تھے۔ تمہیں اور فادر فلپین کو یہاں بلانے کا مقصد ہی یہ تھا کہ مجھے اخلاقی سہارا دو۔ میں اتنی پریشان ہوں کہ تمہیں کیا بتاؤں؟"

"بتا کیوں نہیں دیتیں؟"

"میرے اس فیصلے کی بنیاد لوزانے کی ایک عورت پیا، بنی ہے۔" شیتل نے محتاط انداز میں کہا۔

"تو پہلے بھی رامیر کی زندگی میں لڑکیوں کی کیا کمی رہی ہے۔"

"اب صورت حال مختلف ہے۔ پیا، رامیر کی بیوی ہے اور دونوں کا ایک نامی ایک بیٹا بھی ہے....."

سلمٰی ششدر رہ گئی۔

"بچوں کا کیا بنے گا؟" کافی دیر بعد سلمٰی گویا ہوئی۔

"کوئی مسئلہ نہیں۔" شیتل نے مطمئن انداز میں جواب دیا۔ "رامیر چاہے گا کہ بچوں کے ذریعے مجھے پریشان کرے لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے گا۔ بچے ہماری مشترکہ ملکیت ہیں میرے خیال میں وہ انہیں گزند پہنچانے کی کوشش نہیں کرے گا ورنہ ملک کے ساتھ ساتھ دنیا بھر میں اس کا وقار خاک میں مل جائے گا۔"

"ہیں، رامیر کو بیوی کی نہیں، تلوے چاٹنے والی کتیا کی ضرورت ہے۔ بیوی کی حیثیت سے میرے بہت سے حقوق ہیں لیکن اس نے ایک بھی پورا نہیں کیا۔ میرے جانے پر وہ پیرس کے مشہور ترین درزی سے سلا ہوا اپنا بہترین فوجی یونیفارم زیب تن کرے گا۔ اس پر اسکول کے دنوں میں سوئمنگ میں ملنے والے تمغے سے لے کر آج تک ملنے والے تمام اعزازات سجائے گا اور ٹی وی اسکرین پر نمودار ہو کر قوم کو آگاہ کرے گا کہ ملکۂ بحریت، جس سے وہ بے حد محبت کرتا ہے اور جو اسے بے پناہ چاہتی ہے، اپنے فلمی کیریئر سے الگ ہو کر خوش نہیں تھی۔ وہ ایک فن کارہ ہے، عظیم فن کارہ، اور میں نہیں چاہتا کہ میں اپنی محبوب بیوی کے اندر کی فن کارہ کو مارنے کا مجرم قرار پاؤں، سو میں نے اسے فلمی کام کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ ہو سکتا ہے وہ یہ جملے کہتے ہوئے ٹسوے بھی بہائے۔"

سلمٰی کے پاس کہنے کو اب شاید کچھ نہیں تھا۔ وہ خاموشی سے اٹھی اور بیڈروم سے باہر نکل گئی۔ شیتل نے محض مسکرانے پر ہی اکتفا کیا تھا۔

☆.....☆.....☆

"اب ہم تنہا ہیں۔" انیل کمار نے باغ کے دور دراز کونے میں پہنچ کر آدی نارائن کو مخاطب کیا۔ "لیکن تم نے مجھے میز کے نیچے سے ٹانگ کیوں ماری تھی؟ میں تو اسے اس فیصلے پر مبارک باد دینا چاہتا تھا، خوش ہونا چاہتا تھا کہ چینی گڑیا اور بھارت کی فلمی دیوی پھر ہماری آغوش میں آ گئی ہے۔"

"تم پرلے درجے کے بے وقوف ہو۔" آدی نارائن نے اس کی اتنی لمبی چوڑی بات کے جواب میں محض ایک

Pakistanipoint

ہی جملہ کہا تھا۔

''بے وقوف میں ہوں یا تم؟'' انیل نے چیں بہ چیں ہو کر کہا۔ ''اچھے خاصے گرم کمرے سے نکل کر یہاں بہتوں کی طرح درختوں کے سائے میں کھڑا کر دیا ہے۔''

''یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔'' آدی رائن نے ناصحانہ انداز میں کہا۔ ''یہاں بھی آہستہ بولو ہوسکتا ہے درختوں میں بھی خفیہ مائیکروفون نصب ہوں۔ اسے بھول جاؤ کہ شیتل نے کیا کہا تھا۔ صرف یہ یاد رکھو کہ ہمارے الفاظ اس وقت بھی براہ راست اس کے کمرے میں پہنچ سکتے ہیں۔''

''بمبئی واپس جانے کی خواہش کا اظہار خود اس نے کیا ہے، ہم نے تو اسے مجبور نہیں کیا۔''

آدی نے ایک طویل سانس لی۔ عقل سے کام لو انیل، اس کے واپس آنے سے ہمیں کیا مل جائے گا؟ ہم نے کسی ملکہ یا کسی طاقتور ترین شخص کی دلربا بیوی کا خواب نہیں دیکھا۔ اب اس کے ساتھ سابق کا دم چھلا لگ چکا ہے۔ صرف سابق اداکارہ کا ہی نہیں، سابق ملکہ کا بھی، تم خود ہی بتاؤ کہ کون کسی سابق کے لیے اپنا مستقبل داؤ پر لگائے گا؟ ثریا یاد ہے تمہیں؟ وہ شاہِ ایران کو ولی عہد نہ دے سکی تو اسے طلاق ہوگئی۔ اسے فلم اسٹار بنانے کے بڑے منصوبے بنے لیکن ہاتھ کیا آیا؟ وہ سابق تھی اور سابق کا مطلب ہے کچھ نہیں۔ پیٹر سابق بادشاہ یوگوسلاویہ، یا کونسٹنٹائن یونان کا سابق بادشاہ، وہ ایک بار اپنے تخت سے اتر کر دیکھیں کوئی انہیں دیکھنے کے لیے ایک پائی بھی نہیں دے گا۔''

''مگر یہاں یہ صورت حال نہیں ہے۔'' انیل نے احتجاج کیا۔ ''وہ اب بھی شیتل کلکرنی ہے، اگر ملکہ کی دم اس کے ساتھ لگ گئی ہے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟''

''دم؟ ارے نامعقول یہ تو بنیادی حقیقت ہے۔ بے شک اس کا شمار دنیا کی دس خوب صورت ترین خواتین اول میں ہوگا، لیکن کیا کلکتہ کی کھولیوں اور سیتا پور کی ٹیڑھی میڑھی گلیوں میں رہنے والا کوئی شخص اس سابق ملکہ کو دیکھنے کے لیے ڈیڑھ روپے کا ٹکٹ خریدے گا۔ شیتل کے اسکرین سے غائب ہونے کے بعد سیکڑوں خوب صورت لڑکیاں اسکرین پر جلوہ گر ہوئی ہیں۔ ڈمپل کپاڈیہ، نیتو سنگھ، زینت امان، ہیما مالنی، جیہ بہادری، ہیتا، راکھی، ریکھا، پروین بوبی، یوگیتا بالی، موسمی چٹرجی اور کتنے نام گنوؤں میں

طرب اور کرب کے درمیاں

بظاہر بہت ہی جو سلجھی ہوئی ہوں
طرب اور کرب میں، میں الجھی ہوئی ہوں
میری جو ہے حالت بیاں سے ہے باہر
نہ پنہاں رہے نہ کسی پہ ہے ظاہر
کرب کو جو دیکھوں تو ہر سو ہی غم ہے
جو دیکھوں طرب تو لگے کم ہی کم ہے
عقیدت ارادت ریاضت کے قصے
ہجر ہی ہجر آگیا میرے حصے
وہ قصے وصل کے ہوئے بے معانی
ہوئی جا رہی رائیگاں زندگانی
میں خوابوں کی دنیا کہاں تک سجاؤں
میں ہی اپنے وعدے کہاں تک نبھاؤں
یہ عمر گریزاں سفر اور یہ رستے
گزر ہی رہے ہیں یونہی چلتے چلتے
زرا ہاتھ تھامیں، کہیں سے بلائیں
جو ہمراہ ہیں راہی نظر بھی تو آئیں
عشق مجازی کی پر پیچ راہیں
حقیقی پہ چلتے تو ہوتی نہ آہیں
وہ جس کے لیے اک جہاں کو تھا چھوڑا
مقدر یہ دیکھو اسی نے ہی توڑا
میں مضطر زمانے میں تنہا کھڑی ہوں
میں مشکل میں تنہا جہاں سے لڑی ہوں
وہ چاہت کے دعوے فقط عارضی تھے
جو لمحے دیے اس نے وہ آرسی تھے
جو لمحوں کی راحت کو حاوی بھی رکھوں
طرب اور کرب کو مساوی بھی رکھوں
پس آئینہ جو نظر آ رہا ہے
وہی دراصل مجھ کو الجھا رہا ہے
بظاہر بہت ہی جو سلجھی ہوئی ہوں
طرب اور کرب میں، میں الجھی ہوئی ہوں

تسنیم سحر..... قصور

Pakistanipoint

تمہیں۔ اب بھلا فلم بین ایک کھوکھلے جسم کو اسکرین پر دیکھنے کیوں کر آئیں گے؟''

''لیکن ہمیں فنانس تو کوئی اور کرے گا۔''

''بے شک، مگر میں افسوس کے ساتھ کہوں گا کہ ہماری صنعت کی زبان کے مطابق وہ بینک ایبل نہیں ہے۔''

''ناممکن۔''

''یہی سچ ہے انیل۔'' آدی نارائن نے زور دیتے ہوئے کہا۔ ''شیتل کے لیے پیسے کوئی اس کی شکل دیکھ کر نہیں دے گا بلکہ وہ اس کی حالیہ کامیاب فلموں کی فہرست دیکھے گا اور شیتل کے پاس خوب صورت چوکھٹا تو ہے، خوب صورت ماضی نہیں۔''

انیل کمار نے اپنی شکست تسلیم کرلی۔ ''تو پھر اب ہمیں کیا کرنا چاہیے۔''

''سب سے پہلے ہم واپس بمبئی جا کر پرانے دوستوں کی طرح اس سے بات کرتے ہیں۔'' آدی نارائن نے جواب دیا۔ ''ہم اس کے مفادات میں دلچسپی ظاہر کریں گے لیکن اسے مجبور کریں گے کہ وہ دستبرداری پر نظر ثانی کرے۔ ہم اسے بتائیں گے کہ وہ اب بھی بہت زیادہ خوب صورت ہے لیکن اس کی یہ خوب صورتی ایک طاقتور شاہ کی ملکہ کی حیثیت سے تو لوگوں کو متاثر کرسکتی ہے، پندرہ سال پرانی اداکارہ کی حیثیت سے نہیں۔''

''درست۔'' انیل نے ہنکارا بھرا۔

''ہم اسے بتائیں گے کہ محل سے باہر کی دنیا اس کے لیے بہت سرد ہے، وہ فی الحال اسی کی پناہ میں رہے۔ رہ گئی دستبرداری، تو وہ فلمی دنیا میں دوبارہ قدم جما کر اس فیصلے پر عمل درآمد کرسکتی ہے۔''

انیل نے گرم جوشی سے اس کے ساتھ ہاتھ ملایا اور دونوں محل میں لوٹ آئے۔

☆.....☆.....☆

''لعنت بھیجو اس پر۔'' وجیتا نے اپنے شوہر کی جانب سے شیتل کی وکالت پر برہم ہو کر کہا۔

''آہستہ۔'' سوہن کلکرنی نے اسے سرزنش کی۔ ''یاد رکھو اب وہ سری نگر کی یتیم شتیلا نہیں، بحریت کی ملکہ شیتل رامیر ہے کوئی بھی تمہاری بات سن کر اسے آگاہ کرسکتا ہے۔''

''تمہیں یا مجھے اس سے کیا فائدہ؟'' وجیتا نے ناک سکوڑی۔ ''تم تو اس سے مالی مدد حاصل کرنے آئے تھے اور وہ یہاں سے فرار ہونے کے بارے میں سوچ رہی ہے۔''

''میں کوشش کروں گا کہ وہ اپنا فیصلہ واپس لے لے۔'' سوہن کلکرنی نے اپنی بیوی کو بتایا۔ ''میں اسے یاد دلاؤں گا کہ وہ طلاق لے رہی ہے اور ہمارے مذہب میں طلاق.....''

''تمہارا مذہب؟'' وجیتا نے طنزیہ انداز میں اس کی بات کاٹی۔ ''کون سا مذہب؟ کیا تم بھول گئے ہو کہ وہ اب ہندو نہیں ہے، عرصہ ہوا ہندو اسے بھول چکے ہیں، رامیر کو صرف یہ کہنا ہے، میں نے تمہیں طلاق دی، اور اگلے ہی لمحے وہ پھر یتیم شتیلا کی طرح گلی میں کھڑی ہوگی۔''

''میں اس بات کی کوشش بھی کروں گا کہ وہ دوبارہ ہندو مذہب اختیار کرلے اور اس کے لیے میں ایک بڑی قیمت بھی لگاؤں گا۔ مجھے یقین ہے کہ میری پیش کش اسے خریدنے میں کامیاب ہوجائے گی۔''

''اپنے کاروبار کے لیے تو تمہارے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں اور چلے ہو اسے بھاری پیش کش کرنے، پاگل ہوگئے ہو؟''

''تم دیکھتی جاؤ، کیا ہوتا ہے۔'' سوہن نے شاطرانہ انداز میں کہا۔ ''وہ میری بات ضرور سنے گی کیونکہ میں بہر حال اس کا خونی رشتے دار ہوں۔''

☆.....☆.....☆

شیتل نے آنکھیں کھول کر بڑی بڑی کھڑکیوں کے بلٹ پروف شیشوں سے اندر آنے والی، دھوپ کا جائزہ لیا اور دوبارہ تکیوں میں سر چھپالیا۔ ہاتھ بڑھا کر اس نے قریب پڑے ہوئے دوسرے مسلے ہوئے تکیے کو بھینچ لیا۔

''اسے یاد نہیں تھا کہ ارون کس وقت اس کے پاس آیا تھا۔ ممکن ہے شلمی نے اسے بھیجا ہو یا پھر اس نے خود فون کرکے اسے بلایا ہو۔ اسے یاد نہیں آرہا تھا لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ اس کے لیے یہی کافی تھا کہ وہ تادیر اس کے ساتھ رہا تھا۔ اس نے اسے تخت سے دستبرداری کے متعلق بتایا تھا۔

''تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا، جان۔'' ناراض

Pakistanipoint

ہونے کے بجائے ارون نے اسے یقین دلایا تھا۔ ''تمہیں جب اور جہاں میری ضرورت محسوس ہوگی میں حاضر ہوجاؤں گا۔''

''اور اس نے خود کو ارون کے مضبوط حصار میں چھپالیا تھا..... شیتل نے ہڑبڑا کر دوبارہ سر اٹھایا۔ اب ارون نہیں تھا، اس کا مضبوط حصار بھی نہیں تھا۔ وہ تنہا تھی اور اسے ابھی بہت سے کام کرنے تھے۔ وہ نیم دلی سے اٹھ کر باتھ روم کی طرف بڑھ گئی۔ وہ جلد از جلد تیار ہوجانا چاہتی تھی کیونکہ اسے علم تھا کہ رات کو اس کے منہ سے دستبرداری کا فیصلہ سننے کے بعد اس کے مہمان سو نہ سکے ہوں گے اور اب تب میں کوئی نہ کوئی اس سے ملنے کے لیے آنے والا ہوگا۔

☆.....☆.....☆

''کیری، کون ہے؟'' اس نے ڈرائنگ روم کے دور افتادہ کونے سے دروازے پر موجود اپنی ملازمہ سے بہ آواز بلند دریافت کیا۔ اسے کسی مرد سے کیری کی باتیں کرنے کی آواز سنائی دی۔

''ملکہ کو بتاؤ کہ فادر فلین اس سے ملنے آیا ہے۔'' مرد کی آواز ابھری۔

لڑکی الٹے قدموں پیچھے ہٹی۔ پلٹ کر اس نے اپنی مالکن کو دیکھا اور پھر جھک کر اس نے فادر کو اندر آنے کا اشارہ کیا۔ شیتل نے دوسرا اشارہ کیا اور کیری دروازہ بند کرکے باہر نکل گئی۔ اب کمرے میں شیتل اور فادر فلین تنہا تھے۔ ملکہ نے اٹھ کر فادر کا استقبال کیا اور اسے بیٹھنے کے لیے کرسی پیش کی۔

''آپ کو یہاں دیکھ کر مجھے بے حد خوشی ہوئی ہے فادر۔'' شیتل نے بوڑھے فادر کے ہاتھ کو بوسا دیا۔

''تمہارے فیصلے سے مجھے بھی بے حد خوشی ہوئی ہے۔'' فادر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اب میں مطمئن ہوں۔''

شیتل نے پلکیں جھپکا کر فادر کو دیکھا۔ ''کیا مطلب؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''آپ ہمیشہ سچ بولتے رہے ہیں، اس لیے مجھے صاف صاف بتایئے گا۔''

''یہ ایک شرمناک کہانی ہے شیتل، جس میں خود میں بھی ملوث ہوں۔''

''مجھے یقین نہیں آرہا۔''

''حالانکہ اس کا تعلق تم سے ہے۔''

''مجھ سے؟''

''جلد ہی صورت حال تم پر واضح ہوجائے گی۔'' مجھے خوشی ہے کہ تم دستبردار ہورہی ہو۔''

''لیکن اس سے آپ کو کیا فائدہ؟''

فادر نے اس کے سوال پر کوئی توجہ نہ دی۔ ''تم بھارت واپس آرہی ہونا؟ یعنی گھر آرہی ہو؟''

''ہاں۔''

''تب تو پھر تم ہندو مذہب اختیار کرلوگی؟'' فادر نے فوراً دریافت کیا۔ ''میرا تعلق عیسائی مذہب سے ہے لیکن میری خواہش ہے کوئی اپنا اصل کو لوٹ جائے، خواہ وہ ہندو ہو یا عیسائی، یہودی، ہو یا بدھ مت کو ماننے والا۔''

''ہندو مذہب؟ سالوں گزر گئے کہ میں نے اس طرح کا تصور بھی نہیں کیا۔ شروع میں میں ضرور ڈگمگائی تھی، لیکن اب تو ہندو مت بہت پیچھے رہ گیا۔''

''اس سلسلے میں بھی میں خود کو قصوروار سمجھتا ہوں۔''

''پہیلیاں نہ بجھوائیں فادر۔''

''اسے چھوڑو۔'' فادر نے اس بار بھی کوئی وضاحت نہ کی۔ ''تمہاری دستبرداری کی ٹھوس وجاہات تو ہوں گی، اگر مناسب سمجھو تو بتادو، کیا تمہیں شادی سے حقیقی خوشی نصیب ہوئی ہے۔''

شیتل مسکرائی۔ ''آپ مجھے کوئی اعتراض کرنے کو تو نہیں کہہ رہے کہ میں.....''

''غیر رسمی طور پر۔''

''تو پھر میں آپ کو ضرور بتاؤں گی۔'' شیتل نے مطمئن انداز میں کہا۔ ''میری خوشیاں میرے بچے ہیں۔ رامیر کے ساتھ پہلے پانچ چھ سال تو بڑے رومانی گزرے لیکن بعد میں ہماری شادی شکوک وشبہات اور ابہام کی نذر ہوگئی، مگر اب یہ کہانی بھی ختم ہوگئی ہے۔ میرے شوہر کو میری ضرورت نہیں رہ گئی۔ وہ کسی اور سے پیار کرنے لگا ہے، اب میں اس کی ملازمہ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔'' شیتل کی آواز رندھ گئی۔ ''میں سب کچھ کھو چکی ہوں فادر۔''

''تب پھر تم مجھے معاف کردینا، شیتل۔'' فادر نے سر جھکا کر کہا۔ ''تمہاری زندگی میں زہر گھولنے والس سب سے برا مجرم میں ہوں۔''

PakistaniPoint

''میا مطلب؟'' شیتل سارا دکھ بھول گئی۔
''اگر میں کہوں کہ میں نے تمہیں ایک شاہ کے ہاتھوں بیچ ڈالا تھا تو اس میں کوئی جھوٹ نہ ہوگا۔''
''کھل کر بات کریں فادر۔'' اس کا لہجہ بدل گیا تھا۔
''شاہ کے ساتھ تمہاری ملاقات سے قبل ڈاکٹر گوتم نیلامبر میرے پاس آیا تھا۔ اسے شک تھا کہ شاید تم رامیر سے شادی کرنے اور اپنا مذہب تبدیل کرنے پر تیار نہ ہو۔ اسے کسی نے بتایا تھا کہ دنیا میں صرف ایک شخص ایسا ہے جو تمہیں ایسا کرنے پر مجبور کرسکتا ہے اور وہ میں ہوں۔ میں انتہائی شرمندگی سے یہ اعتراض بھی کروں گا کہ رامیر نے تم سے اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر شادی نہیں کی تھی۔ ڈاکٹر گوتم نے مجھے بتایا تھا کہ یہ ایک سیاسی شادی ہے۔ رامیر کو بھارت سے اسلحہ درکار تھا اور اس کے لیے کوئی مقبول بھارتی لڑکی بہترین سیڑھی ثابت ہوسکتی تھی۔ چنانچہ تمہارا انتخاب عوام میں تمہاری مقبولیت کے باعث اس سیڑھی کے طور پر کیا گیا تھا جس پر چڑھ کر رامیر اپنے مقاصد حاصل کرسکتا تھا۔ گوتم اور خود رامیر نے تمہیں مجھ سے ملنے کا مشورہ دیا اور تمہیں یاد ہوگا کہ میں نے تمہاری شادی کی حمایت کی تھی۔ میں صورت حال جانتا تھا لیکن میں نے تمہیں اس بارے میں ایک لفظ بھی نہیں بتایا تھا۔''
شیتل کا دماغ گھوم گیا۔ اس نے جس ہستی کو قابل اعتماد سمجھ کر اپنی پریشانیوں میں حصہ بٹانے کے لیے بلایا تھا وہ اسے نئی کہانی سنا رہی تھی۔ وہ بری طرح ٹوٹ پھوٹ گئی۔
''لیکن آپ نے ایسا کیوں کیا؟''
''گوتم نے مجھے رامیر کی جانب سے سری نگر میں ایک یتیم خانہ اور ایک چرچ تعمیر کروا کر دینے کی پیش کش کی تھی۔'' فادر نے جواب دیا۔ ''اس نے اپنے وعدے کی تکمیل بھی کی، میں نے اپنے مذہب سے وفاداری کا ثبوت دیا تھا، لیکن یہ دکھ بھی تھا کہ میں نے کسی دوسرے کو اس کے مذہب اور ملک سے دور کردیا ہے اور شاید دھوکا بھی دیا ہے مگر تمہاری کامیاب شادی کی خبریں سن سن کر میرے دل کو ڈھارس ہوتی تھی کہ میرا فیصلہ غلط نہیں تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ البتہ مجھے یہ احساس بھی تھا کہ میں نے خدا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں تمہارا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔''
''تو اب آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟'' شیتل جانے کس طرح خود کو سنبھالے ہوئے تھی۔
''کیونکہ میں نے تمہاری شادی کے بارے میں محض افواہیں سنی تھیں، کیونکہ تمہاری تکلیفوں کا ذمے دار میں ہوں۔ اس لیے ہر روز خداوند سے معافی مانگتا ہوں، لیکن مجھے معاف کیے جانے کا کوئی اشارہ نہیں ملا۔ میرے دل میں اب بھی چبھن ہے اس لیے تم سے درخواست ہے کہ مجھے معاف کردو۔''
''تو آپ یہ اعتراف کرنے کے لیے یہاں آئے ہیں؟''
''ہاں۔''
''صرف اپنے اطمینان کے لیے؟'' شیتل نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔ ''یہ جانے بغیر کہ آپ کے لالچ کے باعث میں نے پندرہ سال کانٹوں کی سیج پر گزارے ہیں۔''
''مجھے اس بات کا علم نہیں تھا، شیتل۔'' فادر نے فوراً اپنی صفائی پیش کی۔ ''جب تم نے دستبرداری کا اعلان کیا، اس وقت مجھے اس بات کا شک گزرا تھا اور میری غلطی میرے لیے ایک عذاب بن گئی۔''
''اب آپ چاہتے ہیں کہ اللہ کے ساتھ ساتھ میں بھی آپ کو معاف کردوں؟'' شیتل اپنی جگہ سے اٹھ کر فادر کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ اس کا پورا بدن کانپنے لگا تھا۔
''یہاں سے چلے جائیں فادر۔'' شیتل کی آواز خطرناک حد تک بلند ہوگئی۔ ''دفع ہوجاؤ یہاں سے بوڑھے شیطان..... تم نے مجھے اپنے لالچ کی بھینٹ چڑھا دیا..... بوڑھے دلال..... دفع ہوجاؤ۔ میں زندگی بھر تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہتی.....''

☆.....☆.....☆

فادر فلین کے ساتھ انتہائی گرما گرم ملاقات کے باوجود شیتل نے اپنے دوسرے ملاقاتیوں کا استقبال ہنسی خوشی کیا تھا۔ اس کے چہرے پر گزرے واقعات کی کوئی جھلک نہیں تھی۔ نئے آنے والے انیل کمار اور آدی نارائن تھے۔
''ہم نے تمہیں ڈسٹرب تو نہیں کیا؟'' انیل کمار نے

اپنے لیے برانڈی انڈیلتے ہوئے رسماً دریافت کیا۔
''مجھے تمہارے آنے کی توقع تھی۔''
''تمہیں ہونی چاہیے تھی۔'' آدی نارائن بات چیت کو آگے لے کر چلا۔ ''گزشتہ شب ہم نے تمہارے بارے میں بڑے طویل صلاح مشورے کیے ہیں اور اس وقت ہم تمہیں یہ بتانے آئے ہیں کہ تمہاری بمبئی واپسی سے ہم بے حد خوش ہیں۔ کیا ہم یہ سمجھ لیں کہ ہم تمہارے منصوبوں میں شامل ہیں؟''
شیتل نے اثبات میں سر ہلایا۔
''تو کیا تم اپنے تابناک مستقبل کے بارے میں بات کرنا پسند کرو گی؟''
شیتل نے دوبارہ سر ہلایا۔
''ہم یہاں تمہاری دستبرداری پر بات کرنے نہیں آئے یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے۔'' آدی نے بات کر کے تائید کے لیے انیل کی طرف دیکھا، لیکن وہ برانڈی میں مصروف تھا۔ چنانچہ اس نے بات دوبارہ شروع کر دی۔ ''دستبرداری کے کئی فائدے ہیں اور کئی نقصان، ہمیں فائدہ یہ ہے کہ ہم اپنے فائنانسرز سے شیتل کلکرنی کی ایک سے زائد فلموں کا معاہدہ کر سکیں گے۔''
''اور نقصان.....''
''صرف تمہاری ذات کو ہے۔'' آدی نارائن نے جواب دیا۔ ''اس وقت ملکہ ہونا تمہاری پہچان ہے، دستبرداری تمہاری پہچان کو ختم کر دے گی۔ اس لیے ہمارا مشورہ ہے کہ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرو تاکہ تم جب چاہو ملکہ کی حیثیت سے ریال واپس آ جاؤ۔ پہلے فلمی پانیوں میں اتر کر دیکھو۔ کنارے الگ لگیں تو بے شک دستبردار ہو جانا ورنہ تمہارا محل تمہارے لیے بہترین جائے پناہ ثابت ہو سکتا ہے۔''
''شیتل کے لیے آدی نارائن کا مشورہ تھوڑے سے کم نہیں تھا۔ کل وہ انہیں خزانوں سے مالا مال سمندر نظر آتی تھی اور آج اس کی حیثیت ایک خشک کنویں سے زیادہ نہیں رہ گئی تھی۔ کیونکہ اب اس کے ساتھ سابق لگنے والا تھا۔ وہ بے وقوف تھی جو یہ سمجھ بیٹھی تھی کہ وہ اس کے پاس استعمال کرنے والوں کی حیثیت سے نہیں بلکہ دوستوں کی حیثیت سے آئے تھے۔ اس کا جی تو چاہا کہ ان کے ساتھ بھی فادر فلمین جیسا سلوک کرے لیکن کچھ سوچ کر اس نے ارادہ ملتوی کر دیا اور تھکے تھکے سے انداز میں ملازمہ کو بلانے کے لیے گھنٹی کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔
''میں اس بارے میں سوچوں گی۔'' اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔ ''کیری تمہیں باہر لے جائے گی، میرے پاس دوسرے ملاقاتی آنے والے ہیں، ممکن ہے آج رات ہم دوبارہ ملیں گے۔''

☆.....☆.....☆

''بولیں، میں سن رہی ہوں۔'' ایک گھنٹے بعد شیتل اپنی خالہ وجیتا کلکرنی اور خالو سوہن کلکرنی سے باتیں کر رہی تھی۔ موضوع تخت سے اس کی دستبرداری ہی تھا۔
''تمہارے یہاں سے چلے جانے کے بعد بچوں کا کیا ہوگا؟'' سوہن نے سوال کیا۔
''میں ان کا کیا انتظام کرتی ہوں، یہ آپ کا مسئلہ نہیں۔''
''لیکن تمہارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟ کیا شاہ اس بارے میں سنتے ہی تمہیں طلاق.....؟''
''طلاق؟'' وجیتا نے فوراً اپنے شوہر کا جملہ اچک لیا۔ ''تمہاری ماں نے انتہائی نامساعد حالات میں بھی اپنے شوہر سے طلاق نہیں لی تھی۔ ہمارے خاندان میں ایسی کوئی مثال نہیں ہے، لوگ کیا کہیں گے؟''
''نو دن بعد لوگ اسے بھول جائیں گے۔'' شیتل نے اطمینان سے جواب دیا۔
''مگر طلاق ہی کیوں؟'' سوہن نے اپنی بات پھر شروع کی۔ ''تجرباتی طور پر علیحدگی کیوں نہیں؟ بہت سے شہزادے شہزادیوں نے ایسا کیا ہے۔ پرنس برنارڈ یاد ہے، اس نے ڈچ لیڈی جولیانا سے علیحدگی اختیار کی اور بالآخر دونوں مل بیٹھے۔ شہزادی مارگریٹ اور لارڈ اسنوڈن کی شادی بھی اختلافات کا شکار رہی۔ انہوں نے علیحدگی ضرور اختیار کی لیکن طلاق کے لیے بچوں کے بڑے ہونے کا انتظار ضرور کیا۔ جیکی کینڈی کی مثال تمہارے سامنے ہے، اس کا شوہر تو تمہارے شوہر سے بھی برا پلے بوائے تھا پھر ت.....''
''انکل۔'' شیتل نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔ ''آپ اور آنٹی فی الحال آرام کریں

اور ہمارے درمیان جو مختصر سی بات چیت ہوئی ہے اسے فی الحال بھول جائیں۔ دوپہر کو آپ لوگ خیموں کے شہر کی سیر کو جا رہے ہیں، رات کو ڈنر پر ملاقات ہوگی۔''

گیتا نیلا مبر وسیع و عریض بیڈ پر آڑھی ترچھی پڑی ہوئی تھی۔ وہ ذرا دیر پہلے ہی اپنے شوہر کے ہمراہ پیرس سے ریال پہنچی تھی۔ طویل فلائٹ نے اسے تھکا دیا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ گوتم کے ساتھ کچھ دیر آرام کرتی لیکن محل پہنچتے ہی استقبالیہ ہال میں ڈاکٹر گوتم نیلا مبر کی ملاقات درباری امور کے انچارج کرنل صمد مسعودی سے ہوگئی تھی جو اسی کا منتظر تھا۔

کرنل صمد نے جوڑے کا مسکراہٹوں کے ساتھ خیر مقدم کیا لیکن اگلے ہی لمحے وہ گوتم کو لے کر ایک کونے میں کھسک گیا تھا۔ کچھ دیر ان کی سرگوشیاں جاری رہی تھیں اور پھر گوتم تھکے تھکے انداز میں اس کے پاس آیا تھا۔

''تم کمرے میں چلو گیتا، میں ذرا دیر میں آتا ہوں۔''

''گوتم جواب کا انتظار کیے بغیر کرنل صمد کے ساتھ آگے بڑھ گیا اور اب ڈیڑھ گھنٹہ ہوگیا تھا لیکن گوتم کی کوئی خبر نہیں تھی کہ وہ کہاں تھا اور کیا کر رہا تھا؟''

☆.....☆.....☆

گیتا کے بیڈ روم سے خاصے فاصلے پر ایک بند دروازے کے عقب میں بیٹھا ہوا گوتم نیلا مبر اس انکشاف کا منتظر تھا جو کرنل صمد کرنے والا تھا۔ اسے اس وقت بے حد حیرت ہوئی جب کرنل نے فوری بات شروع کرنے کے بجائے اپنی میز پر بیٹھ کر پنسل سے آڑھی ترچھی لکیریں بنانی شروع کر دیں۔

''یہ کیا ہے؟'' گوتم نے احتجاج کیا۔ ''میں ایک طویل سفر کر کے آیا ہوں اور چاہتا ہوں کہ اپنی بیوی کے ساتھ آرام کروں۔''

''وہ جا رہی ہیں۔'' کرنل نے سر اٹھائے بغیر کہا۔ ''انہوں نے یہ انکشاف گزشتہ شب ڈنر کے موقع پر کیا ہے۔''

''کون جا رہا ہے؟ اور تم اتنے پریشان کیوں ہو؟''

''ملکۂ عالیہ، تخت سے دستبردار ہو رہی ہیں۔''

گوتم کے لیے خبر اتنی اچانک تھی کہ وہ بے اختیار کرسی سے کھڑا ہوگیا۔

''یہ سچ ہے۔'' کرنل نے اسکی تقلید کی۔ ''شاہِ معظم کو اس کی خبر نہیں اور نہ ہی میں نے کسی کو بتایا ہے، خدا کا شکر ہے کہ آپ میری رہنمائی کے لیے یہاں آگئے ہیں۔''

''کیا بے وقوفی ہے؟ میرا ذہن تمہارے الفاظ قبول نہیں کر رہا۔ تمہیں یہ بے وقوفانہ خبر کہاں سے ملی؟'' گوتم دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔

''موسیو برائر سے۔'' کرنل صمد نے جواب دیا۔ ''وہ چیف ڈائننگ روم اسٹیورڈ ہے اور اتنا ذمے دار ہے کہ اس سے کسی جھوٹ یا غلط بیانی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ ملکہ نے ڈنر کے بعد تمام لوگوں کو کمرے سے چلے جانے کا حکم دیا تھا تاکہ وہ اپنے بھارتی دوستوں سے کھل کر نجی گفتگو کر سکیں۔ کمرہ تو خالی ہوگیا، لیکن موسیو برائر دروازے سے کان لگا کر کھڑا ہوگیا۔ اس نے ملکہ کا یہ جملہ خود سنا ہے کہ میں تخت سے دستبردار ہو رہی ہوں۔''

''کیا تمہیں یقین ہے کہ شاہ اس بارے میں کچھ نہیں جانتا؟'' گوتم نے پوچھا۔

''اگر انہیں علم ہوتا وہ فوری طور پر واپس آجاتے۔''

''تب پھر ہمیں ہر حال میں انہیں تلاش کرنا ہوگا۔ کیا تمہیں علم ہے کہ وہ کہاں ہی؟''

''بلجیم میں۔''

''یہ تو مجھے بھی معلوم ہے، چند روز پہلے انہوں نے برسلز سے مجھے فون بھی کیا تھا۔ وہ کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں؟''

''اپنی نجی رہائش گاہ میں، ان کے چیف آف اسٹاف اور بعض اعلیٰ افسران ان کے ہمراہ ہیں، شاہ باڈوئن نے خود ان کے لیے انتظامات کیے ہیں، میرے پاس ان کا فون نمبر ہے۔''

''تو پھر تمہیں انتظار کس بات کا ہے؟ نمبر ملاؤ۔''

''کک.....کون..... ان سے بات کون کرے گا؟'' کرنل کی آواز لڑکھڑا گئی۔

''میں کروں گا، بے وقوف، تم نمبر ملاؤ۔'' گوتم نے غصے سے جواب دیا۔

☆.....☆.....☆

دونوں افراد ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ بلجیم کی کال ختم ہوگئی تھی۔ ڈاکٹر گوتم نیلا مبر کا سر جھکا

ماہنامہ حجاب کراچی

کے قارئین کے لئے ایک خاص تحفہ

دلکش و دلفریب انداز تحریر

نئی سلسلے وار کہانی

کیا آپ ایسی کہانی پڑھنے کے لئے تیار ہیں جس میں مصنفہ اور کہانی کا نام ایک راز ہے

اپنی خواہشوں، آرزوؤں اور خوابوں کے بے دام غلامی میں
ہر رشتہ، احساس اور جذبہ روندنے والوں کا قصہ

ان لوگوں کی کہانی ہے جو اپنی انا کے محل میں سود و زیاں سے بے نیاز مقید رہے

ان رویوں کے ازالے کا احوال جہاں آبلہ
پائی کے سوا کچھ حاصل نہ تھا

جب تمناؤں کے محل مسمار ہوتے ہیں تو احساسات بنا شور کیے سفید کفن اوڑھ لیتے ہیں
گرتے ہیں تو اٹھانے والے ہاتھ آپ کے ارد گرد موجود ہیں بس فرق اس نگاہ کا ہے
نفرتوں کی بھیڑ میں محبت کیسے تلاش کر سکتے ہیں یہ آپ کو اس ناول میں معلوم ہوگا

اس کہانی میں محبت کی کہانی محبت کی زبانی سنائی جائے گی

نئی سلسلے وار کہانی پڑھنے کیلئے آج ہی اپنی کاپی بک کرالیں کہیں دیر نہ ہو جائے

بہت جلد ماہنامہ حجاب کراچی کے صفحات پر ملاحظہ کیجیے

pakistanipoint

ہوا تھا اور وہ نروس انداز میں انگلیاں چٹخا رہا تھا۔

''وہ اسے نہیں ڈھونڈ سکتے، ان کا کہنا ہے کہ شاہ دیہی علاقے میں وقت گزار رہا ہے۔ نہیں جانتے کہ کہاں۔ میں نے انہیں بتایا کہ شاہ سے بات کرنا بے حد اہم ہے تو انہوں نے دریافت کیا کہ معاملہ سیاسی ہے، گھریلو ہے یا پھر بچوں کا ہے؟ میں نے انہیں بتایا کہ گھریلو ہے تو انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ جونہی ان کا شاہ سے رابطہ ہوا وہ میری کال کے بارے میں بتادیں گے۔''

''ہمارے پاس وقت بالکل نہیں۔'' کرنل صمد نے جواباً کہا۔ ''ڈنر میں شریک کوئی بھی شخص باہر بات کرسکتا ہے ہمیں ہر حال میں شاہ کو اس سے آگاہ کرنا ہوگا۔''

''ہمیں؟'' گوتم نے حیرت سے پوچھا۔

''جی سر! ہمیں شاہ کسی ایک کی بات پر یقین نہیں کریں گے۔''

گوتم نے ایک ہاتھ کا مکا بنا کر دوسری ہتھیلی پر مارا۔ ''پہلے میں ملکہ سے بات کروں گا، ہوسکتا ہے تمہارے مخبر نے کچھ زیادہ چڑھا لی ہو، ہماری خوش بختی ہے کہ شاہ سے ہمارا رابطہ نہیں ہوا۔ ہمیں پہلے ملکہ سے بات کرنی چاہیے۔''

''میں آپ کے لیے نیک تمناؤں کا اظہار کرتا ہوں۔''

☆.....☆.....☆

ڈاکٹر گوتم نیلامبر صرف چند منٹ اپنے اپارٹمنٹ میں رکا اس نے مختصر ترین الفاظ میں گیتا کو صورتِ حال سے آگاہ کیا اور شیتل سے ملاقات کو چل دیا۔

وہ اس وقت سوئمنگ پول میں پیراکی کررہی تھی۔ اسے دیکھ کر چند لمحوں کے لیے تو گوتم ٹھٹک کر رہ گیا۔ ظالم اس عمر میں بھی اتنی خوب صورت تھی کہ بچاری اس کے لیے مندر اور زاہد مسجد چھوڑ سکتا تھا۔ وہ مختصر لباس میں پانی میں اٹکھیلیاں کرتی ہوئی کوئی جل پری لگتی تھی۔

جونہی اس نے گوتم کو دیکھا وہ اسی حالت میں پول سے باہر نکل آئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو یورپی انداز میں خوش آمدید کہا۔ شیتل کے ہونٹوں پر شرارتی مسکراہٹ تھی جب کہ گوتم کا چہرہ شرم سے سرخ ہوگیا تھا۔

''تم پہلے سے زیادہ خوب صورت نظر آرہی ہو شیتل۔''

''آخر کار، پیارے گوتم، تم نے کوئی تو ایسی بات کہی جس پر میں آنکھیں بند کرکے یقین کرسکتی ہوں۔'' شیتل نے ایک نقرئی قہقہہ فضا میں بکھیرا اور ایک بڑا سا تولیہ اٹھا کر لپیٹ لیا۔ پھر وہ ایک ایزی چیئر پر دراز ہوگئی۔

''آؤ، ادھر بیٹھو۔'' اس نے ساتھ والی کرسی کی جانب اشارہ کیا۔ ''گیتا کیسی ہے؟ میرا خیال ہے آرام کررہی ہوگی۔ تمہارا اپارٹمنٹ آرام دہ تو ہے نا؟ فلائٹ کیسی رہی؟ اور ہاں پیرس کیسا تھا؟'' شیتل نے ایک ساتھ کئی سوال کر ڈالے۔

گوتم نے اطمینان کا سانس لیا۔ شیتل کے کسی انداز سے کوئی خطرہ ظاہر نہیں ہورہا تھا۔ اس نے دل ہی دل میں کرنل صمد کو برا بھلا کہا اور شیتل کے سوالوں کا جواب دینے لگا۔

''کل فادر فلپین سے میری ملاقات ہوئی تھی۔'' اس کے خاموش ہونے پر شیتل نے اسے بتایا۔

''وہ سری نگر کا پادری؟'' گوتم نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔

''مجھے یاد ہے وہ۔''

''تمہیں یاد ہونا چاہیے کیونکہ تم نے اسے تباہ کرنے میں اہم ترین کردار ادا کیا ہے، وہ بااعتماد آدمی تھی لیکن تم نے اس سے اس کا اعتماد چھین لیا۔''

''اس سے جو وعدے کیے گئے تھے، پورے کیے جاچکے ہیں۔'' گوتم کا اعتماد رفتہ رفتہ لوٹ رہا تھا۔ ''اس کا خالق اس کے کرتوتوں کو ضرور معاف کردے گا۔''

''لیکن تمہیں کون معاف کرے گا؟''

گوتم نے کندھے اچکائے۔ ''مجھے کسی معافی کی ضرورت نہیں، مجھے ایک ذمے داری دی گئی تھی، سو میں نے پوری کی۔ تم نے اور رامیر نے ایک کامیاب ازدواجی زندگی.....''

''سیاسی ازدواجی زندگی۔'' شیتل نے اس کی بات کاٹی۔

گوتم نے دوبارہ کندھے اچکائے۔ ''اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ معاملات کیسے شروع ہوئے۔ پرنس رنبیر اور گریس کیلی کی ملاقات کا اہتمام بھی ایک پادری نے ہی کیا تھا۔ وہ ایک مثالی شادی ہے، یوں بھی تمام شادیاں اپنے اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے ہی کی جاتی ہیں۔ تم نے اپنا مقصد حاصل کیا اور رامیر نے اپنا، تم دوسری بہت سی دلہنوں سے خوش قسمت رہیں، کیونکہ تمہارا دولہا ہتھیلی پر سر

Pakistanipoint

رکھ کر تم سے محبت کرتا ہے۔"
"تھوڑی تھوڑی۔"
"ہر شے بدل جاتی ہے۔"
"خیر تم یہ بتاؤ کہ تم گیتا کے بغیر مجھ سے ملنے کیوں آئے ہو؟" شیتل نے لاجواب ہو کر موضوع بدلا۔ "لگتا ہے کوئی دھماکا خیز معاملہ لائے ہو اور ممکن ہے تم میرے بارے میں کوئی معلومات حاصل کرنا چاہتے ہو؟"
"کیا وہ سچ ہے جو میں نے سنا۔"
"ہاں۔"
"کیا تم نے رامیر کو بتا دیا ہے۔"
"میں نے برسلز فون کیا تھا۔ میجر پچن نے رامیر سے میری بات نہیں کرائی، یہ شاہ کا حکم ہے، اس نے مجھے بتایا، ہز میجسٹی آرام کر رہے ہیں اور میں کسی ہنگامی صورت حال کے بغیر انہیں ڈسٹرب نہیں کر سکتا، پچن نے مجھ سے یہ کہا، رامیر کی بیوی سے....."
"وہ بے وقوف آدمی ہے۔"
"میں پاگل ہو گئی ہوں۔ اسی وقت میں نے ایک دن بھی انتظار نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اسی وجہ سے میں نے اپنے منصوبے پہلے اپنے مہمانوں کو بتا دیے۔ ابھی تک رامیر کا کوئی پیغام مجھے نہیں ملا۔" اس نے سوالیہ نگاہوں سے گوتم کو دیکھا۔ "کیا تم نے بات کرنے کی کوشش کی ہے؟"
"ہاں۔" گوتم نے اقرار کیا۔ "لیکن تمہاری طرح کامیابی مجھے بھی نہیں ہوئی، ممکن ہے پوری کہانی ہی جھوٹ کا پلندہ ہو۔"
"شکر ہے تم نے اقرار تو کیا۔"
"تم کب جا رہی ہو؟"
"جوبلی تقریبات کے بعد جونہی مہمان روانہ ہوں گے، میں پرواز کر جاؤں گی۔"
"لیکن اس وقت کیوں؟ رامیر کی دوست لڑکیوں کے بارے میں تو تم پہلے بھی جانتی تھیں اور یہ بھی طے ہے کہ تمہاری جانب اس کی توجہ میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔"
"اب آ گئی تھی۔ وہ میری سنتا ضرور تھا لیکن ظاہر یہی کرتا تھا کہ کچھ نہیں سنا۔"
"میں نہیں مانتا۔" گوتم نے نفی میں سر ہلایا۔ "اس کا اندازہ تھا کہ تم بمبئی واپس جانے پر اصرار کرو گی اور میں نے اس سے وعدہ لیا ہے کہ مناسب وقت پر وہ اس سلسلے میں تمہاری حوصلہ افزائی کرے گا۔"
"رامیر نے تم سے وعدہ کیا ہے؟" شیتل ایک دم خوش ہو گئی۔
"ہمیشہ کی طرح اس نے مجھ سے مشورہ کیا تھا۔ میں نے اسے بتایا تھا کہ اس سے جتنا فائدہ تمہیں ہو گا اتنا ہی بحریت کو بھی ہو گا۔ وہ بھارت سے مزید خیر سگالی کے تعلقات چاہتا ہے۔"
"خیر سگالی کے تعلقات!"
"اور تمہاری خوشی بھی۔" گوتم نے فوراً سنبھالا دیا۔ "ہم سمجھتے ہیں کہ تم نے اپنے فلمی دوستوں کو یہاں کیوں بلایا ہے؟ اپنا راستہ ہموار کرنے کے لیے، اپنے گھر، اپنے وطن میں کامیابی کو یقینی بنانے کے لیے، لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ جب ہم بھی تمہارے ہی منصوبوں کی تکمیل کے لیے کام کر رہے تھے تو تم نے تخت سے دستبرداری کا فیصلہ کیوں کیا؟ یہ تو ناسمجھی کی بات ہے۔"
"نہیں۔" شیتل نے زور دے کر کہا۔ "یہ فیصلہ میں نے ایک دورے کے بعد کیا ہے۔؟"
گوتم کی آنکھیں سکڑ گئیں۔ "تم کہاں گئی تھیں؟"
"لوزانے، اور وہاں میری ملاقات بیا اور رامیر کے بیٹے سے بھی ہوئی تھی۔"

☆.....☆.....☆

دوپہر کو شیتل کے مہمان خیموں کے اس شہر کے دورے پر گئے جہاں جوبلی تقریبات کا آغاز ہونا تھا۔ فادر رائے فلین ان کے ہمراہ نہیں تھے کیونکہ وہ صبح سویرے ہی واپس بھارت چلے گئے تھے۔ کرنل نوری کو گائیڈ کے طور پر ان کے ہمراہ کیا گیا تھا، لیکن شیتل نے اپنے محبوب ارون کپور کو بھی ساتھ بھیجا تھا تاکہ آدی نارائن، انیل کمار، سوہن کلکرنی یا وجیتا سوہن کوئی ایسی بات نہ کر سکیں جس سے شیتل کے منصوبے کا قبل از وقت انکشاف ہو جائے۔
مہمانوں نے خیموں کے عظیم الشان شہر، جس میں دنیا کی ہر سہولت فراہم کی گئی تھی، سے زیادہ راستے میں بکھری ہوئی فوجی تنصیبات میں دلچسپی لی تھی۔ جابجا فوجی چھاؤنیاں اور اڈے بنے ہوئے تھے۔ انداز ایسا تھا جیسے بحریت حالتِ جنگ میں ہو۔ انہیں پہلی مرتبہ احساس ہوا تھا

PakistaniPoint

کہ شاہ رامیر زاہدی نے فوجی لحاظ سے بحریت کو دنیا کے چوٹی کے ممالک کے ساتھ لا کھڑا کیا ہے۔

کرنل نوری نے انہیں جو بلی تقریبات میں شرکت کے لیے آنے والے بادشاہوں، ملکاؤں، شہزادوں، شہزادیوں اور سربراہانِ مملکت، وزرائے مملکت اور دیگر اعلیٰ عہدیداران کے خیمے مرکزی بال روم، سوئمنگ پول، بار روم اور دیگر سہولتیں دکھائیں لیکن مہمانوں کا جی انہی فوجی تنصیبات میں اٹکا رہا جو وہ راستے بھر دیکھتے آئے تھے۔

☆.....☆.....☆

گوتم نیلا امبر اور گیتا نیلا امبر دوسری منزل پر واقع اپنے اپارٹمنٹ کی کھڑکیوں سے شیتل کے مہمانوں کو خیموں کے شہر کے دورے سے واپسی پر بس سے اترتا دیکھ رہے تھے۔ نیلا امبر ان ساری بیوقوفیوں سے قطعاً خوش نظر نہیں آتا تھا۔ اس کے جبڑے کھنچے ہوئے تھے اور وہ ایک ایک کو دیکھ کر یوں مٹھیاں بھینچ رہا تھا جیسے ابھی سب کا گلا دبا دے گا۔

''آخر تم نے دنیا بھر کے مسائل کو اپنا دردِ سر کیوں بنا رکھا ہے؟'' گیتا نے پیار بھرے انداز میں اپنے شوہر کا حصار بنتے ہوئے پوچھا۔ شیتل اگر تخت سے دستبردار ہو رہی ہے تو تمہیں کیا؟ وہ ایک عام سی عورت ہے اور رامیر بھی یقیناً اس سے تھک گیا ہوگا۔ اس کے جانے سے ایک ہلکا سا دھماکا ہوگا۔ اخبارات چند روز اس کے حوالے سے خبریں اچھالیں گے اور بس۔ پھر لوگ اسے بھول جائیں گے۔ ویسے اس کی عمر کیا ہے؟''

''اڑتیس سال۔''

''تقریباً چالیس سال۔'' گیتا نے اک ادا سے کہا۔ ''اس کا فلمی کیریئر بے حد محدود ہے۔ جلد ہی وہ دوسری سابق شہزادیوں کی طرح خود کو شراب، جوئے اور نوجوانوں کی دوستی میں گم کر دے گی۔ تم دیکھنا آج وہ ملکہ ہے لیکن بیسوا سے زیادہ.....''

''اسٹاپ اٹ۔'' گوتم نے اپنی بیوی کو جھڑکا۔ ''تمہارے مغز میں یہ باتیں نہیں سمائیں گی، ہمیں اس کی ضرورت ہے۔''

''کسے ضرورت ہے، اس دو ٹکے کی عورت کی؟''

''ہماری حکومت کو اس کی ضرورت ہے، وہ اس وقت بحریت میں بھارت کی بہترین سفیر ہے۔ بھارت خلیج کے علاقے میں اپنی برتری اور دنیا کی چھٹی بڑی قوت بننے کی جو منصوبہ بندی کر رہا ہے شیتل اس میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ بھارتی حکومت شیتل اور رامیر کی شادی کو میرا سب سے عظیم کارنامہ قرار دیتی ہے۔ میں نے ایک مسلمان سرزمین پر ہندو بیج بویا ہے اور اب جب وہ درخت بننے والا ہے تو میں کیسے اسے تباہ ہو جانے دوں۔''

''مجھے نہیں معلوم تم کیا اول فول بکے جا رہے ہو؟''

''تم پرلے درجے کی بے وقوف ہو۔'' وہ اس کی طرف گھوم گیا۔ ''شیتل، بحریت کو بھارتی اسلحے کی فروخت کی چابی ہے۔ وہ اگر یہاں سے چلی گئی تو مشرق وسطیٰ پر ہماری حکومت کا خواب ادھورا رہ جائے گا۔ ہم یہاں اسلحہ ہی نہیں بھیجتے بلکہ ماہرین اور مشیروں کی شکل میں ایسے جاسوس بھی بھیج رہے ہیں جو بحریت اور اسلام کی جڑوں کو گھن کی طرح چاٹ رہے ہیں۔ وقت آنے دو، رامیر کے محل پر ترنگا نہ لہرایا تو میرا نام بدل دینا۔ میں اتنے کشٹ اسی دن کے لیے تو کاٹ رہا ہوں۔ شیتل ملکہ کی حیثیت سے سابق فلمی اداکارہ ہی نہیں ہمارے لیے روشنی کا مینار ہے۔ وہ چلی گئی تو رامیر بھی ہمارے دشمنوں کی گود میں جا بیٹھے گا۔ تمام بھارتی شہریوں، ماہرین اور مشیروں کو سمندر میں دھکیل دیا جائے گا۔ ہم خلیج پر حکمرانی کرنے کے بجائے اسی میں ڈوب مریں گے، شیتل اس وقت ایک طوفان کے سامنے کھڑی ہے۔ ہمیں طوفان روکنا ہے یا شیتل کے قدم مضبوط کرنے ہیں۔''

''لیکن گوتم.....''

''بکو مت، جو میں کہہ رہا ہوں صرف وہ کرو، تم میری بیوی ہو، شیتل صرف کوئی سیاسی شخصیت نہیں بلکہ اس وقت وہ دنیا کی سب سے اہم ترین عورت ہے۔''

☆.....☆.....☆

شیتل نے ہاتھ اٹھایا اور کمرہ تاریکی میں ڈوب گیا۔ ساتھ ہی سامنے کی دیوار پر ایک قد آدم اسکرین روشن ہوگئی۔ اس نے اپنے مہمانوں کو آج ایک سرپرائز دینے کے لیے محل کے پروجیکشن ہال میں بلایا تھا۔ جونہی اسکرین پر پہلا منظر ظاہر ہوا انیل کمار اچھل کر اپنی نشست سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''سائے۔'' وہ چلایا۔ اس کی آواز میں خوشی کا عنصر

بدرجہ اتم موجود تھا۔ ''ہماری آخری فلم، واٹ اے ونڈرفل ٹریٹ، شیتل۔'' (کیا حیرت انگیز خوشی ہے، شیتل)

''خاموش بیٹھو، بمبئی کے بونگے۔'' اندھیرے میں کہیں سے سلمیٰ فاروق کی آواز ابھری۔ ''یوں لگتا ہے جیسے کسی بھکاری کے سامنے مرغ مسلم رکھ دیا ہو۔''

''پندرہ سال گزر گئے شیتل۔'' انیل کمار نے سلمیٰ کی بات کا قطعی برا نہیں منایا۔

انیل اور سلمیٰ آپس میں الجھے رہے۔ شیتل جسمانی طور پر دونوں کے قریب لیکن ذہنی طور پر ان سے بہت دور تھی۔ وہ ان وجوہات پر غور کر رہی تھی جن کے تحت اس نے، سائے، دکھانے کا اہتمام کیا تھا۔ سب سے پہلی وجہ تو یہ تھی کہ وہ سوہن اور وجیتا کلکرنی اور خاص طور پر گوتم نیلامبر کو یہ بتانا چاہتی تھی کہ ایک زمانہ پہلے اس کی اپنی ایک شناخت تھی اور اب بھی اگر چاہے تو حاصل کر سکتی ہے۔ دوئم، وہ آدی نارائن اور انیل کمار کے منہ بند کرنا چاہتی تھی۔ جواب ضرورت سے زیادہ کھلنے لگے تھے۔ سوئم، یہ (جسے سب سے پہلی وجہ ہونی چاہیے تھی) کہ اسکرین پر اپنا ماضی دیکھ کر اپنے دل کو تسلی دینا چاہتی تھی کہ وہ اب بھی خوب صورت، ذہین اور لاکھوں پرستاروں کے دلوں کی دھڑکن ہے۔

وہ اپنے خیالات میں اس قدر کھوئی ہوئی تھی کہ دروازہ کھلنے کی آواز بھی نہیں سن سکی، البتہ جب اس نے ایک اعلیٰ فوجی افسر کو آگے بڑھتے دیکھا تو سر جھٹک کر اٹھنے کی کوشش کی لیکن آنے والے نے جس کا چہرہ وہ اندھیرے کے باعث پہچان نہیں پا رہی تھی اسے ہاتھ کے اشارے سے بیٹھے رہنے کو کہا اور اس کونے کی طرف بڑھ گیا جہاں گوتم نیلامبر بیٹھا ہوا تھا۔ اب وہ اسکرین کی روشنی میں اسے پہچان سکتی تھی۔ وہ میجر جعفر سنجانی تھا جو محل کے حفاظتی عملے کی سربراہی کرتا تھا۔

میجر سنجانی نے انگلیوں سے گوتم کے کندھے پر دستک سی دے کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا اور جھک کر اس کے کان میں کچھ کہا۔ گوتم سرگوشی سنتے ہی اٹھ کھڑا ہوا اور کسی سے کچھ کہے بغیر باہر کی سمت چل دیا۔ میجر سنجانی اس کے ساتھ تھا۔

شیتل نے نگاہیں دوبارہ اسکرین پر جما دیں لیکن اس کا ذہن سنجانی اور گوتم میں الجھ کر رہ گیا تھا۔ جب کئی منٹ تک ان میں سے کوئی بھی واپس نہ آیا تو وہ پھر اپنے خیالات میں کھو گئی۔ اس بار اس کی سوچوں کا محور رامیر تھا۔

رامیر کل واپس گھر آ رہا تھا۔

شیتل کو بتایا گیا تھا کہ شاہ کا خصوصی نجی طیارہ کل صبح ریال ایئرپورٹ پر لینڈ کرے گا۔ شاہ کے وفد کے ایک رکن کرنل حجازی نے تمام افراد کو فون پر الرٹ رہنے کو کہا تھا جن میں لینڈنگ اسٹرپ کا کریو، محل کا اسٹاف اور خاندان کے افراد شامل تھے۔

اور پروجیکشن ہال کے اندھیرے میں بیٹھی شیتل خود کو اپنے شوہر سے ملاقات کے لیے تیار کر رہی تھی۔

اس نے سوچا تھا کہ شاہ کا استقبال کرنے خود ایئرپورٹ جائے گی۔ سینٹ موریز میں ہونے والے حادثے کے بعد یہ پہلا موقع ہوتا کہ وہ محل سے باہر اسے خوش آمدید کہتی۔ اس طرح کے استقبال سے یقیناً رامیر کو بے حد خوشی اور آنے والے ذرائع ابلاغ کے نمائندوں کے لیے انہونی بات ہوتی۔

شیتل نے فیصلہ کیا کہ وہ بھاگ کر اپنے شوہر کے گلے کا ہار ہو جائے گی اور پھر اس کے کے بازو میں بازو ڈالے تنہا شاہی بلٹ پروف لیموزین کی عقبی نشست پر بیٹھے گی۔ وہ تجویز پیش کرے گی کہ شاہی باڈی گارڈ شوفر کے ساتھ اگلی نشست پر بیٹھیں اور پھر ساؤنڈ پروف گلاس پارٹیشن اٹھا دے گی، جس سے وہ دونوں باقی دنیا سے کٹ جائیں گے۔ رامیر اس سے بچوں، مہمانوں اور خیموں کے شہر کے بارے میں پوچھے گا۔ وہ خود اس کے بارے میں بھی پوچھے گا اور پھر وہ اسے بتائے گی لیکن سب کچھ نہیں، صرف تھوڑا سا..... اسے گوتم کی طرف سے کان بھرے جانے کے لیے تیار کرے گی۔

اسے اس کے غصے سے خوف آتا تھا۔ وہ اس کے بہت جلد مشتعل ہو جانے سے ڈرتی تھی۔ اس لیے وہ اس سے محبت جتائے گی اور رات گئے تک اسے اپنی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے دے گی۔ پھر جب وہ دونوں محبتوں کے دیپ جلانے کے لیے اپنے کمرے میں ہوں گے تو موقع پا کر اسے سب کچھ بتا دے گی۔

یہ سب انتہائی محتاط طریقے سے کیا جانا تھا۔ خوش قسمتی سے گوتم اسے یہ بات بتا چکا تھا کہ رامیر کو اس کی بمبئی واپسی

کا خدشہ لاحق تھا اور اس نے اس کی عدم موجودگی میں اپنے دوست سے اس معاملے پر تبادلہ خیال بھی کیا تھا۔

لیکن دستبرداری؟ اسے علم تھا کہ جب وہ زبان سے ہ لفظ ادا کرے گی تو ایک دہشت ناک قسم کا سین رونما ہوگا، لیکن اس نے یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ اگر رامیر نے کوئی سخت ردعمل ظاہر کیا تو وہ جوبلی تقریبات سے پہلے ہی غائب ہوجائے گی اور رامیر کو لوگوں سے یہ کہنے کے لیے تنہا چھوڑ دے گی کہ اس کی بیوی کسی اور کے ساتھ بھاگ گئی ہے۔

عقبی دروازہ پھر کھلا اور بند ہوا۔ شیتل کی سوچیں تھم گئیں۔ اندر آنے والا گوتم نیلامبر تھا جو اسی کی جانب بڑھ رہا تھا۔

''براہ کرم آپ تمام لوگ فلم دیکھیں میں ہر میجسٹی سے چند باتیں کرنا چاہتا ہوں۔'' گوتم نے باقی لوگوں سے معذرت کی اور شیتل کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتے ہوئے باہر کی جانب چل دیا۔ وہ خاصی جلدی میں لگ رہا تھا۔

جونہی وہ دروازے سے باہر نکلی یہ دیکھ کر اس کی آنکھیں پھیل گئیں کہ میجر سنجانی ایک ستون کا سہارا لیے سسکیاں لے رہا تھا۔ شیتل نے پلٹ کر گوتم کو دیکھا۔ اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن اس کے ہونٹ محض پھڑ پھڑا کر رہ گئے۔ شیتل بری طرح خوف زدہ ہوگئی۔ اس نے گوتم کو چشمہ اتارتے دیکھا اور ساتھ ہی گوتم کی آنکھیں آنسو اگلنے لگیں۔

''گوتم!'' شیتل اہسٹیریائی انداز میں چیخی۔ ''یہ سب کیا ہے؟ بتاؤ گوتم۔'' اس نے بڑھ کر گوتم کے دونوں بازو تھام لیے اور اسے تقریباً جھنجوڑ ڈالا۔ ''کیا ہوا ہے گوتم؟''

گوتم نے جیب سے رومال نکال کر آنکھیں خشک کرنے کی ناکام کوشش کی۔ اس کے منہ سے سسکیاں نکل رہی تھیں۔ وہ بول نہیں پا رہا تھا۔ کسی طرح اس کی زبان سے محض چند ٹوٹے پھوٹے جملے ادا ہوئے۔

''رامیر کا انتقال ہوگیا ہے، شیتل..... ایک حادثے میں..... کار کا حادثہ..... پیرس میں۔''

''شیتل لہرائی لیکن اس سے پہلے کہ اس کا جسم پختہ فرش سے ٹکراتا۔ ہچکیاں اور سسکیاں لیتے گوتم نے بڑھ کر اسے تھام لیا۔ شیتل کی آنکھیں اوپر کو چڑھ گئی تھیں، لیکن وہ بے ہوش نہیں ہوئی تھی۔

''نہیں۔'' وہ پھیپھڑوں کی پوری قوت سے چیخی۔ ''یہ جھوٹ ہے، وہ کل صبح واپس آرہا ہے۔ تمام انتظامات مکمل کرلیے گئے ہیں۔'' شیتل نے بری طرح بلکنا شروع کردیا۔ ''میں اس کے استقبال کے لیے خود ایئرپورٹ جا رہی ہوں..... ہم دونوں اکیلے پچھلی نشست پر بیٹھ کر محل واپس آئیں گے..... میں اس سے مستقبل کے منصوبوں پر بات چیت کروں گی۔'' اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

جانے کتنی دیر وہ یونہی بلکتی رہی۔ گوتم یا میجر سنجانی نے اسے چپ کرانے یا دلاسا دینے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ کافی دیر بعد جا کر اس کی ہچکیاں کم ہوئیں لیکن آنسو بدستور امڈے چلے آرہے تھے گوتم اس تمام عرصے میں اسے سہارا دیے کھڑا رہا تھا۔

''اب تم کبھی اس سے بات نہیں کرسکو گی۔'' شیتل کی حالت کچھ سنبھلنے پر گوتم نے کہا۔

''رامیر ہماری دنیا سے بہت دور جاچکا ہے۔ یونٹ الیگزینڈر پر کار کا حادثہ ہوا ہے وہ خود ڈرائیو کرتے ہوئے نیو لی میں اپنے گھر واپس آرہا تھا۔ رات دو بجے کا وقت تھا اور دھند..... پورا پیرس دھند میں لپٹا ہوا تھا کہ.....''

''پیرس؟'' شیتل چونکی۔ ''وہ پیرس میں تھا؟ تمہیں کس نے بتادیا ہے؟''

''صدر فرانس نے ایلیسی پیلس سے فون کیا تھا۔ حادثے کی اطلاع انہوں نے ہی دی ہے۔ انہوں نے یقین دلایا ہے کہ تمام تحقیقات اور انتظامات ہنگامی اور اعلیٰ سطحی بنیادوں پر کیے جائیں گے۔''

''گوتم.....!'' اس کی آواز ڈوب ابھر رہی تھی۔ ''کیا وہ کار میں تنہا تھا؟''

''اب اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟''

''پڑتا ہے۔''

''میں نہیں سمجھتا کہ.....''

''گوتم!'' شیتل پوری قوت سے چیخی۔

''ہاں۔'' اس نے سر جھکا کر اعتراف کیا۔ ''ایک فرانسیسی اداکارہ اس کے ہمراہ تھی لیکن وہ بچ گئی ہے اور اسے غائب کردیا گیا ہے تاکہ کوئی اسکینڈل نہ بنے، صدر فرانس نے خود اس اداکارہ سے بات کی ہے۔''

PakistaniPoint

شیتل نے دوبارہ رونا شروع کردیا۔ سسکیاں اور ہچکیاں پھر بلند ہونے لگیں۔

''رامیر..... کبھی نہیں مرسکتا، کبھی نہیں..... خدا کے لیے کہہ دو..... جھوٹ ہے..... بکواس ہے.....'' اس پر ہسٹریائی کیفیت طاری ہوگئی تھی۔

اس کا ذاتی ڈاکٹر رضا حسینی آپہنچا تھا۔ اس نے اپنے سلیپنگ سوٹ پر گاؤن پہن رکھا تھا جس کی ڈوریاں بھی صحیح طرح کسی ہوئی نہیں تھیں۔ اس نے ایک سرنج اپنے بازو میں داخل ہوتے محسوس کی۔

''چھوڑ دو مجھے۔'' وہ بری طرح دہاڑی۔ ''مجھے ابھی بہت سے کام کرنے ہیں..... میرے بچے۔''

''وہ سو رہے ہیں۔'' کسی نے جواب دیا۔ ''نرس نے تمام افراد کو ہدایت کردی ہے کہ کوئی ان کے قریب نہ جائے۔ صبح ہم انہیں آپ تک لے آئیں گے۔''

''کریم..... اریبہ.....؟''

''ہم انہیں مطلع کردیں گے۔''

''نہیں، میں خود انہیں بتاؤں گی۔''

''تھوڑی دیر بعد..... انجکشن آپ کو نیند کے لیے نہیں دیا گیا۔'' ڈاکٹر نے کہا۔ ''یہ صرف سکون آور ہے۔ میں آپ کو ہوش وحواس سے بے گانہ ہونے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ پہلے آپ خود کو سنبھالیں اور اس حادثے کو بھولنے کی کوشش کریں۔''

''کبھی نہیں۔'' وہ دوبارہ چلائی۔ ''کبھی نہیں، مجھے میرا شوہر چاہیے۔''

ڈاکٹر حسینی اس کی طرف بڑھا۔ ''آپ جانتی ہیں کہ اب یہ ناممکن ہے۔ میں آپ سے کچھ اور تو نہیں کہوں گا صرف ایک جملہ..... کہ وقت دنیا کا سب سے بڑا مرہم ہے..... آپ ذرا دیر آرام کرلیں..... آپ کہیں تو میں آپ کی ملازمہ کو بلوا بھیجوں۔''

''نہیں۔'' شیتل نے جواب دیا۔ ''سلمٰی کو بلوا دیں۔''

☆.....☆.....☆

سلمٰی نے اس کے ساتھ کیا کچھ کیا اسے کچھ یاد نہ تھا۔ وہ نیم خوابی کی کیفیت میں تھی، اور سلمٰی بھی اسے کسی دیو قامت سائے سے زیادہ کچھ نظر نہیں آرہی تھی۔

سلمٰی کی مدد سے ہی اس نے ارون کو جگا کر حادثے کے بارے میں بتایا اور اسے فوری طور پر سوئٹزرلینڈ جا کر کریم کو ساتھ لانے کے لیے کہا۔ ارون کی روانگی کے بعد اس نے سوئٹزرلینڈ لی روزی فون کیا۔ ہیڈ ماسٹر نے اس کی درخواست پر کریم کو جگایا۔ وہ اپنے باپ کے انتقال کی خبر سن کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ اس نے اسے بتایا کہ وہ تیار رہے۔ ارون اسے لینے پہنچ رہا ہے۔

پیرس میں اریبہ کے فلیٹ پر فون، ریکس نے اٹھایا۔ اس نے فون کی وجہ بتائی تو ریکس کو فوری طور پر یقین ہی نہیں آیا۔ اگلے ہی لمحے اریبہ خود لائن پر تھی۔

''اوہ نو۔'' وہ سسک پڑی۔ ''یہ جھوٹ ہے۔''

لیکن یہی سچ تھا۔ اریبہ کی سسکیاں، ہچکیوں میں بدل گئیں تو ریکس نے ریسیور لے لیا۔

''میرے لائق کوئی خدمت؟''

''ایلسی پیلس سے رابطہ کرو۔'' شیتل نے اسے ہدایت کی۔ ''اریبہ کے لیے حکومت فرانس، خصوصی طیارہ فراہم کردے گی..... نہیں..... تم اس کے ساتھ مت آنا۔ میں فی الحال یہاں تمہارے تحفظ کی ضمانت نہیں دے سکتی۔''

غزل

ایک پل بھی جدا درد سے ہونے نہیں دیتا
راتوں کو تصور ترا سونے نہیں دیتا
دل ترے تغافل پہ بھی مسرور ہے شاید
جی کھول کے اکڑ مجھے رونے نہیں دیتا
سورج تری یادوں کا چمکتا ہے کچھ ایسے
دامن مجھے اشکوں سے بھگونے نہیں دیتا
کیوں دل پہ ترا درد چھڑکتا نہیں شبنم
روٹھے ہوئے بچے کو کھلونے نہیں دیتا
سفاک ہے کتنا شب فرقت کا اندھیرا
پلکوں پہ ستارے بھی پرونے نہیں دیتا
جس شخص پہ اُتری ہیں میرے پیار کرنیں
وہ مجھ کو اندھیروں میں بھی کھونے نہیں دیتا
آنکھوں سے برستا ہوا بادل مجھے جرار
دامن کا کوئی داغ بھی دھونے نہیں دیتا

شاعر: آغا جرار

انتخاب: حسن آراء..... مظفر گڑھ

PakistaniPoint

پھر اس نے عذرا کو فون کیا جس کے بارے میں کرنل نوری نے پتا چلایا کہ ان دنوں استنبول میں ہے۔

''میں پہلی دستیاب فلائٹ سے ریال پہنچ رہی ہوں۔'' شہزادی عذرا نے جواب دیا۔ اور سب سے آخر میں لوزانے میں پپا کے گھر فون کی گھنٹی بجی۔ پپا خود فون پر تھی۔

''پپا؟'' شیتل نے پکارا۔

''کون؟'' پپا نے سوال کیا۔

''میں ریال سے شیتل بات کر رہی ہوں، کیا تم تنہا ہو؟''

''یور میجسٹی۔'' پپا کا لہجہ فوراً بدل گیا۔ ''کیا آپ شاہ کے بارے میں دریافت کر رہی ہیں۔ وہ یہاں نہیں.....''

''میں جانتی ہوں۔''

''پھر کیوں.....؟''

''پپا..... میں تمہیں..... کیسے بتاؤں کہ رامیر کا..... انتقال ہو گیا ہے۔'' شیتل کو دی جانے والی دوا کا اثر زائل ہوتا جا رہا تھا اور اس کی ہسٹریائی کیفیت لوٹ رہی تھی۔

پپا اتنے زور سے چیخی کہ شیتل کو ہیڈ فون کان سے ہٹا لینا پڑا۔ ''تم جھوٹ کہتی ہو، میری سوتن ہونا؟ تم مجھے دکھ دینا چاہتی ہو، تم.....''

''یہ سچ ہے پپا۔'' شیتل نے اس کا جملہ پورا نہیں ہونے دیا۔ ''میں بھی تمہاری طرح اسی دکھ سے گزر رہی ہوں۔ میں نے تمہیں اس لیے فون کیا ہے کہ تم اس سے پیار کرتی تھیں اور میں نہیں چاہتی کہ تمہیں تمہارے محبوب کے مرنے کی خبر اخباروں سے ملے..... یہ حقیقت ہے پپا..... خدا گواہ ہے.....''

ریسیور اس کے ہاتھ سے گر گیا اور اس نے سسکنا شروع کر دیا۔

شاید سلمٰی نے ڈاکٹر حسنی کو بلا بھیجا تھا کیونکہ فوراً ہی اسے بازو میں سرنج چبھتی ہوئی محسوس ہوئی اور وہ بے دم ہو کر بستر پر گر پڑی۔

بے ہوش وہ اب بھی نہیں تھی۔ بس سب کچھ اسے خواب کی مانند دکھائی دے رہا تھا۔ ایک آدھ بار اس نے بولنے کی کوشش کی لیکن ہونٹ محض تھرتھرا کر رہ گئے۔ اس نے گوتم نیلامبر کو دیکھا، جنرل مجیب بھی اس کے ہمراہ تھا۔ جنرل کا چہرہ سوگوار تھا۔ اس نے شیتل سے تعزیت کی لیکن وہ جواباً اس کا شکریہ بھی ادا نہ کر سکی۔

پھر جنرل مجیب، گوتم کو کمرے کے کونے میں لے گیا۔ دونوں کچھ دیر سرگوشیوں میں باتیں کرتے رہے۔ درمیان میں گوتم نے ایک دو بار پلٹ کر حیرت زدہ نگاہوں سے شیتل کو دیکھا اور پھر باتوں میں مصروف ہو گیا۔

''اوہ نہیں، یہ ناممکن ہے۔'' گوتم کی آواز شیتل کو کسی گہرے کنویں سے آتی سنائی دے رہی تھی۔

''یہ سچ ہے۔'' جنرل مجیب نے جواب دیا۔ ''یہ دس سال قبل ہوا تھا۔ خود میں بھی بھول گیا تھا۔ شاہ کا خیال تھا کہ کریم کے سولہ سال کے ہوتے ہی وہ اسے منسوخ کر دیں گے۔''

گوتم نے جواب میں کچھ کہا تھا لیکن شیتل کو سنائی نہیں دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ لوگ کانفرنس روم میں موجود تھے۔ شیتل، سلمٰی کے سہارے وہاں تک پہنچی تھی۔ سلمٰی نے اسے اس کے ارادے سے باز رکھنے کی بھرپور کوشش کی تھی، لیکن شیتل کی ضد تھی کہ وہ اسی وقت جنرل مجیب اور گوتم سے بات کرے گی۔

''گوتم اور مجیب نے جن نظروں سے مجھے دیکھا تھا ان میں حیرت، دکھ اور صدمے کی سی کیفیت تھی۔'' شیتل نے سلمٰی کو آگاہ کیا تھا۔ ''لیکن یہ رامیر کے انتقال کی وجہ سے نہیں تھا۔ وہ میرے بارے میں کوئی بات تھی، میں ہر حال میں ابھی ان سے بات کروں گی۔''

اور سلمٰی کو اس کی ضد کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے تھے۔ دروازے پر پہنچ کر شیتل نے خود کو سلمٰی کی گرفت سے آزاد کرا لیا۔ چند ثانیے وہ دیوار کا سہارا لیے ہانپتی رہی اور پھر بے آواز قدموں سے اندر داخل ہو گئی۔

''پیارے دوستو!'' اس نے کمزور سی آواز میں کہا۔ ''کیا میں شامل ہو سکتی ہوں؟''

وہ تمام کے تمام یوں اچھلے جیسے انہیں بچھوؤں نے ڈنک مار دیا ہو۔

''شیتل۔'' انیل کمار اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کی طرف بڑھا۔

''میرے نزدیک مت آنا۔'' اس نے حتی المقدور تیز

Pakistani Point

آواز میں چیخ کر اسے متنبہ کیا۔

''تمام لوگ اپنی جگہوں پر بیٹھے رہیں تاکہ مجھے نظر آسکیں، شاہ کا انتقال ہوگیا ہے۔ کیا تم انقلاب کی منصوبہ بندی کررہے ہو جنرل؟ اور یہ کیا تمہارے فوجی ہیں؟''

''تمہیں علم ہے تم کیا کہہ رہی ہو؟'' وجیتا نے اپنی بھانجی کو ٹوکا۔ گیتا نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

''سوری گیتا۔'' شیتل نے جواب دیا۔ ''میرا مطلب تم سے نہ تھا۔ تمہاری اپنی بادشاہت ہے، تمہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں۔''

''یور میجسٹی۔'' جنرل مجیب نے نشست سے اٹھ کر اسے تعظیم دی۔ ''اچھا ہوا آپ یہاں تشریف لے آئیں۔ ہم ابھی آپ کو یاد کررہے تھے۔ آپ کے موجودہ اسٹیٹس پر غور کررہے تھے اور فیصلہ کیا گیا ہے کہ تدفین تک انتظار کرلیا.....''

شیتل کی نگاہوں میں سختی عود کرآئی۔ ''ابھی۔'' اس نے حکم دیا۔

انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا، جیسے کسی ترجمان کی تلاش ہو۔

''یور میجسٹی.....'' بالآخر گوتم نے بات شروع کی۔

''یور میجسٹی.....؟ تمہاری طرف سے گوتم؟'' شیتل طنزیہ طور پر ہنسی۔ ''اس وقت تمہاری آستین میں کون سا سانپ ہے؟''

''میری طرف سے کوئی نہیں۔'' گوتم نے اس کی بات کا برا نہیں مانا۔ ''مجھے جنرل مجیب نے کچھ باتیں بتائی ہیں جو دس سال قبل شاہ مرحوم نے طے کی تھیں۔ اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ ان کے انتقال سے بجریت زبردست دباؤ کا شکار ہے۔ بایاں بازو سر ابھار رہا ہے اور بجریت خانہ جنگی کا شکار ہونے والا ہے۔ شاہ، ان عناصر کو کچل کر رکھتے تھے اور اسی لیے ان کی خواہش تھی کہ وہ آپ کے آبائی وطن سے روابط دوستانہ رکھیں۔ انہوں نے یہ طے کیا تھا کہ ان کے انتقال کی صورت میں..... ولی عہد کے بجائے..... آپ بجریت کے تخت پر بیٹھیں گی۔ شاہ نے کہا تھا کہ میرے اردگرد جو لوگ موجود ہیں ان میں تخت پر بیٹھنے کے لائق ملکہ سے زیادہ بہتر کوئی شخص نہیں۔''

''نہیں اس کا.....''

''ایک منٹ یور میجسٹی، یہ کچھ عرصہ کے لیے ہوتا اور پھر تخت ولی عہد کے سپرد کردیا جاتا۔''

''یہ تو میری بھی خواہش تھی۔ ہم دونوں ہی اس بات پر رضامند تھے کہ.....''

''گستاخی معاف ملکۂ عالیہ۔'' جنرل مجیب نے دخل اندازی کی۔ ''شہزادہ کریم ابھی تخت کی بھاری ذمے داریاں سنبھالنے کے لیے خاصے کم سن ہیں۔ اس وقت بجریت کو آپ کی ضرورت ہے۔ ذاتی طور پر میں خود مردولی عہد کا حامی ہوں لیکن حالات کو بھی سامنے رکھیے۔ مناسب وقت آنے پر آپ تخت، ولی عہد کے حوالے کرنے کا اعلان کرسکتی ہیں۔''

شیتل کی آنکھوں کے سامنے پھر اندھیرا چھا رہا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ سری نگر کے ایک غریب ٹیکسی ڈرائیور کی بیٹی کسی طاقت ور ملک کی تقدیر کی وارث بن جائے گی۔ اس کا دماغ اس کے کنٹرول سے باہر ہورہا تھا۔ دور کہیں سے اسے گوتم کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

''شیتل۔'' وہ کہہ رہا تھا۔ ''بجریت تمہارا ہے، ہر شہری تمہارے حکم کا غلام ہے۔ مسلح افواج، پولیس، بے شمار دولت اور تخت کی طاقت وقوت سب تمہاری ہے۔ تم اب کسی ملک کے بادشاہ سے شادی کے رشتے سے ملکہ نہیں رہیں بلکہ آج سے تم بجریت کی حکمران ہو، آج شب سے تم حقیقی ملکہ بن گئی ہو۔''

☆.....☆.....☆

ڈاکٹر ساری رات شیتل کے سرہانے بیٹھا رہا تھا۔ وہ ایک آدھ بار سلمٰی سے الجھا بھی تھا جو اپنی محبت میں اسے الٹے سیدھے مشورے دے رہی تھی۔ صبح تک شیتل کی حالت خاصی سنبھل گئی تھی۔

سب سے پہلے اس کی ملاقات بچوں سے ہوئی جو اچھلتے کودتے اور ماں سے غیر متوقع ملاقات کی خوشی میں گنگناتے اور ہنستے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔ لیکن جب شیتل نے انہیں ان کے باپ کے انتقال کی خبر سنائی تو ان کے قہقہے، آہوں اور سسکیوں میں بدل گئے تھے۔ شیتل نے ایک ذمے دار بیوی اور پیار کرنے والی ماں کی طرح انہیں تسلی دی۔

''میرے پیارو۔'' اس نے شہزادہ جنید اور شہزادی

PakistaniPoint

نریام کو بانہوں میں سمیٹ لیا۔ ''تم نے مقدس قرآن حکیم میں پڑھا ہوگا کہ ہماری زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ ہم زمین پر اس کی امانت ہیں اور وہ جب چاہتا ہے اپنی امانت واپس لے لیتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے یوم حساب کا وعدہ بھی لیا ہے، جب تمام مرنے والے زندہ ہوجائیں گے۔ تمہارے والد کو بھی اٹھایا جائے گا اور زندہ کیا جائے گا اور اس وقت تم ان سے دوبارہ مل سکو گے۔''

شیتل بہت دیر تک انہیں اپنی آغوش میں لیے تسلیاں اور دلاسے دیتی رہی لیکن وہ جب کمرے سے رخصت ہوئے، تب بھی رو رہے تھے۔

''میں اب کسی سے نہیں ملوں گی۔'' بچوں کے جاتے ہی شیتل نے ڈاکٹر کو مخاطب کیا۔

''بدقسمتی سے یہ ممکن نہیں ہے ملکہ عالیہ۔'' ڈاکٹر نے ادب سے جواب دیا۔ ''جنرل مجیب اور ڈاکٹر گوتم آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں نے انہیں بہت روکا ہے مگر وہ بضد ہیں کہ یہ ملکی سلامتی کا معاملہ ہے۔''

☆.....☆.....☆

دونوں سر جھکائے با ادب اس کے سامنے کھڑے تھے۔ شیتل ان سے نہیں ملنا چاہتی تھی لیکن مجبوراً اسے بلانا پڑا تھا۔ چند ثانیے وہ ان کے بولنے کا انتظار کرتی رہی لیکن جب وہ خاموش رہے تو اس نے خود ہی بات شروع کی۔

''میں پہلے ہی دکھی ہوں، تمہید کی ضرورت نہیں جو کہنا ہے کہو اور فوراً چلے جاؤ۔''

''یور میجسٹی!'' جنرل مجیب کا سر اب بھی جھکا ہوا تھا۔ ''بے شک ہمیں بھی بے حد دکھ ہے، لیکن بعض معاملات آپ کی فوری توجہ کے طالب ہیں۔''

''ہمیں دخل اندازی پر افسوس ہے ملکہ عالیہ۔'' اس بار گوتم نے لب کشائی کی۔

''لیکن بہت سے معاملات آپ کے احکامات کے منتظر ہیں۔ سرکاری اعلان، تدفین کے انتظامات، جوبلی تقریبات کی منسوخی..... یہ فیصلے لازمی کیے جانے ہیں۔''

''تو کر گزرو۔'' شیتل نے بے زاری سے کہا۔ ''تم مجھ سے بہتر جانتے ہو۔''

''آپ کی تاجپوشی سب سے اہم مسئلہ ہے۔'' گوتم نے جواب دیا۔ ''جو آپ کے بغیر ممکن نہیں۔ آپ کو عوام کے سامنے جانا.....''

''میں ابھی اس کے لیے تیار نہیں۔''

گوتم اور جنرل مجیب کے مابین نگاہوں کا تبادلہ ہوا۔

''ٹھیک ہے۔'' بالآخر جنرل مجیب نے جواب دیا۔ ''تاجپوشی آپ کی صحت یابی تک ملتوی کی جاسکتی ہے۔ ابھی.....''

''تو یہ طے رہا۔'' شیتل نے اس کا جملہ پورا نہیں ہونے دیا۔ ''فی الوقت تاجپوشی نہیں ہوگی۔ اس وقت تک جب تک میں اس بارے میں فیصلہ نہیں کرتی۔ باقی معاملات میں تم دونوں پر چھوڑتی ہوں۔''

رامیر کی آخری رسومات میں جوبلی تقریبات میں متوقع طور پر شریک ہونے والوں سے کہیں زیادہ بڑی تعداد میں معزز مہمانوں نے شرکت کی۔ تمام سربراہان، شاہوں، ملکاؤں اور وفود کے قائدین نے فرداً فرداً شیتل سے ملاقات کرکے اظہار تعزیت کیا۔ رامیر کا آخری دیدار صرف خاندان کے افراد نے کیا اور پھر اسے محل کی مسجد کے سائے اور اپنے والد کے پہلو میں سپرد خاک کردیا گیا۔

تدفین کے بعد قریبی رشتے داروں نے شیتل سے ملاقات کی۔ سب سے پہلے شہزادی عذرا آنسوؤں میں تر چہرے لیے آئی۔ پھر شہزادی اریبہ زاہدی نے اپنی ماں سے تعزیت کی۔

''میرے لائق کوئی خدمت، آنٹی؟'' اریبہ نے پوچھا۔

''کچھ نہیں۔'' شیتل نے اسے کھینچ کر خود سے لپٹا لیا۔ ''پیرس واپس جاکر اپنی تعلیم مکمل کرو، جب مجھے تمہاری ضرورت ہوگی میں تمہیں سب سے پہلے بلواؤں گی۔''

انیل کمار اور آدی نارائن بھی آئے تھے۔ دونوں ہی اس کا دکھ بانٹنے کے لیے فی الحال ریال میں رکنا چاہتے تھے۔ شیتل خاموش رہی اور وہ اپنی پیش کش کا جواب لیے بغیر ہی واپس چلے گئی۔

وجیتا اور سوہن کلکرنی نے بھی اس سے ہمدردی ظاہر کی اور اسے باور کرانے کی کوشش کی کہ وہ ان کا خون ہے اور خون، پانی سے زیادہ گاڑھا ہوتا ہے۔ شیتل نے ان کا شکریہ ادا کیا اور جلد ہی دوبارہ بلانے کے وعدے کے ساتھ انہیں فوری طور پر واپس دہلی چلے جانے کی ہدایت

PakistaniPoint

کی۔

اس نے گوتم اور گیتا سے بھی ملاقات کی اور ان کا شکریہ ادا کیا۔ اس کی خواہش تھی کہ سلمٰی کے سوا سب لوگ واپس چلے جائیں گے لیکن بہت سے لوگوں کو وہ اپنے منہ سے یہ نہ کہہ سکی تھی۔

اگلے چند ہفتے اس کے لیے خاصے کربناک اور باعث اطمینان رہے۔ کربناک یوں تھے کہ اس پر ذمے داریوں کا بوجھ آن پڑا تھا۔ رامیر کے جرائم خاصے زیادہ تھے لیکن وہ ان کی ذمہ دار نہ تھی۔ اس نے خود کو بہت تسلیاں دیں اور بالآخر وہ اس بات کا اعتبار کرانے میں کامیاب ہوگئی کہ ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمے دار ہے۔

''یہ وقت اس کے لیے باعث اطمینان یوں تھا کہ وہ آزاد تھی۔ اس نے اپنی آزادی اور مستقبل کے تحفظ کے لیے جنگ لڑی تھی۔ اب وہ ہر فیصلہ کرنے کے لیے آزاد تھی۔ رامیر کی شکل میں جو دیوار اس کی راہ میں حائل تھی، اب ہٹ گئی تھی۔ اب وہ چاہتی تو بحریت میں قیام کرتی اور اگر چاہتی تو بمبئی جا کر دوبارہ اداکارہ بن جاتی۔

☆.....☆.....☆

رات کے دو بجے تھے اور سلمٰی اپنے کمرے میں کرسی پر بیٹھی اخبارات کا مطالعہ کر رہی تھی۔ وہ جب بھی پہلو بدلتی کرسی بے چاری یوں چرچراتی جیسے کسی ہاتھی کے نیچے آ گئی ہو۔

اچانک قریب رکھا فون بج اٹھا۔ سلمٰی نے حیرت سے پہلے دیوار گیر گھڑی دیکھی اور پھر ریسیور اٹھا لیا۔

''مس سلمٰی فاروق۔'' محل کے آپریٹر کی آواز سنائی دی۔ ''اس وقت زحمت پر معذرت لیکن دہلی سے کوئی مسٹر جگدیپ موہن ہنگامی طور پر آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔''

''ملاؤ۔'' سلمٰی نے جواب دیا۔ جگدیپ موہن، آکاش اسٹوڈیو کے شیئر ہولڈرز اور مالکانہ فرم دہلی کنٹری کلب کا چیف فنانس ڈائریکٹر تھا۔

''سلمٰی؟'' جگدیپ کی کھرکھراتی آواز اسے سنائی دی۔ ''میں ابھی اسکرین روم سے آیا۔'' اس نے کسی تمہید یا سلام دعا کا تکلف نہیں کیا تھا۔

''مسٹر جگدیپ!'' سلمٰی نے اسے درمیان میں ہی ٹوک دیا۔ ''پہلی بات تو یہ کہ یہاں اس وقت رات کے دو بج رہے ہیں اور دوسری بات کہ وہاں کون سی قیامت آ گئی ہے جو میری واپسی تک ٹل نہیں سکتی تھی۔''

''سوری سلمٰی۔'' جگدیش نے فوراً معذرت کی۔ ''یہاں رات کے آٹھ بجے ہیں۔''

''چلو کہہ ڈالو۔'' سلمٰی نے برہمی سے کہا۔

''میں نے قاہرہ سے آنے والے رش پرنٹ دیکھے ہیں۔'' جگدیپ نے بات دوبارہ شروع کی۔ ''فاروق، فلم کا بیڑہ غرق کر رہا ہے۔ تم فوری طور پر قاہرہ پہنچو اور جو مناسب سمجھو کرو حتیٰ کہ دوبارہ شوٹنگ بھی کرانی پڑے تو پروا مت کرنا۔''

''اس کے علاوہ؟''

''اگر فاروق تمہاری توقعات پر پورا نہیں اتر رہا تو بے شک اسے تبدیل کر دینا۔''

کن سے لگائے بیٹھے تھے چاہت کی آس لوگ
خود میں بکھر بکھر گئے آخر اداس لوگ
ملتی ہیں قربتیں تو ملو پَر الگ رہو
ہوتے بہت ہیں دور جو رہتے ہیں پاس لوگ
کچھ لوگ تھے جو چاندنی بن کر جیا کیے
اب تو نکالنے لگے دل کی بھڑاس لوگ
جلتے گھروں کی آگ ہے جلتے گھروں کی آگ
کیوں کر رہے ہیں روشنیوں کا قیاس لوگ
پوشاک والے جذب کریں کیا ہَوا کے لمس
پہچان موسموں کی بنے بیلباس لوگ
بڑھتی ہی جا رہی ہے یہ بجھتی نہیں کبھی
لوگوں کی پیاس صحرا ہے، صحرا کی پیاس لوگ
ان کا جہاں الگ ہے ہمارا جہاں الگ
سادہ دلوں کو اب کہاں آتے ہیں راس لوگ
امن و اَماں کے شہر کا یہ حال ہے خلش
سڑکوں پہ اوڑھے پھرتے ہیں خوف و ہراس لوگ

شاعر: رؤف خلش
درشہوار.....لاہور

Pakistanipoint

''میں فیصلے سے متفق ہوں۔'' سلمیٰ نے فوری طور پر ریسیور رکھ دیا۔ اپنے شوہر کے خلاف فیصلہ کرتے ہوئے اسے بے حد دکھ تھا، لیکن اپنا مستقبل بچانے کے لیے فاروق کا مستقبل قربان کرنا بے حد ضروری ہو گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

''تو تم جا رہی ہو؟'' شیتل نے ناشتے کی میز پر سلمیٰ کی پوری کہانی سن کر پوچھا۔ ''کیا واپس آؤ گی؟''

''میری ضرورت ہے؟'' سلمیٰ نے دریافت کیا۔

''میرے خیال میں۔'' شیتل نے محتاط انداز میں جواب دیا۔ ''میں روز بہ روز پریشان ہوتی اور الجھتی جا رہی ہوں۔ سب لوگ کہتے ہیں کہ میں بہادر ہوں لیکن وہ یہ بھول گئے ہیں کہ میں ایک اداکارہ ہوں۔''

''کون ہیں وہ لوگ؟''

''مجیب، گوتم، یمنی، وزیر داخلہ، ان کا کہنا ہے کہ یہ وقت، میرے ملک کی باگ دوڑ سنبھالنے کا ہے۔ لوگ بے چین اور بے سکون ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ملکہ ان کے سامنے آئے، ٹی وی پر یا کسی جلسے میں..... تاکہ کسی طور تو اندازہ ہو کہ بحریت حکمران کے بغیر نہیں ہے۔ بہت سی دستاویزات میرے دستخطوں کی منتظر ہیں، بہت سے اجلاس التوا کا شکار ہیں، جنہیں اب مزید ملتوی نہیں کیا جا سکتا۔ صرف تم اور ارون میری پوزیشن سمجھ سکتے ہو..... میں اب حکمران ملکہ ہوں، تین کروڑ عوام کی ملکہ، لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں۔''

''فکر نہ کرو۔'' سلمیٰ نے اپنی سہیلی کو تسلی دی۔ ''میں اپنے مسائل حل کر کے جلد از جلد لوٹ آؤں گی اور مجھے یقین ہے کہ اس وقت تک تم یہ فیصلہ کر چکی ہو گی کہ تمہیں کیا کرنا ہے؟''

☆.....☆.....☆

اس کے اعصاب تناؤ اور کشیدگی کا شکار تھے۔ آج اسے گولڈن لائن روم میں تنہا داخل ہونا تھا۔

جب سنہری شیر والا یہ کمرہ، رامیر کا دفتر تھا تو اسے شاذ شاذ ہی اندر داخل ہونے کی اجازت ملتی تھی، کیونکہ یہی وہ کمرہ تھا جہاں سے وہ فوجی افسران اور ملکی و غیر ملکی مشیروں کے جلو میں بحریت پر حکمرانی کرتا تھا۔

اور اب یہ کمرہ اس کا تھا۔

دربان نے اسے دیکھتے ہی لکڑی کا بھاری بھرکم دروازہ کھول دیا اور وہ لرزتے ڈگمگاتے قدموں سے اندر داخل ہو گئی۔ یہ ایک بڑا ہال تھا جس کے آخری سرے پر عظیم الشان میز اور کرسی رکھی تھی۔ اندر داخل ہونے والا میز تک پہنچنے تک ہی کئی مرتبہ ڈوب کر ابھرتا اور ابھر کر ڈوبتا تھا۔ خود شیتل کی بھی اس وقت یہی کیفیت تھی لیکن اس وقت اس کی اس کیفیت کو دیکھنے والا کوئی نہ تھا۔

اسے اس کمرے میں ارون سے ہونے والی پہلی ملاقات یاد آئی۔ اس وقت رامیر اپنی تخت نما کرسی پر براجمان تھا اور شیتل اس کے پہلو میں تھی۔ اس دن کے بعد سے شیتل آج پہلی بار شاہی کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

لیکن اب رامیر جا چکا تھا اور کرسی خالی تھی۔

وہ آہستگی سے کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس کے جسم میں ایک نئی طاقت عود کر آئی تھی۔ وہ آج شاہ بحریت کی بیوی کی حیثیت سے نہیں ملکۂ بحریت کی حیثیت سے یہاں بیٹھی تھی۔

''جنرل مجیب، گوتم نیلامبر، آدی نارائن اور انیل کمار نے اس کے ساتھ آنے پر اصرار کیا تھا لیکن اس نے انکار کر دیا تھا جب کہ وجیتا اور سوہن اس کے یہاں آنے سے پہلے ہی بھارت روانہ ہو چکے تھے۔

''دنیا کے ہر ملک سے تعزیتی پیغامات آئے ہیں، ملکۂ عالیہ۔'' گوتم نے اسے آگاہ کیا تھا۔ ''میرے خیال میں انہیں فرداً فرداً جواب دے کر دیں، وہ ان سے نمٹ لے گی۔ وہ رامیر کے ساتھ آپ کی بھی بہترین سیکرٹری ثابت ہو گی۔''

اس نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا اور اسے باہر چھوڑ کر اندر آ گئی تھی۔

کرسی پر بیٹھ کر اس نے کمرے کا جائزہ لیا، ہر شے سے امارت اور شہنشاہیت ٹپکتی تھی۔ اسے یاد تھا کہ اس نے کئی بار رامیر سے وزارتی کونسل کے اجلاس میں شریک ہونے کی خواہش ظاہر کی لیکن اس نے بڑی خوب صورتی سے ٹال دیا۔

''تمہارا مقام یہ نہیں۔'' ایک بار رامیر نے کہا۔ ''یہاں کے معاملات بے حد پیچیدہ اور گنجلک ہوتے ہیں، جن کا کوئی حل نہیں ہو گا اور ہمیں بڑے عجیب و غریب فیصلے کرنے پڑتے ہیں۔''

''آپ نے مجھے معززین کی بیگمات کے ساتھ چائے پینے کے لیے رکھ چھوڑا ہے۔'' اس نے احتجاج کیا تھا۔ ''میں صرف پلوں اور سڑکوں کے افتتاحی ربن کاٹتی پھر رہی ہوں جب کہ آپ جانتے ہیں کہ میں ان سے کہیں زیادہ ذمے داریاں انجام دینے کے قابل ہوں۔''

''شاید بھی مستقبل میں ایسا ہو۔'' رامیر نے جواب دیا تھا۔

اور اب وہ مستقبل اس کے قدموں کے نیچے تھا۔

اس نے اپنا سیاہ چشمہ اتار کر ایک طرف رکھا اور میز پر پڑے کاغذات کے پلندے کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ سب سے اوپر ریال میں ایک پبلک پارک کی تعمیر کا مالی تخمینہ رکھا ہوا تھا۔ جس کے بیچوں بیچ رامیر کا ایک دیو قامت مجسمہ نصب کرنے کی تجویز تھی۔ اس نے کچھ دیر ہندسوں میں سر کھپایا لیکن پھر اس رپورٹ کو ایک طرف ڈال دیا۔

اس کے نیچے والی فائل پر ''ارجنٹ'' لکھا ہوا تھا اور یہ ریال کے مضافات میں کاروں اور ٹرکوں کے فاضل پرزوں کی تیاری کے کارخانے کی مالیاتی رپورٹ تھی۔ وہ بھی پہلے والی رپورٹ کی طرح پریشان کن تھی۔

تیسری فائل پر بھارت کے محکمہ دفاع کا مخصوص نشان بنا ہوا تھا اور اس میں ٹائپ کیے ہوئے سات صفحے لگے ہوئے تھے۔ اس نے کچھ دیر اسے دیکھ کر ایک طرف رکھ دیا۔

ایک ایک کر کے وہ بالآخر نیچے تک جا پہنچی۔ وہ کوشش کر رہی تھی کہ جو کچھ اس نے پڑھا ہے انہیں سمجھے بھی لیکن جب اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تو اس نے ایک ایک کر کے تمام کاغذات پر اپنے دستخط ثبت کر دیے۔

☆.....☆.....☆

ارون کپور اپنے کاٹیج سے رخصت ہونے سے قبل آئینے میں آخری بار اپنا جائزہ لے رہا تھا۔ اس نے اسکول کا مخصوص یونیفارم اتار پھینکا تھا اور اب وہ باہر جاتے ہوئے روزانہ نیا سوٹ استعمال کرتا تھا۔

ایک ہفتہ قبل شیتل نے رامیر کے سابق پریس سیکرٹری جو ایک فوجی کرنل تھا، کی جگہ اس سے یہ عہدہ سنبھالنے کی درخواست کی تھی۔

''پلیز! ارون انکار نہ کرنا۔'' شیتل نے التجائیہ انداز میں کہا تھا۔ ''مجھے اپنے ترجمان کے لیے کسی با اعتماد آدمی کی ضرورت ہے۔ تمہارا ماتحت بینکن، اسکول کا چارج سنبھال لے گا۔''

اور وہ رضامند ہو گیا تھا۔

''آج کاٹیج سے رخصت ہوتے ہوئے وہ خود کو خاصا بے وقوف محسوس کر رہا تھا۔ اس نے شیتل کو ایک قبائلی پہاڑی گاؤں کے سردار خامی تہرانی سے ملاقات پر رضامند کیا تھا اور اب ذرا دیر بعد وہ بوڑھا سردار پہنچنے والا تھا۔ ارون کو یقین تھا کہ وہ اپنے قومی لباس میں ہی آئے گا اور اسے یعنی ارون کو جو اس وقت بہترین تھری پیس سوٹ میں ملبوس تھا، گولڈن لائن روم تک سردار کی رہنمائی کرنی تھی۔

پہلے پہل شیتل نے قبائلی سردار سے ملنے سے انکار کر دیا تھا لیکن ارون نے بڑی مشکل سے اسے راضی کیا تھا۔

''اس کے لوگ گندے اور غریب ہیں۔'' ارون نے اسے بتایا تھا۔ ''دوسرے دیہات کے سردار اس کی سربراہی میں ایک اتحاد قائم کر رہے ہیں جو آگے چل کر تمہارے لیے خطرناک بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ اس لیے اس وقت تہرانی سے ملاقات بکنگھم پیلس کے دورے سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔''

''میں پہلے ہی بہت سیسائل میں گھری ہوئی ہوں۔'' شیتل نے اسے یاد دلایا تھا۔ ''میں انہی سے عہدہ برآ نہیں ہو پا رہی اور تم ایک اور بلا مجھ پر مسلط کر رہے ہو، میں بھلا اس کی کس طرح مدد کر سکتی ہوں؟''

''میں تم سے اس کی مدد کرنے کو نہیں، صرف ملنے کے لیے کہہ رہا ہوں۔''

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

Pakistanipoint

ناگ حویلر

عثمان عبداللہ

صحافی کو خبروں سے دلچسپی ہوتی ہے وہ یہ نہیں دیکھتے کہ خبر انہیں موت کے منہ میں لے کر جائے گی بلکہ خبر ان کے لیے اہمیت رکھتی ہے۔ ایک ایسے صحافی کی کہانی جو موت کے منہ سے واپس آیا تھا۔

روانگٹے کھڑے کردینے والی ایک صحافی کی روداد

کہر میں ڈوبی رات میں بھی حویلی کا سفید گنبد اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ روشن تھا۔ جبکہ اس کے اطراف میں مکمل خاموشی تھی ایسی خاموشی جیسے قبرستان میں ہوتی ہے۔ سرشام ہی حویلی کی طرف جاتے راستے سنسان ہوجاتے تھے اور کوئی بھی اس طرف کا رخ نہیں کرتا تھا۔ حتیٰ کہ اس کے آس پاس کبھی کوئی جانور بھی نہیں دیکھا گیا تھا۔ سوائے سانپ کے اور اس کے حوالے سے عجیب باتیں مشہور تھیں۔

وہ ناگ دیوتا تھا جو اپنے سو سال پورے کرکے اب ہر روپ میں آسکتا تھا اور یہ حویلی اسی کی تھی جو بالکل ویران تھی۔ جہاں کسی کی موجودگی کا احساس تک نہیں تھا۔ لوگ دن کے اجالے میں بھی یہاں آنے سے خوفزدہ تھے۔

میں پہلے تھوڑا سا اپنے بارے میں بتا دوں کہ میں مصنف ہوں اور ایک اخبار میں ملازمت بھی کرتا ہوں ایک رپورٹر کی حیثیت سے مختلف خبریں لاکر اخبار کے ایڈیٹر صاحب کو دیتا ہوں اور وہ اسے تراش خراش کر اخبار کی زینت بناتے ہیں اس حویلی کی خبر بھی پچھلے ماہ میں نے ہی ایڈیٹر صاحب کو لاکر دی تھی پر انہوں نے خبر اخبار میں شامل کرنے سے پہلے مجھے تحقیق کرنے کو کہا تھا

''میں ایسے ہی یہ خبر اپنے اخبار میں شامل نہیں کرسکتا۔''

''پر کیوں سر، وہاں کے رہائشی سب اس بات سے متفق ہیں کہ حویلی کسی ناگ کی ہے اور وہ اپنے سو سال پورے کرچکا ہے۔''

''اس بات پر تم یقین کرسکتے ہو کیونکہ تم وہاں کے لوگوں سے مل کر آئے ہو، اخبار پڑھنے والے ہمارا مذاق اڑائیں گے ہمیں پاگل کہیں گے کہ ان کے پاس کوئی اور خبر نہیں تھی تو ایک جھوٹی خبر شائع کردی۔''

''پر یہ جھوٹی خبر نہیں۔'' میں فوراً بولا تھا اور ایڈیٹر احسان مجھے بغور دیکھنے لگے۔

''تم نے دیکھا ہے اس سانپ کو۔'' اس نے سوال کیا۔

''نہیں۔''

''پھر جب تم نے نہیں دیکھا اور کوئی ثبوت نہیں ہے تو لوگ ایسے ہی بے یقین ہوں گے جیسے اس وقت میں ہوں اور ایسے ہی سوال کریں گے جیسے میں کررہا ہوں اور ابھی تو تم مجھے مطمئن نہیں کرپا رہے کہاں ہزاروں لوگ.....''

انہیں اب غصہ آنے لگا تھا لیکن مجھے بھی یہ خبر اخبار میں لگوانی تھی۔

''لیکن میں نے حویلی کی معلومات جن لوگوں سے لی ہے ان سب کی آنکھوں میں خود دیکھا جاسکتا ہے گواہی کے طور پر ان سب کو پیش کیا جاسکتا ہے۔''

''یہ کوئی کمرائے عدالت نہیں ہے مسٹر جہاں آپ ثبوت کے طور پر لوگوں کو سامنے لائیں گے۔'' انہوں نے غصہ سے خبر میرے سامنے پھینک دی تھی۔ ''بہتر ہے اس حویلی میں جاکر کوئی ثبوت لے کر آئیں۔'' میں ایڈیٹر صاحب کو دیکھنے لگا۔ مجھے لگا جیسے وہ کوئی مذاق کررہے ہوں اور چند لمحوں بعد ہنستے ہوئے کہیں گے۔ ''لاؤ دو خبر اور کہاں لگانی ہے یہ بتاؤ۔'' پر ایسا کچھ نہیں ہوا وہ سنجیدہ تھے۔

''آپ کیا کہہ رہے ہیں سر۔''

Pakistanipoint

PakistaniPoint

''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں، تم جاؤ وہاں اور تمام ثبوت لے کر آؤ۔''

''پر..... م..... مم..... میں..... کیسے۔'' میں ذرا سا گھبرایا تھا کیونکہ حویلی کے حوالے سے باتیں سن کر مجھ پر خوف طاری ہوگیا تھا۔ میری حالت دیکھ کر ایڈیٹر احسان کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی تھی۔

''صرف باتیں سن کر گھبرا گئے دوست۔ ہوسکتا ہے حقیقت کچھ بھی نا ہو لوگ تمہارے ساتھ مذاق کر رہے ہوں۔''

''مذاق تو کوئی ایک شخص کرے گا مگر وہاں تو سب ہی یہ بات کہہ رہے ہیں۔''

''پھر تو تم پر تصدیق لازم ہے کہ کیا سچ ہے اور کیا جھوٹ سب جان کر آؤ۔'' انہوں نے کہہ کر انٹر کام کے ذریعے چائے کا آرڈر دیا تھا اور پھر چند صفحات اٹھا کر ایک فائل میں رکھتے مجھے دیکھنے لگے۔

''تم بہادر انسان ہو۔ ہمیشہ خطرے سے کھیل کر بڑی بڑی خبر لے کر آئے ہو، یاد ہے پچھلی بار جو قتل ہوا تھا تم اس کی تصویریں بھی لے آئے تھے۔ یعنی عین وقت پر جب قاتل نے شیشے کی بوتل اس لڑکی کے سر پر ماری تھی اور پھر اس کے بعد چاقو کے پے در پے وار وہ سب تصویریں تم نے اپنے کیمرے میں قید کی تھیں اور اب تم لوگوں کی باتوں سے ڈر رہے ہو۔'' انہوں نے میری ہمت بندھائی تھی اور ان کی بات سے مجھے حوصلہ بھی ملا تھا۔ جب ہی میں دفتر سے اٹھ کر اپنے اپارٹمنٹ میں آیا تھا اور ضرورت کی چیزیں ایک بیگ میں رکھ کر سفر پر روانہ ہوگیا تھا۔ اب یہ میرا مشن تھا کہ اس حویلی کے حوالے سے ساری معلومات حاصل کر کے ایڈیٹر احسان صاحب کے پاس آؤں اور انہیں سچ جھوٹ سے آگاہ کروں گو کہ اب سچ جھوٹ میں بھی جانا چاہتا تھا۔ اس لیے رحیم یار خان چلا آیا تھا۔

گو کہ سفر بہت طویل تھا اور میں تھکن بھی محسوس کر رہا تھا اور جس وقت میں پہنچا تھا صبح ہونے میں خاصہ وقت باقی تھا اس لیے میں نے ہوٹل کا انتخاب کیا اور اسٹیشن سے قریب ہی ہوٹل میں آ گیا۔ ابھی سفر باقی تھا لیکن اس سے پہلے تھکن زدہ وجود کو آرام بھی پہنچانا تھا میں منیجر سے تمام معاملات طے کر کے کمرے میں آ گیا۔ ہوٹل چھوٹا تھا اور یہاں کوئی ویٹر بھی نہیں تھا۔ جو بھی کام کرنا تھا مجھے خود ہی کرنا تھا بستر درست کیا اور اپنا بیگ ایک طرف رکھ کر لیٹ گیا تھکا ہوا تھا اس لیے نیند جلدی آ گئی تھی۔

.....☆☆.....

میری آنکھ صبح تاخیر سے کھلی تھی۔ غسل خانے میں نہانے کے لیے گرم پانی موجود تھا میں نے بیگ سے کپڑے نکالے اور نہانے گھس گیا تب ہی دروازے پر دستک کے ساتھ چوڑیوں کی کھنک سنائی دی تھی۔ میں نے اپنا وہم جان کر جسم پر صابن ملنا شروع کر دیا کچھ دیر بعد دستک کے ساتھ نسوانی آواز آئی تھی۔

''صاحب جی چائے لو۔'' غالباً وہ جلدی میں تھی۔

''اچھا۔'' میں کہہ کر نہانے میں مصروف رہا تھا تب ہی مجھے احساس ہوا کہ کوئی مجھے دروازے میں موجود ہول سے دیکھ رہا ہے۔ دروازے کی حالت بہتر نہ تھی جگہ جگہ اس میں چھوٹے بڑے سوراخ موجود تھے جن سے اندر دیکھا جاسکتا تھا اور باہر کا منظر بھی بخوبی دیکھا جاسکتا تھا لیکن وہ لڑکی اس انداز سے کھڑی تھی کہ اس کے چہرے کا آدھا حصہ نظر آ رہا تھا باقی جسم کا حصہ دیوار سے چھپ گیا تھا میرا تعلق پٹھان گھرانے سے ہے اونچا لمبا قدر اور کسرتی جسم کی بدولت میں جاذب نظر ہوں پر اس وقت جس حالت میں تھا وہ قطعی دیکھنے کے قابل نہیں تھا اس لیے میں نے نہانے کا عمل تیز کر دیا تو دوسری طرف سے ہنسی کے ساتھ پھر آواز آئی تھی۔

''صاحب جی..... چا ٹھنڈی ہوگی۔''

''گرم کر لاؤ۔'' میں نے اس کو ہٹانا چاہا تھا۔

''آپ کر دو۔'' اس کی بات سن کر میرا ہاتھ نہانے والے مگ کے ساتھ ہی فضا میں ٹھہر گیا تھا۔ وہ کیا کہہ رہی تھی۔ وہ خود نہیں جانتی تھی یا پھر میں انجان تھا۔ میں نے گردن گھما کر دیکھا وہ اب بھی مجھے دیکھ رہی تھی۔

''جاؤ یہاں سے۔ کیوں کھڑی ہو۔'' میں نے رعب سے کہا تو وہ ہنستی ہوئی چلی گئی تھی۔ اس کے جاتے ہی میں نے تولیہ سے جسم خشک کیا اور کپڑے تبدیل کر کے باہر نکل آیا۔ سامنے میز پر چائے کا کپ رکھا تھا اور چائے اپنی ناقدری پر غمزدہ سی تھی۔ میں نے تولیہ ایک طرف رکھا اور بیگ سے برش نکال کر بال سلجھانے لگا تھا تب ہی ایک نو دس سال کا لڑکا دستک دے کر کمرے میں آیا تھا اور خاموشی

PakistaniPoint

سے مجھے دیکھنے لگا۔
''کیا بات ہے۔'' میں نے اس کو اپنی طرف گھورتا پا کر پوچھا۔
''باجی کہتی ہے کپ دے دو۔'' اس نے میرے انداز میں جواب دیا تو میں نے چائے کا کپ اس کی طرف بڑھا دیا۔ اب مجھے بھوک بھی محسوس ہونے لگی تھی۔ اس لیے میں نے اس لڑکے کو جاتے ہوئے دیکھا تو فوراً کہا۔
''رکو۔'' میری آواز پر وہ کر مجھے دیکھنے لگا۔ ''کچھ کھانے کو ہے۔''
''باجی ناشتہ بنا رہی ہیں میں لاتا ہوں۔'' وہ کہہ کر چلا گیا تو میں یونہی وقت گزاری کے لیے ہوٹل کا جائزہ لینے لگا تھا۔ یہ ایک رہائشی مکان تھا جس کے اوپر ترتیب سے تین کمرے بنا کر مسافروں کے استعمال کے لیے رکھ چھوڑے تھے۔ نیچے شاید منیجر اور اس کی فیملی رہتی تھی جبکہ اوپر کے دو کمرے خالی تھے اور ایک کمرے میں اس وقت میں موجود تھا۔ کمرے میں ایک عدد کھڑکی موجود تھی۔ جہاں سے رحیم یار خان کی خوب صورتی نظر آ رہی تھی۔ چھوٹا سا شہر اپنے اندر بے انتہا خوب صورتی لیے ہوئے ہے لیکن میرا سفر ابھی باقی تھا اس لیے میں کھڑکی سے ہٹ کر اپنے کپڑے بیگ میں رکھنے لگا جو ابھی نہا کر اتارے تھے کہ اچانک منیجر کی آمد ہوئی تھی۔ میں اسے دیکھ کر استقبالیہ مسکرایا تھا۔
''مجھے امید ہے کہ رات آپ کو کوئی پریشانی نہیں ہوئی ہوگی۔''
''تھکاوٹ اتنی تھی کہ نیند فوراً آ گئی۔'' میں نے اس کی بات کے جواب میں کہا تھا۔ وہ کمرے میں رکھی واحد کرسی پر بیٹھ کر مجھے دیکھنے لگا۔ میں جانتا تھا کہ میرا حسن اسے متاثر کر رہا ہے اور اس سے پہلے کہ وہ میری تعریف کرتا ایک لڑکی ناشتہ ٹرے میں سجائے اندر داخل ہوئی تھی اور ٹرے بیڈ پہ رکھ کر بغیر کچھ کہے چلی گئی تھی۔
''آؤ پہلے ناشتہ کر لیں۔'' میں نے منیجر سے کہا تو وہ مسکرا دیا۔
''دوپہر کے وقت ناشتہ۔''
''میری تو صبح ابھی ہوئی ہے۔ دوپہر کا کھانا کہاں نصیب ہو پتا نہیں۔''
''کیا مطلب، تم کہیں جا رہے ہو؟'' میری بات پر وہ چونک کر پوچھنے لگا۔
''مجھے راجن پور پہلے ایک کام سے جانا ہے اس کے بعد اس حویلی کے حوالے سے کچھ خبریں جمع کرنی ہیں۔ اصل میں میں ایک مصنف اور صحافی بھی ہوں۔'' ناشتہ کرتے ہوئے میں نے اسے ساری بات بتائی تو وہ حیران ہو کر مجھے دیکھنے لگا۔
''وہ حویلی جو دیوتا ناگ کی ہے۔''
''ہاں۔'' میرے ہاں کہنے پر وہ مجھے یوں دیکھنے لگا جیسے اسے میری دماغی حالت پر شبہ ہو۔
''تم شادی شدہ ہو۔''
''نہیں۔'' میں نے ہنس کر جواب دیا۔
''پھر بھری جوانی میں کیوں مرنا چاہتے ہو۔''
''تم مجھے خوفزدہ کر رہے ہو۔'' میں نے چائے کا کپ اٹھا کر بغور اسے دیکھا گو کہ اس کی باتیں مجھے خوفزدہ نہیں کر رہی تھیں بلکہ الجھن میں مبتلا کر رہی تھیں۔
''نہیں، بلکہ یہ بتانا چاہتا ہوں کہ وہاں جو بھی گیا واپس نہیں آیا ہے۔''
''اچھا۔'' میں خوامخواہ ہی سہما تھا۔ یہ بات تو میں بھی جانتا تھا اور اس بات کی تصدیق کے لیے ہی جا رہا تھا کہ یہ سچ بھی ہے یا محض باتیں ہی ہیں اور اس سچ جھوٹ کو منظر عام پر لانا تھا۔
''تم مذاق سمجھ رہے ہو۔''
''ہرگز نہیں۔'' میں فوراً بولا۔ ''میں نے اس قسم کی بہت سی باتیں سن رکھی ہیں اور اب ان کی تصدیق کے لیے ہی وہاں جا رہا ہوں۔''
''میرا مشورہ ہے کہ تم وہاں مت جاؤ۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ ''تم سے پہلے بھی بہت سے لوگ اس حویلی کے راز کو جاننے کے لیے گئے لیکن آج تک کوئی زندہ واپس نہیں آیا اور نہ ہی ان کے حوالے سے کچھ سننے کو ملا ہے۔''
''ہو سکتا ہے یہ سب افواہ ہو، وہاں سے سب لوگ مایوس اپنی جگہ لوٹ گئے ہوں۔'' میں نے کہا تو منیجر نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔
''اگر ایسا ہوتا تو میرا بھائی اور میرے والد یہاں میرے پاس ہوتے۔'' وہ دکھی ہو گیا۔ ''وہ دونوں بھی ناگ حویلی کا راز جاننے گئے تھے اور آج تین سال ہونے کو

Pakistanipoint

آئے ہیں پر وہ واپس نہیں آئے ہیں میں ان کی تلاش میں جانا چاہتا تھا پر میری ماں اور بیوی نے واسطہ دے کر مجھے روک دیا۔''

''پھر تو تمہیں میرا ساتھ دینا چاہیے تاکہ میں اب سب کے ساتھ جو آج تک واپس نہیں آئے تمہارے والد اور بھائی کی بھی خبر حاصل کرسکوں۔'' میں جو اس کی بات غور سے سن رہا تھا اس کے خاموش ہوتے ہی فوراً بولا تھا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ اس کی باتوں سے اب میرے اندر تجسس مزید بڑھنے لگا تھا اور اب میں جلد از جلد وہاں جانا چاہتا تھا۔ منیجر کچھ دیر مجھے دیکھتا رہا پھر کہنے لگا۔

''تم آج کی رات مزید یہاں ٹھہر جاؤ تاکہ میں کچھ باتیں معلوم کر کے تمہیں بتا دوں جو تمہارے سفر میں کام آئیں گی۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے رضامندی دی تو وہ مسکرا کر ناشتے کے برتن اٹھا کر کمرے سے نکل گیا تھا۔ ابھی میری تھکن بھی صحیح سے نہیں اتری تھی اس لیے بھی میں نے منیجر کی بات مان لی تھی اور اپنے بیگ میں رکھی چیزوں کا جائزہ لینے لگا تھا۔

.....☆☆.....

سردیوں کی رات شام کو جلد ہی نگل لیتی ہیں۔ بالکل اس طرح جیسے سمندر میں بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو نگل لیتی ہے اور اس شہر میں تو گرمی اور سردی دونوں ہی سخت پڑتی ہیں میں نے سرے شام ہی کھڑکی بند کر کے ہیٹر آن کرلیا تھا۔ اس کے باوجود سردی کا احساس باقی تھا۔ میں نے بیڈ پر بیٹھ کر پیروں پر کمبل ڈال لیا اور کتاب پڑھنے لگا۔ میری پوری توجہ کتاب پڑھنے پر تھی تب ہی مجھے دروازے پر دستک اور کمرے میں کسی کی آمد کا احساس تک نہیں ہوا تھا۔ محسوس تو اس وقت ہوا جب کسی نے میری رات پر پیار سے ہاتھ رکھا تھا اور ساتھ ہی سسکی لی تھی میں نے چونک کر دیکھا یہ وہ ہی لڑکی تھی جو صبح ناشتہ دے کر گئی تھی۔

''کون ہو تم اور رو کیوں رہی ہو۔'' میں نے فوراً پیر سمیٹ لیے تھے اور لہجے میں قدرے ناگواری رکھی تھی۔

''تم مجھے اچھے لگتے ہو صاحب۔ تم وہاں مت جاؤ جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی۔'' مجھے اس کی دماغی حالت پر شبہ ہوا تھا میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تو وہ بھی اپنی جگہ سے اٹھتی میرے قریب چلی آئی تھی۔

''خدارا صاحب وہاں مت جاؤ، وہ خطرناک جگہ ہے وہ جو بھی راز ہے اسے راز ہی رہنے دو۔ مت جاؤ اس راز کے حوالے سے۔ بھول جاؤ یوں سمجھ لو کہ لوگ بکواس کرتے ہیں جھوٹ بولتے ہیں۔ میں اپنا سب کچھ کھو چکی ہوں اب تمہیں کھونا نہیں چاہتی صاحب۔'' وہ کہہ کر میرے سینہ سے سر ٹکا کر رونے لگی تھی۔

''تم پاگل تو نہیں ہو۔'' میں نے اسے خود سے الگ کرتے قدرے جھنجلا کر کہا تھا یہ پہلا موقع تھا کہ کوئی لڑکی تنہائی میں مجھے میسر ہوئی تھی ورنہ میں نے اپنے انداز و رویہ سے کبھی کسی لڑکی کو قریب آنے نہیں دیا تھا اور نہ ہی کبھی کسی سے دوستی کی تھی اس کے چھونے سے میرے احساسات پہلی بار بیدار ہوئے تھے دل کے ساتھ جسم میں بھی ایک سرسراہٹ ہوئی تھی مگر میں نے خود پر قابو پالیا تھا۔

''ہاں پاگل ہوگئی ہوں تمہیں دیکھ کر۔''

''صرف ناشتہ دینے آئی اور اتنی سی دیر میں مجھے دیکھ کر پاگل ہوگئی ہو۔'' میرا انداز استہزائیہ تھا اس نے ہتھیلی سے اپنے گال پر بہتے آنسو صاف کیے تھے۔

''نہیں اس سے پہلے بھی دیکھا تھا جب تم.....'' اس نے قصداً بات ادھوری چھوڑی اور مجھے صبح غسل خانے کے دروازے کے خول سے اس کا جھانکا یاد آیا تھا۔ مطلب اس کی محبت کسی اور سمت کی تھی اور اس وقت اس کا بیان ہونا بھی ایک خاص وجہ میں شامل تھا۔

''تم جاؤ یہاں سے۔'' میں نے خود کو سنبھالتے قدرے غصے سے کہا تو وہ مزید میرے قریب آ گئی۔

''تم غلط سمجھ رہے ہو۔''

''میں کچھ نہیں سمجھ رہا تم سمجھو اور جاؤ یہاں سے۔'' غصہ سے میری آواز بلند ہوگئی تھی اور اس سے پہلے کہ وہ جاتی لائٹ چلی گئی تھی کمرے میں مکمل اندھیرا چھا گیا تھا ایسا اندھیرا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا اور ایسے میں مجھے لگا جیسے کوئی میرے سینے سے آ لگا ہو اور اس کی مخملی انگلیاں میری کمر پر حرکت کرنے لگی تھیں، کرتا پاجامہ پہنے ہونے کے باوجود مجھے اپنا جسم برہنہ محسوس ہو رہا تھا اس سے پہلے کہ میں اپنے احساسات کو قابو میں کرتا اپنے وجود سے چمٹے دوسرے وجود کو پرے دھکیلتا اس نے میرے

ارادوں کو بھانپ کر اپنی خواہش کی آگ کو بھڑکاتے مجھے اس میں جلانے کے لیے مکمل تیار کر دیا تھا میں بے بسی کی تصویر بنا بھڑکتی آگ سے خود کو جھلسانے سے بچانے کی کوشش میں کافی دیر تک لگا رہا تھا اور پھر اپنی کوشش میں ناکام ہوتا میں اس آگ میں کود گیا تھا۔

.....☆☆.....

دوسرے دن میری آنکھ صبح جلدی کھل گئی ابھی صبح کا اجالا نہیں پھیلا تھا کمرے میں روشنی تھی یعنی رات میں نے روشنی نہیں بجھائی تھی اور ایسے ہی سو گیا تھا۔ میں نے سوچا اور کمبل اتار کر اٹھ کھڑا ہوا لیکن ایک دم میں حیران رہ گیا کہ میرے جسم پر کپڑے موجود نہیں تھے فوراً ہی مجھے رات کا تمام واقعہ یاد آ گیا تھا۔ میری نظر دروازے پر گئی جو کہ کھلا ہوا تھا میں بستر پر رکھے اپنے کپڑے اٹھا کر تیزی سے غسل خانے کی طرف بڑھ گیا آج نہ ہی مجھے کسی نے پکارا اور نہ ہی مجھے یہ احساس ہوا کہ کوئی مجھے دیکھ رہا ہے۔ میں نہا کر جب کمرے میں آیا تو منیجر ناشتے کے ساتھ میرا منتظر تھا۔

''تمہارے لیے ایک خوش خبری ہے۔'' میں جیسے ہی بیڈ پر بیٹھا وہ مسکرا کر بولا تھا۔

''کیا۔'' میں نے فوراً پوچھا تو وہ ناشتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

''پہلے ناشتہ کر لو میں بھی ایک کام سے جا رہا ہوں، واپس آ کر تم سے تفصیل سے بات کرتا ہوں۔'' وہ کہہ کر کمرے سے نکل گیا تھا۔ میں ناشتہ کرنے میں مصروف ہو گیا۔ ناشتہ بے انتہا لذیذ تھا یا مجھے بھوک زیادہ ہونے کی وجہ سے لگ رہا تھا۔ ورنہ گرما گرم پراٹھے، نہاری اور پائے کے ساتھ ناشتہ تو میں اپنے شہر میں بھی کرتا تھا۔ اس وقت بھی میں یہ ہی ناشتہ کر رہا تھا پر سب کچھ گھر کا بنا ہوا تازہ تھا اس لیے میں نے پیٹ بھر کر کھایا جب ناشتہ سے فارغ ہوا تو منیجر چائے کے دو کپ لیے حاضر تھا۔

''اب بتاؤ کیا بات ہے۔'' میں نے اس سے چائے کا کپ لیتے ہوئے پوچھا تو وہ میرے ساتھ بیٹھ کر رازداری سے بولا تھا۔

''میں نے تمہیں اپنے حالات بتا دیے کہ میرے بابا اور بھائی اس حویلی کا راز جاننے گئے اور واپس نہیں آئے۔''

''ہاں۔'' میں نے فوراً کہا۔

''امید ہے کہ یہ بات تم ہمیشہ اپنے تک ہی رکھو گے۔'' اس نے مجھے امید سے دیکھا تھا میں نے کچھ سوچ کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ جبکہ میرے نزدیک یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی جسے چھپایا جائے۔

''میں نہیں چاہتا کہ تمہاری طرح دوسرے لوگ بھی اس بات کو جھوٹ سمجھیں۔'' کچھ دیر کے بعد وہ بولا تو میں نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔

''بے فکر رہو، میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔'' میری یقین دہانی پر وہ خاموشی سے مجھے دیکھنے لگا چائے کا خالی کپ اس نے ایک طرف رکھا پھر بولا۔

''راجن پور سے آگے فیروز پور کے قبرستان میں ایک بڑھیا رہتی ہے اس کا شوہر گورکن تھا کچھ عرصہ پہلے اس کا انتقال ہو چکا ہے بڑھیا کی کوئی اولاد نہیں ہے تو زندگی گزارنے کے لیے وہ بھیک مانگتی ہے۔ اس قبرستان میں جن لوگوں کے عزیز دفن ہیں وہ بھی اس بڑھیا کی مدد کر دیتے ہیں لیکن.....'' اس نے قصداً بات ادھوری چھوڑ کر مجھے دیکھا تھا غالباً جاننا چاہتا تھا کہ میں اس کی بات سن بھی رہا ہوں یا نہیں۔

''لیکن کیا؟'' میں نے فوراً پوچھا۔

''بات یہ ہے کہ ہمیشہ چاند گرہن کو وہ بڑھیا غائب ہو جاتی ہے اور کہاں جاتی ہے اس کا علم کسی کو نہیں ہے لیکن میں یہ راز جاننے میں کامیاب ہو گیا ہوں کہ اس بڑھیا کے پاس ناگ حویلی کے راز موجود ہیں آج چاند گرہن ہے اور میں چاہوں گا کہ تم اس سے پہلے ہی بڑھیا سے مل لو۔'' اس نے اپنی بات کے اختتام پر مجھے دیکھا تھا اور میں پوری بات سمجھ کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''میں تو خود وہ راز جلد سے جلد جاننا چاہتا ہوں۔''

''پھر دیر مت کرو، ہمیں آج ہی نکلنا ہوگا۔''

''ہمیں.....'' اس کی بات پر میں چونکا تھا۔

''میں تمہارے ساتھ راجن پور تک چلوں گا اس کے بعد کا سفر تم اکیلے طے کرنا۔''

''وہاں تک کیوں، میرا مطلب ہے میں وہاں بھی اکیلے سفر کر سکتا ہوں۔'' میری بات پر وہ مسکرایا تھا۔

''مجھے وہاں کچھ کام ہے۔'' اس نے کہا تو میں نے کام

کی نوعیت جاننے کی کوشش نہیں کی کیونکہ یہ اس کا ذاتی معاملہ تھا میں اپنا مختصر سامان باندھنے لگا ساتھ ساتھ آگے کا سفر بھی سوچ رہا تھا گو کہ ابھی تک مجھے کسی قسم کی مشکل پیش نہیں آئی تھی پر آگے کے حوالے سے میں ابھی کچھ کہہ نہیں سکتا تھا کہ کیا ہو سکتا ہے۔

''سنو اپنا خیال رکھنا۔'' کچھ دیر کے بعد وہ کمرے سے نکلتے ہوئے بولا تھا۔

''میری خواہش ہے کہ جب تم واپس آؤ تو تم یہیں میرے گھر میں قیام کرو۔'' اس کی بات پر میں مسکرا دیا تھا۔ وہ چلا گیا اور میں کھڑکی کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ سرد ہوائیں کھڑکی کے شیشوں سے ٹکرا رہی تھیں، شہر ابھی کہر میں ڈوبا ہوا تھا۔ سورج نے بھی ابھی اپنی جھلک نہیں دکھائی تھی پر لوگ خود کو گرم کپڑوں میں لپیٹے روزمرہ کے کاموں میں مصروف تھے۔ اسکول و کالجز کی چھٹیاں ابھی نہیں ہوئی تھیں اس لیے اسکول وین کے ہارن اور یونیورسٹی و کالجز کے طلبہ و طالبات کالج و یونیورسٹی جانے کے لیے اپنی وین کا انتظار کر رہے تھے تو کچھ رکشوں سے اپنی درسگاہوں کی طرف گامزن تھے۔ میں یہ منظر بہت شوق سے دیکھ رہا تھا تب منیجر کی آواز پر میں چونکا تھا۔

''چلیں۔'' میں نے مڑ کر دیکھا وہ دروازے میں کھڑا مجھے دیکھ رہا تھا۔

''ہاں چلو۔'' میں نے اپنا بیگ اٹھایا اور اس کے پیچھے کمرے سے نکل آیا کمرے سے نکلتے ہی مجھے پہلا خیال اس لڑکی کا آیا تھا جو کل صبح ناشتہ لے کر اور پھر رات کی تنہائی میں کمرے میں آئی تھی لیکن اب کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ میں نے منیجر سے پوچھنے کی کوشش نہیں کی پر چاہتا تھا کہ جانے سے پہلے ایک نظر دیکھ لوں پھر دوبارہ اسے دیکھنا نصیب ہونا ہو، لیکن یہ خواہش ادھوری رہی اور میں منیجر کے ساتھ بس اڈے تک آ گیا تھا آگے کا سفر ہمارا خاموشی میں گزرا تھا۔

.....☆☆.....

راجن پور اترتے ہی منیجر نے ایک شخص کی طرف اشارہ کیا تھا میری نظریں اس کے اشارے کی طرف گئی تھی اور پھر پلٹنا بھول گئی، اس شخص کے ساتھ وہ لڑکی بھی موجود تھی جو کمرے میں مجھے ملی تھی۔ اس نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا اور ساتھ کھڑے شخص کی اوٹ میں ہو گئی تھی غالباً مجھ سے چھپنا چاہتی تھی اور میں اسے جی بھر کے دیکھنا چاہتا تھا مگر وہ سامنے نہیں آ رہی تھی۔ اس کی اوٹ سے جھانک کر ایک نظر دیکھتی اور پھر چھپ جاتی۔ یہ منظر بہت دیر تک نہیں رہا تھا جلد ہی ان کی گاڑی آ گئی اور وہ منیجر سے الوداعی کلمات کہتے رخصت ہو گئے تھے۔

''یہ میرے بہن بہنوئی ہیں۔'' ان کے جانے کے بعد منیجر نے میری سماعت پر دھماکا کیا تھا میں نے چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

''ان کی اولاد نہیں ہے، بچارے مرادیں مانگتے رہتے ہیں ابھی بھی یہ لوگ ملتان جا رہے ہیں۔'' اس نے مزید بتایا تھا اور میں یہ سوچ کر رہ گیا کہ جب وہ شادی شدہ تھی تو پھر اس نے یہ حرکت کیوں کی تھی۔ اپنی خواہش کے لیے اس نے میرا استعمال کیا تھا کیوں اس نے اپنے شوہر سے بے وفائی کی تھی میری سب باتوں کا جواب اس کے پاس تھا اور وہ اپنے سفر پر روانہ تھی میں نے ایک نظر اس کی دور جاتی بس کو دیکھا تھا اور پھر منیجر کو جو مزید کہہ رہا تھا۔

''ان کے لیے دعا کرنا کہ ان کی مراد بر آئے، ان کے آنگن میں خوشیاں کھیلیں۔'' اس نے مسکرا کر میری طرف دیکھا تو میں بھی ذرا سا مسکرا دیا۔

''ضرور۔''

''میرا اور تمہارا ساتھ یہیں تک تھا اب یہاں سے تم نے اکیلے سفر کرنا ہے دعا ہے کہ ہماری ملاقات جلد ہو اور میں تم سے سارے راز جان سکوں۔'' اس نے کہہ کر الوداعی مصافحہ کیا تھا اور چلا گیا تھا۔

جبکہ مجھے پہلے اپنے ایک دوست کے پاس جانا تھا اس کے بعد آگے سفر کرنا تھا شہر چھوٹا سا ہے پر سردی اپنے عروج پر تھی۔ میں یونہی ایک طرف چلنے لگا تھا نجانے کیوں دل اداس ہو گیا تھا۔ ہر تھوڑی دیر بعد اس لڑکی کا چہرہ نگاہوں میں آ جاتا تھا۔

بالآخر میں دوست کے گھر آ گیا یہ کوئی میرا بچپن کا دوست نہیں تھا۔ اس سے صحافت کے حوالے سے دوستی تھی۔ جو سوشل میڈیا سے شروع ہوئی تھی اور بہت گہری ہو گئی تھی۔ یہ جب بھی میرے شہر آیا میرے پاس ہی روکا تھا اور اس کا اصرار تھا کہ جب بھی میرا وہاں آنا ہو تو میں اس کے گھر قیام کروں، اس لیے میں اب اس کے گھر کے

دروازے پر تھا پرانی طرز پر بنا یہ چھوٹا سا گھر تھا جس کے باہر لکڑی کا دروازہ تھا میں نے ہاتھ سے دروازے پر دستک دی اور دروازہ کھلنے کا انتظار کرنے لگا۔

''کون ہے بھئی صبح، صبح.....'' اندر سے اس کی آواز آئی، غالباً ابھی اس کی صبح نہیں ہوئی تھی۔ اس نے دوبارہ پوچھنے کی زحمت نہیں کی اور دروازہ کھول دیا۔ مجھے سامنے دیکھ کر اس کی نیند سے بھری آنکھیں پوری کھل گئی تھیں، چہرے پر بھی خوشگوار سی حیرت در آئی تھی، وہ تیزی سے میرے گلے لگ گیا تھا۔

''نا کوئی خبر اچانک کیسے۔''

''بس یونہی تمہیں حیران کرنے کے لیے۔'' میں نے مسکرا کر کہا تو وہ حیرت سے مجھے دیکھنے لگا۔

''پر میرے گھر کا پتا کیسے ملا۔''

''تو نے ہی تو کہا تھا کہ اڈے سے تھوڑا آگے ہے اور جو نقشہ کھینچا تھا اس کے مطابق میں چلتا ہوا بغیر کسی سے کچھ پوچھے تیرے دروازے کے سامنے آ کر رک گیا۔'' میں نے کہا تو اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

''اچھا بھئی چل اب اندر۔'' وہ مجھے گھر کے اندر لے آیا چھوٹا سا گھر تھا صحن، برآمدہ اور دو کمرے تھے صحن سے ہی اوپر چھت پر جانے کے لیے سیڑھیاں اور اس کے نیچے غسل خانہ جبکہ صحن میں ہی ایک طرف باورچی خانہ تھا میں نے صحن میں کھڑے ہو کر سرسری سا گھر کا جائزہ لیا اور اس کے پیچھے چلتے ایک کمرے میں آ گیا۔ کمرے میں فرشی بستر لگا تھا اور غالباً وہ اسی پر سو رہا تھا اس کے علاوہ ایک میز اور کرسی تھی اس مختصر سے سامان کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔

''تو بیٹھ میں ابھی ناشتے کا انتظام کر کے آیا۔'' وہ کہہ کر میری بات سنے بغیر ہی کمرے سے نکل گیا تھا جبکہ میں یونہی کرسی پر بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگا۔ مجھے یہاں زیادہ دیر تو رکنا نہیں تھا کیونکہ دوست سے ملنے کے بعد جلد از جلد فیروز پور کے قبرستان جانا چاہتا تھا اور وہاں سے ناگ حویلی جس کے لیے میرا یہ سفر تھا۔ پندرہ منٹ کے بعد وہ حلوہ پوری کا ناشتہ لیے کمرے میں داخل ہوا تھا۔

''معافی چاہتا ہوں یار۔ گھر میں کوئی خاتون تو ہے نہیں اس لیے سارے کام خود ہی کرنا پڑتے ہیں۔'' وہ شرمندگی سے کہہ رہا تھا۔

''کیوں؟'' میں نے چونک کر پوچھا اور اس کے ساتھ بستر پر آ کر بیٹھ گیا۔ وہ مسکرا کر رہ گیا۔

''بس حادثاتی طور پر میں بالکل اکیلا ہوں۔'' وہ شاید بتانا نہیں چاہتا تھا اس لیے میں نے بھی کریدہ نہیں اور اس کا ساتھ دینے کے لیے برائے نام ناشتہ کرنے لگا۔

''تم کسی کام کے سلسلے میں یہاں آئے ہو؟'' کچھ دیر بعد اس نے پوچھا تو میں کچھ سوچ کر ساری تفصیل اسے بتانے لگا کہ کس طرح اخبار کے ایڈیٹر نے مجھے اکسایا اور ناگ حویلی کا راز جاننے کے لیے بھیجا ہے جبکہ ہوٹل والی بات میں چھپا گیا تھا وہ کچھ دیر خاموشی سے بغور مجھے دیکھتا رہا پھر کہنے لگا۔

''میرا مشورہ مانو تو وہاں مت جاؤ۔''

''کیوں۔'' اب کیونکہ میں منزل کے قریب تھا اور میرے اندر بھی اس راز کی حقیقت جاننے کی کھلبلی مچی ہوئی تھی تو میں نے فوراً پوچھا تھا۔

''کیونکہ وہ حویلی ایک حقیقت ہے وہ کوئی راز نہیں ہے۔''

''یہ تم کہہ رہے ہو۔'' مجھے حیرت ہوئی۔ ''کچھ عرصہ پہلے تک تم خود اس حویلی کا مذاق اڑایا کرتے تھے اور ایسی باتیں کرنے والوں پر ہنسا کرتے تھے۔''

''وہ پہلے کی بات تھی۔'' اس نے جھنجلا کر کہا۔

''بات تو کچھ اور ہے تم بتانا نہیں چاہتے یہ اور بات ہے۔''

''بات میرے لیے بہت اہم ہے اور اگر جو میں تمہیں بتا دوں تو کیا تم یقین کرو گے۔'' وہ مجھے دیکھتے ہوئے یقین چار رہا تھا۔

''مجھے یقین ہے تم پر اب بتاؤ کیا بات ہے۔'' میں نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔

''میرے والدین کو اس حویلی نے نگلا ہے اس ناگ نے میرے گھر کو ڈسا ہے۔'' وہ کہہ کر رونے لگا میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں اسے دلاسا دوں یا اس بات کو جھوٹ سمجھوں کیونکہ اس شعبہ میں اپنے نمبر بنانے کے لیے ایک دوسرے کو دھکا دیا جاتا ہے مجھے بھی یہ ہی لگا کہ اس وقت وہ خود رپورٹ بنا کر اخبار میں شائع کرانا چاہتا ہے اور مجھے یہاں سے چلتا کرنا چاہتا ہے۔ میں نے دوستی کے ناطے

اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

''صبر کر یار۔'' اسے شاید ماحول کی کشیدگی کا احساس ہوا تو آنسو صاف کرتے مجھے دیکھنے لگا۔

''معافی چاہتا ہوں یار میں تھوڑا جذباتی ہو گیا تھا تم ناشتہ کرو۔'' اس نے کہہ کر چائے کا کپ میری طرف بڑھا دیا میں نے خاموشی سے کپ تھام لیا تب وہ کہنے لگا۔

''میری شادی ہونے والی تھی اور اماں بہت خوش تھیں ہر کام میں جلدی مچائی ہوئی تھی جبکہ شادی سال بعد تھی اکلوتے بیٹے کی خوشی شاید ایسی ہی ہوتی ہے ہر کام وقت سے پہلے کرنے کو دل کرتا ہے۔'' وہ میری طرف دیکھ کر تلخی سے مسکرایا۔ میں نا چاہتے ہوئے بھی اسے سن رہا تھا۔

''حویلی کے راستے سے گزر کر برات جانی تھی لیکن اس سے پہلے ہمارے یہاں کنگن پہنانے کی رسم ہوتی ہے جس میں لڑکے کے ماں باپ جا کر لڑکی کو کنگن پہنا کر آتے ہیں اور اس کے بعد وہ مایو بیٹھ جاتی ہے یہ رسم اماں ابا کرنے لگے تھے اور پھر کبھی واپس نہیں آئے، میں نے اپنے سسرال فون کر کے پوچھا اور وہاں سے معلوم ہوا کہ اماں ابا وہاں پہنچے ہی نہیں۔'' اس کی آنکھوں سے خاموش آنسو ایک بار پھر جاری ہو گے۔ جسے اس نے ہتھیلی سے رگڑ کر صاف کیا تھا میں خاموش ہی رہا۔

''میں نے اماں ابا کو بہت تلاش کیا پر وہ کہیں نہیں ملے اور نہ ہی کوئی ایسا نشان جس سے ان کی موت کا علم ہوتا میں روتا پیٹتا فیروز پور کے قبرستان گیا وہاں اس عورت نے ایاں کی چادر مجھے دی تھی اور ساری بات کی تصدیق ہو گئی تھی۔'' اس نے اپنا چہرہ جھکا لیا تھا اور سسکیوں کے ساتھ رونے لگا تھا۔

میں نے کچھ دیر اسے رونے دیا پھر اس کے کندھے پر تسلی کے لیے ہاتھ رکھ دیا تھا۔ اب مجھے اپنا یہاں رکنا مناسب نہیں لگ رہا تھا۔ چائے ختم کرتے میں نے خالی کپ بھی نیچے رکھ دیا جبکہ اس کے رونے میں ذرا کمی نہیں آئی تھی۔

''بس کر دو یار، کیوں اپنے ماں باپ کو تکلیف پہنچا رہے ہو۔'' میری بات پر اس نے آنسو صاف کیے تھے۔ تب ماحول کو بہتر کرنے کے لیے میں اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا۔ جب وہ مجھے بہتر نظر آنے لگا تو میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''اب میں چلوں گا چند ایک ضرور کام ہیں پھر واپس بھی جانا ہے۔''

''اور ناگ حویلی۔'' اس نے فوراً پوچھا۔

''اب نہیں جاؤں گا۔'' میں نے کہا تو اس نے میرے ہاتھ پر اپنی گرفت مضبوط کر دی اور کھل کر مسکرایا تھا۔

''اچھی بات ہے۔'' اس نے کہا تو میں خدا حافظ کہتا گھر سے نکل آیا تھا اس کی بات کتنی سچ تھی مجھے نہیں پتا لیکن میرا دل اس پر یقین نہیں کر رہا تھا جبکہ ذہن اس کو سچا کہہ رہا تھا اور میں ذہن کو جھٹکتے اپنا دھیان بٹانے کی کوشش کر رہا تھا خیر میرا سفر اب فیروز پور قبرستان کی طرف تھا جہاں اس بڑھیا سے مل کر مجھے تمام راز جاننا تھا اور اس کے بعد ناگ حویلی جانا تھا تاکہ سچ کو قریب سے دیکھ سکوں اور چند تصویر اپنے کیمرے میں قید کر لوں۔

کچھ دیر بعد میں فیروز پور قبرستان کے باہر کھڑا تھا یہاں تک پہنچنے میں دوپہر ہو گئی تھی سردیوں میں تو یوں بھی دن ذرا جلدی ڈھل جاتے ہیں پر مجھے نجانے کیوں اس وقت تیزی سے سرکتا محسوس ہو رہا تھا۔

شہر خموشاں میں انسان منوں مٹی کے اندر سکون سے سو رہے تھے ابھی اگر یہ مٹی ہٹانے کا حکم نازل ہو جاتا تو ہر طرف افراتفری مچ جانی تھی میں سوچ کر آگے بڑھ گیا۔ یہاں بہت پرانی پرانی قبریں تھیں اور کچھ زمین سے جا ملی تھیں، میں بہت دور تک آ گیا تھا اور مجھے بڑھیا کی جھونپڑی کہیں نظر نہیں آ رہی تھی اور کوئی تھا نہیں جس سے معلوم کرتا۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا اور مجھے ہر صورت اسے شام سے پہلے تلاش کرنا تھا۔

بالآخر کافی دور آنے پر وہ مجھے مل گئی تھی ایک خزاں رسیدہ پیڑ کے نیچے آنکھیں بند کیے بیٹھی تھی اس کا چہرہ جھریوں زدہ تھا جبکہ سر کے بال تقریباً سارے ہی سفید تھے انتہائی کمزور سی مگر بڑھے ہوئے پیٹ کے ساتھ وہ بیٹھی کچھ پراسرار سی لگ رہی تھی۔ اس نے سیاہ و سفید کاٹن کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ جبکہ سفید اور لال پھولوں والی شال اس کے کاندھوں پر تھی غالباً وہ ابھی نہا کر بیٹھی تھی۔ پیر اس کے چپلوں سے آزاد تھے۔ البتہ ٹخنوں پر سیاہ ریشمی دھاگہ بندھا تھا اور سوتے میں شاید شلوار ٹخنوں سے اوپر ہو گئی تھی۔ اس کا ہاتھ ایک پیٹ پر تو دوسرا ران پر رکھا ہوا تھا میں بے بغور

اس کا جائزہ لیا لیکن مخاطب کرنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی اور ویسے بھی مجھے اچھا نہیں لگ رہا تھا کہ میں انہیں نیند سے جگاؤں، میں بہت خاموشی سے ان کے پاس بیٹھ گیا۔

''کون؟'' میری موجودگی محسوس کر کے انہوں نے آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا تھا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''کون ہو تم۔''

''میں ایک صحافی ہوں اور مجھے آپ کی مدد چاہیے۔'' میری بات پر انہوں نے چندھیا آنکھوں سے بغور مجھے دیکھا تھا۔

''میری.....'' انہیں حیرت ہوئی۔ ''میں تمہاری کیا مدد کر سکتی ہوں۔''

''آپ ہی میری مدد کر سکتی ہیں۔'' میں نے زور دیتے ہوئے کہا۔ ''میں بہت دور سے آیا ہوں اور اب مایوس لوٹنا نہیں چاہتا اس لیے آپ میری مدد کرے۔''

''میں بڑھیا تمہاری کیا مدد کر سکتی ہوں۔ مجھے تو اب خود سہارے کی ضرورت رہتی ہے۔'' وہ کہہ کر ایک لکڑی کے سہارے اٹھیں میں نے بھی آگے بڑھ کر انہیں تھام لیا تھا وہ لکڑی کے سہارے جھونپڑی کی طرف بڑھ گئیں۔ دروازے کے پاس رک کر انہوں نے مجھے دیکھا تھا۔

''سردی اب بڑھ رہی ہے اندر آ جاؤ۔'' ان کی بات پر میں بھی ان کے پیچھے جھونپڑی کے اندر داخل ہو گیا تھا۔ جھونپڑی کے اندر مختصر سا سامان تھا ایک جانب مٹی کے تیل کا چولہا رکھا تھا اور چند برتن غالباً اس جگہ کو کچن بنایا گیا تھا اس سے زرا سے فاصلے پر ایک عدد چارپائی تھی اور اس سے آگے ایک ہی کرسی جس پر کپڑے پڑے تھے بڑھیا نے کپڑے اٹھا کر چارپائی پر رکھے اور مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا میں خاموشی سے بیٹھ گیا اور بڑھیا چولہے کے پاس جا بیٹھی تھی۔

''چائے پیو گے۔'' چولہا جلاتے ہوئے بڑھیا نے پوچھا۔

''جی۔'' میں نے کہا سردی کی وجہ سے چائے کی طلب ہو رہی تھی۔ جبکہ بھوک کا احساس نہیں تھا میں یونہی اِدھر اُدھر دیکھنے لگا کچھ بھی نہ ہوتے ہوئے نجانے کیوں ل اس جھونپڑی میں بہت کچھ محسوس ہو رہا تھا یوں جیسے اس میں دنیا کی ہر چیز ہو۔ چائے کے کپ میں چمچ کے ہلنے پر میں اس طرف متوجہ ہوا تھا اتنی جلدی چائے بن بھی گئی تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر اپنا اور بڑھیا کا کپ اٹھا لیا اور جب وہ چارپائی پر بیٹھ گئی تو کپ انہیں تھما دیا تھا۔

''اب بتاؤ کیا کام ہے مجھ سے۔'' چائے کا پہلا سپ لینے کے بعد وہ میری طرف دیکھتی ہوئی بولیں۔

''میں ناگ حویلی کے حوالے سے جاننا چاہتا ہوں۔''

میری بات پر بڑھیا کے چہرے کے تاثرات بدلے تھے ساتھ ہی اس نے غصہ سے مجھے دیکھا تھا اور اس سے پہلے کہ وہ مجھے یہاں سے جانے کا کہتیں میں فوراً بولا۔

''میں بہت دور سے آیا ہوں صرف اس ناگ حویلی کے راز کو جاننے کے لیے۔''

''جتنی دور سے آئے ہو اتنی ہی دور فوراً واپس چلے جاؤ یہ ہی تمہاری لیے بہتر ہے۔''

''میں واپس نہیں جانا چاہتا اس وقت تک جب تک کہ اس راز کو نہ پالوں۔'' میری بات پر بڑھیا استہزائیہ مسکرائی تھی۔

''اس راز کو بہت سے لوگوں نے جاننے کی کوشش کی اور موت کی نیند سو گئے تمہیں اگر زندگی پیاری ہے تو چلے جاؤ یہاں سے اس سے پہلے کہ رات ہو اور سب کچھ ختم ہو جائے۔'' اب اس کے چہرے پر غصہ کے ساتھ ساتھ خوف کے تاثرات بھی شامل تھے اس کے ہاتھ میں واضح لرزش دیکھی جا سکتی تھی۔

''مجھے زندگی بھی پیاری ہے اور میں وہ راز جاننا چاہتا ہوں اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ بہت کچھ اس حویلی کے حوالے سے جانتی ہیں۔'' میں نے فوراً کہا تو وہ مجھے بغور دیکھنے لگیں کچھ کھوجتا ہوا انداز تھا جیسے یہاں آنے کا اصل مقصد جاننا چاہتی ہوں۔

''کیا کرو گے حویلی کا راز جان کر۔'' کچھ دیر کی خاموشی کے بعد انہوں نے پوچھا تھا۔

''کچھ نہیں لیکن لوگ اسے ناگ حویلی کیوں کہتے ہیں یہ راز اب میں رہنے نہیں دوں گا۔'' نجانے کیسے یہ بات میں کہہ گیا تھا۔ میں خود نہیں سمجھ پایا تھا جبکہ اس بڑھیا کے چہرے کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔ یوں جیسے وہ یہ بات جانتی تھی میں پہلو بدل کر رہ گیا۔

''تم کچھ نہیں جان سکتے، کچھ بھی نہیں۔'' وہ ہنستی ہوئی بولیں۔

PakistaniPoint

''بہتر ہے یہاں سے فوراً چلے جاؤ جاؤ یہاں سے۔''

''نہیں ایسے تو میں نہیں جاؤں گا پہلے مجھے بتاؤ کہ آخر کیا سچ ہے۔'' میں بھی ضد پر آ گیا تھا اس لیے ڈھیٹ بن کے اپنی جگہ مزید جم کے بیٹھ گیا۔ بڑھیا نے تلملا کر چائے کا خالی کپ مجھے ضرب پہنچانے کے لیے اپنی پوری قوت سے میری طرف پھینکا تھا میں اس حملے کے لیے تیار نہیں تھا لیکن وہی بات جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے والی مثال اس وقت سامنے آئی تھی میرا سر خود بخود ذرا سا ہلا تھا اور نشانہ چوک گیا تھا اور کپ کچھ فاصلے پر زمین پر گر کر ٹوٹ گیا تھا میں نے ایک نظر بڑھیا کو دیکھنے کے بعد ٹوٹے ہوئے کپ کو دیکھا تھا۔

''ابھی تو بچ گئے ہو لیکن اگر اسے پتا چل گیا تو نہیں بچو گے۔'' وہ لمبے لمبے سانس لیتی ہوئی بولی تھیں۔

''تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ یہاں سے چلے جاؤ۔''

''مجھے بتا دو سب میں وعدہ کرتا ہوں یہاں سے لوٹ جاؤں گا۔''

''میں کچھ نہیں جانتی سوائے اس کے کہ جو بھی اس حویلی کے پاس گیا کبھی لوٹ کر نہیں آیا۔'' وہ شاید میری ضدی طبیعت کو سمجھ گئی تھیں اس لیے نرم پڑتے بولی تھیں۔

''یہ جھوٹ ہے مجھے پتا ہے کہ تم سچ جانتی ہو۔''

''اگر پتا ہے کہ میں سچ جانتی ہوں تو یہ سمجھ لو کہ میں مجبور ہوں تمہیں سچ نہیں بتا سکتی اس لیے چلے جاؤ یہاں سے۔'' وہ کہہ کر رخ موڑ کر بیٹھ گئیں یہ اس کی طرف سے واضح اشارہ تھا کہ اب میں یہاں سے جاؤں۔

''میں اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک مجھے سچائی نہیں بتاؤں گی۔'' میں کہہ کر کرسی پر ٹانگیں سیدھی کرتے آرام سے بیٹھ گیا وقت جیسے جیسے گزر رہا تھا اس کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ اسے بھی کہیں جانا تھا لیکن وہ مجھے یہاں سے بھیج کر ہی جا سکتی تھی اور مشکل یہ تھی کہ میں تمام سچائی جانے بغیر یہاں سے جانے والا نہیں تھا دوپہر اب شام میں ڈھل گئی تھی۔ اور پرندوں نے اپنے گھروں کی راہ لی تھی۔ سردی میں مزید اضافہ ہونے لگا تھا۔ مجھے بھی ٹھنڈ لگ رہی تھی اور نیند بھی آنے لگی تھی کیونکہ میں بالکل ہی پر سکون سے انداز میں بیٹھا صرف اس بڑھیا کو دیکھ رہا تھا جو میری طرف پیٹھ کیے بیٹھی تھی۔

''ٹھیک ہے میں تمہیں بتاتی ہوں لیکن تم وعدہ کرو کہ یہ راز تم اپنے تک رکھو گے کبھی کسی کو نہیں بتاؤ گے ورنہ میں مر جاؤں گی۔''

''میرا وعدہ ہے۔'' میں نے اس کو بغور دیکھا تھا اور یہ سوچ کر ہامی بھر لی کہ بڑھیا کے ویسے بھی آخری دن چل رہے ہیں اس کے مرتے ہی میں یہ خبر عام کر دوں گا۔

''تم وعدہ کر رہے ہو اور اپنے وعدے سے مکرنا مت۔'' اس نے بات بتانے سے پہلے ایک بار تصدیق چاہی تھی۔

''ہاں میرا وعدہ ہے اب بتاؤ کیا بات ہے۔'' میری بات پر وہ سوچتی نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔

''بے فکر رہو میں اپنے وعدے سے نہیں پھروں گا۔'' میں اب جلد سے جلد وہ بات جاننا چاہتا تھا اس لیے بوڑھیا کو اعتماد میں لینے کے لیے سنبھل کر بیٹھتا رازداری سے بولا تھا۔

''بھروسا رکھو مجھ پر۔''

''ٹھیک ہے۔'' وہ کہہ کر خاموش ہو گئی تھیں جیسے مناسب الفاظ ڈھونڈ رہی ہو، میں پوری توجہ سے اس کی طرف متوجہ تھا چند لمحوں بعد وہ بولی تھی۔

''میں اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہوں اور کافی منت و مرادوں کے بعد ان کے آنگن میں آئی تھی۔ میری ہر خواہش پوری کی گئی۔ میری زبان سے نکلی ہر بات کو پورا کرنا ان پر جیسے فرض تھا اکلوتی تھی اس لیے میں نے اس بات کا پورا فائدہ اٹھایا۔ گھر میں کسی چیز کی کمی نہیں تھی سب کچھ تھا دنیا کی ہر نعمت موجود تھی۔ اس کے باوجود میں بے جا ضد کرتی تھی۔ ناگ حویلی کبھی ہماری حویلی تھی۔'' وہ کہہ کر خاموش ہو گئیں۔ غالباً وہ اس منظر میں جا پہنچی تھی اور مجھ سے ان کی خاموشی برداشت نہیں ہو رہی تھی دل چاہ رہا تھا کہ وہ بولتی جائیں اور میں اس حویلی کی سچائی فوراً جان لوں اور اس سے پہلے کہ میں سوال کرتا وہ خود ہی بولنا شروع ہو گئیں۔

''ابا کاروباری آدمی تھے اور اس سلسلے میں شہر شہر ملک ملک گھومتے اور واپسی پر اپنے ساتھ میرے لیے بے تحاشا تحائف لے کر آتے تھے جو میں نے فرمائش کیے ہوتے تھے ان کے علاوہ وہ اپنی پسند کی بھی بہت سی چیزیں لاتے تھے میں سب دیکھ کر بہت خوش ہوتی تھی اور پھر اپنے ذہن میں

PakistaniPoint

اگلی بار کی چیزیں بھی ترتیب دے دیتی تھی۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب میں دس سال کی تھی۔ میرے ابا مصر جا رہے تھے پورے دو ماہ کے لیے اس سے پہلے ان کا سفر ہمیشہ دس سے پندرہ دن پر مشتمل رہا تھا ان کا جانا بہت ضروری تھا اور یہ بات میں جانتی تھی اپنی ضدی طبیعت کی بنا پر میں رونے لگی۔ میں چاہتی تھی کہ ابا نہ جائیں اور ہمیشہ وہ میری ضد مانتے آئے تھے پر اس بار مجبور تھے۔ مجھے اس بات پر غصہ آ گیا اور میں نے ان سے بات کرنا چھوڑ دی، ساتھ ہی کھانا پینا بھی ترک کر دیا میری یہ حرکت انہیں پریشان کر گئی تھی۔''

وہ سانس لینے کو رکی تھی اور اب کی بار خاموشی مجھ سے برداشت نہ ہوئی جب ہی بے صبری سے پوچھا تھا۔

''پھر۔'' وہ مجھے دیکھنے لگیں لیکن بجائے کچھ کہنے کے سلسلہ وہی سے جوڑا جہاں سے چھوڑا تھا۔

''ابا نے مجھے منانے کی بہت کوشش کی لیکن میں مان کے نہ دی تب انہوں نے کہا کہ جو میری بیٹی کو چاہیے وہ بتا دے میں وہ لا کر دوں گا چاہے کچھ بھی ہو جائے کو کہ میرے لیے یہ بہت نہیں تھا لیکن مجبوراً مان گئی تھی اس لیے اپنی فرمائش بھی کہہ دی کہ ایک ایسا کمبل چاہیے جس پر ناگ کی تصویر ہو اور وہ بالکل اصل لگتا ہو۔ میری فرمائش سن کر ابا حیران رہ گئے لیکن بولے کچھ نہیں اور سفر پر روانہ ہو گئے۔ ان کے چہرے پر پریشانی میں صاف پڑھ سکتی تھی مگر میں نے اپنی بات نہیں بدلی تھی اسی پر قائم رہی تھی اور پھر میری فرمائش کے مطابق ابا میرا تحفہ لے آئے تھے اور مجھے دیتے ہوئے تاکید کی تھی کہ میں اسے کبھی مکمل چاند کی روشنی میں نہ دیکھوں، میں بچی تھی بلا ابا کی بات کیونکر مانتی پہلے کبھی نہیں مانی تھی تو اب تو میری خواہش پوری ہونے کے بعد سب کچھ میرے اختیار میں تھا دو روز بعد ہی چودھویں کی رات تھی چاند اپنی پوری جوبن پر تھا اور میرے کمرے کی کھڑکی سے صاف نظر آ رہا تھا میں نے کمبل اٹھا کر چاند کی روشنی میں لے آئی اور ناگ کو دیکھنے لگی۔ اچانک ناگ کمبل سے نکل کر سامنے آ کھڑا ہوا۔ زندہ سانپ کو دیکھ کر خوف سے میری چیخ نکل گئی۔ چیخ اتنی بلند تھی کہ دوسرے کمرے میں سوئے ابا اٹھ کر آ گئے تھے اور مجھے خوفزدہ دیکھ کر غالباً ساری بات سمجھ گئے تھے۔ میں خوفزدہ نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ سانپ رینگتا ہوا ان کے پاس جا کر انسانی شکل میں آ گیا تھا اور میری طرف دیکھ کر غصہ سے بولا تھا۔ منع کیا تھا میں نے کہ یہ لڑکی کبھی میری اصلیت نہ جان پائے پر ایسا نہیں ہوا اب یہ تم دونوں کی سزا ہے کہ اس حویلی سے نکل جاؤ اور جب جب چاند کو گرہن لگے گا یہ میرے پاس آئے گی پر جب یہ پچاسی سال کی بڑھیا ہو جائے گی اور چاند کو گرہن لگے گا ہم ایک ہو جائیں گے اور یہ ناگن بن کر پھر سے جوان ہو جائے گی۔'' وہ سانس لینے کو رکی تھی اور اشارے سے مجھے پانی لانے کو کہا تھا میں نے فوراً مٹکے سے پانی کا گلاس بھر کر اسے دیا تھا۔

''آج میں پچاسی سال کی ہو گئی ہوں اور آج چاند کو گرہن بھی ہے اب سب ٹھیک ہو جائے گا میرے ابا مجھے سزا کے طور پر اس قبرستان میں لے آئے تھے یہ سزا بھی اس ناگ کی دی ہوئی تھی اب یہ سزا بھی ختم ہو جائے گی اور میں اپنے باپ کی حویلی میں رہ پاؤں گی۔'' اس نے پانی پینے کے بعد مسکرا کر کہا تھا۔ میرے اندر ابھی بھی شک تھا مجھے اس کی باتیں کچھ سچ اور کچھ جھوٹ لگ رہی تھیں کیونکہ راز ابھی پوری طرح کھل کر میرے سامنے نہیں آیا تھا یہ وہ باتیں تھیں جو میری آنکھوں سے پوشیدہ تھیں اصل راز سے پردہ حویلی جا کر اٹھنا تھا شام اب گہری ہونے لگی تھی اور حویلی کے لیے اگر ابھی نکلتا تو بھی تاخیر سے میں وہاں پہنچتا بڑھیا اب میرے جانے کی منتظر تھی میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''بہت شکریہ آپ کا اب میں چلتا ہوں۔'' میں کہہ کر اس سے رخصت لیتا جھونپڑی سے نکل آیا اور ایک قبر جو

جب اللہ تعالیٰ ہمیں امتحان میں ڈال کے محبوب چیز اور درست چیز کے چناؤ کا موقع دیتا ہے۔ تو اسکا مطلب ہوتا ہے کہ ہمارے اندر اچھائی کی رمق باقی ہے۔ ابھی سیدھا راستہ ہمارے قدموں سے مایوس نہیں ہوا۔ سیدھے راستے کی خود سے لگی یہ امید نہیں توڑنی چاہیے۔

ایک طرف سے رزق نہیں آئے گا۔ تو کسی دوسری طرف سے آ جائے گا۔ اتنا تو اچھائی کی طاقت پر بھروسہ رکھیں۔

حالم.....مصنفہ: نمرہ احمد

حوریہ بتول .....منڈی بہاوالدین

Pakistanipoint

قدرے دوسری قبروں سے اونچی تھی کہ پیچھے چھپ کر اس کا انتظار کرنے لگا تاکہ اس کا پیچھا کرتا میں حویلی تک پہنچ سکوں، وہ تھوڑی دیر بعد جھونپڑی سے نکلی تھی اور ایک طرف چل دی تھی میں نے دیکھا کہ اس کے پیچھے ایک کالی بلی بھی چل رہی ہے۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی تھی کیونکہ اس کی جھونپڑی میں مجھے یہ کالی بلی کہیں نظر نہیں آئی تھی اب یہ کہاں سے آ گئی تھی یہ بھی ایک راز تھا جو غالباً حویلی جا کر کھلتا، میں اس کے پیچھے چلنے لگا، بہت خاموشی سے اور خود کو چھپا کر میں اس کے قدم بہ قدم رکھتا بالآخر حویلی کے قریب پہنچ گیا تھا رات چھا گئی تھی اور ہر سو خاموشی تھی حویلی کا سفید گنبد دور سے ہی چمکتا نظر آ رہا تھا سردی کی شدت میں بھی اضافہ ہو گیا تھا اور میں اپنی منزل کے بہت قریب تھا۔

اب سارے رازوں سے پردہ اٹھنے جا رہا تھا۔

اس بڑھیا نے حویلی کے بڑے گیٹ کے پاس رک کر اِدھر اُدھر دیکھا تھا پھر پہلے بلی آگے بڑھی اس کے بعد وہ بڑھیا اس کے پیچھے چلنے لگی تھی۔ میں ایک درخت کے پیچھے چھپ کر یہ سب دیکھ رہا تھا۔ بڑھیا اب حویلی کے دروازے پر رکی تھی اور تھوڑی دیر میں اس کے لیے دروازہ کھل گیا تھا وہ اندر چلی گئی تھی اب مجھے بھی حویلی کے اندر جانا تھا میں نے حویلی کو دیکھا اوپر کے کمرے میں اندھیرا تھا اور کھڑکی کھلی ہوئی تھی لیکن اوپر جانے کا مسئلہ تھا میں گیٹ سے اندر آ گیا اور اوپر جانے کے لیے ذریعہ تلاش کرنے لگا میں یہ بھی جانتا تھا کہ اگر مجھے ناگ نے دیکھ لیا تو میری موت واقع ہو سکتی ہے اور مجھے یہاں سے کوئی لے جانے والا بھی نہیں ہے۔

دل میں یہ خوف بہت شدت سے تھا پر ایک تجسس بھی تھا کہ دیکھوں تو سہی کہ کیا سچ ہے اور کیا جھوٹ، اسی سوچ کے تحت میں حویلی کے چاروں طرف گھوم رہا تھا کہ کسی طرح اندر جانے کا راستہ مل جائے پر مجھے کچھ نہیں ملا۔ میں غصہ اور جھنجلاہٹ سے حویلی کے باغ میں آ گیا اور زمین پر کچھ تلاش کر ہی رہا تھا کہ میرا پاؤں کسی چیز سے ٹکرایا تھا۔ مجھے ایسا لگا جیسے سانپ ہو خوف سے میری سانس روک گئی اور آنکھیں پھٹ گئی تھیں، میں نے ڈرتے ڈرتے جیب سے موبائل نکال کر ٹارچ جلایا تھا اور رسی دیکھ کر میری سانس بحال ہوئی تھی۔

میں نے فوراً رسی اٹھائی اور اس کمرے کی طرف بڑھا جس کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی رسی کو کھڑکی میں اٹکانے کے لیے اس میں کنڈا پہلے سے لگا ہوا تھا۔ اس وقت دل میں یہ خیال نہیں آیا کہ یہ کنڈا کسی نے اس مقصد کے لیے ابھی لگایا ہو، میں نے یہ کنڈا کھڑکی کی طرف اچھالا اور اس کے پھنستے ہی میں نے رسی کو کھینچ کر کنڈے کی مضبوطی کا اندازہ کیا اور رسی پر چڑھ کر کمرے میں آ گیا۔ کمرے میں اندھیرا تھا اس لیے میں نے موبائل نکال کر ٹارچ سے روشنی کی اور کمرے کا جائزہ لیا یہ چھوٹا سا اسٹور روم تھا جہاں صرف کاڑ کباڑ رکھا ہوا تھا۔ میں تیزی سے دروزے کی طرف بڑھا اور فوراً دروازہ کھول کر باہر نکلنا چاہا تھا کہ میری سماعت سے آواز ٹکرائی تھی۔

''پچاسی سال مبارک ہو انجلی۔'' نجانے کون کس سے کہہ رہا تھا پر میں صرف آواز سن کر اپنی جگہ ٹھہر گیا تھا۔ کمرے کے سامنے نیچے جانے کا راستہ تھا اور آواز نیچے سے آ رہی تھی میں خاموشی سے آگے بڑھا اور چند سیڑھی اتر کر نیچے کا منظر دیکھنے لگا جواب مجھے واضح نظر آ رہا تھا۔

''نہیں بھی۔'' یہ وہی بڑھیا تھی قبرستان والی پر اس کے سامنے کھڑے شخص سے میں بالکل انجان تھا۔

''اب تم صرف میری رہو گی۔'' اس نے کہہ کر بوڑھیا کو اپنی بانہوں میں لیا تھا اور اس پر روپ آنے لگا تھا۔ بالکل وہی روپ جو ہوٹل میں لڑکی مجھے ملی تھی میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں، اس کے سفید بال بھی سونے جیسے سنہرے ہو گئے تھے وہ اب کہیں سے بھی بڑھیا نہیں رہی تھی۔ اس شخص نے اسے سراہا تھا۔

''بہت خوب پر یہ لباس تمہارے لیے نہیں ہے۔'' اس نے کہہ کر اس کے جسم پر ہاتھ پھیرا تھا اور اس کے جسم سے لباس زمین پر گر کر خاک ہو گیا تھا وہ اس کا طواف کرتا اسے بغور دیکھ رہا تھا کہ اچانک بلی نے اس کے پیروں پر آ کر بولنا شروع کر دیا تھا اور وہ اس کی میاؤں میاؤں پر متوجہ ہو گیا تھا۔

''تم نے میرے ساتھ دھوکہ کیا ہے تم دھوکہ باز ہو۔'' وہ غصہ سے چیخا تھا۔

''میں کیسے بھول گیا کہ جس لڑکی نے اپنے باپ کی بات نہیں مانی تھی وہ میری بات کیسے مان سکتی ہے تم نے جرم کیا ہے۔'' وہ غصہ سے پاگل ہو رہا تھا اور پھر میں نے دیکھا کہ وہ

انسان سے سانپ کے روپ میں آ گیا تھا اور اس بڑھیا جواب ایک حسین لڑکی کی شکل اختیار کر گئی تھی اس کے جسم پر لپٹنے لگا تھا۔ وہ تکلیف سے چیخ رہی تھی مگر اس کی چیخ و پکار سننے کے لیے وہاں میرے سواء کوئی نہ تھا اور میں چاہ کر بھی اس کی مدد نہیں کر سکتا تھا کیونکہ میری اپنی جان کو خطرہ تھا۔

میں نے فوراً واپسی کے لیے قدم موڑ لیے اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ کھڑکی میں اب رسی نہیں تھی اور ساری بات میری سمجھ میں آنے لگی تھی کہ رسی صرف مجھے پھنسانے کے لیے وہاں رکھی تھی لیکن مجھے یہاں سے کسی بھی صورت نکلنا تھا میں نے کھڑکی سے نیچی زمین پر چھلانگ لگائی اور بڑے گیٹ کی طرف دوڑ لگا دی۔ اس لڑکی کی چیخ کی آواز مسلسل مجھ تک آ رہی تھی۔ پر مجھے اپنی جان پیاری تھی اس لیے میں پوری قوت سے بھاگ رہا تھا۔ جس راستے سے آیا تھا اسی راستے بھاگتے میں قبرستان آیا تھا اور یہاں آ کر ایسا لگا جیسے ہر قبر کھل گئی ہو اور مردے باہر آ گئے ہوں مجھ پر خوف طاری ہو گیا۔ بلی کی میاؤں میاؤں کی آواز بھی میرے خوف میں اضافہ کر رہی تھی۔ میں بھاگتے ہوئے بہت دور آ گیا تھا پر ڈر کسی صورت کم نہیں ہو رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے میرے پیچھے کفن پہنے بہت سے مردے ہوں اور ان کے ساتھ سانپ بھی مجھ تک پہنچنا چاہتا ہو۔ تیز بارش برسنے لگی تھی اور بجلی بادل کی گڑگڑاہٹ میرے خوف میں اضافہ کر رہے تھے اچانک میں کسی چیز سے ٹکرا کر زمین پر گرا تھا اور اس کے بعد مجھے کچھ ہوش نہیں رہا تھا۔

.....☆☆.....

ہوش آیا تو میں اپنے دوست کے گھر تھا اس نے مجھے بتایا کہ میں دو دن سے بے ہوش تھا اور بے ہوشی میں بلی اور لڑکی کو بچاؤ بچاؤ کی باتیں کرتا رہا تھا۔

''میں یہاں کیسے آیا۔'' میں نے اس کی ہر بات کو نظر انداز کر کے پوچھا تھا۔

''اتفاق ایسا تھا کہ جس رات تم مجھے جہاں بے ہوش ملے میں وہاں اپنے دوست کے ساتھ کھڑا تھا تمہیں بھاگتا ہوا آتے دیکھ کر ہم تمہاری طرف بڑھے تھے لیکن تم زمین پر گر کر بے ہوش ہو گئے ہم تمہاری طرف بڑھے اور تمہیں اٹھا کر یہاں لے آئے لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔'' اس نے بات بتا کر آخری بات پر نا سمجھی کے سے انداز پر میری طرف دیکھا تھا۔

''جس وقت تم زمین پر گرے تھے اس وقت تمہارے قریب ایک بلی بھی تھی لیکن ہمارے قریب آتے ہی وہ غائب ہو گئی کہاں گئی کچھ معلوم نہیں۔'' اس کی بات سے مجھے سب کچھ یاد آنے لگا تھا کہ میرے ساتھ کیا ہوا تھا اور وہ بلی بھی۔ مجھے خوف سا آنے لگا تھا لیکن میں فی الحال اسے کچھ بھی بتانے سے قاصر تھا اور وہ بھی شاید میری حالت سے جان گیا تھا اس لیے مجھے آرام کا کہتا خود کمرے سے نکل گیا تھا۔

میں اس حوالے سے بہت الجھا کہ جب میں تمام راز جان گیا تھا تو میں نے اسے اپنے پاس تصویر کی صورت محفوظ نہیں کیا۔ کیوں میں ڈر کر خالی ہاتھ واپس آ گیا لیکن اب میں دوبارہ وہاں جانا نہیں چاہتا تھا کیونکہ ایک تو سانپ بھی اب میری راہ دیکھتا ہوگا اور پھر میں خوفزدہ بھی بہت ہو گیا تھا دو روز دوست کے گھر رکنے کے بعد میں واپس رحیم یار خان آیا تھا میرا ارادہ اسی ہوٹل میں ٹھہرنے کا تھا لیکن اب وہاں ہوٹل نہیں تھا میں نے آس پاس کے لوگوں کے ہوٹل کے حوالے سے پوچھا تو لوگ مجھے ایسے دیکھنے لگے جیسے میری دماغی حالت پر شبہ ہو، ہوٹل کی جگہ خالی پلاٹ تھا اور اس کا مالک ملک سے باہر تھا۔ مجھے اس بات پر یقین نہیں آ رہا تھا اور نہ ہی اپنی آنکھوں پر جو خالی پلاٹ کا منظر دیکھ رہی تھیں۔ رات ہو گئی تھی اور اب مجھے اسٹیشن پہنچنا تھا تاکہ واپسی کی گاڑی پکڑ سکوں، میں نے رکشہ کیا اور اسٹیشن پہنچ گیا۔ آج کل ٹرینوں میں رش نہیں تھا اس لیے ٹکٹ آرام سے مل گئی تھی اور ٹرین بھی وقت پر آئی تھی میں ٹرین میں سوار ہوا اور اپنی سیٹ پر بیٹھ کر باہر دیکھنے لگا۔ اسٹیشن چھوٹا تھا اور پانچ منٹ بعد ٹرین نے اسٹیشن چھوڑنا شروع کیا کہ اچانک میری نظر اس بچے پر پڑی تھی جو ہوٹل میں مجھے نظر آیا تھا وہ بچہ مجھے دیکھ رہا تھا اس کے ہونٹوں پر پراسراری مسکراہٹ آ کر ٹھہر گئی تھی۔

ڈیپ فریزر

نشاء وقار

اس کا خیال تھا کہ محبت میں اگر توحید کی جگہ شرک لے لے تو محبت ناپاک ہوجاتی ہے چنانچہ اس نے اپنی محبت کو شرک سے بچانے کے لیے ایک انوکھا منصوبہ بنایا اور اس پر عمل بھی کرلیا۔

اپنے شوہر سے دیوانگی کی حد تک عشق کرنے والی بیوی کا فسانہ

اخبار میں چھپنے والی بابر اور الوینہ کی پراسرار موت لوگوں کے لیے ایک معمہ بن گئی تھی کچھ اسے حادثاتی موت سمجھ رہے تھے تو کسی کا کہنا تھا کہ یہ خودکشی ہے تو کسی کے خیال میں یہ ایک قتل تھا۔

''بابر! مجھے آپ سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔'' الوینہ نے موبائل میں کم شوہر سے کہا۔

لیکن بابر حسب معمول آفس سے آنے کے بعد موبائل میں ایسے کھو سے جاتے تھے جیسے الوینہ نہیں موبائل ان کی شریک حیات ہو۔ اس وقت بھی الوینہ کی آواز پر صرف ہوں کہنے پر اکتفا کیا۔

''پہلے آپ میری سوتن کو اپنے آپ سے پرے کریں مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔'' الوینہ نے چڑ کر کہا۔ الوینہ کا غصے میں موبائل کو سوتن کہنے پر بابر بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

''اچھا بابا یہ لو رکھ دیا سائیڈ میں اب بولو کیا بات کرنی ہے۔'' بابر نے موبائل چارجنگ پر لگایا اور پوری طرح الوینہ کی طرف متوجہ ہوگئے۔

''آپ کو پتا ہے نا ہمارے پڑوس میں نئے لوگ شفٹ ہوئے ہیں۔ ان کی بیگم ہوم میڈ فوڈز کا کام کرتی ہیں آج وہ ہمارے گھر آئی تھیں ایسے ہی پڑوسیوں سے میل جول بڑھانے کی غرض سے میں نے ان کے آگے چائے کے ساتھ اپنے ہاتھ کے بنے ہوئے آلو کے کٹلس اور چیز رول رکھے تھے ساتھ میں سموسے اور چکن لولی پاپ بھی فرائی کردیئے تھے۔ جب انھوں نے یہ چیزیں کھائی تو انگلیاں چاٹتی رہ گئیں۔'' الوینہ نے فخریہ انداز میں بابر کو بتایا۔

''اچھا سنیں تو وہ کہہ رہی تھی کہ تم سارا دن گھر میں فارغ ہوتی ہو تو آن لائن ہوم میڈ فوڈز کا کام کیوں نہیں کر لیتیں۔'' اس سے پہلے بابر اس کی اس فضول خرچی پر اس کی کلاس لیتے الوینہ نے جلدی سے اپنی بات مکمل کی۔

الوینہ اور بابر کی محبت کی شادی تھی۔ دونوں ایک ہی آفس میں جاب کرتے تھے۔ شادی کے بعد بابر نے الوینہ کی جاب چھڑوادی تھی کیونکہ بابر کو گھر کی خواتین کا بلاضرورت گھر سے باہر نکلنا پسند نہیں تھا۔ الوینہ نے تو بابر سے عشق کیا تھا۔ بابر کے منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ اس کے لئے حکم کا درجہ رکھتا تھا۔ الوینہ نے بھی جاب چھوڑ کر گھر کے کاموں میں اپنے آپ کو مصروف کرلیا۔ بابر کے ماں باپ حیات نہیں تھے۔ ایک چھوٹی بہن تھی۔ جس کی شادی بابر نے اپنی شادی سے پہلے ہی کردی تھی۔ یوں گھر میں الوینہ سارا دن اکیلی ہوتی تھی جب شادی کو پانچ سال گزر گئے اور اولاد نہ ہوئی تو الوینہ کے بے حد اصرار پر بابر اور الوینہ نے شہر کے مشہور کلینک میں اپنا چیک اپ کروایا۔ رپورٹ کے مطابق دونوں مکمل فٹ تھے بس اللہ کے حکم کی دیر تھی جب اللہ کن فرمادے گا تو ان کا آنگن ننھی منی قلقاریوں سے گونج اٹھے گا۔

بابر نے پرسوچ نظروں سے الوینہ کو دیکھا۔

پڑوسن کی بات کچھ غلط بھی نہیں تھی شادی سے پہلے جس الوینہ کو چائے بنانا بھی نہیں آتی تھی آج وہ اتنے مزے کے کھانے بناتی تھی کہ لوگ انگلیاں چاٹتے رہ جاتے تھے اور اس میں سارا کمال بابر کی خوش خوراکی کا تھا۔

''ٹھیک اگر تم کرنا چاہتی ہو تو کرلو لیکن اپنے آپ کو

PakistaniPoint

زیادہ تھکا نا مت۔'' بابر نے الوینہ کو اجازت دیتے ہوئے کہا۔

''تھینک گاڈ' آپ راضی ہو گئے۔ کل اتوار ہے میں آپ کو لسٹ بنا کر دے دوں گی آپ مجھے کل ضروری سامان لا کر دے دیجیے گا۔'' الوینہ نے خوشی سے لبریز لہجے میں کہا۔

الوینہ کے ہوم میڈ فوڈز کے کاروبار میں پڑوسن خاتون جن کا نام صاعقہ تھا انھوں نے بھرپور ساتھ دیا دیکھتے ہی دیکھتے الوینہ کے بنائے گھر کے کھانے لوگوں کو پسند آنے لگے جس کی وجہ سے الوینہ کو زیادہ سے زیادہ آرڈر ملنے لگ گئے۔ ہوم ڈلیوری کی ذمہ داری صاعقہ نے اپنے چھوٹے بیٹے کو دے دی جو میٹرک کا طالب علم تھا یوں گھر بیٹھے نہ صرف الوینہ کی آمدنی میں اضافہ ہو گیا۔

وہ اتنا زیادہ مصروف رہنے لگی تھی کہ اب اسے بابر کا آفس سے دیر سے آنا یا ہر وقت بابر کا موبائل میں گم رہنا۔ مہینے دو مہینے میں لازمی ایک ہفتے کے لئے کام کے سلسلے میں شہر سے باہر جانا۔ غصہ نہیں دلاتا تھا بلکہ اب وہ خود ہر وقت موبائل میں لگی رہتی تھی کبھی اپنی پروڈکٹ کی پبلسٹی کے لئے تو کبھی کلائنٹ سے بات چیت میں۔

''بابر مجھے فل سائز کا ڈیپ فریزر چاہیے میرا کام بہت زیادہ بڑھ گیا ہے اب اس فریج میں گزارا نہیں ہوتا۔''

بابر جو ابھی آفس سے آ گئے تھے پھر کہیں جانے کے لئے تیار ہو رہے تھے الوینہ کی بات کو نظر انداز کر کے اپنے آپ کو ہر ہر زاویے سے دیکھنے لگے پتا نہیں آج انھیں ایسا کہاں جانا تھا جو وہ اپنی تیاری سے مطمئن ہی نہیں ہو رہے تھے۔

''کچھ کہہ رہی تھیں تم کیا.....؟'' الوینہ کو اپنی جانب متوجہ دیکھ کر بابر نے کہا۔

''یہ آپ ہر ویک اینڈ پر اتنا بن سنور کے کہاں نکل جاتے ہیں۔'' بابر کی تیاری پر الوینہ نے خالص شکی مزاج بیویوں والے انداز میں بابر کو گھورا۔

''تم شک کر رہی ہو مجھ پر.....؟'' الوینہ کے انداز پر بابر نے ڈرنے کی اداکاری کی۔

''ہاہا..... ہاہا.....'' بابر کے مصنوعی ڈر پر الوینہ بے ساختہ ہنس دی۔

''میں آپ پر شک کروں گی؟ مذاق کر رہی تھی۔ بابر میں نے آپ سے محبت نہیں عشق کیا ہے آپ پر اندھا اعتبار ہے مجھے میں آپ پر کبھی شک کر ہی نہیں سکتی۔'' الوینہ نے جذبات سے چور لہجے میں بابر سے کہا۔

''ویسے تو میں ابھی دوستوں کی گیدرنگ میں جا رہا تھا

PakistaniPoint

کیونکہ بیگم صاحبہ کے پاس تو ہمارے لئے وقت ہے ہی نہیں۔'' بابر نے الوینہ سے شکوہ کیا۔

''لیکن اب آپ کہیں نہیں جارہے یہ ویک اینڈ ہم ساتھ گزاریں گے جیسے پہلے گزارتے تھے۔ میں بس پانچ منٹ میں تیار ہو کر آتی ہوں۔'' بابر کے شکوہ کرنے پر الوینہ نے کہا۔

''بابر آج ویک اینڈ ہے آج اور کل میرے پاس بہت سارے آرڈرز ہیں آپ ایسا کریں مجھے پہلے فل سائز کا ڈیپ فریزر دلادیں اور واپسی میں ہم اپنی پسندیدہ منکا آئس کریم کھائیں گے گھر آکر میں آپ کو اپنے ہاتھ کا بنا ہوا مزیدار بیف قورمہ کھلاؤں گی آپ کو پسند ہے نا بہت۔'' الوینہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور جلدی سے عبایا پہن کر سر پر سلیقے سے اسکارف سیٹ کرنے لگی۔

شہر کے مرکز میں لائنز سے بڑے بڑے الیکٹرونک آئٹم کی دکانیں تھیں جہاں دنیا جہان کے الیکٹرونک آئٹم موجود تھے انھی میں سے ایک دوکان پر ڈسپلے پر رکھا ہوا بڑا سا ڈیپ فریزر الوینہ کو پسند آگیا تو بابر دکاندار سے بھاؤ تاؤ کرنے لگ گئے۔

تھوڑی دیر بحث ومباحثہ کے بعد بابر نے ڈیپ فریزر کی پے منٹ کی اور گھر کے لئے روانہ ہوگئے۔

''آپ جب تک ڈیپ فریزر آن کریں میں کھانا لے کر آتی ہوں دکاندار نے کہا تھا سامان رکھنے سے پہلے اسے دو گھنٹے خالی چلانا۔''

گھر آکر الوینہ نے جلدی سے عبایا اتارا اور کچن کا رخ کیا کل ایک بہت بڑی دعوت کا آرڈر تھا اس کے پاس اس لئے وہ جلدی سے کچن میں کھانا لینے کے لئے چلی گئی کھانا کھانے کے بعد اسے کل کے آرڈر کی تیاری بھی کرنی تھی۔

''معاف کردو یار بتایا تو ہے تمہیں آج نہ آنے کی وجہ الوینہ کو شک نہ ہو اسی لئے آج کا سارا دن اس کے ساتھ برباد کیا ہے۔ ارے یار ڈرتا ورتا نہیں ہوں میں اس سے میرے سوا اس کا کوئی نہیں ہے اس لئے انسانیت کے ناتے اسے خوش رکھنے کی کوشش کرتا ہوں۔''

بات انسانیت کی نہیں الوینہ کو اکلوتی اولاد ہونے کی وجہ سے وراثت میں ملنے والی اس رقم کی تھی جو الوینہ کے والدین کے انتقال کے بعد اس کے اکاؤنٹ میں منتقل ہوگئی تھی جس سے بابر وقتاً فوقتاً مستفید ہوتے رہتے تھے۔

''ورنہ تم جانتی تو ہو بابر نے محبت صرف ماہ جبیں سے کی ہے۔'' بابر نے عاشقانہ لہجے میں ماہ جبیں سے کہا۔

''اچھا بابا کہا نا سوری چلو ٹھیک ہے جو حکم سرکار کا۔ اگلے ہفتے کو ہم روانہ ہوجائیں گے سوات کے لئے اب تو خوش ہوجاؤ اللہ حافظ کل ملتے ہیں آفس میں۔''

بابر کو کمرے کے دروازے پر کھٹکا محسوس ہوا تو اس نے جلدی سے کال ڈسکنیکٹ کی اور کمرے سے باہر آگیا لیکن باہر کوئی نہیں تھا۔

''بابر دو گھنٹے ہوگئے ہیں نا..... اب میں فریزر میں سامان رکھ دوں..... اب تو کافی ٹھنڈا ہوگیا ہوگا؟''

بابر نے کچن میں جھانکا جہاں الوینہ فریزر کا دروازہ کھولے فریج کے اندر جھکی ہوئی تھی بابر کی آہٹ پر اس نے پلٹے بغیر بابر سے استفسار کیا۔

''کیا یار ہر چھوٹی چھوٹی بات مجھ سے پوچھتی ہو۔ اگر تمہیں لگتا ہے کہ ٹھنڈا ہوگیا ہے تو رکھ دو سامان کبھی تو اپنا دماغ استعمال کرلیا کرو۔'' بابر نے قدرے روکھے لہجے میں الوینہ سے کہا۔

وہ ماہ جبیں سے بات کرنے کے بعد ابھی تک اس کی آواز کے سحر میں گرفتار تھا شاید یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے لہجے کو روکھے پن سے نہ بچا پایا۔

''آپ کو بھوک لگی ہوگی نا آپ بیٹھے ٹیبل پر میں بس لگاتی ہوں کھانا۔'' سادہ لوح الوینہ بھی کہ شاید کھانا ٹائم پر نہ ملنے کی وجہ سے بابر کا موڈ خراب ہو رہا ہے۔

''یہ لیں جناب گرما گرم کھانا حاضر ہے اور ہمیشہ کی طرح ہر چیز آپ کی پسند کی بنی ہوئی ہے۔''

الوینہ نے ٹیبل پر کھانا لگاتے ہوئے ماحول کو نارمل بنانے کی کوشش کی۔ بابر بھی اپنے آپ کو کافی حد تک کمپوز کرچکے تھے۔

''واقعی یار بہت ہی مزے کا کھانا ہے میرا تو پیٹ فل ہوگیا پر دل نہیں بھر رہا لیکن مجھے بہت شدید نیند آرہی ہے لگتا ہے کچھ زیادہ ہی پیٹ بھر گیا ہے میں تو چلا سونے کے لئے۔'' بابر نے ہاتھ سے جمائی روکتے ہوئے سستی سے کہا اور اٹھ کر جانے لگے۔

''ارے ارے اتنی جلدی کس بات کی ہے۔ روکیں تو

میں نے آپ کی پسندیدہ ربڑی کھیر بنائی ہے اسے تو کھالیں۔" الوینہ نے بابر کا ہاتھ پکڑ کر دوبارہ ٹیبل پر بیٹھا دیا۔

"نہیں یار بس اب صرف سوؤں گا۔" بابر نے الوینہ کو دیکھا اور دوبارہ کرسی کھسکا کر کھڑے ہو گئے۔

"اچھا ٹھیک ہیں نہیں کھائیں بس تھوڑا سا چک لیں۔ میں نے بہت محبت سے آپ کے لئے بنائی ہے۔ چلیں میرے ساتھ ڈیپ فریزر تک بس وہیں سے تھوڑا سا چک کر بیڈ روم میں چلے جایئے گا سونے کے لئے۔" الوینہ نے بابر کو کندھے سے تھام کر اس کا رخ کچن کی طرف کر دیا اور انھیں پکڑ کر ڈیپ فریزر تک لے آئی۔

بابر لڑکھڑاتے قدموں سے بمشکل کچن تک پہنچے اور نیند سے بوجھل آنکھوں کو پوری قوت سے کھولنے کی کوشش کی اور ڈیپ فریزر کا دروازہ کھول کر اس کے اندر کھیر کے پیالے کو دیکھنے لگے۔

"کہاں ہے یار یہ تو خالی پڑا ہے۔" بابر نے خالی ڈیپ فریزر کو دیکھ کر الوینہ سے کہا۔

"تھوڑا سا اور جھکیں بابر بالکل کونے میں رکھا ہے کھیر کا باؤل۔" جیسے ہی بابر مزید جھکے کھیر کا باؤل دیکھنے کے لئے بس اسی پل دھان پان سی الوینہ میں جانے کہاں سے اتنی طاقت آ گئی کہ اس نے پوری قوت سے بابر کے سر پر ایک کاری ضرب لگائی جس سے بابر بے ہوش ہو کر ڈیپ فریزر میں گر کر بے ہوش ہو گیا۔ اسی اثناء میں الوینہ نے جھٹ سے فریزر کا دروازہ لاک کر دیا۔

بابر جو پہلے ہی نیم بے ہوشی کی حالت میں تھے اس لئے کچھ خاص مزاحمت نہ کر سکے الوینہ نے کانپتی ٹانگوں سے بمشکل ڈیپ فریزر کا سہارا لیا اور ایک لمبی سانس لبوں سے خارج کی اور خود میکانکی انداز میں چلتی ہوئی تیار ہونے کے لئے بیڈ روم میں چلی گئی۔ اس نے تیاری میں اچھا خاصا وقت لگایا جیسے اسے اس بات کا انتظار ہو کہ بابر ڈیپ فریزر میں ابھی تک بے ہوش ہی ہوگا۔

سجنا ہے مجھے اپنے پیا کے لئے
جانا ہے مجھے اپنے پیا کے سنگ

آئینے کے سامنے بیٹھ کر الوینہ زیر لب گنگناتی جا رہی تھی اور تیار ہو رہی تھی آج اس نے وہ ڈریس پہنا تھا جو بابر نے الوینہ کو شادی کی پہلی سالگرہ پر گفٹ کیا تھا۔ الوینہ نے اپنا عکس آئینے میں دیکھ کر اپنی تیاری کو فائنل ٹچ دیا اور اٹھ کر کچن میں آ گئی۔

"دیکھیے بابر میں آپ کے لائے ہوئے اس ڈریس میں کتنی خوبصورت لگ رہی ہوں ماہ جبیں سے بھی کہیں زیادہ۔" الوینہ نے ڈیپ فریزر کا دروازہ کھولا اور اس میں اکڑے ہوئے بابر کو دیکھ کر جھک کر اس سے باتیں کرنے لگ گئی۔ بابر کے سر پر لگنے والی ضرب شدید تھی جس نے اس کی جان لے لی تھی۔

الوینہ اس وقت اپنے حواسوں میں نہیں تھی بابر اور ماہ جبیں کے قصے اسے آفس کے کافی لوگوں نے سنائے تھے لیکن اسے کسی کی بات کا یقین نہ تھا آج بابر اور ماہ جبیں کے درمیان ہونے والی گفتگو سے نہ صرف اس کی ذات کی نفی ہوئی تھی بلکہ اس کے اندھے اعتبار کو بھی جھٹکا لگا تھا اتنی اونچائی سے گرنے کے بعد وہ بھلا کیسے اپنے حواسوں میں رہ سکتی تھی۔

"بابر بہت چاہا ہے میں نے آپ کو میری دنیا تھے آپ میری زندگی کا ہر دکھ سکھ صرف آپ سے وابستہ تھا میں نے اپنے آپ کو صرف آپ تک محدود کر دیا تھا میں نے آپ کو اپنی دنیا بنایا اور آپ نے میری دنیا ہی اندھیر کر دی محبت میں اگر تو حید کی جگہ شرک لے لے تو محبت ناپاک ہو جاتی ہے میری پاکیزہ محبت کو ماہ جبیں کی غلاظت سے بدبودار کر کے آپ نے میری اور میری محبت کی توہین کی ہے محبت میں اگر ایک فریق بے وفائی کر جائے نا تو محبت مر جاتی ہے لیکن میری محبت نہیں مرے گی میں نے آج اپنی محبت کو امر کر لیا۔"

الوینہ یہ کہتے ہوئے ہاتھ میں پکڑے مشروب کو گھونٹ گھونٹ اپنے اندر اتارنے لگی۔

"اب آپ صرف میرے ہیں۔ وعدہ کیا تھا نا آپ سے ساتھ جینے مرنے کا اپنے سارے وعدوں کی طرح میں نے آج یہ وعدہ بھی وفا کر دیا۔" یہ کہتے ہوئے الوینہ اپنے چکراتے سر کو پکڑ کر ڈیپ فریزر کے پاس بیٹھتی چلی گئی۔

PakistaniPoint

ہمزاد

سیدہ صائمہ کاظمی

آپ نے کچھ قبل پنجاب کے ایک گائوں میں مقیم ایک آدم خور خاندان کی خبریں پڑھی ہوں گی۔ یہ واقعہ کوئی نیا نہیں دنیا میں سیکڑوں لوگ آدم خوری میں مبتلا ہیں اور اپنے جیسے انسانوں کا گوشت رغبت سے کھاتے ہیں۔ ایسے ہی ایک گورکن کی داستان جو قبرستان میں لاشوں کی بے حرمتی کرتا تھا۔

ایک روز اس کا سامنا خون پینے والے انسان سے ہوگیا

22 دسمبر 1942ء

رات تاریک اور سرد تھی۔ دھند نے شہر خموشاں کو لپیٹے میں لے رکھا تھا۔ وقت کی سوئیاں نصف سے تجاوز کر چکی تھیں۔ ایسے میں دور دور تک کوئی آواز نہیں تھی۔ ماسوائے گورکن کی کدال کے۔

دور کہیں کسی گیدڑ کی آواز نے ماحول کی نحوست میں اضافہ کیا تھا۔ تب ہی گورکن نے لمحہ بھر رک کر اپنی سانس بحال کی تھی اور دھواں چھوڑتی ہوئی اس کی سانس جیسے دھند میں جم گئی تھی۔

''سسری کو آج ہی مرنا تھا۔'' گورکن نے زیر لب بھڑاس نکالی اور جسم پر اڑ جانے والی مٹی کو جھاڑا۔ چند گہری سانسیں لینے کے بعد وہ دوبارہ اپنے کام میں مشغول ہو چکا تھا۔

❖❖❖❖

کچی سڑک پر دور تک دھند کے مرغولوں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ لیکن اس کے سخت بوٹوں کی آواز راستے میں آنے والے سنگریزوں اور کنکروں سے نبرد آزما تھی۔

اسے مانگرو وشام کو ہی پہنچ جانا چاہیے تھا۔ لیکن راستے میں ریل گاڑی خراب ہوگئی اور جھٹکوں کے زور پر آگے بڑھتے بڑھتے اب یہ بیزار کن سفر ایک اسٹیشن پہلے اس وقت تمام ہوا' جب ریل نے مزید آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ وہ سامان اٹھائے پیدل ہی چل پڑا کہ بڑھتے سائے دیکھ کر کوئی تانگہ اس طرف رخ کرنے کو تیار نہ ہوا تھا۔

ایک فاریسٹ آفیسر ہونے کی وجہ سے اسے ویران راستوں اور جنگلوں کا کوئی خوف نہ تھا۔ لیکن پھر بھی اس طویل کچے پکے راستے پر پیدل سفر کرتے ہوئے وہ کچھ عجیب احساسات کا شکار ہو رہا تھا۔

علیم نے ایک لمحہ رک کر ہاتھ میں پکڑی موٹی سی ٹارچ کی روشنی راستے پر پھینکی۔ آبادی ابھی بھی نظروں سے اوجھل تھی۔ جبکہ کچی سڑک بل کھاتی ہوئی آگے تک کہیں دھند میں گم ہو رہی تھی۔

اسے اب شک گذرا کہ وہ راستہ بھٹک چکا ہے۔ یہ قدرے پریشانی کی بات تو تھی لیکن ایسی نہیں کہ وہ خوف محسوس کرتا۔ لیکن ایک بات وہ کافی دیر سے محسوس کر رہا تھا۔ اسٹیشن کی حدود سے باہر نکل کر جب سے علیم نے اس سڑک پر قدم رکھے تھے' مسلسل اس کے ساتھ کوئی تھا۔ لیکن وہ جو کوئی بھی تھا' اس کی نظروں سے مخفی رہ کر سفر جاری رکھے ہوئے تھا۔ علیم کو اس بات کا اندازہ اس لیے تھا کہ جونہی اس کے قدم رکتے' اپنے اردگرد محسوس ہوتا وہ دوسرا وجود بھی جیسے تھم جاتا اور جیسے ہی وہ آگے بڑھتا' پھر سے کوئی نادیدہ وجود اس کے پیچھے چل پڑتا۔

علیم نے کن انکھیوں سے' غیر محسوس انداز میں مڑ کر دیکھا مگر ناکام رہا۔ اس کے پیچھے گہری دھند کے سوا کچھ نہ تھا۔ عجیب سی خوشبو تھی جو اس کے ساتھ ساتھ سفر کر رہی

PakistaniPoint

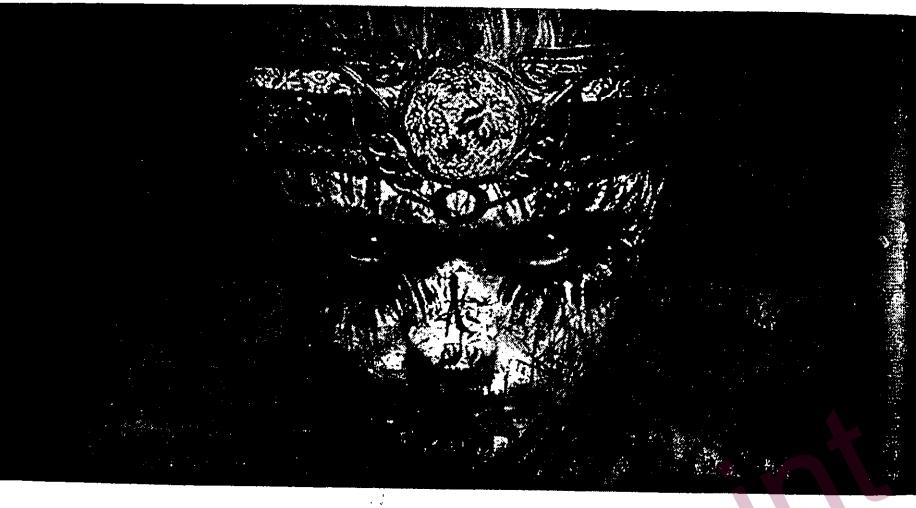

تھی۔ پہلے پہل اسے صرف تجسس تھا۔ پھر کسی دشمن کا احساس اور اب آخر میں وہ صرف الجھن محسوس کر رہا تھا۔ لگتا ہے یہ کسی بھوت کی اولاد ہے جو رات کے اس پہر میرے پیچھے پڑ گیا ہے۔ علیم نے طنزیہ انداز میں سوچا۔ اس سوچ کا محور اس کا انگریز دوست شینل فوسٹر تھا۔ جوان باتوں پر نہ صرف یقین رکھتا تھا بلکہ کئی ایک قصے بھی سنا چکا تھا۔ ایک قصہ تو علیم کو اب بھی یاد تھا۔

میس کے بعد بیرک میں رات سونے سے پہلے وہ اکثر ایسے قصے کہانیاں لے کر بیٹھ جاتا تھا۔ شینل نے اپنے آنجہانی دادا کی کہانی سناتے ہوئے بتایا تھا کہ جنگ عظیم اول میں اس کے دادا فریڈریک انگریز فوج میں ریکروٹ کی حیثیت سے شامل تھے۔ ایک رات انھیں اپنے سینئرز کے لیے کھانا پہنچانا تھا۔ سینئرز کا ٹھکانہ سرحد کے آخری سرے پر ایک مکان میں تھا۔ راستے میں گھنا جنگل پڑتا تھا۔ فریڈریک نے ابھی جنگل میں قدم رکھا ہی تھا کہ تیز بارش نے گھیر لیا۔ ہاتھوں میں ٹفن اٹھائے وہ پناہ کی تلاش میں ایک غار تک پہنچ گیا۔ سائیکل اس نے پیچھے ہی چھوڑ دی تھی۔ غار میں بارش سے تو بچت ہوگئی تھی لیکن سردی نے اسے کپکپانے پر مجبور کر دیا۔ سو اس نے بمشکل چند خشک لکڑیاں اور گھاس پھونس تلاش کر کے آگ کیلیے اکٹھی کرنا شروع کیں۔ اسی وقت اسے ایک ہیولہ دکھائی دیا۔

''کون ہے؟'' وہ بری طرح چونک گیا۔

''میں ہوں۔'' ایک نسوانی مترنم آواز ابھری۔

''تم اس وقت جنگل میں کیا کر رہی ہو؟'' فریڈریک نے درشت لہجے میں پوچھا۔

درحقیقت وہ غیر ارادی طور پر گھبرا گیا تھا۔ وہ کوئی جاسوس لڑکی بھی ہو سکتی تھی۔

''میں جنگل میں لکڑیاں چننے آئی تھی۔ میرے گھر میں ایندھن ختم ہو گیا تھا۔ لکڑیوں کی تلاش میں دور نکل آئی۔ واپس گھر جا رہی تھی کہ بارش شروع ہو گئی۔ کیا تم بارش رکنے تک مجھے یہاں ٹھہرنے کی اجازت دے سکتے ہو؟'' اس نے التجا کی۔

''ٹھیک ہے وہاں سامنے بیٹھ جاؤ۔ اس نے احتیاطاً اسے دوسری طرف بیٹھنے کے لیے کہا تھا۔ تاکہ خطرے کا امکان کم سے کم ہو۔

''شکریہ رحم دل انسان۔'' وہ مسکرا کر لکڑیوں کے پاس بیٹھ گئی۔

بجلی کی چمک میں فریڈریک نے دیکھا' لڑکی کی آنکھیں چھوٹی چھوٹی' اور سرخ تھیں۔ اندھیرے میں بلی کی طرح چمکتی تھیں۔ اس کی رنگت سفید فام اور بال بھورے جھاڑیوں جیسے تھے۔ البتہ دیکھنے میں خوبصورتی کا تاثر چھوڑتے تھے۔ اس نے سبز فراک پہن رکھا تھا۔

وہ پیر آگے کر کے کندھوں پر پڑے رومال کو اپنے جسم پر لپیٹے ہوئے تھی۔ اس کے پاؤں بڑے بڑے اور شفاف تھے لیکن حیرت انگیز طور پر اس کے پیروں میں نہ جوتے تھے اور نہ اس کا جسم بھیگا ہوا تھا۔ جبکہ بارش موسلا دھار برس رہی تھی۔ خود فریڈریک بری طرح بھیگ چکا تھا۔ تو کیا وہ کوئی غیر مرئی مخلوق تھی۔ اس روح فرسا خیال نے فریڈریک کو لرزا دیا۔ مگر اس کے ساتھ ہی دوسرا خیال بجلی کی طرح اس کے ذہن میں کوندا تھا۔

''فریڈی! اگر جان بچانا چاہتے ہو تو' نارمل رہو۔'' فریڈریک نے خود کو تنبیہہ کی۔

ایک بار پھر بجلی زور سے چمکی' فریڈریک کی اس سے نگاہ چار ہوئی' اور وہ مسکرا دی۔ فریڈریک کو اس کی مسکراہٹ بڑی مکروہ اور آنکھوں میں وحشت ناکی نظر آئی۔ لیکن جواباً وہ بڑی کوشش سے مسکرا دیا۔

اپنے بچاؤ کے لیے وہ تدبیر سوچ رہا تھا کہ ہاتھ میں پکڑے پتھروں پر اس کی نظر پڑی اور فریڈریک کو ایک راستہ سجھائی دے گیا۔ اس نے تیزی سے پتھر آپس میں رگڑے' ایک شعلہ سا بلند ہوا اور گھاس پھونس نے حیرت انگیز طور پر آگ پکڑ لی۔ مگر اس کے ساتھ ہی ایک اور واقعہ بھی ہوا۔ وہ چڑیل دہاڑ کر غار کی دیوار سے جا لگی' اس کے بال خشک شاخوں کی طرح اکڑ گئے' آنکھوں کے ڈورے خون اگلنے لگے' چہرے کے خوبصورت نقوش سیاہ جھلسی راکھ کی مانند خوفناک ہو گئے۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر فریڈرک کا دل باہر کو آنے لگا۔ درحقیقت اس کا خوفناک روپ دیکھ کر فریڈریک کے حواس جاتے رہے۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ چڑیل دہاڑتی ہوئی فریڈریک کی گردن میں اپنے لمبے ناخن گاڑ دیتی' فریڈریک نے جلتی لکڑی کا سرا کھینچ کر اس کے چہرے پر جھونک دیا۔

ڈائن کی کریہہ آواز جنگل میں گونجی اور فریڈریک نے آؤ تاؤ دیکھے بغیر شعلے اس پر اچھالنے شروع کر دیے' ایک خوفناک آگ نے چڑیل کو لپیٹ میں لے لیا۔ وہ بری طرح غار کی دیواروں سے ٹکراتی ہوئی' وہیں راکھ ہو گئی۔ اور بدبو اسقدر پھیل گئی کہ فریڈریک کی سانس رکنے لگی۔ وہ سردی اور بارش کی پرواہ کیے بغیر بھاگتا رہا۔۔۔ تیز بارش سوئیوں کی طرح اس کے جسم میں دھنس رہی تھی' مگر خوف کے زیر اثر وہ دوڑتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ پیدل ہی اپنے سینئرز تک جا پہنچا۔ لیکن اس کے بعد وہ بیہوش ہو گیا۔ کئی دن تک اس کا بخار اترنے کا نام نہیں لیتا تھا۔ سب اس کی حالت سے پریشان تھے۔ کوئی نہیں جانتا تھا۔ وہ کن حالات سے گزر کر آیا ہے۔ کئی دن کے علاج معالجے کے بعد جب اسے ہوش آیا تو اس نے اپنی کہانی سنائی' کسی نے اس کی آپ بیتی پر یقین کیا اور کسی نے ہنسی میں اڑا دیا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ایک اور عجیب بات بھی تھی۔ جن لوگوں نے بھی اس کہانی کا یقین نہیں کیا' ان کی موت عجیب اور پراسرار حالات میں واقع ہوئی۔

''تو تم چاہتے ہو' ہم اس بکواس کہانی پر یقین کریں؟'' علیم نے سب سے پہلے منہ کھولا تھا۔ اسے شروع سے ہی شینل کے ان قصوں سے چڑ تھی۔ جبکہ اس کے دیگر ساتھی بڑے انہماک اور شوق سے اس کی کہانیاں سنتے تھے۔

''کیا..... تم اسے جھٹلا رہے ہو؟'' شینل اس طرح گھبرایا' گویا اس نے آج ہی علیم کو کھو دیا ہو۔

''میں تمہیں جھٹلا نہیں رہا' لیکن ہاں تمہاری اس کہانی کو صرف ایک قصہ سمجھتا ہوں۔'' یہ ایک بیڈ ٹائم اسٹوری سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہے۔'' علیم نے کمبل لپیٹا اور شینل کی طرف سے کروٹ لے لی۔ گویا وہ اب سونا چاہتا ہو۔

شینل نے افسوس بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

''جیسے تمہاری مرضی دوست! لیکن میں دعا کروں گا' تمہاری زندگی میں جلد کوئی پری آئے' جو شادی کے بعد چڑیل ثابت ہو۔'' اتنا کہہ کر وہ سونے چل دیا تھا۔

علیم کو اندازہ نہیں ہوا کہ شینل خود کس حد تک اس حکایت پر یقین رکھتا تھا۔

ہونہہ بھوت کا بچہ! شینل کی بیہودہ کہانی کے ساتھ وہ سر جھٹک کر خیالات سے چونکا' لیکن اسے اچانک رکنا پڑا۔ اس کے سامنے وسیع قبرستان تھا۔ یعنی آگے کا سفر وہ قبرستان سے گذر کر ہی جاری رکھ سکتا تھا۔ اگر یہاں قبرستان ہے تو یقیناً آبادی بھی یہیں کہیں ہونی چاہیے۔ یہ سوچ کر علیم نے قبرستان کی چار دیواری میں قدم رکھ دیے۔ چکنی مٹی میں پیر دھنس رہے تھے۔ اونچی نیچی قبروں سے بچتا ہوا وہ سامان اٹھائے آگے بڑھ رہا تھا۔ لیکن اچانک اس کی ٹارچ خاموش ہو گئی۔ علیم نے اسے ٹھونک بجا کر جلانا چاہا لیکن شاید اس کی

بیٹری جواب دے گئی تھی۔ یہ ٹارچ بھی اس نے شینل سے لی تھی۔ اور بہت سے مشکل وقت پر یہ بہت کام آئی تھی۔ مگر آج غیر متوقع طور پر جواب دے گئی تھی۔

''کیا ہوا صاب.....؟'' اپنے قریب اچانک مردانہ آواز سن کر وہ چونک سا گیا۔

''یہاں سے مانگرو کتنے فاصلے پر ہے؟'' علیم نے ٹارچ نیچے کرتے ہوئے پوچھا۔

وہ شخص مٹی میں اٹا ہوا تھا۔ لباس اور چہرے مہرے سے دیہاتی نظر آتا تھا' سیاہ رنگت البتہ اسے خوفناک بناتی تھی۔ یہاں تک کہ اس کی بڑی بڑی زرد آنکھوں نے علیم کے جسم میں بھی جھرجھری سی پیدا کر دی تھی۔

''مانگرو..... کیوں مجاق (مذاق) کرتے ہو صاب یہاں کہاں مانگرو..... یہ تو سارا جنگل ہے جنگل۔'' اس نے ہنس کر کہا تو اس کے گندے دانتوں کی نمائش ہوگئی جس سے وہ کچھ اور مکروہ نظر آنے لگا۔

''یہ کون سی جگہ ہے؟'' علیم نے اس سے بحث کرنے کے بجائے کام کی بات پوچھی۔

''کتھا لیا..... مانگرو تو یہاں سے خاصا دور ہے۔ آپ کو گاڑی کرنا پڑے گی' اور وہ صبح سے پہلے نہیں ملنے کی۔''

''کتھا لیا..... یہاں قریب کوئی آبادی ہے؟'' علیم کو حیرت ہوئی وہ یہاں کہاں اور کیسے آگیا۔ یعنی وہ اپنی منزل سے الٹا سفر کر رہا تھا۔

''ہاؤ صاب! پر وہ بھی چار کوس پر ہے۔''

''ٹھیک ہے تم مجھے راستہ بتا دو۔'' علیم نے برا سا منہ بنایا' اور بولا۔

''اس وقت کہاں جاؤ گے صاب۔ پاس میں میری کھولی ہے' رات ادھر بسر کر لو' صبح آرام سے چلے جانا۔'' اس نے مشورہ دیا۔

علیم نے ایک نظر اسے بغور دیکھا۔ مٹیالی سی دھوتی پر سیاہ انگی پہن رکھی تھی' جس کے بڑے بڑے جیب خالی دکھائی دیتے تھے۔ اپنی طرف دیکھتے پا کر اس نے ایک اور کریہہ مسکراہٹ علیم کی طرف اچھالی تھی۔ کوئی بدذوق سے بدذوق انسان بھی اس شخص کی ہمراہی قبول کرنا پسند نہ کرے۔

''تم کون ہو..... اور تمہارے گھر والے؟'' علیم کے سوال میں نیم رضامندی تھی۔

''گورکن ہوں صاب! یہ قبرستان میرا گھر اور یہی گھر والے ہیں۔'' اس نے آگے بڑھ کر سجاد کے ہاتھ سے اٹیچی لینا چاہی۔

''نہیں ٹھیک ہے۔'' علیم نے اسے زحمت دینا گوارا نہ کیا۔

''پرکھوں سے ہمارا یہ ہی کام ہے' اتا سا تھا (ہاتھ کے اشارے سے قد ناپا) جب ماں باوا مٹی میں مل گئے۔ مرنے سے تھوڑا عرصہ پہلے باپ نے یہ ہی سکھایا تھا۔ پہلے ہم دوسرے گاؤں ہوا کرتے تھے۔ ہیضے نے اسے چاٹ لیا۔ تب میرے ماں باوا نئی بستی میں آگئے۔ ادھر ہندو بستی جادہ (زیادہ) تھی۔ وہ ہمیں اچھوت سمجھتے تھے۔ یہاں ایک گورکن ہوا کرتا تھا' اس نے ہی ہمیں پناہ دی' تب سے یہ ہی ٹھکانہ ہے ہمارا۔'' وہ بولتا ہوا اس کے آگے چل پڑا۔

''اور کتنی دور ہے تمہارا گھر؟'' علیم نے اس کی ہسٹری کو نظر انداز کیا۔

''بس تھوڑی دور اور.....'' وہ رک کر بولا اور پھنسی ہوئی آواز میں ہنس کر آگے بڑھتا چلا گیا۔

علیم نے اس بار خاموشی اختیار کی۔ وہ دونوں نم چکنی مٹی پر قبروں کے درمیان چلے جا رہے تھے۔ کچھ قبریں تازہ دکھائی دے رہی تھیں اور کچھ سوکھ کر پختہ ہو چکی تھیں۔ لیکن ایک بات جو علیم نے خاص طور سے محسوس کی' وہ قبروں کی حالت تھی۔ کسی بھی قبر کی حالت خستہ حالی کا شکار نہیں تھی۔

''تم ان قبروں کی اکیلے دیکھ بھال کرتے ہو؟'' علیم پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

''ہاؤ صاب۔'' یہ پہلا جواب تھا جو اس نے مختصر دیا تھا۔ ''یہ ہے میرا گریب کھانہ! (غریب خانہ)۔'' اور دانت نکالے۔

علیم کو کوفت ہوئی۔ نہ جانے اس کی مسکراہٹ میں کیا بات تھی جو علیم پر اب تک اچھا تاثر نہیں چھوڑ سکی تھی۔ چھوٹی سی پھونس کی جھونپڑی میں زیادہ کچھ نہیں تھا۔ ایک صندوق چند اوزار اور مٹی کا چولہا جو جھونپڑی کے باہر تھا۔ بیٹھنے سونے کے لیے بس چٹائی دکھائی دی تھی۔ رفع حاجت کے لیے وہی انتظام تھا۔ جو دیہاتوں میں عموماً ہوتا ہے۔ علیم ماحول کا جائزہ لے رہا تھا جب گورکن نے دوبارہ اسے مخاطب کیا۔

''آپ بیٹھو صاب۔ میں آپ کی پیٹ پوجا کا بندوبست

کرتا ہوں۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔" علیم نے اسے روکا۔

"ایسے کیسے صاب' سردی بڑھ رہی ہے' ابھی یخنی لاتا ہوں' پھکر نہ کرو' ابھی آیا۔" وہ کہہ کر باہر نکل گیا۔

علیم نے اپنا بازو سر کے نیچے رکھا اور چمڑے کے جوتے اتارے بغیر نیم دراز ہوگیا۔ اٹیچی اس کے پاس ہی رکھا تھا۔ باہر اب ہوا تیز چلنے لگی تھی۔ گیدڑوں کی آوازوں میں ہوا کی شائیں شائیں بھی شامل ہو رہی تھی۔ گورکن کا نام پوچھنے کی اس نے ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

فضا میں لکڑیوں کا دھواں اور چٹخنے کی آوازیں علیم کی سماعتوں تک آرہی تھی۔ جو اسے سخت ناگوار گذر رہی تھی۔

وہ سر سے ہیٹ اتار کر منہ پر دھرے آنکھیں موند گیا تھا۔ اسے گورکن کی یخنی میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

❖❖❖❖

گورکن نے چولھا سلگانے کے بعد ایک پتیلے میں مختلف مصالحوں اور پانی کا ملغوبہ چڑھا دیا۔ خود پیڑھی سے اٹھ کر جھونپڑی کی دہلیز سے اندر جھانکا' چراغ کی روشنی میں اسے صاب سوتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ آہستگی سے پلٹ گیا۔ اس نے کچھ دیر مزید انتظار کرلینا مناسب سمجھا۔

چولھے پر پتیلے میں کچھ ابل رہا تھا۔ وہ دبے قدم اٹھا اور بیلچہ گھسیٹتا ہوا' بریدہ قبر تک آٹھہرا۔ خاک زدہ کفن میں ایک جسم ملفوف تھا۔ اس نے بیلچہ ایک طرف پھینکا اور انگی کے بڑے جیب سے شکاری چاقو برآمد کیا' اس کی تیز دھار کی چمک سیاہ رات میں دھندلے چاند کا عکس دکھا سکتی تھی۔

وہ تہہ بند کو سمیٹ کر قبر میں اتر گیا۔ چاقو سے کفن کے بند کاٹ ڈالے اور بے روح عورت کے سپید چہرے کو نرمی سے چھوا' پھر ایک جھٹکے سے اس کی گردن کو دھڑ سے جدا کردیا۔ خون کا تیز فوارا اس کے میلے بدن کو رنگین کر گیا۔ لیکن کسی جانور کی طرح لاش کو ٹکڑوں میں تقسیم کرنے لگا۔ پھر گوشت کے ٹکڑے اور ہڈیاں ایک بورے میں ڈال کر مٹی کو دوبارہ قبر کی شکل میں ڈھال دیا۔ فاتحہ پڑھنے والے اکثر خالی قبروں پر فاتحہ پڑھ کر لوٹ جاتے تھے۔ ان آدھی ادھوری لاشوں کے راز ان کے ساتھ ہی دفن رہتے تھے۔

گوشت سے بھرا بورا کمر پر لادے اب گورکن کے قدم واپسی کی راہ پر تھے۔

❖❖❖❖

وہ دہلیز تک آیا' علیم بے خبر سو رہا تھا۔ گورکن کے ہاتھ میں یخنی سے بھرا پیالہ تھا۔ جس سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ البتہ دھویں کی بو بڑی ناگوار تھی۔

"صاب! یخنی....."

اس نے دو ایک آوازیں دیں مگر نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ وہ مڑنے کو تھا کہ مسافر کے اٹیچی پر اس کی نظریں گڑ گئیں۔ اس وقت وہ ہرگز بھی معصوم دیہاتی دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اس نے خاموش قدم اٹھائے اور اس کے سر پر جا کھڑا ہوا' غیر محسوس انداز میں اٹیچی کو کھینچا۔ مسافر کے وجود میں کوئی جنبش پیدا نہیں ہوئی۔ شاید وہ زیادہ ہی لمبا سفر طے کرکے آیا تھا کہ گھوڑے گدھے سب بیچ کر سو رہا تھا۔ اس سے بے خبر کہ موت اس کے سر پر ناچ رہی ہے۔

وہ ایک بار پھر پھنسی ہوئی آواز میں ہنسا۔ اس نے اٹیچی کھینچ کر اپنے سامنے رکھ لی۔ اور اسے چاقو سے کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔ انگریج بابو سے پہلی بار واسطہ پڑا تھا۔ اسے کیسے ہاتھ سے جانے دیتا۔ تھوڑی کوشش کے بعد اٹیچی کا کنڈہ تالے سمیت بے آواز اکھڑ گیا۔ گورکن کی آنکھوں میں چمک در آئی۔ ایسا عمدہ شکار تو پہلی بار ہاتھ لگا تھا۔ مگر.....اگلی ہی لمحے وہ سانس لینا بھول گیا۔

اٹیچی میں کپڑوں کے نیچے ایک سر ادھڑا پڑا تھا۔ شکل کسی انگریز کی معلوم ہوتی تھی اور ساتھ انگریزی وردی پر کوئی نام (fostershenil) لکھا تھا۔

دھپ.....گورکن کی لاش اس کے سامنے پڑی تھی۔

علیم نے بیلچہ پھینکا اور اس کی گردن میں دانت گاڑ دیے۔

کافی دیر بعد گورکن کا چہرہ زرد اور پھر سفید ہوکر کچی زمین پر گر پڑا۔ تب اس نے اٹیچی میں سامان درست کیا اور پشت کی طرف منہ کرکے بولا۔

"آجا! اے میری ہمزاد" ایک چمگادڑ درختوں سے اترتی ہوئی آکر علیم کے شانے پر بیٹھ گئی۔ اس کی سرخ آنکھیں گورکن کے مردہ جسم پر تھیں جو لٹھے کی مانند سفید تھا۔ علیم سامان اٹھائے اگلے سفر پر روانہ ہوگیا۔ اب خوشبو اس کے شانے سے پھوٹ رہی تھی۔

Pakistanipoint

روح کا خوف

محمد شاہد محمود گادھری

کہتے ہیں کہ جب لاڈلی پیدا ہوئی تو رونے کے بجائے کھلکھلا کر ہنسی تھی۔ کچھ کے لیے یہ پریشان کن تھا اور کچھ کے لئے یہ حیرانی کا باعث تھا۔ مشترکہ طور پر لاڈلی کو قدرت کی لاڈلی قرار دیا گیا اور یوں اس کا نام لاڈلی رکھ دیا گیا۔ جب محلے کے بچوں کو خسرہ نکلا تو سب بچوں میں لاڈلی بھلی چنگی رہی، ایک بار اسکول سے آتے اسکول وین کو حادثہ پیش آیا مگر لاڈلی کا بال بیکا نا ہوا، لاڈلی کی زندگی میں ایسے کئی واقعات یکے بعد دیگرے پیش آتے رہے اور قدرت کی لاڈلی سب کی لاڈلی بنتی گئی۔

لاڈلی سے بے جا لاڈ کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ لاڈلی طبیعتاً حساس ہوگئی اور خاص کر روحوں جنوں اور چڑیلوں کے قصے کہانیاں سن کر سہم جاتی۔

تنویر لاڈلی کا خالہ زاد تھا۔ لاڈلی جتنا روحوں سے ڈرتی تھی تنویر اتنا ہی نڈر تھا اور اکثر لاڈلی کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لاڈلی کو روحوں سے ڈرانے کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا۔ یوں ہی ہنستے کھیلتے دن تیزی سے گزرے اور دونوں کی شادی طے کردی گئی۔

لاڈلی بضد تھی کہ تنویر لہنگے کی خریداری کے لئے ساتھ چلے گا لہٰذا آج تنویر اور لاڈلی دونوں گھر کے قریبی بازار میں ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ اچانک دل دہلا دینے والا دھماکا ہوا اور ساتھ ہی گولیوں کے تڑتڑانے کی آواز آنے لگی۔ گرد دھول مٹی چیخ و پکار بارود کی بو' کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

تنویر دھماکے کی وجہ سے دور جا گرا چھلنی جسم کے ساتھ خون میں لت پت پوری قوت جمع کر کے اٹھا اور لاڈلی کی تلاش میں ڈور لگادی۔ تھوڑی ہی دیر میں اس کے سامنے جو منظر تھا تنویر کی آنکھیں پتھرا دینے کے لئے کافی تھا وہ لاڈلی کو دیکھ کر چلایا۔

''لاڈلی گھر کی طرف بھاگو.....''

لاڈلی نے گھر کا رخ کرنے کے لئے پلٹنے کا ارادہ کیا جسے تنویر بھانپ گیا۔ پھر زور سے چلایا۔

''نہیں لاڈلی نہیں پیچھے مت مڑنا سیدھی میرے پیچھے پیچھے آؤ۔'' تھوڑی دیر بعد وہ دونوں تنویر کے گھر اس کمرے میں تھے جو عجلہ عروسی تھا۔ اس کمرے میں گرمیوں کی راتوں کو ٹھنڈا رکھنے کے لیے کولر رکھا گیا تھا۔ لاڈلی ٹھنڈے فرش پر پلنگ سے تھوڑے فاصلے پر بیٹھی تھی اور تنویر اس کے سامنے دوزانوں بیٹھا اسے بنا پلک جھپکے دیکھ رہا تھا۔ لاڈلی کانپتی آواز میں بولی۔

''تم کو ڈاکٹر کے پاس جانا چاہیے تھا اور تم اپنے ساتھ ساتھ مجھے بھی یہاں لے آئے ہو۔''

اس نے آگے بڑھ کر تنویر کا بازو پکڑنا چاہا مگر تنویر کا بازو جیسے ہوا میں تحلیل ہوگیا اور لاڈلی کا ہاتھ تنویر کے بازو کو چھو نہ سکا اور بازو کے آر پار ہوگیا، لاڈلی ڈر کے مارے خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹی اور سہمی سہمی خوفزدہ تنویر کو دیکھنے لگی۔

''یہ کیا ہوا ہے تم کو؟'' وہ نحیف سی کپکپاتی آواز میں بولی۔ ''کیا تم مر چکے ہو؟ کیا تم روح بن چکے ہو؟''

مگر تنویر نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''آخر تم بولتے کیوں نہیں کچھ تو بولو ورنہ میں مر جاؤں گی۔'' کچھ دیر دونوں خاموش رہے۔ اچانک لاڈلی بولی۔

''مجھے روحوں سے ڈر لگتا تھا نا مگر مجھے تمہاری روح سے بالکل ڈر نہیں لگ رہا وہ دیکھو تنویر گہرے نیلے رنگ کی روشنی کا ستون آسمان سے ظاہر ہو رہا ہے۔'' تنویر کو اپنی ہی آواز گونجتی ہوئی سنائی دی۔

''نہیں لاڈلی نہیں پیچھے مت مڑنا سیدھی میرے پیچھے پیچھے آؤ' اور سوچنے لگا کہ شکر ہے لاڈلی پیچھے نہیں مڑی ورنہ وہ اپنی لاش دیکھ کر ڈر جاتی۔

PakistaniPoint

لال حویلر

سباس گل

سنسان اور ویران گھر ہمیشہ سے روحوں کا مسکن رہے ہیں۔ انہیں ایسی خاموش جگہوں کی ہی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جہاں کوئی انسان ان کے لیے مسائل پیدا نہ کریں اور وہ آرام و سکون سے رہ سکیں۔ مگر کچھ گھر اور حویلی ایسی بھی ہوتی ہیں جہاں چڑیلیں انتقام اور انسان کو پریشان کرنے کے لیے اپنا مسکن بنا لیتی ہیں۔

زیر نظر کہانی ایک ایسی حویلی کی ہے جہاں ظلم و زیادتی نے وہاں کے رہنے والوں کو اپنے انتقام کا نشانہ بنایا تھا مگر اس انتقام کا اصل محرک زندہ تھا جسے اس بد روح نے ایک انسان کے ذریعے نشانہ بنایا تھا۔

ایک ایسی خوفناک حویلی کی کہانی جہاں روح بے چین تھی

''میری سمجھ میں نہیں میں نہیں آرہا کہ تم نے ارادھنا کا انتخاب کیا سوچ کر کیا ہے۔ کہاں تم بٹر پنیر جیسے گورے چٹے، اسمارٹ، ہیں سم لڑکے اور کہاں وہ کالی ماتا۔'' کنال نے راہول کو دیکھتے ہوئے تحیر آمیز لہجے میں کہا۔

''کالی ماتا کو سب پوجتے نہیں ہیں کیا۔'' راہول مسکراتے ہوئے بولا۔

''سب نہیں، صرف وہ جو اسے مناتے ہیں۔'' کنال نے تصحیح کی۔

''ہاں تو جو مانتے ہیں ان کے لیے کالی ماتا۔'' سب کچھ ہے ماں ہے بھگوان سمان ہے جو سب کام کرا سکتی ہے۔''

''مطلب؟'' کنال نے الجھن بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

''ابے خچر، تجھے معلوم نہیں کیا کہ ارادھنا کا بڑا بھائی بالی وڈ فلم انڈسٹری کا بے تاج بادشاہ ہے ہیرو نہیں سپر اسٹار ہے۔ ذرا سوچ اگر میں ارادھنا کا پتی بن گیا نا تو وہ مجھے بھی بالی وڈ کا ہیرو بنا دے گا۔ ایک فلم تو میرے لیے بنا ہی دے گا اور دل کھول کر پیسہ بھی لگائے گا۔ ایک فلم سینما میں لگنے کی دیر ہے پھر چل سو چل۔ ایک چاند ملنے کی دیر ہے بابو اس کے بغد راستہ اپنے آپ کھلتا، بنتا صاف ہوتا چلا جائے گا۔'' راہول نے خیالوں میں خود کو فلمی ہیرو کے روپ میں دیکھتے ہوئے کہا تو کنال نے پانی کا گلاس اٹھاتے ہوئے کہا۔

''یہ کام تو تو ویسے بھی کر سکتا ہے۔'' تیرے ماما جی نے تجھے فلم انڈسٹری میں انٹروڈیوس کرایا تھا۔ ورنہ تجھے کس نے پوچھنا تھا یہاں۔'' راہول نے اسے آئینہ دکھایا۔

''ہاں کہہ تو تو ٹھیک رہا ہے۔'' کنال نے خجل ہو کر کہا۔

''میرے دوست بالی وڈ انڈسٹری میں لانچ ہونا آسان نہیں ہے۔ اس کے لیے آپ کا کسی کا بچہ ہونا ضرور ہے جب تک آپ کا بیک گراؤنڈ فلمی نہیں ہے۔ آپ کی فیملی سے کوئی فلم انڈسٹری میں نہیں ہے تب تک آپ کو کوئی گھاس بھی نہیں ڈالے گا۔ قسمت سے ہی ہزار میں سے کسی ایک آدھ کو یہ چانس ملتا ہے کہ کسی مہربان ڈائریکٹر کی جوہری نظر کے سبب، ورنہ آپ عمر بھر دھکے کھاتے رہو، فلم اسٹوڈیو کے چکر لگاتے رہو کوئی نہیں پوچھے گا۔'' راہول نے حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے اسے لاجواب کر دیا۔

''ہاں یہ تو، تو نے سچ کہا مگر پھر بھی ارادھنا جچتی نہیں

PakistaniPoint

Pakistan Point

ہے تیرے ساتھ ہیرو؟''

کنال نے دل کی بات کہہ ہی دی۔

''میں نے کون سا ہر وقت اس کے ساتھ رہنا ہے او رمیں اس کے ساتھ ہوں گا تو بھی لوگوں کی میڈیا کی توجہ کا مرکز میں ہی بنوں گا۔ کوئلے کے برابر میں اگر کوہ نور رکھ دیا جائے تو نگاہیں کوہ نور کی طرف متوجہ ہوتی ہیں اس کے حسن اور خوب صورتی کو سراہتی ہیں۔ روشنی آنکھوں کو چند ھیاتی ہیں اندھیرا نہیں۔'' راہول نے بڑی معنی خیز باتیں کرتے ہوئے اسی مزید الجھا دیا تھا۔

''میں سمجھا نہیں۔'' کنال بولا۔

''ایک تو تیری سمجھ دانی بہت چھوٹی ہے۔ ابے گھامڑ جب مجھے فلموں میں کام مل جائے گا تو میرا زیادہ وقت شوٹنگ پر سیٹ پر ہی گزرے گا نا، وہ بھی نت نئی ہیروئنز کے ساتھ موج مستی، دل لگی اور رومینٹک سین کرتے ہوئے ارادھنا کے ساتھ تو میں بس کوالٹی ٹائم سپینڈ کروں گا اور بیوی کے لیے اتنا ٹائم تو نکالنا ہی پڑتا ہے میں نکالوں گا کیونکہ وہ میری کامیابی کی سیڑھی ہوگی اس کا خیال نہیں رکھوں گا تو مجھے اس کے بھائی کی سپورٹ نہیں ملے گی۔ ویسے بھی ارادھنا کا صرف رنگ ہی کالا ہے ورنہ تو ہر لحاظ سے پرفیکٹ لیڈی ہے آئیڈیل ہے ہاہاہا۔'' راہول نے پر سوچ انداز میں بولتے بولتے آخر میں بڑی کمینگی سے اسے آنکھ مار کر جملہ ادا کیا تھا اور خود ہی قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔

''تو بہت ہی کمینہ ہے۔'' کنال بھی ہنس دیا۔

☆.....☆.....☆

اردھنا بالی ووڈ انڈسٹری کے سپر اسٹار روشال ملہوترا کی چھوٹی بہن تھی۔ رنگت کے معاملے میں نجانے کس پر گئی تھی باپ دادا سانولی رنگت تھے وہ بھی کالی رنگت کے کے ساتھ پیدا ہوئی۔

مگر اس کی پرورش اور تربیت میں کسی قسم کی کمی نہیں چھوڑی گئی تھی۔ ''ملہوترا فیملی'' نے لاڈ پیار بھی خوب نچاور کیا تھا۔ دو بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی۔ یونیورسٹی میں ہی اس کی ملاقات راہول سے ہوئی۔ راہول کو علم تھا کہ ارادھنا کا بھائی کون ہے۔ اس کی اپنے بھائی کی وجہ سے خاصی شہرت اور عزت تھی۔ یونیورسٹی میں راہول نے بہت سوچ سمجھ کر ارادھنا سے دوستی کی تھی اور دھیرے دھیرے اسے اپنی حجت کا یقین دلانے میں کامیاب ہو گیا۔

ارادھنا کو ایک ہینڈسم لڑکا چاہتا تھا اس کے لیے یہ احساس بہت خوشگوار تھا۔ راہول اکثر ارادھنا کو اس کے گھر ڈراپ کرنے جاتا۔ اس کے ساتھ باہر کافی پینے یا لنچ کرنے چلا جاتا تا کہ اس کی فیملی اس بات کا نوٹس لے اور وہ اپنی بات اس کے سامنے رکھ سکے۔ راہول کھرانہ کا تعلق بزنس یعنی کاروبار سے تھا۔ معاشی لحاظ سے وہ بہت مضبوط بیک گراؤنڈ رکھتا تھا۔ اس کی دو بہنیں اور دو بھائی تھے بہنیں شادی شدہ تھیں۔ جب راہول نے اپنے گھر والوں پر ارادھنا سے شادی کرنے کا خیال ظاہر کیا تو سب شاکڈ رہ گئے۔

''شادی کوئی تھیٹر پلے نہیں ہے کہ دو چار دن میں ختم ہو جائے گا۔ یہ عمر بھر کا ایگریمنٹ ہوتا ہے جس کی ایکسپائری ڈیٹ دونوں میں سے کسی ایک کی موتی ہوتی ہے اور تم اس لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہو جسے دیکھنے کے لیے فلڈ لائٹس کا انتظام کرانا ضرور ہے۔ اپنے آپ کو دیکھو اور اس لڑکی کو دیکھو کیا نام بتایا تھا اس کا؟'' راہول کے ڈیڈ مسٹر کھرانہ نے اسے دیکھتے ہوئے سنجیدہ اور سپاٹ لہجے میں کہا۔

''ارادھنا۔'' وہ بولا۔

''ہاں اس کا اور تمہارا کوئی میچ نہیں ہے پتا نہیں کون ہے کس خاندان اور ذات کی ہے وہ کالی بلا؟'' ڈیڈ نے حقارت سے کہا راہول نی تیزی سے جرح کی۔

''ڈیڈی آپ کو کالے رنگ سے نفرت ہے تو آپ کالی ماتا کو کیوں پوجتے ہیں۔''

''راہول۔'' ڈیڈ نے غصے سے اسے گھورا۔

''پلیز ڈیڈ مان جائیں۔'' وہ منت پر اتر آیا۔

''ایسا کیا ہے اس میں جو تم اتنے پاگل ہوئے جا رہے ہو اس کے لیے کیا ملے گا تمہیں اس سے شادی کر کے۔''

''فلمی ہیرو بننے کا چانس۔''

''کیا مطلب؟''

''ڈیڈ ارادھنا کوئی عام لڑکی نہیں ہے وہ سپر اسٹار روشال ملہوترا کی اکلوتی بہن ہے۔'' راہول نے انہیں دیکھتے ہوئے بتایا۔

Pakistanipoint

''کیا؟'' ڈیڈ مسٹر کھرانہ حیران رہ گئے۔
''ارادھنا، وشال ملہوترا کی بہن ہے۔''
''جی ڈیڈی۔''
''آپ کو بزنس سے فرصت ملے تو ادھر ادھر کی خبر رکھیں نا اب تو میڈیا پھر بھی ایک آدھ نیوز آن ایئر ہوگئی ہے ان دونوں کی دوستی کی۔'' مسز کھرانہ بولیں۔
''یعنی تم اس رشتے پر خوش ہو؟'' مسٹر کھرانہ نے اپنی پتنی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، لہجہ سوالیہ تھا۔
''ہاں، میرے بیٹے کی شادی اتنے مشہور نامی گرامی فلمی گھرانے میں ہوگی تو ہماری بھی تو عزت سہرت بڑھے گی اور راہول کا فلم کا ہیرو بننے کا خواب بھی ایک دن پورا ہوجائے گا۔'' مسز کھرانہ نے کہا تو وہ راہول کو دیکھنے لگے جو انہیں بہت التجائیہ انداز میں دونوں ہاتھ جوڑے دیکھ رہا تھا ان کی ہاں کا منتظر تھا۔
''ٹھیک ہے اگر اس شادی سے ہمارے بیٹے کے خواب پورے ہوسکتے ہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے ہمیں فائدہ ہوگا اس رشتے سے تو ہم کل ہی چلتے ہیں ارادھنا کا رشتہ مانگنے۔'' مسٹر کھرانہ مسکراتے ہوئے بولے۔
''اوڈیڈ یو آر گریٹ تھینک یو سو مچ۔'' راہول خوشی سے بے قابو ہو کر ان کے گلے سے لگ گیا، وہ ہنس کر اس کی پیٹھ تھپکنے لگے۔

دو ماہ میں ارادھنا اور راہول کی شادی بہت دھوم دھام سے ہوگئی۔ ایک ایک رسم کی، تقریب کی میڈیا نے خوب کوریج کی۔ مسٹر آکاش کھرانہ بھی میڈیا کے منظور نظر بنے رہے اور ان کی فیملی بھی وہ راتوں رات ایک الگ ہی شہرت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ بزنس بھی تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا۔ راہول اور ارادھنا شادی کے بعد ایک ماہ یورپ میں ہنی مون ٹرپ گزار کر لوٹے تو ان کے میڈیا والوں نے فوٹو شوٹ کرانے شروع کردیے۔ صرف وشال ملہوترا کی بہن بہنوئی ہونے کی وجہ سے ان دونوں کو ملک کے ٹاپ ٹین میگزینز میں ماڈلنگ کی آفرز ہونے لگیں ارادھنا بھی خوش تھی اتنی پذیرائی اور ہینڈسم پتی کے ساتھ فوٹو شوٹس کرا کر اور اس کے بعد زیادہ دن نہیں لگے تھے کہ وشال ملہوترا نے راہول کو لے کر فلم بنانے کا اعلان کردیا۔

غزل

مری زندگی کی لکھی ہوئی
مرے طاق دل پہ سجی ہوئی
وہ کتاب اب بھی ہے منتظر
جسے میں کبھی نہیں پڑھ سکی
وہ تمام باب سبھی ورق
ہیں ابھی تلک بھی جڑے ہوئے
مرا عہد دید بھی آج تک
انہیں وہ جدائی نہ دے سکا
جو ہر اک کتاب کی روح ہے
مجھے خوف ہے کہ کتاب میں
مرے روز و شب کی اذیتیں
وہ ندامتیں وہ ملامتیں
کسی حاشیے پہ رقم نہ ہوں
میں فریب خوردہء برتری
میں اسیر حلقہ ؟ بزدلی
وہ کتاب کیسے پڑھوں گی میں

شاعرہ: زہرا نگاہ
انتخاب: قدسیہ فرحین سومار..... کراچی

راہول کھرانہ کی پہلی فلم کی پروموشن پر خوب پیشہ لگایا گیا۔ قسمت کی دیوی اس پر مہربان تھی ایک نئی لڑکی، بطور ہیروئن اس کے ساتھ کاسٹ کی گئی تھی جس کا نام پریا تھا۔ دونوں کی جوڑی ہٹ ہوگئی۔ فلم سپرٹ تو نہیں ہوئی مگر ہٹ ضرور ہوگئی تھی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے راہول کھرانہ کے پاس ہندی فلموں کی لائن لگ گئی۔ اس نے دھڑا دھڑ فلمیں سائن کرنا شروع کردیں، نئی اور قدرے پرانی اور سپر ہٹ ہیروئنز کے ساتھ بھی اسے بطور ہیرو کاسٹ کیا جانے لگا کروڑوں کی کمائی شروع ہوگئی۔ ارادھنا اپنے پتی کو نئی لڑکیوں کے ساتھ ناچتے گاتے دیکھ کر ان کو اپنی بانہوں کے حصار میں لے کر پیار بھرے ڈائیلاگ بولتے دیکھ، سن کر حسد کی آگ میں جل کر رہ جاتی۔ اور کبھی راہول پر شدید غصے کا اظہار بھی کرتی یہ بات ٹی وی چینلز اور اخبارات کے رپورٹرز نے بھی دیکھی اور محسوس کی تھی اور اپنی خبروں کا حصہ بنانا شروع کردیا تھا۔ ارادھنا یہ سب

دیکھ کر، پڑھ کر مزید سیخ پا ہو جاتی۔ راہول اسے بڑے پیار سے سمجھاتا کہ وہ پیار صرف اس سے کرتا ہے فلم تو اس کا کام ہے بس اصلی کاروبار میں س تو وہ اسیس سے کرت اہے۔ بظاہر وہ مان جاتی مگر دل ہی دل میں جلتی کڑھتی رہتی تھی۔ اس دوران ارادھنا ایک بیٹے کی ماں بن جاتی ہے۔ اس کا نام پراتھنا رکھا گیا۔ سب ہی خوش تھے مگر مسٹر کھرانہ کو پوتے کی خواہش تھی کہ پہلا پوتا ہوتا تو راہول کا بھی وارث آ جاتا۔

''میری بیٹی بنے گی بالی ووڈ کی ہیروئن۔'' راہول نے ننھی سی پرارتھنا کو بانہوں میں لے کر اس کا ماتھا چوم کر کہا بچی سرخ و سفید رنگت اور دلکش نین نقش کی حامل تھی یعنی باپ پر گئی تھی۔

''پہلا باپ دیکھ رہی ہوں۔ جو اپنی بیٹے کو غیر مردوں کو بانہوں میں کھیلنے اور ان کے ساتھ ناچنے گانے کی اچھا (خواہش) کر رہا ہے کچھ تو شرم کرو، بیٹی کے بارے میں کوئی باپ ایسا سوچتا ہے؟'' ارادھنا غصیلے لہجے میں بولی تو راہول بوکھلا گیا اس کے اس قدر شدید ردعمل پر۔

''کیا ہو گیا ہے ارادھنا، تم اتنی تنگ نظر کب سے ہو گئیں؟ جو کام اس کا باپ کر رہا ہے عزت شہرت، دولت کما رہا ہے وہ اس کے لیے کیسے برا ہو گیا؟ میں آج جو بھی ہوں تمہاری وجہ سے ہوں اور میری نہیں یہ تمہاری عزت اور شہرت ہے کہ تمہارا اپنی انڈسٹری کا نامور ہیرو بن گیا ہے۔ شہرت اور عزت کو پروٹوکول کو انجوائے کرتے ہیں ہائی ڈیز، غصہ نہیں کرتے، غصے میں تم بالکل پرائی پرائی سی لگتی ہو اور میں چاہتا ہوں کہ تم ہمیشہ پیار بھری اور پیاری پیاری ہی لگو مجھے۔'' راہول نے سنجیدگی سے اسے سمجھایا اور آخر میں ذرا رومینٹک موڈ میں آتے ہوئے بولا تو وہ منہ بسور کر بولی۔

''میں تمہیں ابھی بھی پیاری لگتی ہوں؟''

''کیوں ابھی ایسا کیا ہوا ہے؟''

''اب تو تم بڑی حسین لڑکیوں کے ساتھ ناچتے گاتے ہو انہیں گلے لگاتے ہو میں تو تمہیں نظر بھی نہیں آتی۔'' ارادھنا نے خفگی سے کہا تو وہ بچی کو کاٹ میں لٹا کر ارادھنا کو اپنی بانہوں میں بھر کر پیار بھرے لہجے میں بولا۔

''مجھے تو ہر ہیروئن میں تم ہی نظر آتی ہو، کبھی خود کو میری نظروں سے دیکھو تو تمہیں پتا چلے کہ میں تمہیں کتنا حسین سمجھتا ہوں کتنا چاہتا ہوں تمہیں۔ وہ لڑکیاں تو مصنوعی حسن سجا کر آتی ہیں جب کہ تم اصلی ہو تم میں کوئی کھوٹ نہیں ہے اور سب سے بڑھ کر تم میری لائف پارٹنر ہو میری محبت ہو اور اب تو میری پیاری سی بیٹی کی ماما بھی ہو، بس تم ہی تم ہو میری زندگی میں ایسے ہی فضول باتیں سوچ سوچ کر اپنا دل برا مت کیا کرو میں صرف تمہارا ہوں سمجھیں۔''

''سچ کہہ رہے ہو؟'' ارادھنا نے اسے شاکی نظروں سے دیکھا تھا۔

''نہیں مذاق کر رہا ہوں، جھوٹ بول رہا ہوں، جھک مار رہا ہوں۔'' راہول نے اسے چھوڑا اور رخ پھیر کر باقاعدہ ناراض ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے خفا لہجے میں بولا۔

''اچھا بابا سوری کر لیا یقین اب موڈ ٹھیک کرو اور مجھے ڈنر کے لیے باہر لے کر جاؤ۔'' ارادھنا نے اسے ناراض ہوتے دیکھ کر فوراً ہار مان لی کیونکہ وہ اسے کھونا بھی نہیں چاہتی تھی محبت سے زیادہ اس کی ساتھ اس رشتے میں بندھے رہنا اس کی سماجی مجبوری اور ضرورت تھی کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ میڈیا والے اس کے بارے میں الٹی سیدھی خبریں پھیلائیں اور دوسری بار اسے وشال ملہوترا کی بہن ہونے کی وجہ سے اتنا ہیں ڈسم لڑکا شادی کے لیے ملنا آسان بھی نہیں تھا۔ لہٰذا وہ بھی اس کے ساتھ بنا کر رکھنے پر مجبور تھی۔

''اور کے ڈارلنگ، تم تیار ہو جاؤ ہم تمہارے فیورٹ ریسٹورنٹ ڈنر کے لیے جا رہے ہیں۔'' راہول نے ارادھنا کے ہاتھوں پر بوسہ دے کر مسکراتے ہوئے کہا تو وہ خوشی خوشی تیار ہونے چلی گئی۔ راہول نے طویل گہرا سانس لبوں سے کارج کیا تھا کہ اس کالی بلا کی جرح سے جان چھوٹی تھی۔

راہول کافی تنگ آ گیا تھا ارادھنا کی ہر وقت کی بک بک اور جرح سے اسے وہ طلاق بھی نہیں دے سکتا، کیونکہ وشال ملہوترا سے بگاڑنے کا مطلب تھا اپنا تمام کیریئر بھی داؤ پر لگ سکتا تھا اور وہ یہ افورڈ نہیں کر سکتا تھا بہت دنوں سے وہ یہی سوچ رہا تھا کہ ایسا کیا کرے جس سے سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے وہ اب ارادھنا سے جان چھڑانا چاہتا تھا، یوں بھی اس سے شادی کرنے کا

Pakistanipoint

مقصد تو پورا ہو چکا تھا وہ فلمی ہیروئن بن گیا تھا اور ایک کے بعد ایک ہٹ فلم دے رہا تھا۔

ان ہی دنوں ایک ڈائریکٹر نی راہول اور ارادھنا کو ایک منفرد فلم کے لیے کال کی۔ فلم کا نام تھا ''خونی بلا'' یہ ایک آسیب زدہ حویلی کی کہانی تھی جس میں آتما میں رہا کرتی تھیں اور وہاں آنے والوں سے اپنے اوپر ہوئے ظلم کا بدلہ لیا کرتی تھیں۔ ڈائریکٹر آنند پرکاش نے خونی بلا کے ٹائٹل رول کے لیے ارادھنا کو آفر کی تھی جو اس نے فوراً قبول کر لی تھی۔ کنال، راہول اور ایک نیا لڑکا راجو ایک لڑکی شیتل بھی اس فلم کا حصہ تھے اور چند ایکسٹرا ز تھے۔ فلم کی کہانی بہت منفرد اور خوفناک تھی، اس لیے راہول نے فوراً ہاں کر دی، البتہ ارادھنا کے ہاں کرنے پر وہ تلملا گیا وہ نہیں چاہتا تھا کہ ارادھنا فلم میں کام کرے وہ بھی ایسا کردار جو اسے اس کی کالی رنگت کی وجہ سے آفر کیا گیا تھا۔

''خونی بلا'' کا رولکر کے وہ اس کا مذاق بنوائے گی اس کے دوست پہلے ہی کہتے تھے کہ ان دونوں کی جوڑی بالکل مس میچ ہے۔

''ارادھنا ڈارلنگ تمہیں کیا ضرورت ہے فلم میں اس قسم کا کردار ادا کرنے کی بس تم رول نہیں کرو گی۔'' راہول نے ارادھنا کو الگ سے لے جا کر کہا۔

''کیوں؟'' ارادھنا نے اس کی آنکھوں میں جھانکا جہاں بے چینی جھلک رہی تھی۔

''کیونکہ لوگ ہنسیں گے کہیں گے کہ ارادھنا راہول کھرانہ تو ویمپائر اور آتما، چڑیل کے کریکٹرز کے لیے ہی سوٹ ایبل ہے اور میں نہیں چاہتا کوئی بھی تمہارے بارے میں ایسی ویسی کوئی بات کرے تم میری پتنی ہو، میری عزت، میری محبت ہو میں یہ سب برداشت نہیں کروں گا کہ کوئی تم پر ہنسے، آوازیں کسے۔'' راہول نے اسے شانوں سے پکڑ کر اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

''تم بھی ناسچ میں پاگل ہو، یہ تو صرف ایک کردار ہے بس اور تم مجھ سے پیار کرتے ہو تجھے دنیا کی حسین لڑکیس مجھتے ہوئے میرے لیے یہی بہت ہے۔ مجھے دنیا کی پروا نہیں ہے مجھے۔'' ارادھنا نے اس کی شرٹ کے بٹنوں کو چھیڑتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا۔

''مگر مجھے پروا ہے کسی کی بات سے تمہارا دل دکھے یہ میں نہیں چاہوں گا۔'' راہول بولا۔

''ارے بابا تم کیوں اتنی ٹینشن لے رہے ہو یہ کریکٹر میرے دل کو لگ رہا ہے اب اگر میری رنگت کالی ہے تو کیا ہوا سب کو علم ہے مجھ پر فٹ رہے گا اسی لیے تو آنند صاحب نے مجھے اپروچ کیا ہے۔ انہیں مجھ میں ''خونی بلا'' نظر آئی ہو گی نا۔'' ارادھنا نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر خود ہی ہنس پڑی۔

''ٹھیک ہے وشال بھائی سے پوچھ لو اگر انہیں اعتراض نہیں ہے تو کر لو یہ فلم۔'' راہول نے ہار مانتے ہوئے کہا۔

''بھیا تو میری خوشی کے لیے مان جائیں گی۔''

''اوکے۔'' وہ بے دلی سے بولا تھا۔

اور وشال ملہوترا نے ارادھنا کو خونی بلا کرنے کی بخوشی اجازت دے دی۔ فلم کی کاسٹ ہدایت کار، پروڈیوسر، کیمرہ مین غرض پوری ٹیم فلم کی شوٹنگ کے لیے لال حویلی جا پہنچے۔

''یہ حویلی تو پہلے سے ہی ہونٹڈ آسیب زدہ مشہور ہے اور ہم یہاں خونی بلا کی شوٹنگ کے لیے چلے آئے بلا یہاں آل ریڈی موجود ہو گی۔''

کنال نے حویلی کے بڑے سے باغیچے میں راہول کے ساتھ چہل قدمی کرتے ہوئے چاروں اور نگاہ دوڑاتے

ام الیقین

"خدا کے اختیار پر کبھی "کیا" کا سوال نہیں اُٹھاتے ہدیٰ۔" کیا" بہت بڑا اعتراض ہے۔ کیا وہ میری مدد کرے گا، کیا وہ مجھے معاف کرے گا۔ کیا وہ مجھے سُنتا ہے، کیا وہ..... کیا وہ..... اللہ ہمیشہ موجود رہا ہے، وہ کبھی " کیا" نہیں ہوتا۔ اس لفظ کو اپنے دل سے نکال دو..... اللہ کی صفات پر " کیا" نہیں لگ سکتا۔ وہ تو کن کہتا ہے اور فیکون ہو جاتا ہے۔ کیا (سوال، شک) کو تو پیدا ہی نہیں کیا گیا۔ کیا (شک) کو شیطان نے بنایا اور انسان کو تھما دیا۔"

مصنفہ: سمیرا حمید

انتخاب: ثمرین شاہد..... کراچی

ہوئے کہا۔
''بکومت۔'' راہول نے اسے گھورا۔
''دیکھ لینا۔''
''یار، ڈراؤ تو مت نا۔'' راہول نے جھرجھری لے کر کہا۔ سردی بھی شدید تھی اور فضا میں عجیب پر اسراریت پھیلی ہوئی تھی۔
''میں وہی بتا رہا ہوں جو کچھ یہاں کے بارے میں سنا ہے یہاں کسی زمانے میں ہوٹل بھی تھا مطلب یہ حویلی بہت شاندار ہوٹل کی صورت میں تھی۔ مگر جب یہاں اموات ہونے لگیں اور یہ بات آس پاس کے علاقوں میں پھیلنے لگی تو لوگوں نے یہاں آنا چھوڑ دیا۔ سب یہی کہتے ہیں کہ حویلی پر خونی بلا کا قبضہ ہے جو انسانوں کا خون کرتی ہے خون پیتی ہے اور پتا نہیں کیا کیا؟''
کنال نے اپنی ناقص معلومات اس کے گوش گزار کرتے ہوئے حویلی کی بالائی منزل پر نگاہ ڈالی۔
''ایویں، لوگوں نے کہانیاں گھڑی ہوتی ہیں اندر کی کہانی کچھ اور نکلتی ہے ایسی جگہوں کے مالک جان بوجھ کر خوفناک کہانیاں پھیلاتے ہیں تاکہ لوگ ادھر کا رخ ہی نہ کریں اور وہ اپنا دو نمبر کام غیر قانونی دھندہ آسانی سے بنا کسی ٹینشن کے جاری رکھ سکیں۔'' راہول نے گرم کافی کا سپ لے کر آرام سے کہا۔
''تیری بات درست ہے مگر.....'' وہ کہتے کہتے رک گیا نگاہ جہاں تھی وہیں جمی رہ گئی۔
''مگر کیا؟''
''وہ.....'' کنال نے انگلی سے سامنے اشارہ کیا۔
''وہ کیا کیا دیکھ لیا جو تیرا رنگ اڑا جا رہا ہے۔''
''وہ.....آتما تھی.....خو.....خونی بلا.....وہاں ..... اوپر۔ کنال نے خشک ہوتے گلے سے تھوک نگلتے ہوئے خوفزدہ لہجے میں بتایا۔ نگاہیں حویلی کی بالائی منزل کی گیلری میں جمی تھیں۔
''کالی تھی کیا؟''
''ہاں۔''
''ارادھنا ہوگی ڈائریکٹر صاحب اسے حویلی دکھانے اور سین سمجھانے لے گئے تھے اوپر۔'' راہول بے نیازی سے کافی پیتے ہوئے بولا۔
''مطلب وہ بلا گوری ہوگی تیرے خیال سے؟''
''مجھے نہیں پتا۔''
''میں نے بھی کسی فلم راما میں سندر، سفید رنگت والی بدروح یا آتما نہیں دیکھی وہ ایسی ہی کالی ہوتی ہے اور سرخ انگارہ آنکھوں اور بکھرے لمبے بالوں والی جیسی ابھی مجھے وہاں دکھی ہے۔'' کنال نی اسے سمجھانے، یقین دلانیکی کوشش کرتی ہوئے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔
''وہ ارادھنا ہی ہوگی یہ ساری نشانیاں اسی کی ہیں تھوڑے سے گیٹ اپ کے بعد۔'' راہول نے گھاس پر بچھی لکڑی کی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔
''مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔'' کنال بھی اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔
''کنال اگر یہ بات سچ ہے کہ لال حویلی ہونٹڈ ہے تو۔''
''تو کیا؟''
''تو وہ خونی بلا ارادھنا کا خون بھی تو کر سکتی ہے۔''
''پاگل ہوا ہے کیا؟ ارادھنا کسی بلا سی کم ہے کیا، اسے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' کنال بدل کر بولا۔
''کیوں نہیں کہہ سکتا۔'' وہ جارحانہ انداز میں بولا۔
''آتما یا بلا تو کسی کو بھی نقصان پہنچا سکتی ہے مار سکتی ہے نا اگر ارادھنا بھی لال حویلی میں ماری جائے تو لوگ یہی سمجھیں گے کہ حویلی کی بلا نے اسے مارا ہے اور میں بھی اس طرح تمام عمر کے لیے اسے جھیلنے سے بچ جاؤں گا۔ پھر اپنے لیے اپنے جیسی گوری چٹی سندر لڑکی سے شادی کروں گا کم از کم میرے ساتھ کھڑی ہوئی جچے گی تو۔'' راہول نے خود غرضانہ اور بے حس لہجے میں کہا تو کنال نے اسے افسوس بھری نظروں سے دیکھا۔
''اچھا، تو کیا کرے گا تو؟''
''اگر اس حویلی کا آسیب اسے نگل لے آئی مین اس کا کا خون کر دے تو۔'' راہول نے آگے جھک کر دھیمی آواز میں کہا۔
''کیسے؟''
''فلم میں ایسے بہت سے سین آئیں گے جس میں ہمیں خونی بلا پر حملہ کرنا ہے اپنے بچاؤ کے لیے تو وہ خونی تو وہ خونی بلا اپنی ارادھنا ہی ہے نا تو ایسا ہو سکتا ہے کہ اصلی

Pakistanipoint

گولی نقلی بلا کا خون کردے یا آگ میں جلا دے یا.....''

''او بھائی بس کردے ایک تو یہ حویلی خوفناک ہے اوپر سے تو باتیں بھی خوفناک کر رہا ہے۔ زندگی کوئی فلم نہیں ہے کہ اتنے آرام اور آسانی سے کسی کو بھی اپنی زندگی سے نکال باہر کرو یا کسی کا خون کر کے ہنسی خوشی رہنے لگو۔ حقیقت میں اس جرم کی سزا بھگتنا پڑتی ہے اور زندگی کبھی ہنسی خوشی اور کامیابی سے نہیں گزرا کرتی پھر نہیں رہنا پتنی کے ساتھ تو علیحدہ ہو جاؤ قاتل مت بنو، ورنہ ساری زندگی کے لیے اپنی بربادی کا سامان کر لو گے۔'' کنال نے اس کی بات کاٹ کر ایک اچھا دوست ہونے کا فرض ادا کرتے ہوئے تیزی سے مگر دھیمی آواز میں کہا کہ کہیں کوئی سن نہ لے۔

''یار میرے کچھ کرنے میں لال حویلی کا ہاتھ بھی تو ہو سکتا ہے آئی مین خونی بلا کا جو بہت مشہور ہے لوگوں کو بھی یقین آ جائے گا کہ یہ بلا کی کارستانی ہے، ویسے بھی وہ مجھے بہت تنگ کرنے لگی ہے۔ ہر وقت روک ٹوک کٹہرے میں کھڑا کیے رکھتی ہے کوفت ہونے لگی ہے مجھے اس سے۔''

''کیا کہے جا رہا ہے؟'' کنال نے سرگوشیانہ انداز اپنایا۔

''وہی جو مجھ پر بیت رہی ہے اور یوں بھی اب مجھے دھڑا دھڑ فلمیں مل رہی ہیں، مجھے اس کورانی کے ناز نخرے اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کی ویلیو اب زیرو ہو گئی ہے بھگوان نے چاہا تو میرا پلان کامیابی سے تکمیل کو پہنچے گا۔''

راہول نے سازشی انداز میں خود غرضی سے سوچتے ہوئے کہا۔

''شاباش بہت اچھے اپنے اس پاپ میں تو بھگوان کو کیوں انوالو کر رہا ہے بھگوان اسی کام کے لیے رہ گئے ہیں کہ تمہاری اس قتل کی سازش میں تمہاری کامیابی کے آرڈر جاری کریں۔'' کنال نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''تو کیا کروں؟''

''صبر کرو، وقت پر چھوڑ دو ایسا نہ ہو کہ سب کچھ گنوا بیٹھو۔'' کنال نے سمجھایا۔

''یہ سنہری موقع ہے اسے راستے سے ہٹانے کا۔''

''یہ آخری موقع بھی ثابت ہو سکتا ہے تیری چالاکی کا اپنے کام پر فوکس کر۔'' کنال نے تیزی سی کہا۔

زندگی میں کبھی نہ کبھی ہم اس مقام پر آ جاتے ہیں
جہاں سارے رشتے ختم ہو جاتے ہیں
وہاں صرف ہم ہوتے ہیں اور اللہ ہوتا ہے۔
کوئی ماں باپ کوئی بہن بھائی، کوئی دوست نہیں ہوتا۔
پھر ہمیں پتا چلتا ہے کہ ہمارے پاؤں کے نیچے زمین ہے اور نہ ہی سر کے اوپر آسمان۔
بس صرف ایک اللہ ہے جو ہمیں اس خلا میں تھامے ہوئے ہے۔

پیر کامل ..... عمیرہ احمد
جاوید ساقی ..... تحصیل کبیروالا

''لو وہ آ گئی ارادھنا اور آنند جی۔'' راہول نے بائیں جانب دیکھتے ہوئے کہا، جہاں سے وہ بیرونی گیٹ کے ذریعے اندر آ رہے تھے۔

''اے بھگوان، یہ اگر باہر تھے تو اوپر حویلی میں کون تھی، میں نے بولا تھا نا وہ بال ہے حویلی کی بلا ارادھنا نہیں ہے یہ تو باہر سے آ رہی ہے۔'' کنال نے ارادھنا کو دیکھ کر خوف زدہ ہو کر کہا۔

''تو، تو مجھے بھی ڈرا رہا ہے۔'' راہول بھی گھبرا کر کھڑا ہو گیا اور کبھی حویلی کی بالائی منزل کو اور کبھی ارادھنا کو تکنے لگا۔ رات کے ڈھائی بجے تھے۔ راہول اور ارادھنا اپنے کمرے میں سو رہے تھے۔ اچانک سے راہول کو محسوس ہوا اسے کوئی پکار رہا ہے آواز لڑکی کی تھی وہ کسمسا کر کروٹ بدل کر پھر سے نیند میں گم ہو گیا۔

''راہول۔'' آواز بہت پراسرار اور ڈراؤنی تھی راہول ہڑبڑا کر نیند سے جاگا تھا۔

''کون ہے؟'' وہ سائیڈ ٹیبل پر رکھے لیمپ کو آن کر کے بولا۔

''راہول۔'' دوبارہ وہی آواز آئی تو وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ نگاہوں کے عین سامنے سچ مچ اسے خونی بلا کھڑی نظر آئی، وہ خوفزدہ ہو کر زور سے چیخا۔

''یہ..... یہ..... تم آدھی رانکو..... بلا کا گیٹ اپ کر کے کیوں کھڑی ہو۔'' وہ ڈرتے ڈرتے بولا وہ اسے ارادھنا سمجھ رہا تھا۔

Pakistanipoint

''کیا ہوگیا ہے راہول، میں تو تمہارے برابر میں سو رہی ہوں۔'' ارادھنا کی آواز اسے اپنی قریب سے آئی تو اس نے ڈر کر دیکھا وہ واقعی اس کے پاس بیٹھی تھی۔ اب تو اس کے مزید پسینے چھوٹ گئے۔

''تت.....تو.....وہ کک.....کون تھی؟'' راہول نے اٹک اٹک کر سامنے اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''کیا کوئی بھوت دیکھ لیا ہے تم نے؟''

''بھوت نہیں چڑیل، آتما تھی وہاں وہ مجھے پکار رہی تھی۔''

''لگتا ہے کنال نے تمہیں کچھ زیادہ ہی ڈرا دیا ہے اس حویلی اور اس میں بھٹکتی آتما کے قصے سنا کر لو پانی پیو اور شانت ہو جاؤ۔'' ارادھنا نے اسے سائیڈ ٹیبل پر رکھے پانی بھرے جگ سے گلاس میں پانی ڈال کر دیتے ہوئے کہا۔

''مجھے لگتا ہے کنال ٹھیک کہہ رہا تھا یہاں ضرور کوئی آتما ہے اور اب وہ ہمیں پریشان کرے گی، ہمیں نقصان پہنچائے گی۔'' راہول نے بہ مشکل ایک گھونٹ پانی پیا اور کانپتی آواز میں کہا۔

''اچھا صبح بات کریں گے ابھی سو جاؤ میں بہت تھکی ہوئی ہوں بہت نیند آ رہی ہے۔'' ارادھنا نے جمائی لیتے ہوئے کہا اور لیمپ آف کر کے پھر سے سونے کے لیے لیٹ گئی۔

راہول کو جتنے بھی انتر منتر پرارتھنائیں یاد تھیں سب پڑھ ڈالیں اور کمبل میں منہ سر چھپا لیا۔ جب سب کے جاگنے کا وقت ہوا سب وہ سویا تھا۔

ارادھنا نے صبح ناشتے کے دوران آنند پرکاش اور کنال کو راہول کے رات میں ڈر جانے کا واقعہ سنایا تو وہ دونوں بھی پریشان ہو گئے۔

''ہو نہ ہو وہ ضرور آتما ہی تھی۔ اس کی حویلی میں بڑے عرصے بعد مہمان آئے ہیں ان کی خاطر داری تو کرے گی نا وہ کنال نے سنجیدگی سے کہا تو ارادھنا بولی۔

''تم اتنے ایجوکیٹڈ ہو کر بھی آتماؤں پر یقین رکھتے ہو۔''

''ہاں کیوں تم نہیں رکھتیں۔''

''نہیں۔''

''یہاں سے واپسی پر کرنے لگو گی۔'' کنال یہ کہہ کر بیرونی گیٹ کی طرف جانے والے راستے پر چل دیا۔ ارادھنا نے حیرت سے اسے دکھا تھا اس کی بات نے اسے بھی الجھا دیا تھا۔

''آپ کو کیا لگتا ہے؟'' ارادھنا نے آنند پرکاش کو دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ چائے کا گھونٹ بھر کر اپنے جبڑے پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

''بھئی مجھے تو ٹھنڈا گرم لگتا ہے۔''

ان کی اس بات پر سب کو ہنسی آ گئی، جب کہ ارادھنا کے لبوں پر مری مری سی مسکراہٹ ہی رینگ سکی تھی۔ اندر کہیں وہ بھی کنال کی باتوں پر یقین کرنے لگی کہ یہاں واقعی کوئی آتما یا بلا بستی ہے جو لوگوں کا خون کرتی ہے۔

☆.....☆.....☆

لال حویلی راجا راجندر لال کی حویلی چھچھیں علاقے کا کا تا دھرتا مالک اور راجا کہا جاتا تھا۔ حویلی بہت بڑی اور بہت شاندار طرز تعمیر کا نمونہ تھی۔ راجا راجندر لال وہاں اپنی بیٹی نمرتا کی ساتھ رہا کرتا تھا۔ اس کی پتنی اور بیٹے کا دھنانت (انتقال) ہو چکا تھا۔ ایک حادثے میں۔ شہر سے آئے ایک بزنس مین ہری چند کا اتفاقاً حویلی آنا ہوا اسے لال حویلی بہت پسند آئی اور اس نے وہاں ہوٹل پلس گیسٹ ہاؤس بنانے کا سوچا اور راجا راجندر لال سے حویلی بیچنے کی پاتکی منہ مانگی قیمت دینے کا یقین دلایا مگر راجا راجندر لال نہیں مانے۔

ہری چند کا دل اس حویلی پر آ گیا تھا اور وہ اسی ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہتا تھا۔ راجا راجندر لال کی ایک ہی بیٹی تھی نمرتا بہت حسین بہت سندر تھی ہری چند نے نمرتا کو اپنے عشق کے جال میں پھنسا لیا ایک سوچی سمجھی پلاننگ کے تحت تا کہ اس سے شادی کر کے اس کے ذریعے یہ حویلی حاصل کر سکے۔ ستائیس سالہ ہری چند کا دماغ خاص تیز تھا۔ باپ بھی بزنس میں تھا۔ کاروباری فائدہ اور صرف اپنا فائدہ دیکھنا اس نے اپ سے ہی سیکھا تھا۔ راجا راجندر لال کو جب نمرتا کی ہری چند سے ملاقاتوں کا علم ہوا تو اس نے راجندر لال کو جب نمرتا کی ہری چند سے ملاقاتوں کا علم ہوا تو اس نے نمرتا کو سختی سے منع کیا، اس سی منی سے اور حویلی سے باہر جانے سے، جب نمرتا نے کہا کہ وہ ہری چند سے

Pakistan Point

شادی کرنا چاہتی ہے تو راجا نے نمرتا کو ڈانٹ کر بھی سمجھایا اور پیار سے سمجھایا کہ وہ یہ غلطی نہ کرے کیونکہ ہری چند قابل بھروسہ شخص نہیں ہے، لیکن نمرتا چونکہ ہری چند کی محبت کے جال میں پوری طرح پھنس چکی تھی، لہٰذا اس نے باپ کی بات ماننے سے صاف انکار کر دیا اور ہری چند سے مندر جا کر شادی کر لی، راجا راجندر لال کو نمرتا کی اس حرکت سے شدید صدمہ پہنچا لیکن انہوں نے نمرتا کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے آشیرواد ضرور دی کیونکہ انہیں اندازہ تھا کہ ہری چند مکار شخص ہے اور ان کی بیٹی بہت معصوم ہے۔ ہری چند کو یہ نہ لگے کہ ان کی بیٹی اکیلی ہے، اسی لیے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا نمرتا بھی باپ کا شفقت بھرا ہاتھ اپنے سر پر محسوس کر کے خوشی سے ان کے گلے لگ گئی تھی۔

نمرتا اور ہری چند کی شادی کے اگلے روز راجا راجندر لال اپنے کمرے میں مردہ حالت میں پائے گئے، ہری چند نے یہ خبر اڑا دی کہ راجا جی اپنی بیٹی کی اس سے شادی سے خوش نہیں تھے۔ اس لیے انہوں نے زہر کھا کر خودکشی کر لی۔ نمرتا کا رو رو کر برا حال تھا لاش کا پوسٹ مارٹم بھی نہیں ہونے دیا ہری چند نے اور راجا جی کا کریا کرم بڑے اعزاز کے ساتھ کرایا، علاقے کے لوگوں کو جامی کی موت کا افسوس تھا کیونکہ وہ مہربان تھا اپنی رعایا کے لیے جابر یا ظالم نہیں تھا۔ نمرتا کو یہ احساس کھائے جاتا کہ اس کا باپ اس کی بغاوت اور نافرمانی کی وجہ سے خودکشی کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ اس دنیا سے ہی چلا گیا وہ اس احساس جرم اور احساس ندامت میں گھری ہر وقت روتی رہتی تھی ہری چند اسے بہلانے کے لیے پیار سے اسے ایک دن کہتا ہے۔

”نمرتا کیوں نہ ہم اس حویلی کو ہوٹل اور گیسٹ ہاؤس بنا دیں تاکہ تمہارے باپو جی کی موت کے بعد گردش کرنے والی افواہوں اور خوف کی فضا کو ختم کیا جا سکے۔ یہاں ہوٹل بن جائے گا تو لوگ آتے جاتے رہیں گے۔ رونق رہے گی باپ جی کی روح بھی شانت ہو جائے گی۔ یہ دیکھ کر کہ ان کی حویلی آج بھی آباد ہے تم بھی مصروف ہو جاؤ گی اور باپ جی کی موت کے صدمے سے باہر آ جاؤ گی اب تمہارا میرے سوا اور میرا تمہارے سوا ہے ہی کون، ہم دونوں کو ہی ایک دوسرے کا سہارا بننا ہے تو کیوں نہ مل کر اس منصوبے پر کام کریں؟ تم میرا پیار ہو، میری پتنی ہو میں تمہیں ایسے

آپ دنیا کے کسی بھی خطے میں مقیم ہوں

ماہنامہ نئے افق

ہم بروقت ہر ماہ آپ کی دہلیز پر فراہم کرینگے

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زرسالانہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

پاکستان کے ہر کونے میں 600 روپے

امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے

6000 روپے

مڈل ایسٹ، ایشیائی، افریقہ، یورپ کے لیے

5000 روپے

رقم ڈیمانڈ ڈرافٹ، منی آرڈر، منی گرام ویسٹرن یونین کے ذریعے بھیجی جا سکتی ہیں۔ مقامی افراد

ایزی پیسہ اکاؤنٹ نمبر
0316-0128216

موبی کیش اکاؤنٹ نمبر
0300-8264242

رابطہ: طاہر احمد قریشی..... 0300-8264242

نئے افق گروپ آف پبلی کیشنز

81 نیپیئر بیرکس، ہائی کلب آف پاکستان
اسٹیڈیم نزد آنچل پریس کراچی 75510

فون نمبرز: +922-35620771/2

naeyufaq.com

Info@naeyufaq.com

اداس نہیں دیکھ سکتا۔ تم دکھی ہوتی ہو تو میرا بھی دل دکھ سے بھر جاتا ہے۔'' نمرتا اس کی چکنی چپڑی باتوں میں آ کر اس کا ساتھ دینی کی ہامی بھر لیتی ہے۔ نمرتا کے ہاں کرنے کی دیر تھی ہری چند نے حویلی کی تزئین و آرائش نئے سرے سے کرانی شروع کر دی اور جہاں ضرورت محسوس ہوئی تعمیر و مرمت کا کام بھی شروع کرا دیا گیا۔

ہری چند نے بڑی چالاکی سے پیار بھری باتوں کے سحر میں نمرتا کو جکڑ کر کچھ کاغذات پر انگوٹھے لگوا لیے اور دستخط بھی کرا لیے جن کے ہوتے ہی ہری چند لال حویلی کا مالک بن بیٹھا تھا جو حویلی نمرتا کے نام تھی وہ اب اس کے پتی ہری چند کے اختیار میں آ گئی تھی۔ ہری چند نے لال حویلی کو لال حویلی ریسٹورنٹ کا نام دے دیا اور اس کی خوب تشہیر کی گئی جگہ جگہ لال حویلی ریسٹورنٹ کے نام کا ڈنکا بجنے لگا تو لوگ دھڑا دھڑ وہاں آنے لگے۔ دوپہر اور رات کے کھانے کے لیے عوام لال حویلی ریسٹورنٹ کا رخ کرنے لگے۔ شہر سے یا دور دراز علاقوں سے آنے والے مسافر لال حویلی کے مہمان بننے لگے۔ ہری چند پر نوٹوں کی بارش ہونے لگی تھی اس کاروبار کے ذریعے وہ بہت خوش تھا۔ لال حویلی ریسٹورنٹ میں پارٹیوں اور شادیوں کی تقاریب بھی منعقد ہونے لگی تھیں۔

جتنا زیادہ ریسٹورنٹ چل رہا تھا ہری چند اتنا ہی بدل رہا تھا۔ نمرتا کو اس کا بدلا ہوا روپ اور رویہ بہت تکلیف دے رہا تھا وہ آئے دن نئی نئی لڑکیوں کے جھرمٹ میں ڈانس کرتا، شراب پیتا دکھائی دینے لگا۔ ہوٹل میں اس نے منی بار کے نام سے ایک حصہ شراب کے شوقین افراد کے لیے بطور خاص بنوایا تھا، نمرتا کو ہر چند کی خود سے بے زاری، غیر لڑکیوں کے لیے بے قراری نے غصے میں پاگل کرنا شروع کر دیا تھا۔ اسے یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ ہری چند نے محض حویلی حاصل کرنیکی غرض سے اس سے شادی کی تھی۔ محبت کو اس نے حویلی تک پہنچنے کا زینہ بنایا تھا۔ اب اسے اپنے باپ کی باتیں یاد آ رہی تھیں وہ کتنا صحیح کہتے تھے سمجھاتے تھے اسے مگر اس کے دماغ پر تو ہری چند کی محبت کا بھوت سوار تھا۔

نمرتا نے ہری چند سے اس کے بدلتے رویے کا گلہ کیا تو اس نے اسے یہ کہہ کر مطمئن کرنا چاہا کہ محبت کا بھوت سوار تھا۔

''نمرتا نے ہری چند سے اس کے بدلتے رویے کا گلہ کیا تو اس نے اسے یہ کہہ کر مطمئن کرنا چاہا کہ ایسا کچھ نہیں ہے۔ یہ صرف اس کا وہم ہے، ہری چند کی رنگ رلیاں بڑھتی جا رہی تھیں اور نمرتا کی برداشت گھٹتی جا رہی تھی، نمرتا کو اولاد کی خواہش تھی۔ اس نے سوچا کہ بچے ہو جائیں گے تو ہری چند کو اپنی ذمہ داری کا احساس ہوگا اور وہ باہر بے لگام ہوا نہیں پھرے گا۔ بہت سوچنے کے بعد نمرتا نے ہری چند سے بچوں کے حوالے سے بات کی تو ہری چند نے صاف صاف کہہ دیا۔

''مجھے فی الحال اولاد کی خواہش ہے نہ ہی میں یہ ذمہ داری اٹھانا چاہتا ہوں۔''

''کیوں آخر، ہمارے پاس کیا نہیں ہے؟ دھن دولت، بنگلہ، گاڑی، بینک بیلنس سب ہی کچھ تو ہے کسی چیز کی کمی نہیں جو ہم اپنے بچوں کی ذمہ داری نہ اٹھا سکیں، میں نے کہہ دیا مجھے بچے چاہیں، ایک عورت ماں بن کر ہی مکمل ہوتی ہے اولاد پیدا کر کے ہی اس کی شادی کی خوشی پوری ہوتی ہے۔'' نمرتا نے نہایت سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''بے کار کی باتیں مت کرو نمرتا، لائف انجوائے کرو۔''

''تم انجوائے کر رہے ہو نا، کافی ہے، مجھے تو صرف بچے چاہئیں۔'' نمرتا بھی ضدی پن سے بولی تو ہری چند سپاٹ لہجے میں بولا۔

''مگر مجھے تم سے بچے نہیں چاہیے۔''

''تو اور کس سے چاہیے۔ ان سے جن کے ساتھ رات بھر اپنا منہ کالا کرتے ہو۔'' ہری چند کا ہاتھ اٹھا اور نمرتا کے گال پر نشان چھوڑ گیا۔ وہ سناٹ میں آ گئی۔ ہری چند بھی اس پر ہاتھ بھی اٹھا سکتا ہے۔ یہ تو اس نے سپنے میں بھی نہ سوچا تھا۔

''بس سچ سنتے ہی تمہارا پیار ہوا ہو گیا نا، میں اتنے عرصے سے دیکھ رہی ہوں جھیل رہی ہوں میرا کوئی احساس ہے تمہیں۔'' نمرتا نے اپنے گال پر ہاتھ رکھ کر ہری چند کو غصے، نفرت اور بے بسی سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''احساس نہ ہوتا تو کب کا چھوڑ دیا ہوتا تمہیں، تم لاکھ سندر ہو، حسین ہو، قلوپرہ ہو مگر جان من تم میرا آئیڈیل نہیں

Pakistanipoint

ہو تمہیں وقت اور سوسائٹی کے ساتھ چلنا ہی نہیں آتا وہی بلیک اینڈ وائٹ زمانے کی روح گھسی ہوئی ہے تمہارے اندر ابھی تک۔'' ہری چند نے ہتک آمیز لہجے میں کہا۔

''یہ ہمارے سنسکار ہیں میں مشرق کی لڑکی ہوں، ایک راجا کی بیٹی ہوں، اپنی مریادا کبھی پار نہیں کروں گی، ایسا کچھ نہیں کرسکتی جس سے میرے پرکھوں کی پرورش پہ بات آئے وہ ان کی سکھائی سب باتیں تو نہیں بھولی ابھی۔'' نمرتا اس کے لہجے کی تلخی اور گراوٹ کو محسوس کرنے کے باوجود نظرانداز کرتے ہوئے بولی۔

''تو مجھی بھول جاؤ جان چھوڑو میری۔'' وہ غصیلے لہجے میں بولا۔

''ایسے کیسے چھوڑ دوں؟ پتنی ہوں میں آپ کی۔''

''تو اب نہیں رہو گی۔'' وہ بیزاری اور بے رحمی سے بولا۔

''کیا مطلب؟'' نمرتا نے ڈوبتے دل کو تسلی دیتے ہوئے اونچے لہجے ہری چند کو دیکھا جس کے چہرے پر اس پل بے رحمی، سفاکی اور اجنبیت کے سارے انگارے جل رہے تھے جو نمرتا کی آتما کو جھلسا رہے تھے۔

''مجھے تم سے کچھ نہیں چاہیے اب جو چاہیے تھا وہ مل چکا ہے۔''

''یعنی لاحویلی کا قبضہ۔'' نمرتا کا شک زبان پر آ گیا۔

''ہاں اور اب تمہاری حیثیت میری نظر اور زندگی میں خراب ٹشو جیسی ہے جسے دوسری بار استعمال میں نہیں لایا جاسکتا ہے جو صرف کوڑے دان میں پھینکے جانے کے لائق ہے۔'' ہری چند نے اس کی بے عزتی کرتے ہوئے کھل کر اپنی خود غرضی کا اظہار کیا تو نمرتا دکھ اور غصے سے پاگل ہوگئی۔

''کتنے نیچ اور گھٹیا ہو تم باپو جی نے مجھے کتنا سمجھایا تھا لیکن میری آنکھوں پر تمہارے پیار کی پٹی بندھی تھی۔'' نمرتا اسے شعلہ بار نظروں سے دیکھتے ہوئے دکھ سے بولی۔

''چلو اب تو یہ پٹی اتر گئی ہے نا تمہیں صاف دکھائی دینے لگا ہے نا تو تم بھی یہاں سے چلتی پھرتی دکھائی دو جاؤ یہاں سے۔''

ہری چند نے سبز ساڑھی میں ملبوس نمرتا کو ناقدری اور بے حسی سے دیکھتے ہوئے حکمیہ انداز میں کہا۔

''میں کہیں نہیں جاؤں گی میں اس حویلی میں پیدا ہوئی تھی اور مروں گی بھی یہیں۔'' نمرتا نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''تو تم چاہتی ہو کہ میں تمہارا خون کردوں؟ اپنی جوانی پہ ترس کھاؤ جاؤ یہاں سے اور نئی زندگی شروع کرو کسی نئے آدمی کے ساتھ میں تمہیں طلاق دوں گا اور معقول رقم بھی اتنا سنگدل نہیں ہوں میں کہ تمہیں خالی ہاتھ تمہارے گھر سے نکال دوں، کچھ لحاظ ہے مجھے تمہارے پیار کا ہمارے رشتے کا۔'' ہری چند نے اس کے بالوں کو چھیڑتے ہوئے مکاری سے کہا۔

''یہ حویلی میری ملکیت ہے تم مجھے یہاں سے نہیں نکال سکتے۔ میں عدالت جاؤں گی قانون سے مدد لوں گی۔''

نمرتا روہانسی ہوکر بولی تو وہ خباثت سے ہنسا اور بولا۔

''کوئی فائدہ نہیں ہوگا اس لیے کہ حویلی کے کاغذات کے مطابق یہ حویلی اب میری ملکیت ہے اور تمہارا اپنا راضی نامہ ہے جس کی رو سے تم نے اپنی مرضی اچھا اور خوشی سے اپنی حویلی اپنے شوہر ہری چند کے نام کردی تھی تمہارے ہاتھ میں اب کچھ بھی نہیں ہے اور تم جس قانون کی بات کر رہی ہو نا وہ بہرہ اور اندھا بھی بن جاتا ہے تم جیسوں کو آواز اسے سنائی ہی نہیں دیتی۔ آنسو دکھائی ہی نہیں دیتے سو یہ سب بیکار ہے میری مانو، جیسا میں نے کہا ہے ویسا کرلو ورنہ۔''

''ورنہ کیا؟'' نمرتا غصے اور صدمے سے چلائی۔

''مجبوری ہے تمہیں بھی تمہارے باپو جی کے پاس بھیجنا پڑے گا۔''

''تو میرا شک ٹھیک نکلا تم نی میرے باپو جی کا قتل کیا تھا نا زہر دے کر تم نے نہیں مارا تھا نا۔''

''ہاں.....'' اس نے دیدہ دلیری سے اعتراف کیا۔

''ذلیل، کمینے، کتے احسان فراموش، گھٹیا آدمی میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی، خون پی جاؤں گی تمہارا۔'' نمرتا بپھری ہوئی شیرنی کی طرح اس پر جھپٹی اس کا گریبان پکڑا اسے مکے تھپڑ مارنے لگی۔

نمرتا کے اس ردعمل کے لیے وہ تیار نہ تھا سو بوکھلا گیا ٹی وی کی آواز اونچی کردی تاکہ باہر ان کی آوازیں کوئی نہ سن سکے حویلی کے بالائی حصے میں ان کی رہائش جو تھی۔

Pakistanipoint

''یہ کیا بے ہودگی ہے چھوڑو مجھے پاگل عورت۔'' ہری چند نے غصے سے کہتے ہوئے اسے پکڑا اور پوری قوت سے بیڈ کی طرف دھکیل دیا وہ بیڈ پر جا گری اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''چوبیس گھنٹے ہیں تمہارے پاس سوچ لو نئی زندگی یا دردناک موت فیصلہ تمہارا ہے، مجھے تو بس عمل کرنا ہے بابے۔''

یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر چلا گیا اور دروازہ بھی باہر سے لاک کر دیا۔ شیشے کے دروازوں سے اس کی آواز باہر نہیں جانے والی تھی، نمرتا اپنی بے وقوفی بے بسی اور اس قدرتا قدری پر تڑپ تڑپ کر رونے لگی۔

☆.....☆.....☆

''اس کا مطلب ہے کہ ہری چند نے نمرتا کا بھی خون کر دیا تھا۔ یہاں جو آتما، بدروح گھومتی ہے لوگوں کا خون کرتی ہے کہ قصے مشہور ہیں وہ درست ہیں وہ کوئی اور نہیں نمرتا ہی کی آتما ہے جو اپنے ساتھ ہونے والے ظلم کی وجہ سے حویلی میں بھٹکتی پھرتی ہے جب تک اس کے قتل کی اصل کہانی اور قاتل دنیا کے سامنے نہیں آجاتا وہ ایسے ہی بھٹکتی رہے گی اور معصوم لوگوں کو پریشان اور خوفزدہ کرتی رہے گی۔'' کنال نے لال حویلی کے پرانے ملازم کی زبانی یہ ساری کہانی حویلی آ کر اپنے ساتھیوں کو سنائی تو اسے سن کر آنند پرکاش بولے۔

''ہاں مجھے بھی یہی لگتا ہے اور اس بوڑھے ملازم نے یہ بھی بتایا ہے کہ وہ آتما یہاں کسی معصوم کا خون نہیں کرتی ابھی تک جتنے انسانوں کا خون اس نے کیا ہے وہ سب کے سب اول درجے کے مکار اور دھوکے باز تھے، چونکہ نمرتا نے اپنے شوہر کی طرف سے اتنا بڑا دھوکا کھایا تھا اس لیے نمرتا کو ایسے انسانوں سے شدید نفرت ہے جو دوسروں کا اپنوں کا بھروسا توڑتے ہیں جو لالچی اور خودغرض ہیں وہ ایسے انسانوں کا خون کرتی ہے تین چار قتل لگاتار ہوئے تو لال حویلی ریسٹورنٹ سب کے لیے خوف کی علامت بن گیا۔ لوگوں نے یہاں آنا چھوڑ دیا اور ایک وقت آیا کہ حویلی میں الو بولنے لگے۔ ہری چند حویلی کو تالا لگا کر بیرون ملک چلا گیا۔ حویلی کی رکھوالی کرنے والے ملازموں نے بھی نمرتا کی آتما کو یہاں دیکھا ہے وہ شاید ہری چند سے اپنا اور اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لینا چاہتی ہے، جب تک وہ انتقام نہیں لے لے گی تب تک اس کی آتما کو مکتی نہیں ملے گی۔''

کنال نے ان سب کو دیکھتے ہوئے بتایا۔

''نمرتا کی موت کیسے ہوئی؟''

''یہ تو نمرتا ہی بتا سکتی ہے۔'' کنال بولا۔

''تمہارا مطلب ہے نمرتا کی آتما؟'' راہول بولا۔

''ہاں۔''

''کیسے بتائے گی وہ یہ سچ؟'' راہول نے سوال کیا۔

''ہوسکتا ہے تمہیں بتا دے تمہارے کمرے میں آئی تھی نا تمہیں آوازیں دیتی ہوئی۔'' کنال نے راہول کو دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا تو وہ خوفزدہ ہو کر بولا۔

''مجھے نہیں سنی اس کی کوئی بات۔''

''ڈر کیوں رہے ہو؟ وہ معصوم انسانوں کو کچھ نہیں کہتی جو کسی کو دھوکا دینے، قتل کرنے، نقصان کرنے کی نیت اور ارادہ لے کر لال حویلی آتے ہیں وہ صرف ان کا خون کرتی ہی۔'' کنال نے بڑے طریقے سے اسے اس کے گھناؤنے مشن کی یاد دلاتے ہوئے کچھ سمجھانا چاہا تھا۔

''اور آتما کو کیسے پتا چلتا ہے کہ یہاں کون کس نیت اور ارادے سے آیا ہے؟'' راہول نے اس کی بات سمجھتے ہوئے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''میرے دوست وہ آتما ہے اس سے کچھ چھپا نہیں رہ سکتا وہ ہمارے آس پاس موجود ہوگی ہماری سرگوشیاں بھی سن سکتی ہے اور سازشیں بھی جان سکتی ہے لہٰذا دھیان سے رہو۔'' کنال نے معنی خیز نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو اس کے تو پسینے چھوٹ گئے۔ چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

''میرے خیال سے ہمیں واپس جانا چاہیے۔'' ارادھنا ساری باتیں سننے کے بعد بے کل ہو کر بولی۔

''فلم کی شوٹنگ کا کیا ہوگا؟'' آنند پرکاش نے سوال کیا۔

''اس کے لیے تو آپ حویلی کا سیٹ بھی لگوا سکتے ہیں۔'' ارادھنا نے کہا۔

''ہاں لیکن میں ایسا نہیں چاہتا تھا اسی لیے یہاں آنے کا پلان بنایا تھا۔ اصل لوکیشن پر شوٹ کرنے کا اپنا چارم ہوتا ہے اور کل سے بلکہ آج سے ہم شوٹنگ اسٹارٹ کر رہے ہیں سب سن لیں اور اپنا اسکرپٹ یاد کر لیں۔'' آنند پرکاش نے

Pakistanipoint

بڑی سنجیدگی سے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

’’اسکرپٹ کیا یاد کرنا ہے، ڈرنے چیخنے کیا داکاری ہی تو کرنی ہے جن کو آتما سے گفتگو کرنی ہے وہ یاد کریں اپنی لائنز۔‘‘ نئے اداکار راجو نے کہا تو سب کو ہنسی آ گئی۔

☆.....☆.....☆

لال حویلی میں یہ ان سب کی دوسری رات تھی اور شوٹنگ کا پہلا سین اوکے ہونیکے بعد دوسرے سین کی تیاری جاری تھی۔ ارادھنا خونی بلا کے گیٹ اپ میں حویلی کے ڈائننگ ہال میں موجود تھی۔ راہول اور کنال بھی اپنا میک اپ گیٹ اپ کرا کر سین شوٹ کرانے کے لیے ہال میں پہنچ چکے تھے۔

’’راہول، راہول۔‘‘ راہول کے کانوں میں پھر سے وہی آواز آئی تو وہ ہڑبڑا کر آواز کی سمت مڑا، خونی بلا اس کے سامنے کھڑی سر ہلاتی ہوئی پراسرار انداز میں مسکرا رہی تھی۔

آنند پرکاش نے کیمرہ آن کیا سب کو سین کے لیے ریڈی ہونے کا اشارہ دیا۔

’’اردھنا تم تو سچ مچ خونی بلا لگ رہی ہو، مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم اتنی اچھی اداکارہ ہو۔‘‘ راہول نے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ بہت بھیانک انداز سے ہنسنے لگی۔ وہاں موجود ہر شخص ہراساں و ششدر رہ گیا۔

’’تم بھی یہاں خون کرنے آئے ہو نا، بولا راہول۔‘‘ خونی بلا دراصل نمرتا کی آتما تھی جو اس وقت اس کے سامنے موجود تھی۔ اس کے خوف کے مارے پسینے چھوٹ گئے تھے۔

’’اے..... یہ تو اصلی والی بلا آ گئی، اور اسے تیرے ارادوں کا بھی پتا چل گیا ہے اب تو تو گیا۔‘‘

’’کنال نے راہول کے کان کے قریب ہو کر سرگوشی کی وہ مزید خوفزدہ ہو گیا آنند پرکاش نی سین ریکارڈ کرنے کا اشارہ دیا۔

’’کک..... کون ہو تم..... جج..... جاؤ..... ورنہ میں تمہارا خون کر دوں گا ہمیں ہمارا کام کرنے دو۔‘‘ راہول نے اپنی لائنز بولیں وہ اسے ارادھنا سمجھ کر ہی سین مکمل کرنے کے چکر میں تھا۔

’’میں تمہارا کام تمام کر دوں گی تم سب کو یہاں آنے

آپ دنیا کے کسی بھی خطے میں مقیم ہوں

ماہنامہ آنچل کراچی
ماہنامہ حجاب کراچی

ہم بروقت ہر ماہ آپ کی دہلیز پر فراہم کرینگے

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زرِ سالانہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

پاکستان کے ہر کونے میں 850 روپے

امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے

8000 روپے

مڈل ایسٹ، ایشیائی، افریقہ، یورپ کے لیے

6000 روپے

رقم ڈیمانڈ ڈرافٹ، منی آرڈر، منی گرام ویسٹرن یونین کے ذریعے بھیجی جا سکتی ہیں۔

مقامی افراد

ایزی پیسہ اکاؤنٹ نمبر
0316-0128216

موبی کیش اکاؤنٹ نمبر
0300-8264242

رابطہ: طاہر احمد قریشی..... 0300-8264242

نئے اُفق گروپ آف پبلی کیشنز

81 نیپیئر بیرکس، ہائی کلب آف پاکستان
اسٹیڈیم نزد آنچل پریس کراچی 75510

فون نمبرز: +922-35620771/2

naeyufaq.com

Info@naeyufaq.com

PakistaniPoint

کی قیمت چکانا ہوگی۔ یہ میری حویلی ہے یہاں میرا راج ہے راجا کی بیٹی کا راج۔ ہاہاہا۔'' خونی بلا نے خوفناک لہجے میں کہا اور ہنسنے لگی اب تو سب کو یقین ہوگیا تھا کہ یہ اصلی بلا ہے۔

''تم.....نمرتا ہو؟'' راہول نے ہمت کرکے پوچھا۔

''نہیں.....تم نمرتا کی

آتما ہو ہے نا۔'' کنال نے تصحیح کی۔

''ہاں یہ نمرتا کی آتما ہے کیونکہ میں تو ادھر ہوں۔'' ارادھنا کی آواز پیچھے سے آئی تو سب کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، اور نمرتا کی آتما ہنسنے لگی۔

''او مائی گاڈ، میں پہلی بار لائیو آتما دیکھ رہی ہوں۔'' شیتل پرجوش انداز میں بولی۔

''اور آخری بار بھی کیونکہ آج کے بعد تم کسی کو لائیو دیکھائی نہیں دوگی؟'' راجو بولا۔

''کیا مطلب؟'' شیتل نے اسے گھورا۔

''مطلب یہ مس شیتل کہ لال حویلی میں ہم سب کا باجماعت مرڈر ہونے والا ہے اس لائیو آتما کے ہاتھوں اور ہم بھی خونی آتما کے بہت سے قصوں کا حصہ بن کر رہ جائیں گے آج کے بعد۔'' راجو نے متوقع انجام کی خبر دیتے ہوئے کہا۔

''کیا سچ میں ہم مارے جائیں گے۔''

''امکان تو یہی ہے۔'' کنال بولا۔

''میں نے تو ابھی زندگی میں کچھ دیکھا ہی نہیں ہے۔'' شیتل خوف سے بولی۔ راجو نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

''آتما کو دیکھ لیا اور کیا دیکھنا باقی ہے ذرا سوچو مرنے کے بعد تم بھی اتنی خوفناک ہوجاؤ گی، پلیز وہاں جا کر کبھی آئینہ مت دیکھنا نہیں تو ایک بار پھر خوف اور دہشت سے مرجاؤ گی ہاہاہا۔''

''مجھے نہیں مرنا ابھی۔'' شیتل نے کانپتی آواز میں کہا۔

''تم سب مروگے۔'' نمرتا کی آتما نے غصے سے کہا اور ہال میں گھومنے لگی۔ ڈائننگ ٹیبل پر رکھے برتن ہوا میں اڑنے اور زمین پر گر کر ٹوٹنے لگے۔ وہ سب اپنے بچاؤ کے لیے ہال میں موجود فرنیچر کی آڑ لینے لگے۔

''ہمارا کیا دش ہے؟ ہم کیوں مریں گے تم بتاؤ کیا چاہتی ہو؟ ہم تمہاری مدد کرنے کی پوری کوشش کریں گے تم بتاؤ کہ تمہاری موت کیسے ہوئی تھی۔'' کنال نے ہمت و جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''تم نمرتا ہو نا؟'' ارادھنا نے پوچھا تو وہ آتما ان سب کو خونخوار آگ برساتی آنکھوں سے گھورنے اور چیخنے لگی اور پھر ایک دم سے غائب ہوگئی۔

''یہ کہاں چلی گئی؟'' راہول بولا۔

''سوچ سمجھ کر سوالوں کے جواب دے گی آتما ہو کر اتنی سمجھ ہے، ٹائم لیا ہے سوچنے کا کہ ہم پر بھروسا کرنا چاہیے یا نہیں۔'' کنال نے مسکرا کر کہا۔

''ہاں انسانوں کا کیا بھروسہ، جس سے پیار کا دعویٰ کرتے ہیں اسی کو اپنی غرض کے لیے مار بھی دیتے ہیں۔ نمرتا کے ساتھ بھی تو یہی ہوا تھا۔'' شیتل سنجیدگی سے بولی تو کنال نے راہول کو کچھ کہتی سمجھاتی نظروں سے دیکھا تھا۔ وہ شرم سے نگاہ چرا گیا۔

☆.....☆.....☆

''سر کچھ ریکارڈ ہوا؟ آتما کی انٹری اور پرفارمنس تو بڑی جاندار تھی۔'' راجو نے آنند پرکاش کے پاس آکر پوچھا، وہ کب سے شوٹ کی ریکارڈنگ دیکھ رہے تھے اس کے پوچھنے پر عجیب سا منہ بنا کر بولے۔

''تم سب نمونوں کے علاوہ کوئی نہیں ہے فلمیں جس کا مطلب ہے کہ وہ واقعی نمرتا کی آتما تھی۔ جب ہی تو کیمرے نے اسے ریکارڈ نہیں کیا۔'' ''کوئی بات نہیں سر، بعد میں ایڈیٹنگ کر لیجیے گا نا ارادھنا میم کو ایڈ کر لیجیے گا۔'' راجو نے مفت مشورہ دیا۔

''مجھے مشورہ نہ دو، جا کے راہول کو حوصلہ دو جب سے آتما کو اس کا نام دیا ہوا ہی وہ تو خوف کے مارے چوزہ بن کے رہ گیا ہے۔'' آنند پرکاش نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے کہا تو راجو پرسوچ انداز میں اپنے مخصوص لہجے میں گویا ہوا۔

''ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ میں سمجھا تا ہوں انہیں کہ وہ خونی بلا یعنی آتما بھی ان کی فین ہے مداح ہے اسی لیے اسے ان کا نام یاد ہے وہ تو بہت لکی ہیں کہ آتماؤں میں بھی اتنے مشہور ہیں۔ ہمیں تو یہاں انسان بھی نہیں پوچھتے۔''

''انسانوں والی کوئی خوبی ہوگی تو انسان پوچھیں گے نا

Pakistanipoint

تمہیں۔'' آنند پرکاش نے قدرے بیزار لہجے میں کہا انہیں شوٹنگ کا وقت برباد ہونے کا غصہ تھا۔ اصلی آتما کی وجہ سے ان کا کام کھٹائی میں پڑتا دکھائی دے رہا تھا۔

''میں سمجھ رہا ہوں سر آپ آتما کا غصہ مجھ غریب پر نکال رہے ہیں، خیر میں کچھ کرتا ہوں۔''

''تم کیا کرو گے؟'' آنند پرکاش نے بھنویں سکیڑ کر راجو کو دیکھا۔

''آتما سے مذاکرات کروں گا شاید وہ میری بات مان جائے۔'' راجو نے پراعتماد لہجے میں جواب دیا تو انہیں بے اختیار ہنسی آ گئی۔

''تیری بات تو تیرے گھر والے نہیں مانتے آتما کیا خاک مانے گی۔'' وہ ہنستے ہوئے طنز کر رہے تھے۔

''آپ راجو کو ہلکا لے رہے ہیں سر۔''

''بیٹا کہیں تمہارا آتما سے مذاکرات کرنا تمہیں بھاری نہ پڑ جائے لہٰذا اپنی کھال میں رہو یہ نہ ہو کہ کل کو تمہاری آتما بھی لال حویلی کے گرد چکراتی پھرے۔'' آنند پرکاش نے سنجیدگی سے سمجھایا تو وہ بھی تھوڑا ڈر گیا۔

''مجھے تو سر پہلے ہی بہت چکراتے ہیں مرنے کے بعد تو آرام سے جینے دیا۔'' راجو نے معصومیت سے کہا تو وہ اس کے اس جملے سے محظوظ ہو کر ہنس دیے۔

☆.....☆.....☆

''کنال یار وہ سونے ہی نہیں دے رہی۔'' راہول کمرے سے باہر آ گیا اور کنال کے پاس آ کر بیٹھ گیا جو مہمان خانے میں آتش دان کے قریب بیٹھا کافی سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

''وہ کون؟'' کنال نے اس کا چہرہ دیکھا کنال بھی ایک خوش شکل، خوش مزاج اور پڑھا لکھا لڑکا تھا۔ فلموں میں سائیڈ ہیرو اور کبھی کبھار ہیرو کا رول کیا کرتا تھا۔ اس کی اپنی الگ پہچان تھی۔

''وہی آتما۔'' راہول بے زار اور لاچاری سے بولا۔

''میں سمجھا ارادھنا۔''

''وہ ارادھنا بن کر کمرے میں آ جاتی ہے یار مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔'' راہول نے بے بسی سے کہا۔

''ارادھنا کو ڈر نہیں لگ رہا جو تو اسے کمرے میں اکیلا چھوڑ آیا ہے۔'' کنال نے سرد لہجے میں کہا۔

''اسے کیوں ڈر لگے گا؟ وہ کسی بلا سے کم ہے کیا؟''

''تیری انہیں باتوں کی وجہ سے وہ آتما تیرے نام کی مالا جپتی ہوئی تیرے پیچھے آ رہی ہے۔ اس کو بھی اس کی پتی نے دھوکا دیا تھا مار دیا تھا کیسے یہ کسی کو نہیں معلوم تو بھی ایسی ہی سوچ رہا تھا نا اسی لیے وہ تجھے سزا دینا چاہتی ہے اپنے شوہر ہری چند سے تو وہ بدلہ نہیں لے سکی مگر اس جیسے مردوں کو ضرور ٹھکانے لگانے کا مشن جاری رکھے ہوئے ہے ہو۔'' کنال نے مدہم آواز میں کہا۔

''یار میں باز آیا اپنے اس مکروہ ارادے سے اوپر والا مجھے معاف کر دے بس میں یہاں سے زندہ واپس جانا چاہتا ہوں، جان ہے تو جہان ہے میں ارادھنا کو کبھی نہیں چھوڑوں گا آئی پرامس۔'' راہول نے ایمانداری سے کہا اسی وقت کمرے کی لائٹس آن آف ہونے لگیں ہوا اچانک سے بہت تیز اور ٹھنڈی چلنے لگی، کسی عورت کے رونے کی آواز گونجنے لگی وہ دونوں خوفزدہ ہو کر ایک دوسرے کا بازو تھامے اٹھ کھڑے ہو گئے۔

''یہ..... یہ..... رو کون رہا ہے؟'' راہول نے ڈرتے ڈرتے پوچھا تو وہ چڑ کر بولا۔

''رہا ہے نہیں..... رہی ہے۔ آواز کی تمیز بھی بھول گیا۔''

''کنال یار چل بھاگ چلیں یہاں سے۔'' راہول نے کہا۔

''رات کے اس پہر دماغ ٹھیک ہے تیرا۔''

''تجھے دماغ کی پڑی ہے اگر ہم دو دن بھی یہاں اور رکے تو کچھ بھی ٹھیک نہیں رہے گا۔ مجھے نہیں کرنی یہ فلم میں صبح ہوتے ہی واپس چلا جاؤں گا، ارادھنا کو لے کر۔'' راہول نے خوفزدہ لہجے میں کہا تو اسی وقت وہ رونے کی آواز ہنسی میں تبدیل ہو گئی دونوں نے کمرے میں چاروں طرف نظر دوڑائی اور پھر ایکدوسرے کو دیکھا۔

''تم میں سے کوئی نہیں جا سکتا تم سب ادھر ہی مرو گے۔ مرو گے تم سب۔'' آتما نے سامنے ظاہر ہوتے ہوئے غصیلے لہجے میں چلا کر کہا۔ وہ دونوں خوف سے پہلے اور سر پڑ گئے۔

''مم..... مگر ہمارا کیا قصور ہے نمرتا۔'' کنال نے حلق سی تھوک نگل کر بمشکل کہا۔

Pakistanipoint

''تم مجھے جانتے ہو تو ہری چند کو بھی جانتے ہو گے۔''

''نن..... نہیں..... بس سنا ہے..... تم بتاؤ ہم سے کیا چاہتی ہو؟ ہم کیا کریں تمہارے لیے؟'' کنال نے ہمت کر کے پوچھا۔

''ہری چند کو بلاؤ..... بلاؤ اسے یہاں..... اس نے مجھے قتل کیا تھا۔ میں بدلہ لوں گی اس سے اپنی اور اپنے باپو جی کی موت کا۔ بلاؤ اسے۔'' نمرتا کی آتما نے بڑے جلالی لہجے میں حکم صادر کیا۔

''ہمیں کیا پتا کہ وہ کہاں ہے ہم کہاں سے بلائیں اسے تم بتاؤ تمہیں تو سب پتا ہوتا ہے نا تمہارا نیٹ ورک ہم سے زیادہ پاور فل ہے تم پتا لگا لو گے بتاؤ وہ کہاں ہے؟'' کنال نے اسے دیکھتے ہوئے کانپتی آواز میں کہا۔

''تم میرا مذاق اڑا رہے ہو۔'' نمرتا کی آتما کو مزید غصہ آ گیا اس نے آتش دان پر رکھے گلدان اٹھا اٹھا کر دیواروں میں مارنا شروع کر دیے وہ دونوں مزید سہم گئے۔

''اپنا سینس آف ہیومر آتماؤں پہ تو نہ آزما۔'' راہول نے کنال کو غصے سے گھور کر کہا تو آتما اس کے سر پر آن پہنچی۔

''زندہ نہیں بچو گے تم بھی اپنی پتنی کا فائدہ اٹھا کر اس سے مارنا چاہتے ہو نا۔'' نمرتا کی آتما نے راہول کو گردن سے دبوچ کر اوپر اٹھاتے ہوئے غصیلے لہجے میں تیز آواز میں کہا، راہول کی حالت تو مرنے والی ہو گئی، کنال اب صحیح معنوں میں اس سے خوف محسوس کر رہا تھا۔

''نن..... نہ نہیں..... تو میں ایسا نہیں چاہتا میں نے سوچ لیا..... ہے اپنی..... پتنی کے ساتھ..... ہمیشہ وفادار رہوں گا۔'' راہول بہ مشکل اٹک اٹک کر لرزتی آواز میں بولا تو وہ مکروہ اور خوفناک انداز میں قہقہہ لگا کر بولی۔

''ہاہاہا..... موت..... سامنے دیکھ کر ارادہ بول گیا۔ لیکن میرا ارادہ نہیں بدلا تو مرے گا میرے ہاتھوں تیرے جیسے ہر..... ہری چند کو موت کے منہ میں نہ بھیجا تو میرا نام بھی نمرتا نہیں۔''

''تمہاری موت کس طرح ہوئی تھی۔'' کنال نے سوال کیا تو اس نے جھٹکے سے کنال کی جانب دیکھا اور راہول کو ایک دم سے چھوڑ دیا وہ پکے ہوئے پھل کی طرح زمین پر آ گرا اور آہ بھر کر رہ گیا۔

''نمرتا کی آتما نے زور زور سے رونا، چلانا، شروع کر دیا تھا پورا ہال اس کی خوفناک آوازوں سے لرزنے لگا۔ آنند پرکاش، اردھنا، راجو، شیتل اور ساری ٹیم یہ آوازیں سن کر وہیں چلی آئی۔

''ہم سمجھے شوٹنگ ہو رہی ہے۔'' رانے راہول اور کنال کے پاس آ کر آتما کو دیکھتے ہوئے ڈرتے ہوئے کہا۔

''اگر اس کی نہ مانی تو اصلی والی شوٹنگ ہو جائے گی گولیاں چلیں گی اور ہم سب نہیں چل سکیں گے کبھی۔'' کنال آہستگی سے بولا۔

''کچھ کریں نا کنال سر۔'' شیتل بولی۔

''کر تو رہا ہوں مذاکرات۔'' وہ بولا۔

''راہول تمہیں کیا ہوا؟'' اردھنا زمین پر کراہتے راہول کو بازو سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''آتما نے مزاج پرسی کی ہے۔'' کنال نے جواب دیا۔

''کیوں؟'' اردھنا کا سوال اسے خود کو بھی بچکانہ محسوس ہوا تھا۔

''بتا دوں کیوں؟'' کنال نے راہول کو سوالیہ نظروں سے دیکھا تو اس نے منت بھری صورت بنائی اس کا پردہ رکھنے کا ارادہ کیا تھا۔

''چھیڑ رہا تھا آتما کو۔'' کنال بولا اور اس دوران نمرتا کی آتما روتی چیختی چلاتی ایک دم سے غائب ہو گئی تھی۔

ہال میں ایک دم خاموشی چا گئی۔ خوف میں ڈوبی خاموشی۔

''تمہیں تو ہر وقت مذاق ہی سوجھتا ہے۔'' اردھنا نے ناراض نظروں سے کنال کو گھورتے ہوئے کہا اور راہول کو اٹھا کر کرسی پر بٹھا دیا۔

''مجھے چھوڑو اپنے پتی دیو کی فکر کرو جس کا منہ سوجا ہوا ہے آتما کے ہاتھ لگانے سے وہ صرف دھمکا گئی ہے۔ اسے کہ ہری چند کو یہاں لے آئے ورنہ وہ اسے بھی مار دے گی زندہ نہیں جانے دے گی لال حویلی سے۔'' کنال نے سنجیدگی سے اسے بتایا تو سب ہی پریشان ہو گئے۔

''یہ خونی بلا بنانے کا آئیڈیا کس کا تھا۔'' راجو نے پوچھا۔

''میرا تھا۔'' آنند پرکاش بولے۔
''اور لال حویلی آ کر شوٹ کرنے کا کمال آئیڈیا کس کا تھا؟'' راجو نے اگلا سوال داغا۔
''میرا تھا۔'' آنند پرکاش ہال کی بگڑی شکل پر نگاہ دوڑاتے ہوئے بولے۔
''تو ہمارا کیا قصور ہے ہم سب سچ میں خونی بلا کے ہاتھوں مارے جائیں گے فلم تو بنتی دکھائی نہیں دیتی ہم سب کی ارتھیاں ایک ساتھ اٹھتی دکھائی دے رہی ہیں مجھے تو۔'' راجو نے بڑے آرام سے پر سوچ انداز میں کہا تو آنند پرکاش کو غصہ آ گیا۔
''تم کل کے لڑکے میرا مذاق اڑا رہے ہو۔''
''نہیں تو، بلکہ میں تو کہہ رہا ہوں کہ آپ کی وجہ سے نمرتا کو بالآخر انصاف مل جائے گا، اس کی موت کیسے ہوئی یہ سچ بھی کل تک سامنے آ جائے گا اور نمرتا کی آتما کو بھی مکتی، شانتی نصیب ہو جائے گی آپ نے بہت ثواب کمائے ہیں یہاں آ کر۔'' راجو نے فوراً بات بناتے ہوئے کہا۔
''ٹھیک کہہ رہا ہے راجو۔'' شیتل بولی۔
''اب مسئلہ یہ ہے کہ ہری چند کو کہاں سے ڈھونڈ کر لائیں؟'' کنال نے سنجیدگی سے کہا تو آنند پرکاش بولے۔
''حویلی کے پرانے ملازم سے بات کرتے ہیں اور ہری چند کا باپ پریم چند تیواری بزنس مین تھا مشہور آدمی تھا اسی لیے پتا لگانا اتنا مشکل نہیں ہوگا کہ ہری چند کہاں ہے؟''
''ہاں امریکا یا کینیڈا گیا ہوگا ہری چند، انڈینز کی تان کینیڈا آ جا کے ہی ٹوٹتی ہے یا زیادہ سے زیادہ امریکا کی قدم بوسی کرتے ہیں ارادھنا نے کہا۔
''بات تو ٹھیک ہے۔ پھر صبح کسی سے کہتے ہیں کہ ہری چند کو تلاش کر کے بھیجے ادھر۔'' پرکاش نے کہا تو کنال اپنے مخصوص لہجے میں بولا۔
''ہاں بالکل اس کی موت لال حویلی میں اس کا ویٹ کر رہی ہے اور وہ نجانے کہاں پیگ لگاتا پھر رہا ہے اور ہم اس کی وجہ سے یہاں آتما کے مہمان بنے بیٹھے ہیں۔''
''آہستہ بول وہ سن لے گی۔'' راہول نے نے بھی زبان کھولی۔
''شکر ہے تو نے بھی آواز نکالی۔'' کنال مسکراتے ہوئے بولا۔

''تو اتنا ریلیکس کیسے ہے؟؟ ڈر نہیں لگتا تجھے آتما سے؟''
''لگتا ہے مگر مستقبل نہیں میرے انکل ہیں دہلی والے وہ آتماؤں کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہیں میں نے ان کی کمپنی میں بہت کچھ دیکھا سنا پڑھا اور سیکھا ہے اس لیے لال حویلی کی آتما کو بھی سمجھنے، سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔'' کنال نے سنجیدگی سے جواب دیا۔
''اچھا اب سب اپنے اپنے کمروں میں جاؤ، سونا نہیں ہے کیا؟ صبح تک ہم بھی جاگ جاگ کر آتما میں تبدیل ہو چکے ہوں گے۔ آنند پرکاش نے تیزی سے کہا تو شدید خوف اور ٹینشن کے باوجود سب کو ہنسی آ گئی اور سب اپنے کمروں کی طرف چل دیے۔

☆.....☆.....☆

ہری چند ان دنوں کینیڈا میں تھا، دوسری شادی کر چکا تھا۔ دو بچے بھی تھے اس کے وہیں بزنس کر رہا تھا۔ کنال نے پتا لگا لیا تھا اور ساتھ ہی اپنے انکل اجیت نہرا کو بھی لال حویلی کی موجودہ صورت حال اور نمرتا کی آتما کی موجودگی کا بتا کر وہاں آنے کی ریکوئسٹ کی تھی اس نے تا کہ نمرتا کی اتما کو اس مستقبل اذیت سے چھٹکارا دلایا جا سکے۔ ادھر ہری چند کو اس نی آنند پرکاش کے ذریعے رابطہ کر کے واپس انڈیا آنے کے لیے کہا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ وہ اس کی لال حویلی منہ مانگے داموں خریدنا چاہتا ہے فلم اسٹوڈیو بنانا چاہتا ہے وہاں آنند پرکاش نے آفر اتنی پرکشش دی تھی کہ ہری چند جیسے لالچی انسان کے منہ میں پانی بھر آیا تھا۔ وہ حویلی جو اس کے لے گزشتہ کئی برسوں سے بے کار ہو کر رہ گئی تھی۔ اب اچانک سے منافع بخش کاروبار کی شکل اختیار کر گئی تھی۔ سونے کی کان بن گئی تھی یہ احساس ہی ہری چند کے قدم زمین پر ٹکنے ہی نہیں دے رہا تھا۔ وہ پہلی فلائٹ سے ہی اپنے بیوی بچوں کو لے کر انڈیا آ گیا اور آنند پرکاش سے رابطہ کیا تو انہوں نے اسے لال حویلی آنے کیلیے کہہ دیا۔

☆.....☆.....☆

اب کیا ہوگا؟'' راہول نے کنال کو سوالیہ نظروں سے دیکھا تو وہ کھانا کھاتے ہوئے بولا۔
''کریا کرم (خاتمہ)''

''کس کا؟'' سب ایک ساتھ بولے۔
''ہری چند کا اگر اس کا نہ ہوا تو ہم سب کا۔''
''اور تم مزے سے کھانا کھا رہے ہو۔'' آنند پرکاش چڑ کر بولے۔
''کھانا تو مزے سے ہی کھانا چاہیے آنند جی، مرنا تو ایک دن ہے ہی کھانا چھوڑ کر مرنے کا انتظار کیوں کریں، آپ سب بھی کھائیں، جاں ہوگی جسم میں طاقت ہوگی تو آنے والے حالات کا مقابلہ بھی کرسکیں گے ورنہ بے موت مارے جانے پر تو ہماری خود کی آتمائیں بھی ہمیں معاف نہیں کر پائیں گی۔'' کنال نے انہیں دیکھ کر اپنے کھانے کی طرف پوری توجہ مرکوز رکھتے ہوئے کہا تو آنند پرکاش کے دل کو لگی اس کی بات اور گویا ہوئے۔
''ٹھیک کہہ رہا ہے یہ کھانا کھاؤ سب تاکہ انرجی ملے۔''
''ہم کیا ہری چند کو اپنی آنکھوں کے سامنے مرتا ہوا دیکھنے والے ہیں۔'' ارادھنا نے سہمی ہوئی آواز میں پوچھا۔
''ہوسکتا ہے۔'' راہول بولا۔
''بدلے اور انتقام کا مطلب موت ہی ہوا کرتا ہے آتماؤں کی ڈکشنری میں۔ نمرتا کی آتما یہاں وہی لینے تو آتی نہیں ہے وہ ہری چند سے اپنی اور اپنے باپ کی موت کا بدلہ لینا چاہتی ہے، دنیا کو حقیقت بتانا چاہتی ہے کہ وہ طبعی موت نہیں مرے بلکہ ان کو سوچی سمجھی پلاننگ کے تحت موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔
کنال نے پانی کا گھونٹ بھر کر ان سب کو دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تو راجو بولا۔
''پورا دن گزر گیا آج آتما نظر نہیں آئی۔''
''یہیں کہیں ہوگی آواز دے کر بلالے۔'' کنال نے جواب دیا۔
''میں کیوں بلاؤں؟''
''تو اسے مس جو کر رہا ہے اس لیے۔''
''میں تو ایسے ہی پوچھ رہا تھا۔'' وہ سہم کر بولا۔
''اور وہ ویسے ہی آجائے گی تمہارا حال احوال پوچھنے۔'' کنال نے اسے ڈرایا تو سب کو اس کی شکل پر پھیلی خوف کی زردی دیکھ کر ہنسی آگئی۔ ساتھ ہی نمرتا کی آتما کی ہنسی کی خوفناک آواز بھی ہال میں گونجنے لگی۔
''لو اب کرلو بات، آگئی آتما..... تم نے پکارا تو صنم چلے آئے کی دھن بجاتی ہوئی۔'' کنال نے مسکراتے ہوئے راجو کو دیکھتے ہوئے سرگوشی کے انداز میں کہا تھا۔
''کنال بھیا بچالیں مجھے۔'' وہ مسکین صورت بنا کر بولا۔
''چپکا بیٹھا رہ۔'' کنال نے اسے ڈپٹا وہ چپ ہوگیا۔ سب ایک دوسرے کے ساتھ چپک کر بیٹھ گئے تھے۔
''میں نے تو سنا تھا کہ آتما کسی کسی کو دکھائی دیتی ہے سب کو نہیں، آتما سب کے سامنے نہیں آتی مگ رہ یہ تو سب کے سامنے آجاتی ہے۔'' راہول نے سرگوشیانہ انداز میں کہا نگاہیں نمرتا کی آتما پر جمی تھی۔ وہ لمبے سیاہ گھنگھریالے بالوں، چہرے پر سفید اور سرخ رنگوں کے خوفناک نشانات کے ساتھ سفید لباس میں خوفناک گونجتی آواز لیے اچھے خاصے آدمی کا پتا پانی کرسکتی تھی۔
''اس لیے کہ نمرتا کی آتما پردہ نہیں کرتی کسی سے بھی۔'' کنال نے اپنے مزاج کے مطابق جواب دیا تھا۔ جواباً راہول اسے گھور کر رہ گیا۔
''ہری کہاں ہے؟'' نمرتا کی آتما کی لرزتی آواز ہال میں گونجی۔
''نرک میں ہے میرا مطلب ہے جہاں بھی ہے کل تک یہاں پہنچ جائے گا۔ تم شانت ہوجاؤ۔'' آنند پرکاش بولے تو نمرتا کی آتما کو غصہ آگیا۔
''شانت تم مجھے شانت ہونے کا کہہ رہے ہو، میں ہری چند کے انایائے (ظلم) پر شانت ہوجاؤں۔'' آتما نے آنند پرکاش کو اٹھا کر دیوار پر دے مارا سب کی مارے خوف کے چیخیں نکل گئیں۔
''چاند ہری چند نے چڑھایا اور دیواروں پہ ہم چڑھ رہے ہیں۔'' راجو دبی دبی آواز میں بولا۔
چپ کر جا وہ سن لے گی اس کا نیٹ ورک بڑا تیز ہے اونچ، نیچ دھیما سب سن لیتی ہے۔'' کنال نے اسے لتاڑا۔
''مرنے کے بعد انسان کی پاور میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ یہ پہلی بار دیکھا ہے اشارے سے اٹھا کے آدمی کو دیوار سے سے مارا۔'' راجو بولا۔
''تمہاری زبان اگر اسی طرح چلتی رہی نا تو تمہیں یہ

PakistaniPoint

چھت پہ دے مارے گی۔'' شیتل نے اس کے بازو پر مکہ مار کر کہا تو راہول بولا۔

''اور پھر تمہاری آتما بھی لال حویلی میں بھٹکتی پھرے گی۔''

''ہری چند کو بلاؤ ہری چند، ہری چند۔'' آتمانی پھر سے شور مچا دیا تھا۔ ہال کی چیزیں سب الٹ پلٹ کر دی تھیں۔ آنند پرکاش اپنے جسم کو ہلا رہے تھے اور کنال اور راہول بھی انہیں تسلی دے رہے تھے۔

''ہری چند آ رہا ہے صبر کرو، جہاں اتنا انتظار کیا ہے۔ تھوڑا اور کر لو ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم سب چاہتے ہیں کہ تمہیں انصاف ملے اور ہری چند کا گناہ اس کا جرم دنیا کے سامنے آئے۔''

کنال نے کھڑے ہو کر نرمی سے نمرتا کی آتما کو شانت کرنیکی کوشش کرتے ہوئے کہا تو وہ اسے گھورتے ہوئے خوفناک اور عجیب و غریب آوازیں نکالنے لگی۔

لال حویلی اس وقت خوف اور دہشت کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ ارادھنا نے راہول کا بازو سختی سے پکڑا ہوا تھا اور راہول بھی اسے دل سے تسلی دے رہا تھا۔

''راہول، راہول۔'' نمرتا کی آتما نے راہول کو پکارا تو جیسے اسکی آدھی جان نکل گئی۔ ارادھنا نے اسے اور مضبوطی سے تھام لیا تھا۔

''آتما کو راہول کا نام کیسے معلوم ہوا؟'' راجو نے سوال کیا تو شیتل بولی۔

''کنال سر نے بتایا تو تھا کہ آتما کا نیٹ ورک بہت تیز بہت پاور فل ہوتا ہے۔''

''ہاں ویسے بھی راہول بالی ووڈ کا سپر اسٹار ہے آتما کو بھی علم ہو گا نا۔'' راجو نے سر ہلا کر کہا۔

''تو اس سے کیا آٹو گراف لینے آئی ہے نمرتا کی آتما؟'' آنند پرکاش چڑ کر بولے تو وہ مسکرانے لگے۔

''کیا پتا، فوٹو گراف میں تو آتما دکھائی نہیں دیتی۔'' راجو بولا تو آنند پرکاش غصے سے دبی دبی آواز میں بولے۔

''یہاں جان کے لالے پڑے ہیں اور انہیں مذاق سوجھ رہا ہے۔''

''دنیا میں روتے ہوئے آئے تھے کم از کم جاتے ہوئے تو مسکرا دیں ناں۔'' راجو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''تو مرنے کے لیے تیار ہے تو جا جا کے راہول کو بچا وہ لے جا رہی ہے اسے اپنے ساتھ۔'' آنند پرکاش نے راجو کو غصے سے دیکھتے ہوئے کہا۔ نمرتا کی آتما راہول کو اٹھا اٹھا کر پٹخ رہی تھی اور چیخ رہی تھی۔ سب ایک دم سے گھبرا گئے خوفزدہ ہو گئے۔

''اپنے ہیرو کی تو ہیروپنتی نکال دی اس نے۔'' کنال بے بسی سے راہول کو پٹتے دیکھ کر بولا۔

''میں حیران ہوں جب یہ اتنی شکتی شالی اور پاور فل تھی تو ہری چند کے ہاتھوں کیسے ماری گئی؟'' آنند پرکاش نے تحیر آمیز لہجے میں کہا۔

''محبت کی پٹی جو آنکھوں پر بندھی تھی اسی بے خبری میں بھروسا کر کے ماری گئی۔'' کنال نے جواب دیا۔

''کنال یار کچھ کرو یہ ہمارے ہیرو کو زیرو بنا دے گی بچاؤں اسے کسی طرح۔'' آنند پرکاش نے اس سے کہا ارادھنا الگ روئے جا رہی تھی اپنے پتی دیو کو پٹتا دیکھ کر۔

''بس کر دو نمرتا تم اگر راہول کو مارو گی تو ہری چند بھی نہیں آ سکے گا یہاں۔'' کنال نے ہمت کر کے بلند آواز میں چیخ کر آتما کو مخاطب کیا وہ ایک دم سے ٹھٹھک گئی اور کنال کو حیران پریشان نظروں سے دیکھنے لگی۔ راہول زمین پر ڈھیر ہو گیا تھا۔ ارادھنا اور آنند پرکاش نے جا کر اسے اٹھایا۔

''نہیں..... نہیں..... مجھے ہری چند چاہیے۔'' آتما پھر سے جوش میں آ کر چیخنے لگی۔

''ہری چند کے بدلے میں ہمیں تم سے اپنی جان کی گارنٹی چاہیے، ہم تمہارا ساتھ دے رہے ہیں، تم بھی ہمارے ساتھ شانت رہو، راہول کچھ غلط نہیں کرے گا میرا وشواس کرو اسے مت مارو، اگر ہم میں سے کسی کو کچھ ہوا تو تم ہری چند سے اپنا انتقام نہیں لے سکو گی۔ سن رہی ہو تم۔'' کنال نے اسے دیکھتے ہوئے اعتماد سے کہا۔ تو وہ غصے اور بے بسی سے گول چکر کاٹنے لگی اپنے ننگے پاؤں زمین پر مارنے لگی۔

''جس طرح تم معصوم ہو، بے گناہ ہو، نردوش ہو، اسی طرح ہم سب بھی نردوس ہیں کیا تم ہم سب کو ہری چند کے پاپ کی سزا دینا چاہتی ہو؟ ہمارا خون کر کے تم چاہتی ہو کہ ہماری آتمائیں بھی تمہاری طرح لال حویلی میں بھٹکتی پھریں، جس اذیت، درد اور تکلیف سے تم گزر رہی ہو تم

PakistaniPoint

وہی اذیت، درد اور تکلیف ہم سب کو بھی دینا چاہتی ہو۔ تو لو پھر اپنا بدلہ لینا چاہتی ہو۔ بولو پھر ہمارا بدلہ،، اپنا انتقام کس سے لیں گے تم سے۔ تم ہری چند کو مار کر بھی سکون سے نہیں رہ سکو گی۔ تمہیں ہم نردوش اور بے قصور انسانوں کا خون کر کے بھی مکتی نہیں ملے گی تم ہمیشہ بھٹکتی رہو گی۔ ہمارے خون کی سزا بن کر ہمیشہ کے لی نرک میں جلو گی اور دنیا میں بھٹکو گی کیا ایسا چاہتی ہو تم۔ بولو نمرتا کیا تمہیں معصوم انسانوں کا قتل کر کے خوشی ملے گی۔'' کنال نے بڑے طریقے سے سمجھ داری سے اسے شانت کرنے کی کوشش کی تھی اور وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب بھی ہو گیا تھا۔

''نہیں..... نہیں!'' نمرتا کو آتما سر دائیں بائیں ہلاتی تیز آواز میں بولی اور پھر معصوم سی صورت بنا کر رونے لگی۔

''نمرتا تمہارا مجرم ہری چند ہے وہ آ رہا ہے اس کے جرم کی سزا تم کسی اور کو دو گی تو خود کو معاف نہیں کر سکو گی تم بہت اچھی ہو تمہارے ساتھ دھوکا ہوا، ظلم ہوا، تمہیں انصاف ضرور ملے گا بس تھوڑا انتظار کرو صبر سے، شانتی سے، ہم تمہیں اس اذیت سے نجات دلانا چاہتے ہیں۔ ہمارا بھروسہ کرو ہم تمہیں دھوکا نہیں دیں گے۔'' کنال نے نرمی سے کہا تو وہ اسے معصومیت سے دیکھنے لگی۔ اور پھر ایک دم سے چھلانگ لگا کر دیوار پر جا لگی۔ وہ ایسے ہال کی دیوار سے چھت پر چل رہی تھی جیسے چھپکلی رینگ رہی ہو۔ سب کی سانسیں سینے میں اٹکی ہوئی تھیں اور پھر نمرتا کی آتما کھڑکی سے باہر نکل گئی۔ چند لمحے سب ساکت کھڑے رہے جب یہ یقین ہو گیا کہ وہ چلی گئی ہے تو سب نے گہرا سکون بھرا سانس لیا اور ایک دم سے کنال سے لپٹ گئے۔

''اوئے۔'' کنال اس اچانک حملے کے لیے تیار نہ تھا بوکھلا گیا۔

''کنال بھیا آپ اصلی ہیرو ہیں قسم سے چھا گئے۔'' راجو بولا۔

''میں تو سمجھا تھا کہ ایویں کہہ رہا ہے کہ آتماؤں کے بارے میں جانتا ہے سمجھتا ہے مگر تو نے کر دکھایا، تھینکس یار بچا لیا تو نے آج۔'' راہول نے اس کا ہاتھ چوم کر کہا تو وہ مسکرائے گیا۔

''کنال بھیا صرف لڑکیوں کو ہی نہیں آتماؤں کو بھی کنوینس کر سکتے ہیں۔ مان گئے بھیا آپ کو۔'' راجو مسکراتے ہوئے بولا تو وہ ہنس دیا۔

''اچھا اب بس کرو ہری چند کے پہنچنے تک مزید کوئی موقع نہ ملے اسے بے قابو ہونے کا۔'' کنال نے سنجیدگی سے کہا۔

''ہم نے کب موقع دیا؟ وہ تو خود موقع کی تلاش میں تھی ہم آ گئے اور پھنس گئے شکر ہے تم سمجھدار ہو سنبھال رہے ہو بھگوان ہمیں اس مصیبت سے نکال دے۔'' آنند پرکاش سنجیدگی سے بولے۔

''ڈونٹ وری آنند جی بھگوان بھلی کرے گا۔'' کنال نے ان کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا تو وہ سر ہلا کر رہ گئے۔

☆.....☆.....☆

''ڈونٹ وری آنند جی بھگوان بھلی کرے گا۔'' کنال نے ان کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا تو وہ سر ہلا کر رہ گئے۔

☆.....☆.....☆

ہری چند اپنے بیوی بچوں کے ساتھ لال حویلی پہنچ گیا تھا۔ گزرے برسوں کی یادیں اور باتیں اسے چاروں طرف بکھری دکھائی اور سنائی دے رہی تھیں۔ نمرتا کی معصوم سندر صورت اور اپنی چالاکیاں مکاریاں بھی اسے ایک ایک کر کے آئینہ دکھا رہی تھیں، مگر اس نے سر جھٹک کر وہ سب بھلانے کی کوشش کی تھی۔

''ہری! یہ حویلی تو سچ مچ سونے کی کان ہے۔'' ہری چند کی بیوی املا نے حویلی کو حیرت زدہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''سونے کی کان یہ کل تھی آج یہ لال حویلی ہیرے کی کان ہے جو فائدہ میں برسوں پہلے گنوا چکا تھا وہ آج مجھے سود سمیت ڈبل نہیں ٹرپل ہو کر واپس ملنے والا ہے۔ یہ سودا برا نہیں تھا۔ لال حویلی کروڑوں میں بکنے کے بعد میرے بینک بیلنس میں کئی گنا اضافہ کر دے گی۔'' ہری چند نے مسکراتے ہوئے فاتحانہ انداز میں کہا اور ہنسنے لگا۔

''آ.....'' اچانک دوسری منزل کی راہداری میں رکھا گملا رملا کے قریب آ کر گرا وہ ڈر کے مارے چیخ اٹھی۔

''یہ کس نے پھینکا ہے؟'' ہری چند غصے سے بولا۔

''یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔'' رملا خوفزدہ لہجے میں بولی۔

''آؤ اندر چلتے ہیں بچے کہاں ہیں؟'' ہری چند اپنی

بیوی رملا کی کمر کے گرد بازو حمائل کرتے ہوئے بولا۔
''وہ ان فلم والوں کے ساتھ باتوں میں لگ گئے تھے وہیں ہوں گے۔'' رملا نے بتایا اور دونوں حویلی کے ہال میں آ گئے۔ جہاں وہ سب موجود تھے سوائے رملا اور ہری چند کے بچوں، بارہ اور تیرہ سالہ انوش اور پلک کے۔
''ہمارے بچے کدھر ہیں؟'' ہری چند نی ادھر ادھر نظر دوڑاتے ہوئے بچوں کو نہ پا کر پوچھا۔
''آپ کے بچوں کا آپ کو پتا ہوگا ہم کیا جانیں۔'' راہول بولا۔
''مگر وہ تو آپ سب کے ساتھ باتیں رنے رک گئے تھے۔'' رملا بولی۔
''آپ پریشان مت ہوں وہ یہیں کہیں ہوں گے حویلی سے باہر تو نہیں جا سکتے ہم مل کر ڈھونڈ لیتے ہیں۔'' آنند پرکاش نے مہذب لہجے میں کہا وہ دونوں گھبرائے ہوئے نظر آ رہے تھے۔
''وہ پہلی بار یہاں آئے ہیں انہیں تو یہاں کے راستوں کا بھی نہیں پتا۔'' ہری چند نے پریشان لہجے میں کہا۔
''آپ کو تو پتا ہے نا۔'' کنال نے کہا۔
''آں..... ہاں۔'' وہ سٹپٹایا۔
''تو چلیے ڈھونڈتے ہیں بچوں کو ویسے آپ بے وجہ پریشان ہو رہے ہیں آپ لوگ جس کے مہمان ہیں وہ خود آپ کا خیال رکھنے کے لیے کافی ہے۔'' کنال نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا تو وہ دبھن میں پڑ کر بولا۔
''کیا مطلب؟''
''مطلب کو چھوڑیے بچوں کو تلاش کیجیے۔'' کنال بولا۔
''مہمانوں کی خاطر مدارت کا کوئی اہتمام نہیں کیا کسی نے۔'' ارادھنا نے راہول اور آنند پرکاش کی طرف دیکھ کر کہا۔
''وہ نمرتا کے مہمان ہیں ان کی خاطر مدارت بھی وہ کرے گی۔'' آنند پرکاش نے معنی خیز جوبا دیا۔
''مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔'' ارادھنا بولی۔
''حالانکہ تم سب کے ڈر کا باعث بن سکتی ہو۔'' آنند پرکاش کی زبان پھسلی تھی۔

''کیا کہا آپ نے؟'' ارادھنا کو ٹھیک سے سنائی نہیں دیا تھا تو فوراً پوچھا۔
''سچ کہا آنند نے۔'' راجو کھسیانا ہو کر مسکرا کر بولا آنند پرکاش نے مسکرا کر اس کا کاندھا تھپکا تھا۔
''اب کیا ہونے والا ہے یہاں؟'' راجو نی سوال کیا۔
''کچھ کہا نہیں جا سکتا لیکن ہم سب کو بہت بہادری اور جرأت کا مظاہرہ کرنا ہوگا کچھ بھی ہو سکتا ہے اپنی آنکھوں کے سامنے ایک انسان کو آتما کے ہاتھوں مرتا دیکھنا، بچوں کا کھیل نہیں ہے۔'' آنند پرکاش نے سنجیدگی سے کہا تو سب کے چہروں پر خوف کے سائے لہرانے لگے۔
''پہلے تو نمرتا کی آتما ہری چند سے اس کے جرائم اگلوائے گی اس کے بعد سزا دے گی اسے۔'' شیتل نے کہا۔
''تمہاری بات درست ہے ایسا ہی ہوگا۔'' راہول بولا۔
''پولیس کو بھی بلانا ہوگا سادہ لباس میں تاکہ ہری چند جب اپنے جرائم کا اعتراض کرے تو پولیس خود وٹنس ہو، گواہ کے طور پر کورٹ جانے کے قابل ہو۔'' آنند پرکاش نے کہا۔
''میرا نہیں خیال کہ نمرتا کی آتما ہری چند کو کورٹ جانے کے قابل چھوڑنے والی ہے وہ اپنا انتقام لال حویلی میں ہی لے کر رہے گی، ہری چند سے اور ہری چند کو نمرتا کی عدالت میں صرف موت کی سزا سنائی جائے گی اور اس پر عمل بھی ہوگا۔ معافی کی اپیل رد کر دی جائے گی۔'' اسی وقت کنال وہاں چلا آیا اور سنجیدگی سے بولا۔
''کنال ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' ارادھنا بولی۔
''تم تو ہری چند کے ساتھ گئے تھے نا، مل گئے اس کے بچے؟'' آنند پرکاش نے کنال کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔
''ہاں مل گئے۔''
''کہاں تھے؟'' راہول نے فوراً سوال کیا۔
''نمرتا کے پاس۔''
''واٹ۔'' سب کو حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔
''ہاں میں تم سب کو بلانے ہی آیا ہوں میرا خیال ہے کہ لال حویلی کو تباہ کرنے والی کی تباہی اور خاتمے کا وقت آ گیا ہے۔'' کنال نہایت سنجیدگی سے گویا ہوا۔
''مطلب اتنی جلدی ابھی تو ہری چند آیا تھا۔'' راجو بولا۔

''ہاں تو اسے یہاں انجوائے کرنے کے لیے انہیں بلایا گیا تھا، آتما کے انتقام کو ٹھنڈا کرنے کے لیے ہی بلایا گیا ہے اور جتنا نمرتا کی آتما تڑپ چکی ہے انتظار کر چکی ہے ہری چند کا وہ اسے یہاں دیکھ کر اب ایک منٹ بھی ضائع نہیں کرنا چاہتی، جاؤ حویلی کے پیچھے والے باغ میں جہاں جھولے لگے ہیں۔'' کنال نے اپنی بات ختم کی اور باہر نکل گیا، وب سب بھی ایک دوسرے کو دیکھتے ڈرتے ڈرتے حویلی کے پیچھے والے باغ میں چلے آئے۔ جہاں جھولوں پر نمرتا نے ہری چند کے دونوں بچوں کو بٹھا کر اپنی شکتی سے جھولے چلا رکھے تھے جھولے بہت تیزی سے اوپر آسمان کی طرف جاتے پھر واپس آتے، بچے خوفزدہ ہو کر چیخ رہے تھے ہری چند اور رملا، نمرتا کی آتما کی منتیں کر رہے تھے کہ وہ ان کے بچوں پر دیا کرے۔ رحم کرے انہیں نقصان نہ پہنچائے، مگر وہ خوشی سے ہنس رہی تھی۔ ان کے گرد چکر لگا رہی تھی۔

''نمرتا بس کرو بچوں کا کیا قصور ہے۔ انہیں چھوڑ دو۔'' کنال نے آگے آ کر بلند آواز میں کہا۔

''میرا کیا قصور تھا۔ مجھے کیوں نہیں چھوڑا اس نے۔ نمرتا کی اتما غصے میں آتے ہوئے بولی۔ جھولے مسلسل ہوا میں خلا میں جا رہے تھے آ رہے تھے۔ رملا رونے لگی تھی۔

''تمہارا مجرم تمہارا گناہگار تمہارے سامنے کھڑا ہے جو حساب کتاب کرنا ہے اس سے کرو بچوں کو چھوڑ دو کیا تم بھی وہی ظلم کرو گی جو ہری چند نے تمہارے پر کیا تھا بولو تم بھی بے حس اور ظالم بن جاؤ گی معصوم بچوں کے لیے۔'' کنال نے نمرتا کی آتما کو دیکھتے ہوئے تیز لہجے میں سوال کیا تھا۔ وہ بے کل سی ہو کر چیخنے لگی تھی۔

''کنال کے انکل اجیت نہرا اور مقامی پولیس کی نفری بھی وہاں پہنچ گئی تھی۔ ہری چند کے بدن میں کاٹو تو لہو نہیں ولای حالت ہو رہی تھی۔

''یہ..... یہ سب کیا تماشا ہے؟'' ہری چند نے پولیس کو دیکھ کر غصیلے لہجے میں پوچھا تو آنند پرکاش بولے۔

''تماشا تو آج ختم ہونے والا ہی ہے ہری چند جی، آپ نے جو کھیل برسوں پہلے شروع کیا تھا آج اس کا آخری دن ہے۔''

''کیا کہنا چاہتے ہیں آپ، آپ نے مجھے دھوکے سے بلایا ہے یہاں۔'' ہری چند کے پسینے چھوٹ گئے تھے۔ شدید سردی کے باوجود۔

''ہم نے آپ کو نہیں بلایا آپ کی آنجہانی پتنی نمرتا نے آپ کو یہاں بلایا ہے کچھ حساب نکلتا ہے اس کا آپ کی طرف وہی چکتا کرنا ہے۔'' کنال نے اسے دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے جواب دیا تو وہ مزید سٹپٹا گیا۔

''مم..... میں..... میں نے کچھ نہیں کیا۔'' ہری چند بوکھلا کر بولا۔

''کچھ نہیں کیا تو ڈر کیسا؟ کچھ کیا ہے تو اب مر بیٹا۔'' اجیت نہرا نے پہلی بار ان کی گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے ہری چند کی جانب دیکھ کر کہا۔

''ڈیڈی ہمیں بچالو..... ڈیڈی..... مما.....!'' اسی وقت بچوں کے چیخنے اور رونے کی آوازیں بلند ہوئی تھیں۔ سب کا دھیان ان کی طرف چلا گیا تھا نمرتا کی آتما نے دونوں بچوں کو اپنے دونوں ہاتھوں میں کالر سے پکڑ کر خلا میں معلق کر دیا تھا وہ گرنے مرنے کے خوف سے رو رہے تھے چلا رہے تھے۔

''میرے بچوں کو چھوڑ دو پلیز میرے بچوں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟'' رملا نے روتے ہوئے التجا کی۔

''میں نے بھی تو یہی کہا تھا کہ پلیز مجھے چھوڑ دو میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے لیکن ہری چند نے میری ایک نہ سنی میں کیوں سنوں؟'' نمرتا کی آتما چلائی اس کی آنکھیں جلتے انگاروں کی طرح سرخ ہو رہی تھیں، چہرہ مزید خوفناک ہو گیا تھا غم و غصے کی وجہ سے سب دم سادھے دیکھ رہے تھے۔ آنند پرکاش نے اپنے کیمرے آنکھے ہوئے تھے۔ یہ حقیقی منظر ریکارڈ کرنے کے لیے پولیس الرٹ کھڑی تھی اور آتما کو دیکھ کر ششدر تھی۔

''ہری کیا تمہیں اپنی اولاد سے بھی پیار نہیں ہے جواب دو کیا تم مرنے دو گے اپنی اولاد کو، اپنے پاپوں کی سزا تم اپنے معصوم بچوں کو دینا چاہتے ہو، جی لو گے انہیں مرتا دیکھ کر رملا نے ہری چند کا گریبان پکڑ کر اسے جھنجھوڑتے ہوئے سوال کیا تو وہ بے بس ہو گیا۔ اور نمرتا کی آتما کے سامنے جا کر ہاتھ جوڑ کر بولا۔

''پلیز نمرتا میرے بچوں کو چھوڑ دو یہ معصوم ہیں، بے قصور ہیں، نردوش ہیں میں وعدہ کرتا ہوں جیسا تم چاہو گی

PakistaniPoint

ویسا ہوگا، تم جو کہو گی میں وہ کرنے کو تیار ہوں۔ پلیز میرے بچوں کو چھوڑ دو۔"

"پہلے اپنا گناہ قبول کرو اپنا جرم تسلیم کرو سب کے سامنے بتاؤ ان سب کو کہ تم نے میرے ساتھ کیا کیا میرے باپو جی کے ساتھ کیا ظلم کیا تھا؟ ساری دنیا کو بتاؤ ورنہ میں تمہارے بچوں کا خون پی جاؤں گی۔" نمرتا کی آتما چلائی تو رملا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی شیتل اور ارادھنا اسے تسلی دے رہی تھیں۔

"ٹھ..... ٹھیک ہے میں مانتا ہوں کہ میں نے راجا راجندر لال کا خون کیا تھا، ان کو زہر دے دیا تھا چائے میں ملا کر اور میں نے ہی نمرتا کو راستے سے ہٹایا تھا۔ دھوکے سے اسے یہاں جھولے پر بٹھا کر اس کی گردن میں اس کا دوپٹا لپیٹ کر گلا دبایا تھا اور جھولا تیز چلا دیا تھا جس کی وجہ سے نمرتا بہت اونچائی سے نیچے جا گری تھی اور گردن کی ہڈی ٹوٹنے سے اس کی موت ہوگئی تھی۔ مم میں نے یہ سب لال حویلی کی ملکیت حاصل کرنے کے لیے کیا تھا جو مجھے مل گئی تھی لیکن میں نمرتا کی روک ٹوک سے تنگ آ گیا تھا میں لڑکی، ناری کے چکروں میں پڑا رہتا تھا نمرتا کو نظر انداز کر رہا تھا میں آزاد رہنا چاہتا تھا۔ اس لیے میں لال حویلی کو اپنے نام کرانے کے بعد میں نمرتا کو برداشت نہیں کر رہا تھا اور پھر ایک دن جھڑے کے بعد میں نے اسے ٹھکانے لگانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔" ہری چند اپنے جرائم کا اعتراف کر رہا تھا اور سب ایک ٹک اسے دیکھے جا رہے تھے۔ وہ خاموش ہوا تو نمرتا بھی جیسے سکون میں آ گئی۔ اس نے دونوں بچوں کو آرام سے لان میں اتار دیا اور خود وہیں گھاس پر بیٹھ کر چکر لگانے لگی۔

"گرفتار کرو اسے۔" پولیس افسر نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا تھا کہ ہری چند کو گرفتار کرلیا گیا۔

"نہیں۔" نمرتا کی آتما ایک دم سے اٹھ کر کھڑی ہوئی اور چلائی سب ڈر کر پیچھے ہٹ گئے۔

"یہ میرا مجرم ہے اسے سزا میں دوں گی۔" نمرتا کی آتما بولی۔

"او بی بی قانون ہاتھ میں نہیں لیتے۔" پولیس کا سپاہی بولا تو سب کے ہونٹوں پر باوجود ٹینشن اور خوف کے مسکراہٹ رینگ گئی۔

"حوالدار صاحب یہ آتما ہے اسے آپ اپنا قانون نہ سمجھائیں۔ کیونکہ کوئی فائدہ نہیں۔" آنند پرکاش نے حولدار کو کہا۔

"نمرتا پلیز مجھے معاف کردو۔" ہری چند کو اپنی موت سامنے دکھائی دے رہی تھی وہ ہاتھ جوڑ کر نمرتا کی آتما کے سامنے گڑگڑایا۔ رملا بچوں کو اپنے ساتھ لپٹائے کھڑی تھی۔

"خون کرنے کی کوئی معافی نہیں ہوتی ہری چند اور تم نے تو کئی خون کیے ہیں میرے بھروسے کا خون کیا میرے باپو جی کا خون کیا اور میرا جیون مجھ سے چھین لیا، میرا خون کیا، اتنے پاپ کیے ہیں تم نی اتنے برس بیت گئے تم مزے سے عیش و آرام سے جیتے رہے اب نہیں تمہاری مدت مہلت ختم ہوئی، تمہیں نرک میں جانے سے کوئی نہیں روک سکتا۔" نمرتا نی غصیلے اور خوفناک لہجے میں کہا اور ہری چند کو گردن سے دبوچ کر اوپر اٹھا لیا۔ سب کے دل خوف سے دھڑک رہے تھے رملا اور بچوں کی چیخیں نکل گئی تھیں وہ تینوں رو رہے تھے۔ ارادھنا نے راہول کا بازو مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ کنال، راجو، شیتل، آنند پرکاش سب کی نظریں آتما اور ہری چند پر ٹکی ہوئی تھیں۔ اجیت نہرا کچھ پڑھ رہے تھے نمرتا کی آتما کو مکتی دلانے اور دوبارہ لال حویلی نہ آنے کے امکان کو ختم کرنے کے لیے نمرتا کے گلے سے بہت دردناک غصیلی اور خوفناک آوازیں نکل رہی تھیں۔ اس نے ہری چند کو پوری قوت سے جھولے پر پٹخ دیا اور جھولا اتنی زور سے فضا میں اٹھایا کہ ہری چند کئی فٹ کی بلندی سے نیچے آ گرا اور ایک دردناک چیخ اس کے حلق سے نکلی اور اس کی آواز اور سانس ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگئی۔

"آ۔" رملا بچے اور فلم کی ٹیم سب ہی کی چیخ بے ساختہ تھی۔

"اف اے بھگوان۔" سب ہی کی زبان پر ایسے الفاظ تھے۔

"نمرتا، شانت ہو جاؤ تمہارا بدلہ پورا ہوا اب تم بھی واپس جاؤ ہمیشہ کے لیے لال حویلی سے دور جہاں تم جا چکی ہو۔" اجیت نہرا نے اسے مخاطب کر کے سپاٹ لہجے میں کہا تو وہ روتے ہوئے چلائی۔

"میں نہیں جاؤں گی یہ میری حویلی ہے۔"

''تم کیا ہمیشہ اذیت میں رہنا چاہتی ہو یہاں کوئی نہیں ہے تمہارا اپنے باپو کے پاس جاؤ وہ تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ جاؤ نمرتا اپنی آتما کو ملتی پانے دو۔'' اجیت نہرا نے اسے دیکھتے ہوئے کہا اور کچھ پڑھ کر سرخ رنگ اس کی طرف اچھال دیا۔ وہ گھومنے لگی عجیب وغریب آوازیں نکالنے لگی ایک بار پھر سب ساکت کھڑے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

''نمرتا لال حویلی کو مندر بنادیں گے ہم۔'' کنال نے کہا تو وہ سرخ انگارہ آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی اور سر ہلا کر بولی۔

''ہاں پھر کوئی ہری چند لال حویلی کو حاصل کرنے کے لیے کسی نمرتا کا خون نہیں کرے گا۔''

''ہاں ٹھیک ہے تم اچھے آدمی ہو کنال، راہول کو بھی سمجھا دو۔'' نمرتا کی آتما نے کنال کو دیکھتے ہوئے بہت معصومیت سے کہا اور اس کے سر ہلانے پر سب کو دیکھتی ہوئی ایک دم سے فضا میں بلند ہوء، پہلے روئی پھر مسکرائی اور ایک دم سے غائب ہوگئی۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کی آتما کو مکتی، شانتی مل گئی تھی اس کا مجرم اپنے انجام کو پہنچ گیا تھا اور لال حویلی کو پوجا کا مندر بنائے جانے کا یقین اسے مل گیا تھا۔ لہٰذا اس نے اب اس دنیا سے مکمل ناتا توڑ لیا تھا، پولیس ہری چند کی ڈیڈ باڈی کو ایمبولینس میں ڈال کر لے گئی تھی، ڈاکٹر کے مطابق ہری چند کی گردن کی ہڈی ٹوٹنے سے موت ہوئی تھی۔ جب کہ اصل نمرتا کی آتما نے اسے ٹھیک اسی طرح موت دی تھی جیسے اس نے اسے برسوں پہلے مارا تھا ملا ہری چند کی آخری رسومات ادا کرنے کے بعد بچوں کے لے کر واپس کینڈا چلی گئی تھی، کبھی انڈیا واپس نہ آنے کے لیے۔ اجیت نہرا کے کہنے پر نمرتا کی آتما کی سکھ شانتی کے لیے لال حویلی میں پنڈت کو بلا کر پوجا بھی کرادی گئی۔ آنند پرکاش نے فلم بھی شوٹ کرلی۔ کنال نے لال حویلی کو مندر بنانے کے کام کا آرڈر جاری کردیا تھا۔

☆.....☆.....☆

''کنال بھائی تو مہان ہیں ان کی تعریف تو آتما بھی کر گئی قسم سے اگر نمرتا زندہ ہوتی تو ان کو پرپوز ضرور کرتی۔'' راجون واپسی کے لیے پیکنگ کرتے ہوئے کہا تو سب کو ہنسی آگئی۔

''آہستہ بولو نمرتا کی آتما نے سن لیا تو آجائے گی پھر سے۔'' شیتل نے اسے ڈرایا۔

''توبہ کرو مجھے تو ابھی بھی ایسا لگتا ہے جیسے نمرتا کی آتما ادھر ہی ہے ہمارے آس پاس۔'' راجو بولا۔

''خیر اب تو ہم یہاں سے جارہے ہیں نا یہ ٹرپ کبھی ہمیں بھولے گا نہیں نا راجو۔'' شیتل بولی۔

''ہاں اچھا ہے نا ہمیں ہمارے بچوں کو سنانے کے لیے کچھ الگ کہانی ہوگی۔'' راجو مسکراتے ہوئے بولا۔

''نہیں یہ کوئی اچھی کہانی نہیں ہے جو ہم اپنے بچوں کو سنائیں گے۔''

''لیکن یہ ایک سبق آموز واقعہ تھا ایک سبق تھا اس میں کہ لالچ بری بلا ہے برائی کا انت برائی ہی ہے جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔'' کنال اس کی بات سن کر بولا۔

''کنال بھیا آپ گریٹ ہیں آتما نے آپ پر بھروسا کیا، آپ کی تعریف کی یہاں زندوں کا اعتبار نہیں ہے۔'' شیتل نے ایمانداری سے اس کی ستائش کرتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دیا۔ آنند پرکاش نے کنال کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''ہمارا اصل ہیرو تو کنال ہے ریئل لائف ہیرو آئی ایم پراؤنڈ یو ینگ مین۔''

''تھینک یو سر اب چلیں تاکہ شام سے پہلے اپنے اپنے گھروں کو پہنچ سکیں۔'' کنال نے سینے پر ہاتھ رکھا اور سر کو ذرا خم کرکے مسکراتے ہوئے مہذب لہجے میں کہا۔

''ہاں بالکل گاڑیاں تیار ہیں سب اپنا اپنا سامان رکھیں گاڑی میں۔'' آنند پرکاش مسکرا کر کہتے ہوئے اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئے اور راہول اسے اکیلے دیکھ کر اس کے پاس چلا آیا۔

''تھینک یو کنال۔'' راہول نے ایک دم سے اس کے گلے لگ کر کہا تو وہ آہستگی سے بولا۔

''شکر کر کہ تو نے ارادھنا کو ٹھکانے نہیں لگایا ورنہ اس کی آتما بھی تمام عمر اسی طرح بھٹکتی رہتی اور تجھے بھی مار کے ہی دم لیتی۔ ہری چند کا انجام دیکھ لیا نا تو نے آئندہ باز رہنا ایسی کسی بھی گھناؤنی سوچ اور سازش سے۔''

''میری توبہ، میرے بھگوان کی توبہ۔'' راہول نے الگ ہوکر کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا تو کنال نے

Pakistanipoint

بھویں سکیڑ کر اسے دیکھا۔
''نہ بھگوان کی توبہ پاپ کرو توبہ کرے بھگوان غلطی تم کرو اور معافی مانگے بھگوان واہ بھئی یہ اچھا ہے۔'' کنال نے اسے شرمندہ کرنے کو کہا۔
''تو کسی کو کچھ کہے گا تو نہیں نا۔'' راہول نے شرمندگی سے پر لہجے میں پوچھا تو وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔
''کہنا ہوتا تو بہت پہلے کہہ چکا ہوتا، تجھے سمجھانے میں اپنا بھیجا خرچ نہ کرنا، کوشش میں نہیں لگا رہتا کہ تو اپنی اور سب کی نظروں میں گرنے سے بچ جائے۔''
''تو میرا سچا اور سب سے اچھا دوست ہے کنال۔'' راہول نے ایک بار پھر اس کے گلے لگ کر دل سے کہا۔
''تو بھی سچا اور اچھا بن ارادھنا کے ساتھ بھی اور میرے ساتھ بھی ورنہ تیری سوچ ایسی نہیں تھی کہ تجھے دوست علم اجائے یا تجھ پر بھروسہ کیا جائے، لیکن میں رشتوں اور تعلقات کو ایک چانس دینے کا قائل ہوں، جا تجھے بھی ایک چانس دیا بن جایا بگڑ جا فیصلہ اب تجھے ہی کرنا ہے رشتوں کو بنانا ہے یا توڑنا ہے۔''
''ٹوٹنا نہیں ہے نہ ہی کسی کو توڑنا ہے رشتوں، اپنوں اور دوستوں کو جوڑ کے رکھنا ہے پیار سے ایمانداری سے۔'' راہول نے دل سے سچائی سے کہا۔
''یہ ہوئی نا بات اس پر تو ٹریٹ بنتی ہے نا۔''
''کیسی ٹریٹ۔'' اسی وقت ارادھنا وہاں چلی آئی راہول نے بوکھلا کر کنال کو دیکھا تھا مگر کنال بہت معاملہ فہم اور سمجھدار شخص تھا۔ بات سنبھالنا اور بنانا جانتا تھا۔
''راہول تم سے اتنی محبت کرتا ہے کہ میں اس کی محبت کی داستان سن سن کر تنگ آ گیا ہوں اس لیے کہہ رہا تھا اسے کہ جس لڑکی سے پیار کیا اسے پالیا اس کے ساتھ شادی کر کے مزے میں ہو بچی کے باپ بھی بن گئے تو اس پر پارٹی تو بنتی ہے نا اتنی ساری خوشیاں پانے کے بعد ایک دوست کو اچھی سی ٹریٹ نہیں دے سکتا یہ؟ آج تک مجھے اچھا سا ڈنر نہیں کرایا اس نے یہ ہیرو ہے ملک کا کنجوس کہیں گا۔'' کنال نے اعتماد سے بات بناتے ہوئے کہا۔
''کیوں راہول یہ ٹھیک کہہ رہا ہے نا؟'' ارادھنا نے راہول سے استفسار کیا۔
''ہاں اب تو مجھے کنجوس ہونے کا طعنہ بھی مل گیا ہے تو سوچ رہا ہوں کہ اسے ٹریٹ دے کر اس کا گلہ دور کر ہی دوں کیا خیال ہے؟'' راہول مسکرا کر بولا۔ ساتھ ہی کنال کو شکر گزار نظروں سے دیکھا تا جس نے بات سنبھالی تھی درحقیقت اس کی زندگی خراب ہونے سے بچالی تھی۔
''ہاں تو دونا ٹریٹ تم کب سے اتنے کنجوس ہو گئے کہ اپنے بیسٹ فرینڈ کو ایک شاندار سا ڈنر نہ کرا سکو کتنی بری بات ہے یہ اور کنال تو ہماری خوشی میں شریک ہونے کے لیے کہہ رہا ہے دوستوں کا بہت حق ہوتا ہے۔'' ارادھنا نے اسے دیکھتے ہوئے سمجھایا اور شرمندہ بھی کیا۔
''سن رہے ہو تم سے زیادہ سمجھدار تو تمہاری پتنی ہے۔'' کنال نے مسکراتے ہوئے راہول کو شرم دلاتے ہوئے کہا۔
''جی ہاں۔'' راہول نے سر جھکایا۔
''کنال تم کل ہی ہمارے ساتھ ہمارے گھر پر ڈنر کر رہے ہو اوکے۔'' ارادھنا نے اسی وقت فیصلہ کرتے ہوئے اسے مدعو کر لیا۔ ''لال حویلی میں نمرتا کے معاملے میں کنال نے جس بہادری اور سمجھداری سے کام لیا تھا اس نے ارادھنا کے دل میں کنال کے لیے بہت عزت اور عقیدت پیدا کر دی تھی اور وہ یہاں سے بحفاظت جانے پر بھی خوش تھی۔
''لال حویلی سے وہ سب خوشگوار، ناخوشگوار، اچھی، بری، ہنستی روتی، جھوٹی، سچی بہت ساری یادیں لے کر واپس ممبئی کے لیے روانہ ہو گئے۔
کنال نے لال حویلی پر الوداعی نگاہ ڈالی تو اسے حویلی کی بالائی منزل پر ہاتھ ہلا کر مسکراتے ہوئے گڈ بائے کہتی نمرتا اصلی صورت میں سفید لباس میں دکھائی دی۔ کنال نے قدرے حیرت سے اسے دیکھا اور مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلا کر اسے جواب دیا اور گاڑی کا شیشہ نیچے کر کے ڈرائیور کو چلنے کا بول دیا گاڑی اسٹارٹ ہوئی اور تیزی سے فراٹے بھرتی تارکول کی طویل سڑک پر دوڑنے لگی۔ لال حویلی بہت دور رہ گئی تھی اور اب وہاں مندر کی گھنٹیاں بجتی سنائی دے رہی تھیں۔

Pakistanipoint

شہر پرستان

مہتاب خان

پاکستان کے شمالی علاقہ جات کے بارے میں مشہور ہے کہ یہاں جنات اور پریوں کا بسیرا ہے یہاں کی خوب صورت جھیلیں اور بلند و بالا برف سے ڈھکے پہاڑ شہر سے آنے والے سیاحوں پر ایک سحر طاری کردیتے ہیں۔
چند سر پھرے دوستوں کا احوال، وہ سیر کرتے ہوئے پریوں کے دیس میں جا پہنچے تھے۔

خوفناک نمبر کیلئے ایک انوکھی سچی کہانی جس کے کردار آج بھی زندہ ہیں

آج جو کہانی میں تحریر کررہی ہوں یہ سو فیصد حقیقت پر مبنی ہے۔اس کہانی سے متعلق بہت سے کردار آج بھی موجود ہیں وہ اگر اسے پڑھیں گے تو ضرور تصدیق کریں گے۔یہ واقعہ میرے ایک عزیز کے ساتھ پیش آیا تھا۔جسے میں یہاں انہی ہی کی زبانی تحریر کررہی ہوں۔

یہ آج سے تقریباً دس سال پہلے کی بات ہے جب میں ایک نوجوان تھا۔اس وقت میں اور میرے ساتھیوں کے ساتھ یہ خوفناک اور پراسرار واقعہ پیش آیا تھا۔یوں تو میں نے اپنی زندگی میں بے شمار چیزیں دیکھیں اور لاتعداد گمبھیر واقعات کا سامنا کیا لیکن اس واقعے نے ہمیں جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب ہم پانچ دوست تفریح کی غرض سے شمالی علاقوں کی سیر کے لیے چترال میں داخل ہوئے تھے۔جیسا کے سب جانتے ہیں کہ چترال کی وادیاں اور خوبصورت قدرتی مناظر اس تمام علاقے کے حسین چہرے کا جھومر ہیں۔ہم اس کی حسین وادیوں اور خوبصورت نظاروں میں کھو کر رہ گئے تھے۔اس مقصد کے لیے ہم نے ایک جیپ کا انتظام کیا تھا جیپ کا ڈرائیور جو بہت ملنسار اور پرخلوص شخص کریم خان تھا اور کیونکہ وہ ہمارا ہم عمر تھا اس لیے کچھ ہی دنوں میں ہمارا بہت اچھا دوست بن گیا تھا۔وہ ہمارا ڈرائیور کم اور گائیڈ زیادہ ثابت ہوا تھا۔ وہ ہمیں یہاں کی وادیوں کے عجیب وغریب قصے یہاں رہنے والے مختلف قبائل اور ان کے عجیب رسم ورواج کے بارے میں بتایا کرتا تھا۔ان میں زیادہ تر وادیاں ہم دیکھ چکے تھے اور یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے تھے۔

اس دن ہم کالاش نامی علاقہ جسے مقامی زبان میں بمبوریت کہا جاتا ہے سے واپس اپنے ہوٹل آرہے تھے اور اگلے دن ہمیں واپس روانہ ہونا تھا جب کریم خان نے ادھر ادھر کی باتوں میں ایک ایسی وادی کا ذکر چھیڑ دیا جہاں جنوں اور پریوں کا بسیرا تھا۔اس نے اس بارے میں کچھ ایسے حیران کن اور پراسرار واقعات سنائے جنہیں انسانی عقل تسلیم نہیں کرسکتی اور یوں بھی ہم پانچوں دوست ایک بڑے شہر سے تعلق رکھنے والے تعلیم یافتہ نوجوان تھے۔ہم نے انہیں فوری طور پر رد کردیا تھا بلکہ اس خیال پر کریم خان کو اچھا خاصہ مذاق کا نشانہ بھی بنایا تھا جسے سن کر وہ کچھ دیر خاموش ہو گیا تھا۔میں نے جب اس کی خاموشی محسوس کی تو اپنے دوستوں کی طرف اشارہ کیا تھا۔حالانکہ ہم نے پریوں والے قصے پر یقین نہیں کیا تھا مگر کریم خان کو اکسایا تھا کہ وہ مزید ان کے بارے میں ہمیں بتائے۔

کریم خان نے بتایا کہ چترال کے بلند و بالا پہاڑوں پر پریوں اور جنوں کا بسیرا ہے مگر آوی نامی گاؤں سے کوئی چار پانچ کلومیٹر دور پرسچان نامی وادی میں ایک چھوٹی سی جھیل ہے جو پریوں اور جنوں کی راجدھانی ہے اور وہ اپنی راجدھانی میں کسی ذی روح کا آنا پسند نہیں کرتیں۔اس جھیل کے آس پاس مقامی افراد بھی جانے سے کتراتے ہیں۔اس کا کہنا تھا کہ اس وادی میں کئی افراد اپنی جان گنوا

چکے ہیں انسانی لہو ان پریوں کی مرغوب غذا ہے۔

وہ انسان ہی کیا جو ہار مان جائے ہم سب دوستوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا ہمارے اندر بلا کا تجسس بیدار ہو چکا تھا۔ اول تو ہمیں اس کہانی پر بالکل یقین نہیں تھا دوسرے ہم ان واقعات کو غلط ثابت کرنا چاہتے تھے۔ ہم جدید دور کے تعلیم یافتہ نوجوان تھے پھر ہماری رگوں میں جوان خون دوڑ رہا تھا جو ہمیں بے خطر کسی بھی خطرے میں کود پڑنے کی ترغیب دے رہا تھا۔ ہم نے آپس میں مشورہ کیا تھا اور سب اس پرسچاں نامی گاؤں جانے کے لیے تیار تھے۔ ہم نے جب کریم خان کو اپنے ارادے سے آگاہ کیا تو وہ اچھل پڑا اور زور زور سے نفی میں سر ہلانے لگا میں آپ لوگوں کو وہاں جانے کا ہرگز مشورہ نہیں دوں گا۔ مگر جوں جوں وہ وہاں جانے سے انکار کرتا ہمارا جذبہ تجسس اور توانا ہو رہا تھا۔ ہماری ضد بڑھتی جا رہی تھی ہم نے گھر واپسی کا پروگرام ترک کر دیا تھا اور اگلے دن اس پراسرار وادی میں جانے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔

''کریم خان اللہ نہ کرے اگر وہاں کوئی ایسا ویسا حادثہ ہمارے ساتھ ہوتا بھی ہے تو اس کے ذمہ دار تم نہیں ہو گے۔ ہم اپنی خواہش پر وہاں جائیں گے۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ قصے کہانیاں انسانی وہم کے علاوہ کچھ نہیں۔'' رضوان نے کہا تھا۔

''اچھا یہ بتاؤ کسی نے ان پریوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے..... ان سے بات کی ہے؟''

''ہمارے علاقے کی کچھ بزرگ خواتین جنھیں ہم نان گنیان کہتے ہیں وہ ان پریوں کو دیکھ بھی سکتی ہیں اور ان سے گفتگو بھی کرتی ہیں..... وہ انہیں بھینٹ دیتی ہیں..... وہ پریاں ان کا کہنا بھی بہت مانتی ہیں۔'' یہ ہمارے لیے ایک نیا کردار تھا۔

''کیا تم ہمیں ایسی کسی خاتون سے ملوا سکتے ہو؟'' میں نے کہا تھا۔

''ہاں کیوں نہیں۔'' کریم نے سر ہلاتے ہوئے کہا تھا۔

''بس پھر ٹھیک ہے طے ہو گیا کل ہم صبح سویرے پرسچاں جائیں گے۔'' کریم نے ایک بار پھر ہمیں باز رکھنے کی کوشش کی تھی مگر ہماری ضد کے آگے ہار مان لی تھی۔

PakistaniPoint

اگلا دن ہمارے لیے ایک ایسا ایڈونچر لے کر آیا تھا جس کا تصور آج بھی رونگٹے کھڑے کر دیتا ہے۔ پرسچان وادی تک پہنچنا ہمارے لیے جوئے شیر لانے کے مترادف ثابت ہوا تھا۔ وہ پورا راستہ انتہائی خوبصورت، پر پیچ مگر نہایت خوفناک اور پر اسرار تھا۔ بل کھاتے کچے راستے کے ایک طرف ہزاروں فٹ گہری کھائی اور اس کھائی کی تہہ میں بہتا پرشور دریا اور دوسری طرف سر اٹھائے بلند و بالا پہاڑ تھے۔ ہم سب نوجوان تھے اور کسی بھی خطرے کا سامنا کرنے کے لیے تیار تھے۔ ہم نے ان سنی سنائی باتوں پر کوئی توجہ نہیں دی تھی اور ہنستے قہقہے لگاتے رواں دواں تھے۔ مگر جوں جوں ہم آگے بڑھ رہے تھے ہماری سٹی گم ہو رہی تھی اس انتہائی خطرناک راستے کے خوف نے سب کی بولتی بند کر دی تھی پھر اس ماحول میں ایک عجیب سی پر اسراریت تھی۔

ہوا یوں کہ جیسے ہی ہماری جیپ نے پرسچان نامی وادی کی طرف جانے والا لکڑی کے تختوں سے بنا وہ جھولتا پل عبور کیا تو مجھے واضح طور پر محسوس ہوا کہ کوئی غیر مرئی شے ہمارے ساتھ ساتھ سفر کر رہی ہے وہ شے سر تا پا سیاہ لبادے میں تھی جو بالوں سے بھرا تھا یہ کوئی عجیب و الخلقت وجود تھا۔ میں اسے اپنا وہم سمجھا تھا اور یہی خیال کیا کہ شاید وہ کوئی پرندہ ہے۔ میں اور انور، کریم خان کے ساتھ اگلی نشست پر بیٹھے تھے جبکہ بلال، رضوان اور جنید پچھلی نشست پر بیٹھے تھے۔ ہماری جیپ وادی کے اس مقام کی طرف رواں دواں تھی جہاں کریم خان کے ایک عزیز کے گھر ہماری رہائش کا انتظام کیا گیا تھا۔ پل عبور کرتے ہی وہی بالوں بھری شے ہماری جیپ کے بہت نزدیک اوپر اڑ رہی تھی جسے میں نے واضح طور پر دیکھا تھا یہ میری نظر کا دھوکہ ہرگز نہیں تھا میری نظریں اس پر جمی ہوئی تھیں اور میں اسے دیکھتے ہوئے گنگ سا ہو گیا تھا۔ اسی وقت محض ایک ثانیے کے لیے وہ شے آئی اور ونڈ اسکرین سے ٹکرائی تھی۔ میں نے بے ساختہ گردن کھڑکی سے نکال کر باہر دیکھا مگر وہاں کچھ نہیں تھا۔ میں نے انور اور کریم کی سمت دیکھا۔

''ابھی کچھ ونڈ اسکرین سے ٹکرایا تھا تم لوگوں نے دیکھا۔'' میں نے کہا۔

''نہیں ہم نے تو کچھ نہیں دیکھا۔'' انور نے حیرت سے کہا۔

میں نے گردن موڑ کر اپنے ساتھیوں سے پوچھا جو پچھلی نشست پر بیٹھے تھے۔ مگر کسی نے کچھ نہیں دیکھا تھا۔

''کوئی پرندہ ہوگا۔'' کریم خان نے بے پرواہی سے کہا۔

میں نے کھڑکی سے گردن نکال کر ادھر ادھر دیکھا مگر وہاں کچھ نہیں تھا۔

''وہ پرندہ نہیں تھا کریم بلکہ کوئی عجیب سی شے تھی میں خود اسے غور سے دیکھا ہے۔'' میرا ذہن اسے اپنا وہم سمجھنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

''یہاں آپ کو عجیب الخلقت پرندے ملیں گے جو آپ نے کسی اور علاقے میں نہیں دیکھے ہوں گے۔''

بہر حال اونچے نیچے دشوار گزار راستوں سے ہوتے ہوئے بالآخر ہم منزل پر پہنچ گئے تھے۔ جہاں ہمارا استقبال ہمارے میزبانوں نے بڑی گرمجوشی سے کیا تھا۔ یہ رہائش گاہ جہاں ہمارے ٹھہرنے کا انتظام کیا گیا تھا مضبوط لکڑی اور پتھروں کی مدد سے بنائی گئی ایک مضبوط عمارت تھی۔ ہم سب دن بھر کے تھکے ہوئے تھے اس لئے رات ایک پر تکلف کھانا کھا کر اور کچھ دیر ادھر ادھر کی گپ شپ کر کے اپنے اپنے کمبلوں میں گھس کر سونے کے لیے لیٹ گئے تھے۔ وادی کی سیر ہم نے دوسرے دن پر اٹھا رکھی تھی۔ کیونکہ یہ علاقہ سطح سمندر سے ہزاروں فٹ بلند ہے اس لیے یہاں موسم سرد رہتا ہے اور خاص طور پر راتیں تو بہت سرد ہوتی ہیں یہ ایسی ہی سرد رات تھی اور کمرے میں چاند کی مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی جو کھڑکی کے راستے چھن کر آ رہی تھی۔ ماحول بڑا خواب ناک سا تھا۔ میں نے عادت کے مطابق آیت الکرسی پڑھ کر ارد گرد پھونک ماری اور سونے کے لیے آنکھیں موند لی تھیں۔

وہ رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا جب اچانک کسی نامانوس سی آواز سے میری آنکھ کھل گئی تھی۔ میں نیند کا بہت کچا ہوں معمولی سی آواز سے ہی میری نیند ٹوٹ جاتی ہے بہر حال اس وقت بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ میں نے دیکھا کوئی وجود کھڑکی کے شیشے سے چمٹا کمرے کے اندر جھانک رہا تھا۔ میں کچھ دیر لیٹا اسے دیکھتا رہا پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ کوئی عجیب الخلقت انسانی وجود تھا مگر وہ انسان نہیں تھا اس کے جسم پر بال تھے اس کا چہرہ انتہائی بھیانک تھا چہرہ کیا تھا بالوں سے بھرا کوئی گچھا

تھا۔ آنکھوں کے نام پر دو گڑھے تھے ناک کی جگہ سونڈ جیسی کوئی شے تھی ہونٹ موٹے موٹے اور کان بڑے تھے۔ ایسی بھیانک صورت دیکھنا بھی دل گردے کا کام تھا۔ میری اس وقت گھگی بندھی ہوئی تھی۔ میں چیخنا چاہتا تھا۔ مگر حلق سے کوئی آواز نہیں نکل رہی تھی۔ وہ بلاشبہ وہی تھا جس نے یہاں تک ہماری جیپ کا تعاقب کیا تھا۔ میں نے اپنے قریب سوئے ہوئے انور کو زور سے ہلایا وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ میں نے کھڑکی کی سمت اشارہ کیا وہ آنکھیں ملتا ہوا اٹھ بیٹھا۔ وہ وجود ابھی تک وہیں تھا اور ہمارا جائزہ لے رہا تھا۔ انور نے میری نظروں کے تعاقب میں کھڑکی کی طرف دیکھا۔

''ادھر تو کچھ نہیں ہے۔'' وہ حیران نظروں سے مجھے دیکھتا ہوا بولا۔ حیرت کی بات تھی وہ مجھے نظر آ رہا تھا مگر انور کو دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ پھر وہ پراسرار شے مجھے دیکھ کر عجیب سے انداز میں مسکرائی تھی۔

''میرا یقین کرو وہ دیکھو..... شیشے سے وہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔'' میں نے بے بسی سے کہا تھا۔ اسی وقت وہ وہاں سے ہٹ گیا۔

''سو جاؤ تیمور تم نے شاید کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہے۔'' وہ بے پرواہی سے کہتا لیٹ گیا۔

''میرا یقین کرو یار..... وہ انسان نہیں تھا..... وہ کوئی پراسرار شے تھا..... وہ وہی تھا جو ہماری جیپ کے ساتھ ساتھ اڑ رہا تھا میں..... میں نے راستے میں بھی اسے دیکھا تھا..... تمہیں یاد ہے میں نے راستے میں بتایا تھا کہ کچھ ہماری جیپ کی ونڈ اسکرین سے ٹکرایا تھا یہ وہی تھا یار..... میں نے خود باہوش و حواس اپنی آنکھوں سے اسے دیکھا ہے۔ تم میرے ساتھ باہر چلو ابھی وہ زیادہ دور نہیں گیا ہوگا۔'' ہماری گفتگو سے رضوان بھی اٹھ گیا تھا۔ سارا ماجرا سن کر اور کافی بحث و تکرار کے بعد وہ دونوں میرے ہمراہ باہر نکلنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ ہم باہر نکلے اور ادھر ادھر نظریں دوڑائیں مگر وہ کہیں نہیں تھا۔ پورے چاند کی روشنی میں دیو ہیکل پہاڑ اور اونچے اونچے درخت عجیب ڈراؤنا منظر پیش کر رہے تھے۔ ہم اسے تلاش کرتے کافی دور نکل آئے تھے۔

''لگتا ہے تم پر کریم خان کے سنائے ہوئے قصوں اور اس ہیبت ناک ماحول کا اثر ہو گیا ہے۔'' رضوان نے ہانپتے ہوئے کہا تھا۔

> ایک بات زندگی بھر یاد رکھنا اور وہ یہ کہ کسی کو دھوکہ دینا اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے۔ دھوکے میں بڑی جان ہوتی ہے وہ مرتا نہیں ہے۔ گھوم پھر کر ایک روز واپس آپ کے پاس پہنچ جاتا ہے کیونکہ اس کو اپنے ٹھکانے سے بڑی محبت ہے اور وہ اپنی جائے پیدائش کو چھوڑ کر اور کہیں نہیں رہ سکتا۔
>
> (علم فہم اور ہوش..... از اشفاق احمد زاویہ 3)
>
> **انتخاب: فرزانہ کنول..... لاہور**

دن کی روشنی میں یہاں جو مناظر اپنی دلکشی کی وجہ سے افراد کو اپنی جانب کھینچتے ہیں وہ رات کے اندھیرے میں عجیب ہولناک تصویر بناتے ہیں۔ یہاں آبادی بھی بہت کم تھی۔ دیو قامت پہاڑ جن کی چوٹیوں تک لوگوں نے اپنے آشیانے بنائے ہوئے تھے رات کے اندھیرے میں ان مکانوں میں جلتے دیوں کی روشنی جگہ جگہ ٹمٹما رہی تھیں۔

بہر حال ہم کچھ دیر ادھر ادھر کا جائزہ لے کر واپس آ گئے تھے مگر وہ عجیب الخلقت شے ہمیں کہیں نظر نہیں آئی تھی۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اسے میرے علاوہ کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ وہ دونوں بضد تھے کہ یہ میرا وہم تھا لیکن میں جانتا تھا کہ وہ حقیقت تھا۔ اسے میں نے ایک بار نہیں تین بار دیکھا تھا۔

اگلی صبح چمکیلی اور خوش گوار تھی کھڑکی کے باہر پہاڑوں کا منظر بہت دلکش تھا۔ ضروریات سے فراغت کے بعد ہم نے ناشتہ کیا تھا جو کریم خان اور اس کا عزیز ہمارے لیے لائے تھے۔ ہم نے کریم سے گزشتہ رات کے واقعے کا ذکر نہیں کیا تھا کیونکہ میرے دوست اسے میرا وہم قرار دے چکے تھے۔ میں نے بھی اس موقع پر خاموشی اختیار کی تھی۔ آج ہمارا ارادہ وادی کی سیر کا تھا۔ ہمارے میزبان نے ہمیں نصیحت کی تھی کہ جھیل کی سمت نہ جائیں کیونکہ وہاں پریوں کا بسیرا ہے لیکن ہم نے ان کی باتوں پر کان نہیں دھرے تھے۔ ناشتے کے بعد ہم نکل کھڑے ہوئے ضرورت کا سامان ہم نے ایک بیگ میں رکھ لیا تھا جس کی ذمہ داری دوستوں نے میرے سپرد کی تھی۔ ہماری جیپ تیار تھی۔ سفر کا آغاز ہو گیا تھا۔ انتہائی خوبصورت مناظر سے دو چار کرانی

PakistaniPoint

ہوئی جیپ سانپ کی طرح بل کھاتے ٹیڑھے میڑھے راستوں سے ہوتی ہوئی اوپر کی جانب بڑھ رہی تھی۔ راستے میں ایسی خطرناک جگہیں بھی آتیں کے ہمارے اوسان خطا ہو جاتے تھے اور ہمیں یقین آ جاتا کہ خوبصورتی واقعی خطرناک ہوتی ہے۔ ہم نے کریم سے کہا تھا کہ ہمیں جھیل کی سیر کرنی ہے۔ کریم یہ سن کر سٹپٹا گیا تھا اور اس نے ہمیں باز رکھنے کی بہت کوشش کی تھی مگر ہم نہیں مانے تھے۔

کچھ دیر کے بعد ہم ایک نسبتاً میدانی علاقے میں پہنچ گئے تھے جہاں ایک چھوٹی سی جھیل تھی۔ جس کا پانی انتہائی شفاف تھا اور جو دور ہی سے چمکتا لگ رہا تھا۔ راستے بھر کریم ہمیں اس جھیل کے آس پاس بسنے والی پریوں اور جنوں کی کہانیاں سناتا رہا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ خاص طور سے یہ جھیل ان پریوں کا مسکن ہے بہر حال ہم میں سے کسی نے بھی ان کہانیوں پر یقین نہیں کیا تھا لیکن جھیل کے کنارے پہنچ کر نہ جانے مجھے کیوں کسی غیر مرئی وجود کے قریب ہونے کا احساس ہوا تھا۔ لیکن مذاق اڑائے جانے کے خیال سے میں نے کسی کو نہیں بتایا تھا۔ ہم سب دوست جھیل کے کنارے بیٹھے راستے کی تھکن اتار رہے تھے اور وہ تازہ پھل کھا رہے تھے جو ہم نے راستے میں درختوں سے توڑے تھے۔ تب جنید نے کہا تھا۔

"کوئی تصویریں تو بناؤ" ہمارے موبائل فون اور کیمرہ سامان کے ساتھ بیگ میں رکھے تھے جو ہمارے قریب ہی کچھ فاصلے پر رکھا تھا۔

میں بیگ اٹھانے جیسے ہی ادھر بڑھا وہ غیر مرئی شے بیگ کے اوپر ہوا میں معلق نظر آئی۔ میں جہاں کا تہاں کھڑا رہ گیا۔ مجھے جیسے سکتہ سا ہو گیا تھا۔ میں نے اس شے کو بیگ کی طرف جھکتے دیکھا تو میری چیخ نکل گئی۔ میری چیخ سن کر جنید اور رضوان تیزی سے دوڑتے ہوئے میرے قریب آئے تھے۔ میں حیران نظروں سے انھیں دیکھ رہا تھا اور وہ مجھے۔ انہیں غالباً وہ عجیب الخلقت شے نظر نہیں آ رہی تھی۔

"کیا ہوا تیمور؟" جنید نے پوچھا۔

الفاظ جیسے میرے حلق میں اٹک گئے تھے میں نے اوپر کی سمت اشارہ کیا جہاں وہ وجود بیگ سمیت ہوا میں معلق تھا۔ پھر اچانک وہ ایک سمت اڑنے لگا۔ اس کی اصل ہیت کیا تھی یہ تو میں نہیں بتا سکتا مگر وہ سیاہ بالوں بھرا ہیولا ایک سمت اڑتا ہوا جا رہا تھا۔ پھر پتا نہیں کیا ہوا کہ میں نے بلا ارادہ اس وجود کے پیچھے دوڑ لگا دی۔ میں اس ناہموار راستے پر بساط بھر تیز رفتاری کے ساتھ دوڑ رہا تھا جدھر وہ جا رہا تھا۔ میرے دوستوں نے میرے پیچھے چیخنا چلانا شروع کر دیا تھا مگر میں نے مڑ کر انہیں نہیں دیکھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ ان کی ذہنی حالت اس وقت کیا ہو گی۔ وہ میرے اس طرح اچانک دوڑنے پر انتہائی پریشان ہوئے ہوں گے۔ مجھے اپنے پیچھے ان کی آوازیں آ رہی تھیں جو مجھے رکنے کے لیے کہہ رہے تھے پھر انہوں نے بھی میرے پیچھے دوڑنا شروع کر دیا تھا۔

وہ وجود مجھے مسلسل نظر آ رہا تھا۔ میں رکتا تو وہ بھی رک جاتا اور مڑ کر مجھے دیکھتا جیسے وہ چاہتا ہو کہ میں اس کے پیچھے آؤں۔ میں نے اس کی سمت کا اندازہ کر لیا تھا اور اسی سمت جا رہا تھا۔ اس علاقے کے بارے میں میری معلومات صفر تھیں میں بس اس کے پیچھے ایک طرف دوڑا جا رہا تھا۔ میری سانس اس وقت دھونکنی کی طرح چل رہی تھی اور میں تھک چکا تھا۔ مگر میں نے پکا ارادہ کر لیا تھا کہ آج میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔ کیونکہ وہ ابھی تک میری نظروں سے اوجھل نہیں ہوا تھا۔ میں اپنے ارادے کا پکا تھا۔ آج میں اس لمحے کے بارے میں سوچتا ہوں تو مجھے احساس ہوتا ہے کہ میں نے کتنی بڑی غلطی کی تھی اور ایک کتنی بڑی افتاد کو دعوت دی تھی۔

میرے دوست میرے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ وہ حق دوستی ادا کر رہے تھے۔ میرا اور ان کے درمیان فاصلہ کم ہوتا جا رہا تھا۔ جھیل کہیں دور پیچھے رہ گئی تھی اور میں ایک انجانے راستے کی طرف بڑھ رہا تھا میں بری طرح تھک چکا تھا اور اب میری رفتار بھی قدرے کم ہو گئی تھی مگر میں رکا نہیں تھا آس پاس گھنا جنگل شروع ہو گیا تھا درخت اور خودرو جھاڑیاں اور دشوار راستے کی رکاوٹیں بھی میرے ارادے کی راہ میں حائل نہیں ہو رہی تھیں۔ شاید اس وقت میرے اوپر کوئی جنون سوار تھا۔

وہ ہیولا رکتا اور مڑ کر عجیب انداز سے مسکراتا تھا جیسے مجھے چیلنج کر رہا ہو۔ میری سانس اکھڑ گئی تھی اور دل کی دھڑکن قابو سے باہر تھی۔ وہ شے بھی اب تیزی سے نہیں اڑ رہی تھی۔ اس نے خود ہی مجھے اپنے پیچھے لگا رکھا تھا۔ ورنہ اس کا میری آنکھ

سے اوجھل ہو جانا مشکل نہیں تھا۔ میرے دوست اب میرے خاصے قریب پہنچ گئے تھے۔ اسی وقت میرا پاؤں پھسلا اور میں دور تک نشیب میں لڑھکتا چلا گیا۔ پھر شاید میں کسی بڑے پتھر سے ٹکرا کر رکا تھا۔ میں اٹھا' میری کہنی اور گھٹنے بری طرح چھل گئے تھے مگر شکر ہے کہ زیادہ چوٹیں نہیں آئی تھیں۔ میں تکلیف کی شدت سے کراہ رہا تھا۔ میرے دوست گھاٹی کے کنارے سے مجھے آوازیں دے رہے تھے۔ اپنی چوٹوں کا خیال کرتے ہوئے ایک لمحے کے لیے میرے ذہن میں آیا تھا کہ بہت ہو گیا۔ بیگ کا خیال ترک کر کے مجھے اپنے دوستوں کی طرف لوٹ جانا چاہیے کہ اسی لمحہ وہ ہیولا مجھے دوبارہ نظر آیا اور ایک بار پھر میرے ذہن سے ہر خیال نکل گیا اور بس ایک ہی جستجو اور جنون نے سر اٹھایا اور میں پھر بے اختیار اس کے پیچھے چل دیا یوں لگ رہا تھا جیسے اس نے مجھے اپنے ٹرانس میں لے لیا تھا۔

اوپر سے دوست مجھے آوازیں دے رہے تھے مگر میں نے کسی کی آواز پر کان نہیں دھرے بلکہ اسی موڑ پر مڑ گیا جہاں تھوڑی دیر پہلے وہ وجود مڑا تھا۔ اس ناہموار راستے پر میں کچھ ہی آگے بڑھا تھا جب ایک عمودی چٹان نے میرا راستہ روک لیا تھا۔ وہ شے ان چٹانوں کے درمیان بنے ایک بڑے سے غار میں داخل ہو گئی تھی وہ رکا تھا اور مڑ کر میری طرف دیکھا تھا۔ میری سانس بری طرح پھول گئی تھی اور ایک قدم بھی مزید اٹھانا میرے لیے محال تھا۔ اس لیے وہیں غار کے دھانے پر بیٹھ گیا۔ کچھ ہی دیر میں میرے دوست بھی ہانپتے کانپتے وہاں پہنچ گئے تھے۔ ان کی بھی سانسیں اکھڑی ہوئی تھیں اور بدن تھکاوٹ سے چور تھے۔ وہ سب بھی میرے قریب ادھر ادھر بیٹھ گئے۔ شدید تھکاوٹ کے باعث ہم آپس میں بات نہیں کر پا رہے تھے اور سب خاموش تھے۔

''تیمور تم کیوں بھاگے تھے اور یہاں کیوں آئے ہو؟'' جب حواس کچھ بحال ہوئے تو انور بولا۔

''تم لوگوں نے نہیں دیکھا..... وہ سیاہ وجود جو مجھے راستے میں اور اس رات نظر آیا تھا ہمارا بیگ اٹھا کر اڑ گیا تھا میں اس کا پیچھا کرتے یہاں تک آیا ہوں وہ ابھی کچھ دیر پہلے اس غار میں داخل ہوا ہے۔'' میں نے شروع سے آخر تک تمام روداد انہیں سنا دی۔

''لیکن ہمارا بیگ تو کریم خان کے پاس ہے..... اور ہم نے تو ایسی کوئی شے اڑتی نہیں دیکھی۔'' رضوان نے کہا تھا۔ یہ سن کر میں حیران رہ گیا تھا۔ میں نے اس شے کو ایک بار نہیں کئی بار دیکھا تھا اور باہوش و حواس دیکھا تھا مگر میں کیا کر سکتا تھا کوئی بھی یہ بات ماننے کے لیے تیار ہی نہیں تھا۔

''کریم کہاں ہے؟'' میرا اب شرمندگی سے بھی برا حال تھا کیونکہ یہ سب پریشانی میری وجہ سے ہوئی تھی۔

''کریم گاؤں کی کسی نان گینی کی مدد حاصل کرنے گیا ہے جو ہمیں جنوں اور پریوں سے بچا سکتی ہے۔ وہ کہہ رہا تھا کہ تم نے یقیناً کوئی جن یا پری کو دیکھا ہے اور تم اسی کے پیچھے دوڑے ہو۔''

اگر میں ان لوگوں سے بات کیے بغیر اس شے کے پیچھے بھاگنے کی غلطی نہ کرتا تو اس وقت ہم اس حال میں نہیں ہوتے بہرحال ہم پہاڑوں کے درمیان جس جگہ پہنچ چکے تھے وہاں دور دور تک کوئی آبادی نظر نہیں آ رہی تھی۔ آس پاس کوئی ذی روح نہیں تھا اور ایک عجیب سی وحشت اور ویرانی وہاں چھائی ہوئی تھی۔ ہمارے اطراف ویرانہ ہی ویرانہ تھا۔ اونچے اونچے پہاڑوں اور گھنے درختوں کے سوا ہمیں کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ سہ پہر شام میں ڈھل گئی تھی۔ ان علاقوں میں ویسے بھی شام جلدی اتر آتی ہے۔ درختوں کے سائے دراز ہو رہے تھے۔ تھوڑی دیر ستانے کے بعد ہم نے واپس جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس دوران نہ تو ہمیں کوئی ایسا وجود نظر آیا تھا اور نہ ہی کوئی ناقابل فہم شے ملی تھی۔ ہم سب اٹھ کھڑے ہوئے ہمیں جلد از جلد یہاں سے نکلنا تھا ورنہ رات کے اندھیرے میں یہاں سے نکلنا ناممکن ہو

ہم انسان کس قدر بھولے اور نازک ہوتے ہیں۔ کتنی جلدی رشتوں کے کومل دھاگے اپنی روح کے ریشوں سے جوڑ لیتے ہیں۔

شاید ہم اسی لیے پل پل توٹتے اور جڑتے رہتے ہیں۔

اللہ نے ہمارے اندر احساس نام کا یہ جو جذبہ رکھا ہے یہ ہمیں کسی کروٹ چین نہیں لینے دیتا، اک آس ٹوٹتی ہے تو دوسری جنم لے لیتی ہے۔

ہاشم ندیم..... عبداللہ

مفیضہ انصاری ..... سکھر

Pakistanipoint

جاتا۔ بہرحال ہم راستے کا تعین کیے بغیر ایک طرف روانہ ہو گئے۔ سردی بڑھتی جا رہی تھی۔ یخ بستہ ہوا نے ہماری پریشانی میں اور اضافہ کر دیا تھا۔ ہمارے گرم کپڑے بیگ میں تھے جو اس وقت ہمارے پاس نہیں تھا۔ سردی کی وجہ سے ہمارے جسم کانپنے لگے تھے تھکاوٹ کے علاوہ اب بھوک بھی ہمیں ستا رہی تھی۔ جس سے سب کے مزاج چڑچڑے ہو گئے تھے۔ وہ سب مجھ پر غصہ نکال رہے تھے کیونکہ ساری غلطی میری تھی اور میری وجہ سے میرے دوستوں کو اس ناگہانی افتاد کا سامنا کرنا پڑا تھا مگر ہمیں اندازہ نہیں تھا کہ اصل افتاد تو ابھی ہماری منتظر تھی۔

ہم سب کو جتنی قرآنی سورتیں یاد تھیں سب ورد کر رہے تھے اور خدا کو یاد کر رہے تھے کہ وہی رب العالمین ہمیں اس مشکل سے نکال سکتا تھا۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا اور اندھیرا آہستہ آہستہ بڑھتا جا رہا تھا۔ ہم حتی الامکان تیز رفتاری سے چل رہے تھے۔ ہمیں چلتے ہوئے نہ جانے کتنے گھنٹے ہو گئے تھے مگر یہ کوئی وادی تھی کہ بھول بھلیاں ہم میلوں چل کر بھی اسی چٹان کے قریب کھڑے تھے اور انتہائی حیرت سے ایک دوسرے کو اور اس غار کو دیکھ رہے تھے۔ انتہائی خوف، پریشانی، تھکن اور بھوک سے ہم سب کا برا حال تھا۔ اب مکمل اندھیرا چھا گیا تھا۔ چاند کی مدھم چاندنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ ہمیں جتنی دعائیں یاد تھیں ہم پڑھ رہے تھے۔ اب ایک ایک کر کے ہمیں اس جھیل اور وادی سے متعلق وہ قصے کہانیاں یاد آ رہی تھیں جو کریم نے سنائی تھیں اور ہمیں اس علاقے سے دور رہنے کا مشورہ دیا تھا۔

آخر تھک ہار کے ہم وہیں بیٹھ گئے تھے اور سب اپنی اپنی سوچوں میں کھوئے ہوئے تھے سب کے چہروں پر ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں۔ میں اپنے گھر والوں کے بارے میں سوچا نہ جانے کیا ہونے والا تھا اور وہ عجیب الخلقت چیز مجھے ہی کیوں نظر آئی تھی اور پھر اچانک کہاں غائب ہو گئی تھی آخر وہ مجھ سے کیا چاہتی تھی اور مجھے اپنے پیچھے لگانے کا مقصد کیا تھا۔ میں بہت کچھ سوچتا رہا مگر میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ منجمد کر دینے والی سردی نے ہم سب کو ایک خوف میں مبتلا کر دیا تھا۔ ہم ویسے نہ مرتے تو بھی صبح تک سردی سے جم کر مر جاتے۔ ہم کسی سے کچھ کہے بغیر اپنے اپنے گناہوں کی معافیاں مانگ رہے تھے دعا اور مناجات کرتے کرتے رات کا کافی حصہ بیت چکا تھا۔ ہم سردی کی شدت کی وجہ سے ایک دوسرے کے قریب ہو گئے تھے ایک دوسرے کے جسم کی گرمی پا کر ہمیں کچھ سکون ملا تھا۔ ہماری آخری امید کریم تھا۔ جو ہمارے لیے مدد لینے گاؤں گیا تھا۔

کہتے ہیں کہ نیند تو سولی پر بھی آ جاتی ہے اور یہی ہوا تھا۔ اس ہولناک رات میں بھی اس چٹان اور مہیب غار کے سامنے ایک دوسرے سے چمٹے بیٹھے ہم پانچوں دوست کچھ ہی دیر میں گہری نیند سو گئے تھے۔ رات تین یا ساڑھے تین بجے کا عمل ہو گا جب اچانک کسی آہٹ سے میری آنکھ کھلی تھی۔ میں آج بھی اس ہولناک اور کرب ناک لمحے کو یاد کرتا ہوں تو مجھے یقین نہیں آتا کہ اس رات ہم کیسے زندہ بچ گئے تھے۔ میری اچانک آنکھ کھلی تو یہ دیکھ کر میری گھگھی بندھ گئی کہ لاتعداد پریاں جو سرتاپہ سفید پروں سے ڈھکی ہوئی تھیں اور ان کے قد دو فٹ سے زیادہ نہیں تھے۔ ان کے چہرے بہت خوبصورت تھے مگر دانت نوکیلے تھے۔ وہ اپنے نوکیلے دانت ہمارے بدن کے کھلے حصوں میں گاڑھے خون پی رہی تھیں۔ دو پریاں میرے بازو سے بھی چپکی ہوئی تھیں اور چاروں طرف اور وہی سیاہ بالوں بھرے عجیب الخلقت جنات کھڑے تھے جیسے پہرا دے رہے ہوں۔

میں نے اپنا بازو تیزی سے جھٹکا وہ دونوں دور جا گریں جو میرا خون چوس رہی تھیں اور خوں آشام نظروں سے مجھے گھورنے لگیں۔ حیرت کی بات ہے کہ ہمیں ان کے دانتوں کی چبھن کا کوئی احساس نہیں ہوا تھا۔ ذرا حواس بحال ہوئے تو میں چیخنے چلانے لگا۔ سب ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے۔ اتنی بڑی تعداد میں پریوں کو دیکھ کر سب چیخنے لگے اور ان سے اپنی جان چھڑانے لگے۔

''انور اسے ہٹاؤ دیکھو وہ تمہاری گردن کی طرف بڑھ رہی ہے۔'' جنید چلایا تھا۔

کالے بالوں والے عفریتوں نے ہمارے گرد گھیرا تنگ کر دیا تھا اور پریاں ہم پر ٹوٹ پڑی تھیں۔ ہم سب کا نقاہت سے برا حال تھا رضوان تو نڈھال ہو کر گر پڑا تھا۔ اب شاید اس میں اٹھنے کی سکت بھی نہیں تھی کئی پریاں اس کا خون چوس رہی تھیں۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا اور پریوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی میں ادھر سے ادھر دوڑ رہا تھا۔

Pakistanipoint

میری اس حکمت عملی نے مجھے بچایا ہوا تھا۔لیکن میں کب تک دوڑ سکتا تھا۔شاید ہمارا آخری وقت قریب آ گیا تھا۔ پھر اچانک میری نظر دور پہاڑوں سے اترتی مدھم روشنی پر پڑی میں بری طرح چونکا تھا۔کچھ ہی دیر میں کریم ایک بوڑھی عورت کے ہمراہ آتا نظر آیا۔کریم نے ہاتھ میں ٹارچ تھامی ہوئی تھی جبکہ بوڑھی عورت کے ہاتھ میں کوئی پوٹلی سی تھی۔اسے دیکھ کر مجھے اس وقت جس قدر خوشی ہوئی وہ بیان سے باہر ہے۔بوڑھی خاتون نے وہاں پہنچتے ہی مقامی زبان میں کریم سے کچھ کہا تھا۔

''تم سب ایک طرف ہو جاؤ۔'' کریم نے ہمیں ہدایت کی تھی۔

بوڑھی عورت نے چاروں طرف دیکھا پھر اپنے گرد ایک حصار کھینچا اور اس کے اندر بیٹھ کر اپنی پوٹلی کھولی تھی۔پھر اس نے آگ جلائی اور منہ ہی منہ میں کچھ پڑھتے ہوئے کوئی سفوف آگ پر پھینکا تھا اور یہی سفوف چاروں اطراف اڑایا دیکھتے ہی دیکھتے پریاں عجیب وغریب آوازیں نکالتی چھٹتی چلی گئیں۔وہ سب زمین سے کوئی ڈیڑھ فٹ اونچی اڑ رہی تھیں اور تیزی سے غار کی سمت بڑھ رہی تھیں۔

''بڑی مشکل سے نان گینی کو یہاں لایا ہوں وہ دوسرے گاؤں گئی ہوئی تھیں۔'' کریم نے دھیمی آواز میں ہمیں بتایا تھا۔

سیاہ بالوں والا وجود جنات تھے جو نان گینی کو دیکھتے ہی غائب ہو گئے تھے اور پریاں بھی اڑ کر غار کی سمت جا رہی تھیں پھر اچانک بوڑھی نان گینی زور سے چلائی اور کئی فٹ اوپر ہوا میں معلق ہو گئی۔بلاشبہ ہم سب بیک آواز چیخے تھے۔یہ نظارہ ناقابل یقین تھا۔کوئی انسانی وجود یہ کارنامہ نہیں کر سکتا مگر یہ سب ہماری آنکھوں کے سامنے ہوا تھا۔نان گینی نے تیز آواز میں کچھ کہا تھا۔کریم نے ہم سب کو چپ رہنے کا کہا۔

جب سب پریاں وہاں سے چلی گئیں تو بوڑھی خاتون بھی حصار میں واپس آ بیٹھیں۔پھر کوئی مشروب جو وہ اپنے ہمراہ لائی تھیں ہمیں پلایا تھا جس سے کچھ ہی دیر میں ہماری توانائیاں بحال ہو گئی تھیں۔بوڑھی خاتون نے کریم کے توسط سے ہمیں بتایا کہ تم لوگ خوش قسمت ہو جو میں ٹھیک وقت پر یہاں پہنچ گئی ورنہ پریاں اپنے علاقے میں کسی کی مداخلت پسند نہیں کرتیں اور کوئی ذی روح یہاں سے زندہ واپس نہیں جاتا۔ہم پر جو گزری تھی اس نے ہم پر سکتہ سا طاری کر دیا تھا۔ ہم موت کے چنگل سے بال بال بچے تھے۔

کچھ ہی دیر میں ہم کریم اور بوڑھی خاتون کے ہمراہ نزدیکی آبادی کی طرف روانہ ہو گئے تھے جہاں ہماری بڑی خاطر مدارت ہوئی تھی۔بے شک ہمیں ان مخلوقات سے نجات مل گئی تھی مگر وہ خوف ابھی تک قائم تھا رات وہاں گزار کر ہم صبح سویرے اپنے میزبان کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے تھے جہاں ہمارا سامان رکھا تھا۔ہم وہاں پہنچے تو کریم کے کزن اور ہمارے میزبان نے کہا۔

''میں نے آپ لوگوں کو تنبیہ کی تھی کہ جھیل سے آگے نہ جانا مگر آپ کو یقین نہیں تھا نہ میری باتوں کا۔''

''تجسس شاید انسانی فطرت ہے جس سے ہم مجبور ہو گئے تھے۔مگر یہ تجربہ ہم زندگی بھر نہیں بھولیں گے۔'' میں نے کہا۔

میں اور میرے دوست اب وہاں ایک منٹ بھی ٹھہرنے کے لیے تیار نہیں تھے اس لیے ہم نے رخت سفر باندھا اور جانے کے لیے تیار ہو گئے۔میرے دوست جیپ میں بیٹھ رہے تھے اور میں بالکونی کی ریلنگ پر کہنی ٹکائے کھڑا الوداعی نظروں سے ان بے حد خوبصورت مگر خطرناک نظاروں کو اپنی آنکھوں کے راستے دل میں اتار رہا تھا کہ اچانک ایک ننھی پری میرے بازو کے قریب آ بیٹھی میں یک دم خوفزدہ ہو کے پیچھے ہٹا اور اس کی طرف دیکھا تو وہ مہربان نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی جیسے کہہ رہی ہو۔

''تم لوگ جب چاہو اس حسین وادی میں آ سکتے ہو اور جہاں چاہو گھوم سکتے ہو مگر ہمارا وہ چھوٹا سا ٹھکانہ چھوڑ کر۔'' پھر وہ ایک جانب اڑ گئی تھی۔

کہتے ہیں کہ جب تک حوصلہ قائم رہے انسان بڑی سے بڑی مصیبت کا سامنا کر سکتا ہے اور بڑی سے بڑی تکلیف جھیل سکتا ہے مگر جب انسان ہار مان لیتا ہے تو ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔بہرحال ہمیں جو حالات اس وادی میں پیش آئے تھے انہیں عقل تسلیم نہیں کرتی مگر یہ حقیقت پر مبنی ہیں۔آج بھی جب مجھے اس رات کا خیال آتا ہے تو یقین نہیں آتا کہ ہم اس وادی سے کیسے زندہ بچ کر آ گئے۔

PakistaniPoint

اسیر خواب

در نجف

دونوں بہن بھائیوں نے اپنے برکردار اور بد خصلت باپ کو زندہ جلا دیا تھا ان کا خیال تھا کہ وہ اب عزت کی زندگی بسر کرسکتے ہیں۔ لیکن بدکردار باپ کی بھٹکتی روح انہیں تنگ کرنے واپس آگئی تھی۔

دولت کی ہوس میں اپنی بیٹی کا سودا کرنے والے باپ کی روداد، ایک خوب صورت تحریر

وہ پورا جلا ہوا تھا..... سیاہ چہرہ..... ابلی ہوئیں آنکھیں جن کے گرد چمڑی غائب تھی..... اور زیادہ اسے خوفناک لگ رہیں تھیں اسے متلی ہونے لگی..... بازوؤں پر پڑے آبلے پھٹ چکے تھے..... گلا ہوا گوشت صاف دکھ رہا تھا کئی جگہ جسم کی چمڑی کٹی پھٹی تھی۔ سمیر اپنی بگڑتی حالت پر قابو پانے لگا۔

''کیسے ہو میرے پیارے بیٹے.....'' اس سے پہلے وہ مڑ کر دیکھتا اس کی گردن اس کے شکنجے میں تھی۔

ابھی ابھی سمیر نے اس کے جلے بازو۔ دیکھے تھے انھی ہاتھوں سے وہ اس کی گردن دبوچے گا اس نے سوچا نہ تھا۔

تکلیف اور کراہیت کی کیفیت سے دوچار سمیر اس کی گرفت سے نکلنے کی بھرپور کوشش کررہا تھا۔

وہ اسے تڑپتا دیکھ کر زور زور سے ہنسنے لگا۔

ہنسی کی آواز سن کر انو کو جھٹکا لگا' اس منحوس آواز کو وہ پہچان گئی' پہچانتی بھی کیسے نا پورا سال اس نے اذیت برداشت کی تھی' وہ ادھر ادھر اسے کاٹھ کباڑ کی اوٹ سے خود کو ہر ممکن طور پوشیدہ رکھتے ہوئے ڈھونڈنے لگی۔

''تم لوگوں نے مجھے جلا ڈالا تھا نا..... آج دیکھنا میں تمہارا کیا حشر کرتا ہوں.....'' جلے ہوئے شخص نے سمیر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔ ''تمہاری بہن بھی یہاں ہے نا؟''

سمیر نے گھبرا کر منہ پھیر لیا

''بلاؤ..... بلاؤ اسے..... انو..... انو..... تم خود چلی آؤ ورنہ میں اس کے ٹکڑے کردوں گا۔ سن رہی ہو؟ انو..... اب لہجہ دھیما کرتے ہوئے پھٹے ہونٹوں پر مسکان سجا کر کہا۔ ''انو.....'' میری پیاری بچی..... آؤ میرے پاس آؤ.....''

انو نے اپنے بھائی کو اس کی گرفت میں دیکھا تو سرتاپیر لرز گئی۔ وہ جلے ہوئے دروازے کے پیچھے منہ پر ہاتھ رکھے سسکنے لگی۔ اسے وہ دن یاد آگیا۔

❖❖❖❖

''بابا..... چھوڑ دو مجھے..... آپ ایسا کیوں کررہے ہیں؟''

وہ اس کی کلائی مضبوطی سے پکڑے کمرے کی طرف لے جارہا تھا اور انو گھسٹتی ہوئی اس کی گرفت سے نکلنے کی ناکام کوشش کررہی تھی۔ اس نے کمرے تک لاکر اسے کھڑا کیا۔

''چپ ایک دم چپ۔ تیری ماں کام کرتی ہے' تیرا بھائی بھی کام کرتا ہے..... تو کیوں مفت کی روٹیاں توڑ رہی ہے.....؟ آج سے تو بھی کام کرے گی۔'' انو اس کا مطلب سمجھتے ہوئے بند دروازے کو دیکھ کر دہل گئی۔

''ذرا سوچو رزیل اگر میری ماں اور بھائی کو پتہ چل گیا نا تو.....'' اپنی تمام تر ہمت مجتمع کرتے ہوئے بولی۔

''کچی گولیاں نہیں کھیلیں۔ اسی رئیس کے گھر تیری ماں کام کرتی ہے۔ ارے ابھی تو' تو دبئی بھی جائے گی جہاز پر..... ہاہاہا..... کبھی دیکھا ہے جہاز..... نہیں نا.....؟'' جوابا وہ کمینگی کی انتہا کو چھو کر مسکراتے ہوئے بولا۔

وہ خوف زدہ سی سہمی ہوئی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''ارے پگلی ہم امیر ہو جائیں گے۔'' ایک لمحے کو وہ آنے والے دنوں کا خواب دیکھنے لگا۔

Pakistanipoint

انو نے ہاتھ جھٹکا تو ہوش میں آیا۔

"آنکھیں پھاڑے کیا دیکھ رہی ہے۔ ہیں.....؟ آج رات تیری ماں گھر نہیں آئے گی اور نہ ہی سمیر..... اس لئے میں جو کہتا ہوں وہ کرتی جاؤ..... دیکھو انعم ہم کب تک غربت کی چکی میں پستے رہیں..... اس رئیس کا دبئی میں بہت بڑا کاروبار ہے وہ کیا کہتے ہیں ماڈلز..... ہاں ماڈلز لے جاتا ہے دبئی اور تو تو ہے ہی اتنی خوبصورت ہیں.....؟ بس آج تو اسے قابو کر لے۔ بس پھر دیکھ کیسے وارے نیارے ہوتے۔"

انعم اس کی باتیں سن کر دنگ رہ گئی' تم جیسا گھٹیا شخص تو کہیں نہیں ہوگا تو تو باپ کہلانے کے لائق ہی نہیں بے غیرت شخص ہے تو صرف....."

"اے..... بہت بول رہی ہے تو..... قینچی کی طرح چلتی زبان کاٹوں گا تیری ہاں..... زیادہ بکواس کی نا تو ہڈی پسلی توڑ دوں گا سمجھی..... چل....." وہ اسے کھینچتا ہوا کمرے میں لے آیا۔

"کوئلے کی کان میں ہی ہیرا....." وہ اسے چھوڑ کر جانے کے لئے پلٹا۔ سامنے ایک شخص ٹیبل پر پڑی شراب کی بوتل اٹھا رہا تھا اسے دیکھ کر بوتل وہیں رکھ دی اس کے سراپے پر نظر ڈالتے ہوئے بولا۔

"بابا....." انعم نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔

وہ شخص تیزی سے اٹھا' اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے انعم کے باپ کو جانے کا اشارہ کیا اور وہ تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔

اس شخص نے کمرے کو بند کیا اور ناپاک نظروں سے انو کو دیکھا۔ ایک زخمی ہرنی گدھ کے ہتھے چڑھ گئی جو اسے نوچتا رہا۔ بھیانک رات اس کی چادر میں اپنی ہولناک چھاپ چھوڑتی گزر چکی تھی۔ وہ ابتر حالت میں بے ہوش پڑی تھی پاس ہی شراب کی وہ بوتل خالی گری پڑی تھی جو زبردستی اس کے حلق میں انڈیلی گئی تھی۔ دور سے آوازیں آ رہیں تھیں مگر وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

جب اس نے آنکھیں کھولیں تو اس کی ماں اسے جھنجوڑتی ہوئی پکار رہی تھی۔ خود پر گزری قیامت کا ایک ایک پل ماں کو بتاتی روتی بلکتی رہی۔

اس کی ماں سکتے کے عالم میں بیٹھی اسے دیکھ رہی تھی۔

''ناپاک ہوگئی میں اماں.....'' وہ روتے ہوئے اپنے ہی جسم سے نہ نظر آنے والی گندگی اتارتی اور نوچتی رہی۔

سمیر گھر میں داخل ہوا تو انو کی چیخیں سن کر حیران ہوا تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا کمرے کی طرف بھاگا۔ سامنے کے منظر پر اسے جھٹکا لگا دیوار سے ٹیک لگائے زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔

''باطی! ہائے میں بیوگی کی چادر میں اپنے بچوں کو چھپا لیتی تو آج میری عزت تار تار نہ ہوتی' سوتیلے پن کی ہی لاج رکھ لیتا۔'' انو کی ماں چیخنے لگی۔

''کیا کہہ رہی ہو اماں؟'' سمیر نے چونک کر ماں کو دیکھا چلتے ہوئے بے حال ہوتی ماں کو تھام لیا۔

''میری بچی کو کھا گیا وہ سمیر.....میری بیٹی کا سودا کر دیا بدخصلت نے۔''

''کیوں شور مچا رہی بد بخت؟'' باطی نشے میں لڑکھڑاتا دروازے سے جھانکتے ہوئے بولا۔ اپنا تماشا خود ہی بنا رہی ہے تو.....''

''تیرے پیٹ کی جہنم بھرنے کو ہم دونوں کافی نہیں تھے جو تو نے میری معصوم بچی کو بھی جھونک دیا.....؟'' شمیم غصے میں اٹھی اور باطی کو گریبان سے پکڑ کر جھنجوڑتے ہوئے بولی۔

''تو نے میرے گریبان پر ہاتھ ڈالا.....؟'' باطی نے غصے سے شمیم کو دیکھا۔

''ہاں ڈالا۔ تیرے خلاف پرچہ کٹواؤں گی میں دیکھنا جیل میں سڑے گا تو۔'' شمیم غصے میں چلا کر بولی۔

باطی نے جیب سے چاقو نکال کر شمیم کے پیٹ میں اتار دیا شمیم لڑکھڑاتی ہوئی نیچے جا گری۔

''اماں.....!'' سمیر ماں کو تھام کر انو کو آوازیں دینے لگا انو بے یقینی کی کیفیت میں ماں کو دیکھنے لگی۔

''اماں کچھ نہیں ہوگا تجھے میں اسپتال.....'' شمیم کا سر سمیر کے بازو پر ڈھلک گیا۔

''اماں.....اماں اٹھو.....آنکھیں کھولو اماں.....'' سمیر پکارتا رہا پر شمیم نے ایک نہ سنی۔ سمیر نے خوف سے ماں کو ہلایا۔

''ناٹک کر رہی ہے ابھی اٹھ جائے گی۔''

سمیر نے ماں کے پیٹ سے چاقو نکالا اور باطی کے پیٹ میں اتار دیا باطی درد سے گر کر تڑپنے لگا۔

تو نے میری ماں کو مار دیا۔'' سمیر اسے گھسیٹتے ہوئے باہر لے جانے لگا باطی خود کو چھڑاتے ہوئے انو کی طرف بھاگا۔

انو اسے قریب پا کر چیخنے لگی۔

سمیر نے باطی کا بازو پکڑ کر کھینچا تو باطی نے دوسرے ہاتھ سے انو کو پکڑنا چاہا انو پیچھے ہٹ گئی مگر انو کا دوپٹہ باطی کے ہاتھ لگ گیا باطی نے کھینچا تو انو نے اتار پھینکا۔

سمیر اسے گھر کے اسٹور کی طرف لے گیا باطی انو کا دوپٹہ تھامے چیختے ہوئے خود کو چھڑانے کی کوشش میں تھا چاقو ابھی بھی باطی کے پیٹ میں تھا جو اندر ہی اندر اسے کاٹ رہا تھا۔

سمیر نے اسے اسٹور میں پٹخا جہاں وہ ورکشاپ سے لایا کالا تیل (خام تیل) لا کر رکھتا تھا جو چولھا جلاتے ہوئے انعم استعمال کرتی تھی۔

اکثر گیلی لکڑیاں ہوتیں تو ان پر ڈال کر جلاتی تھی۔ آسانی سے جل جاتیں' لوگ آگ جلانے کو لیتے تھے اکثر وہ سستے میں بیچا کرتے تھے۔ کیونکہ ابھی یہاں گیس نہیں پہنچی تھی بارشوں میں سوکھی لکڑی نہ ملنے کے برابر تھی۔

''تیرا جرم بہت بڑا ہے اور میں اتنے ظرف کا مالک نہیں کہ تجھے معاف کر دوں۔ میری دنیا اجاڑ دی تو نے.....'' سمیر نے اسے پٹختے ہوئے ہوئے کہا۔

انو بھی دروازے میں کھڑی تھی سمیر نے ایک نظر اسے دیکھا اور تڑپتے ہوئے باطی کے پاس بیٹھ گیا جواب آخری سانسیں گن رہا تھا۔

''میری غیرت پر وار کیا تو نے.....'' سمیر نے باطی کے پیٹ میں گھونپے چاقو کو دیکھا اور اس کے ہاتھ میں موجود انو کے دوپٹے سے چاقو کا دستہ صاف کیا۔

سمیر اٹھا۔ تیل کے ڈبے اٹھا کر باطی کے اوپر اور اس کے آس پاس تیل گرانے لگا' مڑ کر انو کو دیکھا' انو نے اس کا اشارہ سمجھ لیا مگر پھر بھی کھڑی باطی کو دیکھتی رہی۔

باطی نیم مردہ حالت میں دیکھ رہا تھا۔ سسکتے ہوئے انو کو مدد طلب نظروں سے دیکھنے لگا۔

انو کو خود پر بیتی قیامت یاد آنے لگی وہ وہاں سے چلی گئی۔ سمیر اسے تڑپتا دیکھتا رہا۔

انو پلٹی تو اس کے ہاتھ میں ماچس تھی جو اس نے سمیر کی طرف بڑھائی۔ لیکن! سمیر نے نہیں لی۔

انو نے سمیر کو دیکھتے ہوئے ماچس میں سے تیلی نکال کر

PakistaniPoint

آگ جلائی اور گرے ہوئے تیل پر پھینک دی تیل نے آگ پکڑ لی۔

سمیرا نو کو لئے باہر آ گیا دونوں اسٹور کے دروازے سے باطی کو جلتا دیکھ کر ماں کے پاس آئے جو انہیں چھوڑ کر ملک عدم کی راہی بن بیٹھی تھی۔

سمیر نے پولیس کو بتایا کہ اس کا باپ شرابی تھا اس کی ماں کا قتل کر کے گھر کو آگ لگا دی جس میں وہ خود بھی جل مرا' سمیر اور انو پولیس کی حراست میں چھ مہینے رہے مگر کچھ ثابت نہ ہوا۔

چھ مہینے بعد۔

جیل سے رہائی شام کے وقت ہوئی' اور اپنے گھر کے علاوہ چارہ بھی نہ تھا یوں وہ دوبارہ گھر لوٹے' اپنے جلے گھر کے سامنے کھڑے سوچنے لگے رات تو یہیں بتانی پڑے گی۔ محلے داروں میں سے تو اس وقت کوئی دروازہ بھی نہ کھولے گا صبح استاد سے رہائش کا بندوبست کرنے کا کہتا ہوں۔

سمیرا نو کا ہاتھ تھامے اندر داخل ہوا۔

انو گھبرائی سی سمیر کے ساتھ چلنے لگی عجیب سا خوف اس کے جسم میں سرایت کر رہا تھا۔

رات کے دس بج چکے تھے چاند کی روشنی پورے گھر میں پھیلی تھی چھتوں سے بے نیاز کمروں میں کہیں کہیں اندھیرا بکل مارے بیٹھا تھا۔

دونوں قدرے صاف جگہ دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے کتنی ہی یادیں ان کے سامنے رقصاں تھیں۔ نجانے کب ماں کی یاد سے لپٹے نیند کی آغوش میں چلے گئے۔

''انو.....انو.....''

یہ آواز تو ابا کی ہے۔ انو کو آوز دور سے آ رہی تھی۔ پھر آہستہ آہستہ نزدیک آنے لگی' آواز کے ساتھ ساتھ کسی چیز کے کھرچنے کی آواز زیادہ آنے لگی۔

اس نے گھبرا کر اپنے آس پاس دیکھا وہ وہیں کھڑی تھی جہاں اس نے ابا کو جلایا تھا۔ گھبرا کر باہر نکلنا چاہا مگر دروازہ نہیں دکھ رہا تھا وہ ادھر ادھر بھاگتی دیواروں سے ٹکرانے لگی۔

''انو.....انو.....کہاں بھاگ رہی ہو'' خباثت سے مسکراتا وہ ایک جگہ کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔

انو نے چاند کی روشنی میں ابا کو دیکھا۔ ان کا سیاہ وجود مکمل طور جل چکا تھا کہیں کہیں تو چمڑی لٹک رہی تھی۔

آشنائی

ہر ہر حرف تیرا
مجھ سے آشنائی کرے
ہر ہر لفظ تیرا
دل کی پزیرائی کرے
اور کیا کیا "تو" کرے
بات اب یہ جانے دو
جان جاں کہہ کے میرے
دل کی دلربائی کرے
ہاں! تیرے لفظ
میری ذات پہ رکھے مرہم
اس ادا سے تو
میری جان مسیحائی کرے
گر ہے "تو" دور مگر
جان تمنا میری
تیرا احساس
مری روح کی شنوائی کرے

نبیلہ خان.....ڈیرہ اسماعیل خان

اس نے خوف سے آنکھیں بند کر لیں۔ مکمل خاموشی چھا گئی۔

انعم نے آنکھیں کھولیں تو سامنے ابا کی ابلی آنکھیں دیکھ کر چیخ پڑی' گرتے پڑتے جو دروازہ دیکھا تو بھاگ کر باہر نکلی۔

ابا کی ہنسی اسے اپنے پیچھے سنائی دینے لگی۔

''بھیا.....بھیا بچاؤ.....'' انعم اسے پکارتی رہی مگر سمیر سویا رہا۔

باطی ہنستا ہوا آیا اور پھر سے اسے پکڑ لیا انعم شور مچاتی رہی۔ وہ اسے گھسیٹتا ہوا اسٹور میں لے گیا۔

انعم نے اس کی انگلیوں میں اپنے دوپٹے کا جلا ہوا کچھ حصہ اور چاقو دیکھا۔ اچانک انعم کو جھٹکا لگا۔

''انعم.....انعم.....'' سمیرا اسے کب سے آوازیں دے

PakistaniPoint

رہا تھا مگر انعم تو گھوڑے بیچ کر سوئی تھی۔ سمیر کی آواز پر وہ اٹھی تو سمیر اسے جگا رہا تھا۔

''بھیا ابا..... ابا زندہ ہے۔ یہاں سے چلو بھیا وہ مجھے مارنا چاہتے ہیں۔'' وہ اٹھتے ہی ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

''میری بات کا یقین کریں ابا زندہ ہیں۔'' وہ ڈری سہمی سی اسے بتانے لگی۔

''انعم ابا مر چکے..... کیا ہو گیا ہے تمہیں..... اچھا چلو یہاں سے۔'' سمیر کے کہتے ہی انعم اٹھی اور بھاگ کر باہر نکل گئی۔

''کیا پاگل پن ہے انعم! کیوں تماشہ بنا رہی ہو۔'' سمیر بھی پیچھے دوڑا۔ بمشکل اسے بازو سے پکڑ کر بولا۔

''میری بات کا یقین کرو بھائی میں نے ابا کو دیکھا تھا۔ انہوں نے مجھے مارنے کی کوشش بھی کی۔''

''اچھا بس چلو یہاں سے۔ میں اس گھر کو بیچ دیتا ہوں۔'' شاید انعم ابھی اس واقعے کو بھلا نہیں سکی سمیر سوچنے لگا۔ مجھے کہیں اور رہنے کا بندوبست کرنا چاہیے تاکہ وہ اس واقعے اثر سے نکل سکے۔

سمیر نے پھر ورکشاپ پر کام کرنا شروع کر دیا اور کرائے پر مکان بھی حاصل کر لیا۔ سمیر اب بے فکر تھا کہ اب انعم اس واقعے کو بھول جائے گی مگر یہ اس کی خام خیالی تھی۔

چند دن گزرے تو انعم نے اسے بتایا کہ ابا کو دیکھتی ہے جو بدلہ لینے کی بات کرتے ہیں سمیر نے اسے کافی سمجھایا کہ برے وقت کو بھول جاؤ مگر انعم کی حالت نہ بدلی' سمیر اسے دماغی مریض سمجھنے لگا۔

ایک دن سمیر نے اپنا مسئلہ اپنے استاد سے ڈسکس کیا جس نے ایک عامل کے پاس جانے کا مشورہ دیا۔

سمیر نے عامل کو تمام حالات سے آگاہ کیا۔

''انعم سچ کہہ رہی ہے۔ جب تمہارے باپ کی موت ہوئی انعم کی کوئی استعمال شدہ چیز اس کے پاس تھی اور بدلے کی نیت بھی تھی۔ اب اسی استعمال شدہ چیز کے ذریعے وہ اسے تنگ کر رہا ہے جس طرح وہ خواب میں آتا ہے اسی استعمال شدہ چیز سے اس کی روح باندھنا چاہتا ہے ابھی تک وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکا کیونکہ انعم کو جگا دیا جاتا تھا عین اسی وقت جب وہ اسے باندھنا چاہتا تھا۔ لیکن..... جس دن اس نے اسے باندھ لیا تو انعم تب تک نہ جاگے گی جب تک وہ اسے آزاد نہیں کرتا۔'' عامل نے اسے بتایا۔

سمیر یہ حقیقت سن کر کافی پریشان تھا ایسا کیسے ممکن ہے۔

''اس دنیا میں بہت سارے واقعات ہماری عقل و خرد ماننے سے انکاری ہے مگر ایسا ہوتا ہے نیکی اور بدی کی جنگ تا قیامت جاری رہے گی۔ اس کا حل یہی ہے جب انعم کو وہ دکھائی دے تو وہ دیکھے اس کے پاس اس کی وہ کون سی چیز ہے جس کے ذریعے وہ تنگ کر رہا ہے اسے وہ لینی ہے۔ تبھی چھٹکارا ممکن ہے۔ بس ایک بات کا خیال رہے اپنا دفاع کرے اس کی گرفت سے بچے۔'' عامل نے اس کی مشکل بھانپتے ہوئے کہا۔

سمیر نے انعم کو عامل کی بات سمجھائی اسے ذہنی طور پر تیار کر لیا۔ مگر! انعم خوفزدہ تھی۔ انعم اپنے خوف پر قابو نہ پا سکی اور ہر دفعہ ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا۔

عامل نے ایک آخری حل بتایا سمیر کو ایک ڈوری دم کر دی کہ جب انعم سوئے تو ڈوری اپنے اور انعم کے ہاتھ میں باندھے یوں دونوں ایک خواب سے جڑ جائیں گے اور تم وہ چیز اس سے لے لینا جو انعم سے اسے جوڑ رہی ہے۔

''تو تم نہیں مانو گی.....'' باطی اسے متلاشی نظروں سے کھوجتے ہوئے سمیر کو اذیت دے رہا تھا۔

سمیر اس کی گرفت سے نکلنے کی ہر کوشش ناکام ہوتی دیکھ کر ہمت ہارنے لگا۔

انعم اس کی آواز پر چونکی۔ اس نے محتاط انداز میں باطی کو دیکھا جو سمیر کو گردن سے پکڑے لٹکائے کھڑا تھا۔

انعم نے خوف سے لڑنے کا ارادہ کر لیا' بھاگ بھاگ کر وہ تھک چکی تھی اور اس کا بھائی اس کے سامنے تڑپ رہا تھا وہ چھوٹی اوٹوں کی آڑ سے نکل کر اس کے سامنا کرنے چلی آئی۔

''چھوڑ دو اسے.....'' انعم نے بے خوفی سے اسے دیکھ کر کہا۔

''تمہارا یہ تہور پن مجھے بہت اچھا لگا۔ مگر بات یہ ہے کہ تمہیں میرے قریب آنا ہوگا۔ اس کے بعد ہی میں اسے چھوڑوں گا۔''

انعم نے ایک بار پھر اس کے جلے ہاتھ میں اپنے بھائی کو لٹکا دیکھا جو بری طرح تڑپ رہا تھا۔

Pakistanipoint

انعم آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کے قریب آنے لگی۔ سحر انگیز سی کیفیت سے دوچار وہ آگے بڑھنے لگی' چاندنی میں اس کا کٹا پیٹ' جلا وجود واضح طور دکھ رہا تھا ہیبت ناک چہرے پر نظریں گڑائے وہ قریب آنے لگی' چند فٹ کا فاصلہ لمبی مسافت پر محیط لگنے لگا۔ انعم کو اپنی موت سامنے کھڑی نظر آنے لگی۔

قریب.....قریب.....اور قریب ہوتی انعم کو سڑاند محسوس ہونے لگی اسے اس کے وجود سے بو آنے لگی' پھٹے آبلوں سے اسکی چمڑی کا گلا گوشت نظر آیا تو اس نے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے آنکھیں بند کرلیں۔

دھپ کی آواز آئی تو گھبرا کر آواز کی سمت دیکھا۔ سمیر نیچے گرا اپنی گردن سہلا رہا تھا۔

اس سے پہلے انعم اسے اٹھانے کو آگے بڑھتی اس نے خود کو اس کی گرفت میں پایا۔

انعم کو کھینچتے ہوئے لے جانے لگا۔ انعم چیختی ہوئی نیچے بیٹھ گئی۔ وہ گھسیٹتے ہوئے کھینچنے لگا۔ انعم کی نظر اس کی جلی انگلیوں پر پڑی۔ جہاں اس کے دوپٹے کا چھوٹا سا ٹکڑا انگلی کے گوشت پر چپکا ہوا تھا۔

''ابا.....'' سمیر نے کھڑے ہوتے ہوئے اسے پکارا' وہ چلتے ہوئے بنا مڑے رکا۔ ایک لفظ کی زنجیر نے جیسے اس کے قدم روک لئے ہوں۔

پھرتی سے انعم نے ہاتھ سے اسے کھرچ ڈالا! دوپٹے کا ٹکڑا انگلی کے گوشت سے اکھڑ گیا تو وہ چیخنے لگا اور آہستہ آہستہ وہ دھویں کی لپیٹ میں آتا گیا اس کا وجود دھویں میں تحلیل ہو گیا۔

انعم اور سمیر نے گھبرا کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ سمیر نے جلدی سے انعم اور اپنے بازو پر دم شدہ ڈوری'' کو باندھا اگلے ہی پل وہ اپنے کمرے میں نیند سے جاگے۔

سمیر نے انعم کو حوصلہ دے کر سمجھایا کہ اب وہ ''خواب کی قید'' سے مکمل آزاد ہے۔

naeyufaq.com

تازہ شمارہ شائع ہوگیا ہے

آج ہی قریبی بک اسٹال سے طلب فرمائیں

ماہنامہ آنچل کراچی

ملک کی مشہور معروف قلمکاروں کے سلسلے وار ناول' ناولٹ اور افسانوں سے آراستہ ایک مکمل جریدہ گھر بھر کی دلچسپی صرف ایک ہی رسالے میں ہے جو آپ کی آسودگی کا باعث ہوسکتا ہے اور وہ ہے اور صرف آنچل۔ آج ہی اپنی کاپی بک کرالیں۔

تیری زلف کے سر ہونے تک

خاندانی اختلاف کے پس منظر میں لکھا گیا اقراء صغیر احمد کا بہترین ناول جو آپ کی سوچ کو ایک نیا رخ دیگا

اکائی

عشنا کوثر سردار کا ایک لازوال ناول جس کا ہر لفظ انمٹ نقوش چھوڑ دیگا

عشق دی ماری میں جھلی

صائمہ قریشی کی دلکش و دل موہ لینے والی تحریر غم و خوشی سے آراستہ ایک ناقابل فراموش کہانی

Info@naeyufaq.com

پرچہ نہ ملنے کی صورت میں رجوع کریں (03008264242)

Pakistanipoint

بزبانِ خنجر

مظہر سلیم ہاشمی

وہ ایک ماہر رہزن تھا اس کی گزر اوقات ویران سڑکوں پر راہگیروں کو لوٹنے سے ہوتی تھی۔ ایک روز اس نے کباڑیہ سے ایک تیز دھار خنجر خریدلیا۔ وہ خنجر اس کے لیے عذاب جاں بن گیا۔ وہ جب بھی اس خنجر سے کسی کو زخمی کرتا تو زخم خود بخود اس کے جسم پر نمودار ہوجاتا۔

انگریزی ادب سے انتخاب، ایک خوب صورت کہانی کا ترجمہ

راجو جب کباڑی کی دکان سے نکلا تو اس نے خنجر کو ایک پرانے اخبار میں لپیٹ رکھا تھا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ کیسے اس نے کباڑیئے سے وہ خنجر محض آٹھ سو روپے میں خرید لیا تھا۔ ملک کے حالات ہمیشہ کی طرح کشیدہ تھے۔ ہر نئی حکومت کے آتے ہی حسب معمول جو ایک مہنگائی کا طوفان اٹھ کھڑا ہوتا تھا آج کل وہ بھی اس کی زد میں آیا ہوا تھا۔ صرف وہ ہی کیا ہر سفید پوش ملکی حالات اور مہنگائی کا رونا روتا نظر آتا تھا۔

تاجروں نے اوپر لگنے والے ٹیکسوں کا انتقام عوام سے لیا تھا۔ انہوں نے مصنوعات کے دام اتنے زیادہ بڑھا دیئے تھے کہ کم لوگ ہی خریدتے تو ان کے مجموعی منافع میں کوئی کمی نہ آتی۔ راجو البتہ حیران تھا کہ کیسے اس نے بھاؤ تاؤ کرکے وہ خنجر مطلوبہ رقم سے آدھی قیمت پر خرید لیا تھا۔

اس نے خنجر کو اخبار سے نکال کر غور سے دیکھا۔ دھوپ میں اس کا پھل چمک کر آنکھوں کو خیرہ کرنے لگا تھا۔ اس کی دھار اتنی تیز اور نئی لگتی تھی جیسے آج تک اس سے ایک سیب کو بھی کاٹنے کی زحمت نہ کی گئی ہو۔ ایک طرف سے دندانے دار دھار نے اس خنجر کو خوفناک شکل دے دی تھی۔ اس کا دستہ مضبوط اور پائیدار تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایسے فٹ آیا تھا جیسے وہ ہمیشہ سے خنجر زنی کرتا رہا ہو۔ اسے امید تھی کہ خنجر کے ساتھ وہ خطرناک لگنے لگے گا۔ اس کے ارادے بھی تو خطرناک تھے۔

حالات بہت خراب ہوچکے تھے۔ اگر وہ کچھ اور کر پاتا تو خوشی سے کرتا لیکن کوئی راہ باقی نہیں رہی تھی۔ وہ پہلے بھی ضرورتاً راہزنی کی وارداتیں کرتا رہا تھا اور کافی عرصہ شریفانہ زندگی گزارنے کے بعد پھر سے اس راہ پر چلنے کے لئے آمادہ تھا۔ وہ کارخانہ بند ہوچکا تھا جہاں وہ نائب منشی کی نوکری کرتا تھا۔ مالکان نے کوئی لگی لپٹی رکھنے کی بجائے بیک جنبش قلم سب کو فارغ کردیا تھا۔

کساد بازاری کی وجہ سے اسے مزدوری کا کام بھی نہ ہونے کے برابر ملا تھا۔ ویسے بھی مزدوری کا کام اسے راس نہیں آیا تھا اور اس کے بدن کی چولیں تک ہل کر رہ گئی تھیں۔ اوپر سے آمدنی اتنی کم تھی کہ وہ دو وقت کی روٹی کے بعد بمشکل ہاسٹل کا کرایہ دے پا رہا تھا۔ ابھی بھی ایک ماہ کے ادھار پر وہ کمرا اس کے پاس تھا لیکن اگر وہ وقت پہ کرایہ ادا نہ کرتا تو مالک مکان نے اسے دھکے دے کر باہر نکال دینا تھا۔ راہزنی سے پیسے کمانے کے علاوہ اس کے پاس کوئی چارہ بھی تو باقی نہیں رہا تھا۔

اس کا منصوبہ نہایت سادہ تھا۔ وہ پارک میں شام کا اندھیرا پھیلتے ہی چھپ جاتا۔ سال کے وہ دن آگئے تھے جب لوگ شام کو تفریح اور چہل قدمی کرنے کے لئے

Pakistanipoint

پارکوں اور باغوں کا رخ کرنے لگے تھے۔ موسم سے محظوظ ہونے کے ساتھ ساتھ اس طرح کی تفریح کا اصل مقصد پیسوں کی بچت بھی تھا۔ کسی بھی پارک یا باغ کی سیر مال یا پلازہ پر جانے کے مقابلے میں مفت پڑتی تھی۔

بیشتر راہزن خنجر، چاقو کی بجائے پستول کا استعمال عام کرنے لگے تھے۔ راجو کے خنجر استعمال کرنے کی ایک وجہ جہاں پر غربت تھی وہاں وہ کسی پہ جان لیوا حملہ کرنے کا روادار بھی نہ تھا۔ پستول اسے کافی مہنگی پڑتی کیوں کہ اسے بار بار گولیوں کی خریداری بھی کرنی پڑتی۔ باقی پستول کے استعمال سے یہ بھی خدشہ تھا کہ بڑے گینگ اس پر نظر رکھنے لگتے اور اپنا حریف سمجھ کر ہی مار ڈالتے۔ ایسے مہنگے وقتوں میں اپنی تمام جمع پونجی ایک پستول کی خریداری میں لگا دینا راجو کے نزدیک نہایت ہی بے وقوفی کا کام تھا۔

جب راجو پارک میں پہنچا تو شام اپنے سرمئی پر پھیلا کر بچی کھچی روشنی کو بھی نگلنے میں مصروف تھی۔ درختوں کے پیچھے ڈوبتا سورج بہت معمولی جھلک دکھا رہا تھا اور آسمان اس کی نارنجی روشنی میں نہاتے ہوئے غضب کا منظر پیش کر رہا تھا۔ اس نے تمام احاطے کا کا دو بار گھوم پھر کر اچھی طرح جائزہ لیا تا کہ چھپنے کے لئے کوئی مناسب جگہ تلاش کر سکے۔ وہاں درختوں اور جھاڑیوں کے بے شمار جھنڈ تھے جن میں بآسانی غائب ہوا جا سکتا تھا۔ پورے پارک کے احاطے میں ایک ترچھے رخ پر نہر بہتی تھی جو خوبصورتی میں اضافے کا سبب بننے کے ساتھ ساتھ آب پاشی کے لئے مستعمل تھی۔

راجو نے اُس نہر پر بنے تمام پُل ذہن نشین کر لئے تھے تا کہ فرار ہوتے ہوئے کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے۔ نہر کوئی گہری نہیں تھی لیکن وہ پانی کے بیچ مین سے دوڑ کر اپنی رفتار میں کمی نہیں لانا چاہتا تھا۔ پارک میں بوڑھوں اور بچوں والے لوگوں کے علاوہ بہت سے عاشق مزاج

PakistaniPoint

جوڑے بھی چہلیں کرتے پھر رہے تھے۔ نیم تاریکی کا فائدہ اٹھا کر ان میں سے چند ہاتھوں میں ہاتھ تھامنے کے علاوہ کچھ بڑھ کر کر گزرنے کی تگ و دو میں بھی مصروف تھے۔

غروبِ آفتاب کے بعد فضا میں خنکی کا اثر بڑھ گیا تھا۔ سمندر کی طرف سے آنے والی ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے ماحول کو خوشگوار بنا دیا تھا۔ سائے مزید گہرے ہو چلے تھے۔ راجو خود کو جھاڑیوں میں چھپائے۔ صبر سے اپنے شکار کا منتظر تھا۔ ایک جوڑا اس کے پاس سے گزرا لیکن اس نے انہیں چھیڑنے کی بالکل بھی کوشش نہ کی۔ مرد اُس کے مقابلے میں بہت تگڑا تھا اور خنجر کی موجودگی میں بھی اسے زیر کرنے کی صلاحیت کا حامل نظر آتا تھا۔

مزید کچھ وقت گزارنے کے بعد راجو کے پاس سے ایک اور جوڑا گزرا۔ بیوی موٹی تھی جبکہ شوہر اس کے مقابلے میں آدھا بھی دکھائی نہیں دیتا تھا۔ حلیے سے بھی وہ مزدور کی بجائے کسی آفس میں کام کرنے والا نظر آتا تھا۔ ایسے ڈھانچے نما مرد کو قابو کرنا راجو کے لئے کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ اس نے تیزی سے اپنا نیا نکور خنجر نکالا اور اس کے سامنے آ گیا۔

''اپنا بٹوا میرے حوالے کر دو..... اور تم بھی اپنا زیور اتار کر مجھے دو۔'' راجو خنجر لہراتے ہوئے غرایا۔ دوسری بات اس نے ڈھانچے کی بیوی سے کہی تھی۔

وہ دونوں مرد و زن اس اچانک حملے سے اتنا گھبرا گئے تھے کہ گنگ ہی ہو کر رہ گئے۔ مرد کے منہ سے ایک لفظ نہ نکلا اور اُس نے اپنا بٹوا نکال کر راجو کے حوالے کر دیا۔ اس کی موٹی بیوی نے اپنے کانوں کی بالیاں اور ہاتھ میں پہنی انگوٹھی اتار لی تھی۔ گلے میں پہنا ہوا چاندی کا تعویذ البتہ اس کے بالوں میں اٹکنے لگا تھا۔ جس کی وجہ سے اتارنے میں اسے مشکل پیش آ رہی تھی۔

''تعویذ کو رہنے دو۔'' راجو نے کہا۔ اگرچہ وہ تعویذ اپنی شکل سے ہی ڈیڑھ دو تولے کا معلوم پڑتا تھا لیکن اسے لوگوں کی رقم سے غرض تھی' وہ کسی کے مذہبی جذبات کو مجروح نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ لٹیرا ضرور تھا لیکن کسی کے عقائد پر حملے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

بٹوا' بالیاں اور انگوٹھی لے کر وہ فوراً سے قبل ہی جھاڑیوں میں غائب ہو گیا اور وہاں سے باہر کی جانب والے راستے پر دوڑنے لگا۔ موبائل نہایت سستا والا تھا اور اس کی مارکیٹ میں کوئی قیمت ہی نہ لگتی اس لئے وہی زمین پر مرد سے ذرا فاصلے پہ پھینک دیا۔ بٹوے میں سے ساڑھے تین ہزار کے برابر رقم ہی نکلی تھی لیکن وہ جانتا تھا کہ بالیاں اور انگوٹھی بیچ کر وہ دس ہزار کے لگ بھگ مزید کما سکتا تھا۔ خنجر کے سلسلے میں کی گئی سرمایہ کاری پہلے دن ہی منافع بخش ثابت ہو رہی تھی۔

پارک کے گیٹ کے کنارے پہنچ کر اس نے دوڑنا بند کر دیا اور درختوں کی اوٹ سے نکل آیا۔ شلوار قمیض میں ملبوس وہ پشاری چپل پہنے جاگنگ کا مظاہرہ نہیں کر سکتا تھا ورنہ لوگ اس کے ہونق پن پر ہی اس کی جانب متوجہ ہو جاتے۔ بٹوا وہ خالی کر کے پہلے ہی پارک کے بیچوں بیچ گزرتی نہر میں پھینک چکا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اس جیسے حلیے کے بے شمار لوگ پارک میں موجود ہیں اس لئے گھبرائے بغیر وہاں سے نکل آیا۔ ویسے بھی کراچی انسانوں کا جنگل تھا۔ یہاں سی سی ٹی وی فوٹیج پر کھلے چہرے کے ساتھ کروڑوں کی ڈکیتیاں کرنے والے نہیں پکڑے جاتے تھے تو ایک گھبرائے ہوئے میاں بیوی کہاں اسے پہچاننے کے لئے تردد کرتے پھرتے۔ وہ نہایت اطمینان کے ساتھ گیٹ سے باہر نکل گیا جیسے اس جیسا معزز شخص ہی اس دنیا میں نہ ہو۔

☆☆☆

سارا دن سو کر گزارنے کے بعد اگلی رات راجو اپنی واردات میں ہونے والے کوتاہیوں کی جانچ کر رہا تھا۔ اسے بھاگنے میں آسانی صرف اس لئے ہوئی تھی کیونکہ وہ اندھیرا چھا چکا تھا۔ ابھی بھی وہ سوچ رہا تھا کہ اگر وہ پارک میں موجود رہتا تو شاید جوڑے کی چیخ و پکار پر دھر لیا جاتا۔

وہ سڑک پر نکل آیا۔ مغرب کے بعد ہی بیشتر چھوٹی

PakistaniPoint

دکانیں بند ہو چکی تھیں اور لوگ گھروں کو جا چکے تھے۔ آج وہ دوبارہ پارک جانے کا رسک نہیں لے سکتا تھا کیونکہ ممکن تھا کہ بات پھیل چکی ہو اور پولیس والے اس کی تاک میں بیٹھے ہوں۔ رات کے اس پہر صرف بدنام گلیوں کی رونقیں آباد تھیں۔ راجو ایک خفیہ جوا خانے کے بارے میں جانتا تھا جہاں اکثر ہائی جینٹری کے لوگ بھی آتے تھے۔ وہ اس جانب جا رہا تھا کہ اسے ایک ملٹی پلیکس سینما کا خیال آیا جہاں کا آخری شو ختم ہونے کا وقت قریب آ چکا تھا۔

جب وہ سینما کے پاس پہنچا تو قریبی گلیارے سے اسے آوازیں سنائی دینے لگیں۔ کوئی محبت میں لڑنے جھگڑنے پر آمادہ دکھائی دیتا تھا۔

''نہیں کرو..... فلم کے دوران بھی تم نے بہت تنگ کیا ہے۔'' ایک لوچ دار نسوانی آواز سنائی دی جس کے انکار کا انداز بھی اس طرح کا تھا کہ آتشِ شوق کو مزید ہوا دیتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔

''نہیں جان اور کہیں موقع نہیں ملتا۔ یونیورسٹی میں تو تم ہاتھ بھی نہیں لگانے دیتیں۔ اب یہاں بھی نخرے کر رہی ہو۔'' مردانہ آواز سے عجلت' بے چینی اور بے تابی کے آثار ہویدا تھے۔

راجو نے گلی میں جھانکا تو وہاں ایک نوجوان جوڑا تھا۔ شاید کسی یونیورسٹی کے طالب علم تھے جنہیں کچھ کر گزرنے کے لئے اور کوئی جگہ نہیں ملی تھی تو سینما پہنچ گئے تھے۔ وہاں بھی لڑکی نے نوجوان کی من مانیوں کا مثبت جواب نہیں دیا تھا تو یہاں سنسان گلی میں تکرار کرنے لگے تھے۔ راجو نے موقع غنیمت جانا اور خنجر نکالا کر فوراً ہی ان کے سامنے جا دھمکا۔

''جو کچھ بھی تمہارے پاس ہے..... میرے حوالے کر دو۔'' اس نے خنجر کو ہوا میں لہراتے ہوئے دھمکی دی۔

وہ دونوں ایک مرتبہ تو اجنبی کو اپنے سامنے دیکھ کر ششدر رہ گئے اور اپنا لڑائی جھگڑا بھول کر اس کی جانب دیکھنے لگے۔ پھر لڑکے کی دماغ میں جانے کیا سمائی کہ اس نے چلا کر کہا۔

''دفع ہو جاؤ یہاں سے.....'' وہ راجو یا اس کے خنجر سے بالکل بھی خوف زدہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔

''خاموشی سے مجھے تمام رقم اور قیمتی چیزیں دے دو۔ ورنہ اپنے نقصان کے تم خود ذمہ دار ہو گے۔'' راجو نے اس کی بات ان سنی کرتے ہوئے کہا۔ وہ اس میدان کا پرانا کھلاڑی تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے سامنے موجود نوجوان صرف لڑکی کی وجہ سے ہیرو بننے کی کوشش کر رہا ہے ورنہ وہ خوفزدہ ہو چکا ہے۔

راجو کی توقع کے برعکس وہ نوجوان یا تو زیادہ بہادر تھا یا پھر نہایت احمق کہ اس کے خبردار کرنے کے باوجود اس کی جانب بڑھنے لگا۔

''میں نے کہا نہ دفع ہو جاؤ یہاں سے تمہیں ہم سے کچھ بھی نہیں ملنے والا۔'' نوجوان شاید اپنی ساتھی لڑکی کے رویے کے بعد کچھ زیادہ ہی فرسٹریشن کا شکار تھا اس لئے یہ کہتا ہوا راجو پر پل پڑا۔

صرف ایک لمحے کی بات تھی۔ راجو کا ہاتھ بے ساختہ نیچے آیا اور چشم زدن میں خنجر دستے تک نوجوان کے کندھے میں پیوست ہو چکا تھا۔ راجو محسوس کر سکتا تھا کہ خنجر گوشت کو چیرتے ہوئے ہڈی تک پہنچ گیا ہے۔ اس نے فوراً خنجر نکالا اور وہاں سے دوڑ لگا دی۔ نوجوان گر گیا اور اس کے ساتھ موجود لڑکی کی فلک شگاف چیخیں گونجنے لگیں۔

راجو مختلف گلیوں میں دوڑتا ہوا وہاں سے دور جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہی اس نے اپنی رفتار کم کر دی۔ اس نے اپنے ہاتھ کو دیکھا جس میں موجود خنجر پر لگا لہو ابھی تک ٹپک رہا تھا۔ وہ تیزی سے اپنا سر جھٹکنے لگا۔ اس کا کسی کو بھی زخمی کرنے کا قطعاً ارادہ نہیں تھا لیکن وہ تشنہ خواہشات کا حامل بے وقوف نوجوان خود ہی اس پر حملہ کرنے کے لئے آگے آ گیا تھا۔ خنجر تو صرف ڈرامے میں اصلیت کا رنگ بھرنے کے لئے تھا لیکن خود پر حملے کا بچاؤ کرنے میں اس کا استعمال ناگزیر ہو گیا تھا۔

بیس منٹ تک مختلف علاقوں میں آوارہ گردی کرنے

PakistaniPoint

کے بعد وہ اپنے ہاسٹل کی جانب بڑھ گیا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ فوراً ساتھ والے مختصر واش روم میں گھس گیا۔ وہاں موجود ٹیوب لائٹ مشکل سے جلی اور پھر جلنے بجھنے کے درمیان والی کیفیت جھما کے کرنے لگی۔ وہاں ایک بڑا پلاسٹک کا ٹب موجود تھا۔ ٹونٹی کھول کر راجو اسے بھرنے لگا اور تیزی سے ٹھنڈے پانی کے چھپاکے اپنے چہرے پہ مارے۔ رات اس کی مرضی کے برخلاف گزری تھی۔ ہاتھ منہ اچھی طرح دھونے کے بعد جب نل بند کرنے کے لئے اس نے ہاتھ بڑھایا تو اپنے کندھے میں درد کی ایک لہر محسوس کی لیکن اسے نظر انداز کر کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ وہاں ایک سیکنڈ ہینڈ میٹرلیس پہ میلی سی چادر بچھی تھی جس پہ وہ ڈھے سا گیا اور نیند کی وادیوں میں اترتا چلا گیا۔

☆☆☆

رات کا جانے کون سا پہر تھا' ہر سو دھند سی چھائی تھی۔ آگ کا ایک بہت بڑا الاؤ روشن تھا اور وہ اس کے اردگرد نیم برہنہ حالت میں ناچ رہے تھے۔ ان کے بدن سیاہ فاموں کی طرح کالے تھے لیکن نقوش مقامی لوگوں جیسے تھے۔ انہوں نے سفید رنگ سے اپنے بدن پر نقش و نگار بنا رکھے تھے۔ وہ کسی ایسی زبان میں گانا گاتے ہوئے محو رقص تھے جو اجنبی ہوتے ہوئے بھی ایک آشنائی کا تاثر دے رہی تھی۔ رقص کرتے ہوئے وہ اپنے پیر ایک مخصوص انداز میں زمین پہ مارتے تھے تو ڈھول کی تھاپ جیسا تاثر آتا تھا اور ان کے گانے میں پسِ پردہ موسیقی کی طرح محسوس ہو رہا تھا۔

آگ کے الاؤ کے بالکل درمیان میں ایک خنجر نجانے کس شے کے ساتھ معلق تھا۔ یہ راجو کے خنجر جیسا ہی دکھائی دے رہا تھا۔ ایک بھیانک نقوش والی درمیانی عمر کی عورت رقص کرنے والوں کے بیچ میں سے نکلی اور الاؤ کی جانب بڑھنے لگی۔ دیگر لوگوں کے رقص میں جنون بڑھتا جا رہا تھا اور ان کے گانے کی آواز بھی بلند سے بلند تر ہونے لگی تھی۔ وہ عورت الاؤ کے قریب پہنچ کر اپنی لال بھبوکا آنکھوں سے خنجر کو گھورنے لگی۔ اس کی آنکھوں سے شعلے لپکتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔

اچانک ہی اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور خنجر کو آگ کی پروا نہ کرتے ہوئے تھام کر آگ سے باہر نکال لیا۔ اسے آگ کی بالکل پروا نہیں تھی لیکن آگ تو صرف جلانا جانتی ہے۔ اس نے عورت کا ہاتھ جلا دیا تھا۔ اس کے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکلی اور ہر جانب ایک خاموشی سی چھا گئی۔

راجو ایک کریہہ چیخ مار کر بیدار ہوا۔ اس نے آج تک ایسا بھیانک خواب نہیں دیکھا تھا۔ اس کا پورا بدن پسینے میں شرابور تھا۔ اس کے حواسوں پر ہاتھ میں خنجر لئے چیختی عورت کا منظر چھایا ہوا تھا۔ وہ تیزی سے واش روم میں گیا اور ایک بار پھر سے اپنے چہرے پر ٹھنڈے پانی کے چھپاکے مارے۔ موسم سرد ہونے کے باوجود ٹھنڈا پانی اسے اچھا محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے آئینے میں اپنا عکس دیکھا تو اسے اندازہ ہوا کہ وہ اس قدر خوف زدہ ہو گیا تھا کہ اس کے بدن پر لرزہ طاری تھا۔ وہ چند لمحے اپنے مختصر سے واش روم کی دیوار سے ٹیک لگائے ٹھہرا رہا۔ یہاں تک کہ اس کے جسم کی کپکپی ختم ہو گئی۔

اپنے اعصاب کو پرسکون کرنے کے بعد جب وہ اپنے بستر پر واپس لیٹنے کے لئے پلٹنے لگا تو اُس کی نگاہ اپنے کندھے پر موجود سرخ دھبے پر پڑی۔ اس نے آسمانی رنگ کی معمولی سی شلوار قمیض پہن رکھی تھی۔ جس کے بائیں بازو والے کندھے پر ایک بڑا سا سرخ دھبہ موجود تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ خون ہو۔

اس نے بٹن کھول کر قمیض اتاری اور اپنے کندھے کو ٹٹول کر دیکھا۔ وہاں پر ہلکا ہلکا درد ہو رہا تھا اور ایک گہری خراش سی موجود تھی۔ اسے سمجھ نہ آئی کہ یہ زخم اسے کس طرح لگا تھا۔ پھر اچانک آج اسے نوجوان کے ساتھ گلی میں ہونے والی مڈبھیڑ یاد آئی۔

''لگتا وہ بھی مجھے کوئی چیز مارنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔'' راجو نے خود کلامی کی۔

اس زخم کی اور کوئی وضاحت ہی نہ تھی۔ جوش جذبات

PakistaniPoint

میں شاید اس وقت اسے اندازہ ہی نہیں ہو پایا تھا کہ وہ خود بھی چوٹ کھا کر آیا ہے۔ راجو نے خراش کو پانی سے دھویا اور تولئے کی مدد سے صاف کرنے کے بعد واپس سونے کے لئے لیٹ گیا۔ اس رات اسے پھر کوئی خواب نہ آیا۔

☆☆☆

اگلا دن خلاف توقع پُرسکون گزرا اور وہ چند لوگوں کو خنجر سے دھمکا کر بآسانی لوٹنے میں کامیاب رہا تھا۔ کل والے واقعے کے بعد راجو نے احتیاط کا دامن تھام لیا تھا اور دیکھ بھال کر ہی وارداتیں کی تھیں۔ دن کے اجالے میں بھی اسے ویران گلیوں میں پھرتے شکار تلاش کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی تھی۔ اس نے ایسے لوگوں کا انتخاب کیا تھا جو ایک ہی للکار پر دبک کر رہ جاتے اور چپ چپ اپنے مال سے محروم ہو جاتے' اور لٹنے کے بعد صد شکر بھی بجالاتے کہ جان بچ گئی۔

ایک اسٹوڈنٹ نما لڑکے کے پاس تو ایک دھیلا تک نہیں نکلا تھا۔

''لعنت ہو تم پر' وقت ضائع کر دیا میرا۔'' راجو نے غصے میں اسے ایک لات رسید کر کے بھگاتے ہوئے کہا تھا اور وہ روتا ہوا وہاں سے فرار ہو گیا۔

سہ پہر کے قریب اس کے کندھے کا درد ناقابل برداشت ہو گیا۔ صبح ناشتے کے بعد اس نے چند درد کش گولیاں پھانک لی تھیں لیکن اب پھر درد پہلے کی نسبت زیادہ شدت سے عود آیا تھا۔ اس نے سہلانے کے لئے جب ہاتھ قمیض میں ڈالا تو وہ خون سے بھیگ گیا۔ وہ ایک ویران گلی میں داخل ہو گیا تاکہ اپنے زخم کا بہتر طریقے سے جائزہ لے سکے۔ اس کا زخم پہلے سے کہیں زیادہ پھیل گیا تھا اور اس سے خون رسنے لگا تھا۔ اس نے رومال کی مدد سے پٹی سی بنا کر زخم پر رکھی اور سوچا کہ ایک چکر اب اسپتال کا لگا لینا ہی بہتر ہو گا۔ وہ قمیض کے اوپر اپنا کوٹ پہن ہی رہا تھا جب وہ آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

''چل بے..... آرام سے مڑ کے سیدھا ہو جا..... اور جو کچھ بھی تیری جیب میں ہے وہ فٹافٹ باہر نکال دے۔''

راجو نے مڑ کر دیکھا تو وہ نزلہ زدہ آواز ایک درمیانے قد کے شخص کی ثابت ہوئی۔ وہ راجو سے ایک آدھ انچ ہی کم ہو گا۔ اس نے اپنی میلی سی جیکٹ کی جیب میں ہاتھ اس طرح ڈالا ہوا تھا جیسے اس میں پستول موجود ہو اور اس کا رخ راجو کی جانب ہی تھا۔

''لو جی چوروں کو مور پڑ گئے۔'' راجو نے دل ہی دل میں خود سے کلام کیا۔

''ابے سنتا نہیں ہے۔ کیوں مکج خرا کر ریلا ہے؟ فٹافٹ مال نکال۔'' اس آدمی کی زبان کافی سے زیادہ عوامی تھی اور وہ اپنے جملوں کے بیچ میں گالیوں کا آزادنہ استعمال بھی کر رہا تھا۔

راجو بالکل بھی اپنی 'کمائی' اس کو دینے پر آمادہ نہیں تھا۔ اس نے ایک لمحے کے لئے سوچا اور پھر اس کا ہاتھ اپنی جیب میں رینگ گیا۔ اس نے بہ سرعت حرکت کی اور خنجر نکال کر اس آدمی پر چڑھ دوڑا۔ وہ شخص ایک دم سے گھبرا گیا۔ اسی گھبراہٹ میں اس کا ہاتھ جیب سے باہر نکل آیا۔ اس کے ہاتھ میں کوئی پستول نہیں تھا۔ وہ گلی محلے کا کوئی اُچکا تھا جو لوگوں کو اس طرح دھوکہ دے کر لوٹ لیا کرتا تھا۔

راجو یہ دیکھ چکا تھا لیکن اس نے بہت تیزی سے حرکت کی تھی۔ وہ خود کو چاہنے کے باوجود بھی نہیں روک پایا تھا۔ اپنی ہی جھونک میں وہ اُچکے کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ اس نے اپنا خنجر والا ہاتھ نیچے بھی کیا لیکن وہ اُچکا جب گھبرا کر مڑنے لگا تو اس کا پیٹ خنجر کی زد میں آ گیا۔ خونی خنجر کی دھار بڑی ہی خطرناک تھی۔ اس کا پیٹ ایسے ادھڑ کر رہ گیا جیسے مکھن کو گرم تار کاٹ کے رکھ دیتی ہے۔

اس کے پیٹ سے خون کا فوارہ پھوٹ پڑا اور بہتا ہوا سڑک کو سرخ کرنے لگا۔ راجو نے گھبرا کر ادھر اُدھر نظر دوڑائی لیکن کوئی ذی روح اس واردات کو دیکھنے کے لئے وہاں موجود نہیں تھا۔ اس نے خنجر کو اُچکے کی میلی جیکٹ سے صاف کیا اور تیزی سے اس کی جیبوں کی تلاشی لینے لگا۔ اُچکے کے پاس سے اسے تیس ہزار روپے ملے۔

PakistaniPoint

''حرامی.....لگتا ہے تیرا اچھا دن چل رہا تھا۔'' راجو نے اسے گالی دیتے ہوئے کہا۔ ''پر پھر تو مجھ سے ٹکرا گیا۔''

اُچکے نے سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھنے کی کوشش کی لیکن اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر رہی تھی۔ راجو نے دیکھا کہ اس کی آنکھیں کچھ کہنے سے قبل ہی پتھرا گئی تھیں۔

راجو نے خنجر کو اپنی جیب میں منتقل کیا اور اس ویران گلی سے نکل کر مرکزی شاہرہ کی جانب چل پڑا۔ کافی دیر تک آوارہ گردی کرنے اور ایک جگہ سے تیز مصالحے والی چکن بریانی کھانے کے بعد وہ اپنے کمرے کی جانب روانہ ہو گیا۔ شام کا اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ بہترین 'کمائی' اور شاندار خوراک نے اس پر خماری کی سی کیفیت طاری کر دی تھی۔ وہ رات کی بے چین نیند اب پوری کرنے لے لئے بے تاب تھا۔

دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی اس نے سب سے پہلے اپنا کوٹ اور قمیض اتاری اور واش روم میں داخل ہو گیا۔ اس کی قمیض کندھے سے خون مین بری طرح بھیگی ہوئی تھی اور اس پر رکھا رومال خون آلود ہو چکا تھا۔ زخم سہ پہر کے مقابلے میں کہیں زیادہ گہرا دکھائی دے رہا تھا۔ مزید درد کش گولیوں کے استعمال کے بعد تکلیف میں کسی قدر کمی آئی تھی لیکن خون کا مستقل جریان پریشان کن تھا۔

اس نے جب بائیں بازو سے نل کھولنے کی کوشش کی تو درد کی شدت سے تڑپ کر رہ گیا تھا۔ درد کی یہ لہر اتنی شدید تھی کہ اس کا پورا بدن پسینے میں بھیگ گیا۔ یہ اس کی خام خیالی تھی کہ درد کم ہو گیا ہے۔ خون بھی اچانک سے بھل بھل بہنے لگا تھا۔ اس نے اپنے بائیں بازو کو استعمال کرنے کی بجائے سب کام دائیں بازو سے کرنے کا فیصلہ کیا۔ پلاسٹک کا ٹب بھرنے کے لئے اس نے ٹوٹی کھول دی۔ یہ ٹب اتنا بڑا تھا کہ وہ پنڈلیاں باہر نکال کر وہ اس میں بیٹھ بھی سکتا تھا۔

اس نے پانی بھر جانے کے بعد اس میں بیٹھ کر اپنے زخم کو احتیاط کے ساتھ صاف کیا۔ پھر اسے خشک کرنے کے بعد ٹیلکم پاؤڈر لگا کر اپنی قمیض کے صاف حصے سے ہی پٹی کر ڈالی۔ اس نے سونے سے قبل درد کش گولیوں کی ایک اور خوراک بھی لے لی تھی۔

☆☆☆

سورج سوا نیزے پر تھا اور تپتی دھوپ نے موسم شدید گرم کر رکھا تھا۔ ایک بہت بڑا کھیت تھا جس میں کسان اور مزدور کام کرنے میں مگن تھے۔ سب کے سب سیاہ فام نہ ہونے کے باوجود سیاہ رنگت کے مالک تھے۔ یہ جھلسی ہوئی رنگت والے قطار در قطار جھک کر کام کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ کمر سیدھی کرنے کے لئے ان میں سے ایک مزدور کھڑا ہوا تو وہ الاؤ میں سے خنجر تھامنے والی عورت ثابت ہوئی تھی۔ روشنی میں اس کی ادھیڑ عمری عیاں تھی۔ اس کی جھلسی ہوئی رنگت گرمی کی وجہ سے تمتما رہی تھی۔ اس نے آستین سے اپنا ماتھے پر آنے والا پسینہ صاف کیا اور پھر سے جھک کر اپنے کام میں جُت گئی۔

اس کے ساتھ ایک لڑکا بیٹھا کام کر رہا تھا جس کی ابھی مسیں بھی صحیح طرح سے نہیں بھیگی تھیں۔ وہ تیرہ چودہ سال کا معلوم پڑتا تھا۔ چہرے کے نقوش کی مماثلت ظاہر کر رہی رہی تھی کہ وہ اس عورت کا بیٹا ہے۔ اس نے بھی ذرا بدن کو آرام پہنچانے کے لئے کھڑا ہونے کا فیصلہ کیا اور قیامت ہی جیسے برپا ہو گئی۔ ایک گورا چٹا انگریز ہاتھ میں چابک لئے نمودار ہوا اور لڑکے کو رسید کر دی۔

''کام کرو.....حرام خورو.....'' وہ انگریزی لہجے میں اردو بول رہا تھا۔ ''تم لوگ مفت کا روٹیاں کھانے واسطہ ادھر نہیں منگتا۔''

لڑکا یہ ہنٹر نما چابک کی اچانک پڑنے والی ضرب برداشت نہ کر پایا اور نیچے گر گیا۔ لیکن اس نے اٹھنے میں دیر نہ لگائی اور اپنے اس انگریز مالک کے سامنے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ٹھہر گیا۔

''میں ذرا دیر کے لئے کمر سیدھی کرنے کے واسطے کھڑا ہوا تھا۔'' اس کے لہجے سے ایسا بالکل نہیں لگتا تھا کہ وہ اُس سے خائف ہے۔

PakistaniPoint

انگریز کو اس کی بات شاید پسند نہیں آئی تھی۔ اس نے چابک بلند کی اور ایک بار پھر سے لڑکے کو رسید کر دی۔ لڑکے نے اپنے بازو پر وہ وار روک کر برداشت کیا اور پھر چابک پر ہاتھ ڈال کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ معمولی مزاحمت کے بعد ہی انگریز کو وہ چابک چھوڑنی پڑی کیونکہ لڑکا کم عمر ہونے کے باوجود اس سے کہیں طاقتور ثابت ہوا تھا۔ یا شاید یہ حیرانی تھی کہ وہ سمجھ ہی نہیں پایا تھا کہ کوئی کالا ہندوستانی اس طرح ایک گوری چمڑے والے مالک کے ہاتھ سے چابک بھی چھین سکتا ہے۔ لڑکے کی ماں نے یہ صورت حال دیکھ کر کھڑے ہونے کی کوشش کی لیکن انگریز نے اپنا غصہ اس پر نکالتے ہوئے ایک لات رسید کر دی جس کی وجہ سے وہ لڑھک کر ایک جانب گر گئی۔

''تم بیچ میں مت آؤ۔ ورنہ تم کو بھی مار دوں گا۔'' انگریز نے اپنی ٹوٹی پھوٹی اردو میں آگ بگولا ہوتے ہوئے کہا۔

لڑکے نے اپنی ماں کو تکلیف سے بے قابو ہوتے دیکھا تو وہ فوراً اس کی جانب دوڑا اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اسے دیکھنے لگا۔

''ماتا..... ماتا جی..... تم ٹھیک ہو نہ؟'' وہ بولا۔

اس کے الفاظ ابھی منہ میں ہی تھے کہ انگریز مالک نے خنجر نکالا اور نہایت بے رحمی سے پے در پے وار کرنے لگا۔ یہ وہی خنجر تھا جو اب راجو کے استعمال میں تھا۔ لڑکے کا اوپری بدن برہنہ تھا اور اس میں کئی زخم نمودار ہو گئے۔ ہر زخم میں سے خون تیزی سے بہنے لگا تھا۔ لڑکے کی ماں اس خوفناک صورت حال کو دیکھ کر بری طرح چلانے لگی۔

''بچاؤ..... رے کوئی تو ہمرے بالک کو بچاؤ۔''

لڑکا لہولہان ہو کر ٹھنڈا پڑ چکا تھا لیکن انگریز کا غصہ کئی وار کرنے کے بعد بھی ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔ وہ لڑکے کی لاش پر آخری ٹھڈا مار کر علیحدہ ہوا تو لڑکا دم توڑ چکا تھا۔ اس کے بدن کا خون اب اُس دھرتی کو سیراب کر رہا تھا جس پر اس کا روح سے خالی خاکی وجود کچھ دیر پہلے بری طرح تڑپ رہا تھا۔ اس کی خالی آنکھیں آسمان کی جانب دیکھ رہی تھیں۔

لڑکے کی ماں ابھی تک چیخ رہی تھی لیکن کسی بھی مزدور کو پاس آنے کی ہمت نہ ہوئی تھی۔

''مار دیا..... ہمرے بالک کو مار دیا۔'' وہ روتے روتے چلائی اور ایک دم ہی اس کی جون بدل گئی۔

اس نے خون آلود خاک اٹھائی اور اس کو اپنے ماتھ پر رگڑنے لگی۔ ساتھ ہی ساتھ وہ منہ ہی منہ میں کچھ بدبدانے لگی تھی۔ اس کے بکھرے بال اور سرخ آنکھیں دل کو دہلا دینے والی لگ رہی تھیں۔

''تو نے ہمرے نردوش نندو کو مار ڈالا..... میں تیرے کو شراپ دیتی ہے..... میں تیرے کو اور تیرے اس خونی چھرے..... دونوں کو شراپ دیتی ہوں نشٹ ہو جا۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے باقی ماندہ خون آلود مٹی انگریز پر پھینک دی۔

انگریز نے کوئی پروا کیے بغیر ان کی جانب تھوکا اور اپنے راستے ہو لیا۔

اچانک سے منظر بدل گیا تھا۔ اب وہاں پر انگریز کی لاش نظر آ رہی تھی۔ چاروں شانے چت وہ ایک ویرانے میں پڑا ہوا تھا۔ اس کے بدن پر بالکل ویسے ہی زخم تھے جیسے اُس نے لڑکے کے جسم پر لگائے تھے۔ اس کا خنجر اس کی کمر پیٹی میں ہی اڑسا ہوا تھا۔

☆☆☆

راجو کے خواب کا انجام بڑا ہی بھیانک تھا۔ ایک بار پھر وہ ڈر کے جو بیدار ہوا تو اسے ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے۔ اس کے کمرے میں بالکل اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ غالباً پھر سے لوڈ شیڈنگ کا وقت ہو چلا تھا۔ وہ اپنے میٹریس سے اٹھا تو اس کا بدن اینٹھن کا شکار ہو رہا تھا۔ وہ بھاگتا ہوا واش روم میں داخل ہوا اور اپنے موبائل کی ٹارچ روشن کی۔ اسی وقت لائٹ بھی آ گئی۔ اپنا جسم دیکھ کر اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

آئینے میں وہ واضح طور پر دیکھ سکتا تھا کہ اس کے پیٹ پر ایک لمبی سی لکیر نظر آ رہی تھی۔ اس نے خراش کو ٹٹول

PakistaniPoint

کر دیکھا۔ ابھی تو یہ معمولی سا کٹ ہی لگ رہا تھا۔ اس نے تیزی سے اپنے کندھے پر کی ہوئی دستی پٹی کھولی اور زخم کا معائنہ کیا۔ گھاؤ بہت گہرا ہو چکا تھا۔ اسے اب اپنا بازو ہلاتے ہوئے شدید تکلیف کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

معاملے کی سنگینی کا ادراک اُسے اچانک ہی ہوا تھا۔ آگہی کے باعث ہونے والی ذہنی تکلیف جسمانی تکلیف سے کہیں بڑھ کر تھی۔ اُسے یاد آیا کہ کیسے اُس نے ایک نوجوان کو کندھے میں خنجر مارا تھا اور آج تو اس نے حد ہی کر دی تھی۔ ایک شخص کو پیٹ میں خنجر گھونپ کر مار ڈالا تھا۔ اس نے دوسروں کو جو زخم دیئے تھے وہی اس کے بدن پر نمودار ہو کر اسے اس کی غلطی کا احساس دلا رہے تھے۔

''یہ خنجر منحوس ہے۔'' وہ آئینے میں اپنا عکس دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔ ''اس پر اُس بڑھیا کی بددعا کا اثر ہے۔''

اس اب اپنے بھیانک خوابوں کی صحیح تعبیر سمجھ آنے لگی تھی۔ پرانے وقتوں میں اس خنجر کے ذریعے ظلم و ستم کا بازار گرم کیا گیا تھا۔ اب بددعا کے اثر کی وجہ سے اس کے ذریعے کسی کو بھی تکلیف دی جاتی تو وہ ایذا دینے والے پر بھی اسی شدت سے اثر انداز ہوتی تھی۔

''مجھے اس منحوس خنجر سے نجات حاصل کرنی ہوگی۔'' راجو نے خود کلامی کی۔

پہلے اُس نے سوچا کہ جس کباڑی سے یہ خنجر خریدا تھا اسے ہی جا کر واپس کر آئے۔ لیکن پھر یہ خیال آیا کہ جب وہ واپسی کی وجہ بیان کرے گا تو کتنا احمق محسوس ہوگا۔ بھلا خنجر تکلیف دینے والے کو کچھ دیر بعد تکلیف کیوں پہنچائے گا؟ اس نے سمندر کے کنارے جانے کا فیصلہ کیا۔ کچھ فوڈ پوائنٹ اور ریستوران کھلنے کی وجہ سے وہاں پر رات گئے تک رونق لگی رہتی تھی۔ کسی کو بھی اس کی وہاں آدھی رات کو آمد بے وقت نہ لگتی۔ ویسے بھی وہ ان عجیب و غریب خوابوں اور ان کے نتیجے میں پیدا ہونے والی سوچ سے وہ جس طرح کی بے چینی محسوس کر رہا تھا اس میں ضروری تھا کہ وہ کھلی فضا میں سانس لے کر سوچ بچار کرتا۔

جب وہ ساحل پر پہنچا تو پانی کو بغور دیکھا۔ اندھیرے میں ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی گاڑھا سیارہ رنگی سیال ہلکورے لے رہا ہو۔ چلتے چلتے وہ بالکل کنارے تک پہنچ گیا۔ اگر تھوڑا قدم آگے بڑھاتا تو تو لہریں اس کے جوتوں تک پہنچ جاتیں۔ اس نے خنجر اپنی جیب سے نکال کر ہاتھ میں تھام لیا۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ خنجر سمندر میں تہ آب چلا جائے اور پھر کبھی کسی کو اس طرح سے اس کے ہاتھوں نقصان نہ اٹھانا پڑے۔ غربت اور فاقہ کشی نے اس سے بہت سے برے کام کروائے تھے لیکن وہ کسی کی جان لینے کا کبھی بھی روادار نہ رہا تھا۔ جیسے ہی اس نے خنجر کو پھینکنے کا ارادہ کیا اسے اپنے پیچھے کسی کی آمد کی چاپ محسوس ہوئی۔

''رات تنہا نہیں کٹ رہی کیا.....؟'' مخمور لہجے میں ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ ''میں بھی اکیلی ہوں۔ تم کہو تو ساتھی کی ضرورت پورا کر سکتی ہوں۔''

راجو فوراً ہی سمجھ گیا کہ یہ اس عورت کا تعلق عصمت فروشوں کے گروہ سے ہے جو ایسی جگہوں پر منڈلاتی رہتیں اور اپنے لئے گاہک تلاش کرتی تھیں۔ وہ تیزی سے مڑا تو اس کی ٹانگیں آپس میں ہی الجھ کر رہ گئیں اور وہ لڑکھڑا کر گر گیا۔

اس کا گرنا جیسے سلو موشن میں ہوا تھا۔ اس نے خود کو گرنے سے بچانے کے لئے اس عورت کو تھاما۔ اس عورت نے بھی اسے گرنے سے بچانے کے لئے پکڑنے کی کوشش کی۔ کوئی ایک بھی دوسرے کو نہ سنبھال سکا۔ دونوں ایک دوسرے سے لپٹتے ہوئے اس طرح گرے کہ راجو اس عورت کے اوپر آن گرا تھا۔

راجو نے جب اٹھنے کی کوشش کی تو اسے ایک خوفناک احساس ہوا۔ وہ عورت بالکل ساکت پڑی تھی۔ اس نے جھک کر دیکھا تو خنجر عین اس عورت کے دل میں ترازو ہو چکا تھا۔ اس بے چاری کو دوسرا سانس لینے کی مہلت نہ ملی تھی اور وہ بغیر آواز نکالے ہی اس دنیا سے رخصت ہو گئی تھی۔

''نہیں.....'' راجو بے ساختہ چلا اٹھا۔ ''نہیں.....

PakistaniPoint

نہیں.....ایسا نہیں ہوسکتا۔'' اس نے بے یقینی سے سر ہلاتے ہوئے عورت کے سینے سے خنجر نکالا اور اور پوری قوت سے پانی کی جانب اچھال دیا۔ ہلکی سی چھپاک کی آواز کے ساتھ ہی خنجر پانی میں گرا اور ڈوبتا چلا گیا۔

اس نے مڑ کر عورت کی لاش کو بغور دیکھا تو اُس کے سینے پر ایک بہت بڑا نشانِ زخم نمودار ہو چکا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ جلد ہی اس کے خود کے سینے پر بھی ایک ایسا شگاف پڑنا شروع ہو جائے گا۔

عالمِ پریشانی میں اس نے ادھر اُدھر نگاہ دوڑائی۔ اردگرد کوئی ذی نفس نہیں تھا جو اس سانحے کا گواہ بن سکتا۔ کچھ جوڑے ساحل پر اٹھکیلیاں کر رہے تھے لیکن وہ اتنی دور تھے کہ انہیں راجو یا اس عورت کا محض سایہ ہی نظر آتا۔ راجو نے فوراً ہی پلٹ کر اپنے ہاسٹل کی جانب دوڑ لگا دی۔ اس نے راستے میں کہیں بھی رکنے کا تردد نہ کیا۔

پچیس تیس منٹ کی بھاگ دوڑ کے بعد جب وہ اپنے کمرے کے دروازے پر پہنچا تو برے طریقے سے ہانپ رہا تھا۔ اس کا سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ دل اتنی شدت سے دھڑک رہا تھا جیسے ابھی سینہ توڑ کر باہر آ جائے گا۔ چند لمحے سانسیں بحال کرنے کے بعد اس کے حواس قابو میں آئے تو اس نے چابی نکال کر تالا کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ اندر داخل ہوتے ہی وہ بتی جلانے کے بعد گھٹنوں کے بل گر گیا اور دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ کر رونے لگا۔

بڑی دیر تک وہ رو کر اپنے دل کا غبار نکالتا رہا۔ جب دل کو قدرے اطمینان ہوا تو اس کی سانس میں سانس آئی۔ دھیرے دھیرے وہ اپنے قدموں پر کھڑا ہوا۔ اس کے پورے بدن پر ابھی تک لرزہ طاری تھا۔ جیسے ہی وہ اپنے بستر تک پہنچا تو اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ خوف کے مارے وہ سانس تک لینا بھول گیا تھا۔ اس کے فوم میٹرس کے بیچوں بیچ وہ ''خونی خنجر'' پیوستہ تھا۔ اس کی چادر پر ٹوٹے پھوٹے رسم خط میں چند سرخ الفاظ لکھے ہوئے تھے۔

''تم مجھ سے بچ کر کہاں جاؤ گے؟'' خنجر جیسے اس سے ہی مخاطب تھا۔

راجو نے وہاں سے بھاگ کر واش روم کا دروازہ کھولا اور کنڈی لگا لی۔ حالانکہ آج سے قبل اس نے کبھی اس طرح کی زحمت نہیں کی تھی۔ اس نے ٹونٹی کھول کر پانی کے چھپاکے چہرے پر مارے اور آئینے میں اپنی صورت دیکھی۔ خوف کے مارے اس کا چہرہ سفید پڑ چکا تھا اور وہ کسی زندہ لاش کی مانند دکھائی دے رہا تھا۔

اچانک ایک ٹیس سی اس کے پیٹ میں اٹھی۔ اس نے قمیض اٹھا کر دیکھا تو لمبی سی خراش اب زخم میں تبدیل ہو چکی تھی اور اس میں سے خون رِسنے لگا تھا۔ اس نے قمیض اتار دی اور اچھی طرح زخم کا معائنہ کرنے لگا۔ ابھی خون کا جریان کم تھا لیکن بعد میں وہ شدید تکلیف کا باعث بن سکتا تھا۔ تب ہی اس کی نگاہ اپنی چھاتی پر پڑی۔ دل کے مقام پر ایک سفید سی لکیر ابھر چکی تھی۔

اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔ کندھے کا زخم بھی تکلیف دینے لگا تھا۔ وہ واش روم سے باہر نکل کر اپنے بستر پر جا کر گر گیا۔ خنجر اس نے میٹرس سے نکال کر ایک جانب نفرت سے پھینک دیا۔ اس کی آنکھوں سے اشکوں کا سیل رواں جاری تھا۔

''یا اللہ! آخری وقت کی توبہ قبول نہیں ہوتی..... پر اس عاجز ریاض احمد عرف راجو کی آخری دعا ضرور قبول کر لینا کہ موت آتے ہوئے زیادہ تکلیف نہ ہو۔''

اُس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس پر نقاہت طاری ہوتی جا رہی تھی اور جسم سے نکلنے والا خون بستر کو رنگین کر رہا تھا۔ دور کونے میں پڑا خنجر پوری آب و تاب کے ساتھ ایسے چمک رہا تھا جیسے اس کی موت پر قہقہے لگا رہا ہو۔

برائن ولفورڈ کی تحریر Knife سے ماخوذ

Pakistanipoint

مقید محبت

ماہ رخ ارباب

اللہ تعالیٰ نے عزازیل کو روز قیامت تک مہلت دے رکھی ہے کہ وہ بندگان خدا کو بہکائے انہیں تنگ کر کے راہ راست سے ہٹانے کی کوشش کرے۔ اس کے ساتھ اس نے اپنے بندوں کو شیطان مردود سے مقابلے کی طاقت بھی ودیعت کا مقابلہ کرے۔ خیر و شر کے درمیان مقابلے کا احوال۔

خوفناک نمبر کے لیے ماہ رخ ارباب کی خوب صورت تحریر

''اب میں جو کچھ کرنے لگا ہوں۔ اس کے لئے پیشگی معذرت خواہ ہوں نعمان صاحب۔ اس سے دو باتیں ہوں گی' یا تو یہ ہمیشہ کے لئے آپ کا پیچھا چھوڑ دے گی۔ یا پھر جان سے جائے گی۔''

''اچھا! ایسا آپ کیا کرنے لگے ہیں؟'' نعمان نے حیرت سے پوچھا۔

''آپ کا قتل۔'' یہ کہتے ہی علیم الدین صاحب نے ہاتھ میں تھامی بوتل پوری قوت سے نعمان کے سر پر دے ماری۔

وہ ایک کراہ کے ساتھ زمین بوس ہوا' اور بغور ان کی باتیں سنتی محراب کے لبوں سے بے ساختہ ایک چیخ خارج ہوئی تھی۔

❖❖❖❖

''بھائی دیکھئے اپنا اور محراب کا بہت خیال رکھئے گا۔ اسے ہر وقت نگاہ میں رکھنا پڑتا ہے۔ ذرا سی نظر چوکی نہیں اور یہ ادھر ادھر نکل جائے گی۔ اس کا تمام سامان اسی کے بیک پیک میں ہے۔ اس کی گڑیا اور فرسٹ ایڈ باکس اور گرم کپڑے.....''

''ارے میری بہن یہ ہدایات اب تو مجھے زبانی یاد ہو چکی ہیں۔ اب اجازت ہو تو ہم نکلنے کی کریں۔'' نعمان نے دونوں ہاتھ جوڑ دیے تو نتاشہ نے جھینپ کر منہ بند کر لیا۔ گاڑی کے موڑ سے اوجھل ہونے تک وہ گیٹ پر کھڑی ہاتھ ہلاتی رہی۔

وہ بطور خاص اسلام آباد سے' مری میں واقع نعمان کے گھر آئی تھی۔ یہ خوب صورت سا بنگلہ ایک ڈھلوان سڑک کے کنارے واقع تھا۔ جس کے درمیان خالی قطعات پر موجود ہری بھری گھاس اور ارد گرد واقع درخت اسے ایک تر و تازہ روپ دینے کے علاوہ گھر کو دوسرے بنگلوں سے ایک قدرتی آڑ بھی فراہم کرتے تھے۔ شاید درخت لگائے ہی اس طرح گئے تھے۔

اس کی بچی کی پیدائش کے وقت ڈیلیوری سے قبل ہی کچھ پیچیدگیاں موجود تھیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نعمان کی بیوی آسیہ جسمانی طور پر صحت مند مگر ذہنی طور پر کمزور ایک بچی کو جنم دے کر دنیا سے رخصت ہو گئی۔ وہ پچھلے سات سال سے اپنی ذہنی معذور بچی کے ساتھ زندگی کی جدوجہد میں مصروف تھا۔ جس میں نتاشہ اس کی اکلوتی بڑی بہن' اکثر و بیشتر سہارا دینے آموجود ہوتی تھی۔ حالانکہ اپنے دس سالہ بیٹے کے ساتھ بار بار کا سفر ایک اضافی مشقت ہی تھی۔ اس کا شوہر ناصر' نعمان کا دوست نہ ہوتا تو یقیناً نتاشہ کی یہ روٹین اس کی ازدواجی زندگی میں زہر گھول دیتی۔ گاڑی کے نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہی اس نے پاس کھڑے معیز کو مسکرا کر دیکھا اور اندر کی جانب چل دی۔

''ماما! ہم یہاں کب تک ہوں گے؟ میرا فرائی ڈے کو اسکول میں ٹیسٹ ہے۔''

''بس بیٹا! وہ لوگ دو ایک دن میں آجائیں گے۔ مگر

PakistaniPoint

ہم آج ہی نکل چلیں گے۔'' اس نے بچے کو تسلی دی تو وہ سر ہلاتا اس کے پیچھے پیچھے اندر چلا گیا۔

❖❖❖❖

وہ ایبٹ آباد اور نتھیا گلی کے ٹرپ پر نکلا تھا۔ بیوی کی ناگہانی موت کے بعد اس نے بچی کے لئے ماں اور باپ دونوں کا کردار ادا کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس کی غیر معمولی توجہ کی وجہ سے جہاں بچی کی ذہنی صحت میں بہتری آئی تھی۔ وہیں وہ نعمان اور نتاشہ کے علاوہ دوسروں سے مانوس ہونے میں دقت محسوس کرنے لگی تھی۔

اکثر اوقات ایسا بھی ہوتا کہ نعمان کسی مصروفیت کے سبب بروقت اس کے ساتھ کھانا کھانے سے قاصر رہتا۔ البتہ اسے اس کا پسندیدہ کھانا بنا کر دے جایا کرتا۔ لیکن وہ کھانا جوں کا توں وہاں موجود رہتا اور محراب اسے چکھے بنا وہاں سے اٹھ جایا کرتی۔ اس کی انھی عادات کے سبب نعمان نے اسے بھی مکمل طور پر نینی کے حوالے کرنے کے متعلق بھی نہیں سوچا تھا۔ اچھی نینی کا حصول بھی دشوار تھا۔ لیکن اب وہ نتاشہ کی پریشانی دیکھتے ہوئے اس بارے میں غور کرنے لگا تھا۔

گاڑی آبادی کو بہت پہلے ہی پیچھے چھوڑ چکی تھی۔ اب وہ ایک نسبتاً کچی سڑک سے گزر رہے تھے۔ اس نے پاس بیٹھی محراب کو دیکھا۔ وہ گود میں اپنی گڑیا رکھے خاموشی سے کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ وہ ایک پیاری سی بچی تھی۔ تراشیدہ ہلکے براؤن بال سمیٹ کر نتاشہ نے ان میں ایک خوبصورت سا کلپ اٹکا دیا تھا۔ ہلکی براؤن آنکھوں میں وہی سادگی تھی جو عموماً ذہنی طور پر کمزور بچوں میں ہوا کرتی ہے۔ وہ بول نہیں پاتی تھی۔ سوائے ایک دادا لفظ کے جو نہ جانے اس نے کس طرح سیکھ لیا تھا۔ یہ تلفظ دراصل ڈیڈی کی بگڑی ہوئی شکل تھا۔ بقیہ تمام حاجات کے لئے وہ اشاروں سے کام چلا لیتی جس کی ضرورت اسے کم ہی پڑتی تھی۔ نعمان اس کی ضروریات بنا کہے پوری کرنے کا عادی تھا۔

وہ محراب کو دیکھنے میں اور اس کے متعلق سوچنے میں اس طرح مگن ہوا کہ بھول گیا کہ وہ اس وقت ایک خطرناک راستے پر گاڑی چلا رہا ہے۔ نتیجتاً اچانک سامنے سے آتی ایک ہائی روف کو دیکھ کر وہ حواس باختہ ہو گیا۔ اچانک بریک لگایا تو گاڑی ایک جھٹکے سے رک گئی۔ محراب کے منہ سے ہلکی سی چیخ برآمد ہوئی۔ وہ اور زیادہ گھبرایا۔ حالانکہ گاڑی بہت ہلکی رفتار سے چل رہی تھی۔ اس نے جلدی سے گاڑی کو ایک جانب روکا اور محراب کا جائزہ لیا۔

وہ محفوظ تھی۔ اس کے دریافت کرنے پر وہ انگلی سے نیچے جھاڑیوں میں اشارہ کرنے لگی۔ تب نعمان کو اندازہ ہوا کہ اس کی چہیتی گڑیا اس جھٹکے سے اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے جھاڑیوں میں جا گری ہے۔ جسے وہ کھڑکی پر بٹھا کر باہر کا نظارہ دکھا رہی تھی۔ اس نے نیچے دیکھا۔ وہ ایک گہری کھائی تھی۔ کھائی سے بھی کچھ نیچے ایک پٹرول پمپ موجود تھا۔ جہاں سے اسے فیول بھروانا تھا۔

''تمہاری ڈول تو نیچے چلی گئی؟'' اس نے بچی کے بال سمیٹتے ہوئے پوچھا۔

''کوئی بات نہیں وہ ہم سے پہلے نیچے چلی گئی۔ اب ہم بھی وہاں جا کر اسے پک کر لیں گے۔'' اس نے نرم الفاظ میں اسے سمجھایا۔ گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کر دی۔

پٹرول پمپ ایک بہت بڑے رقبے کو جھاڑیوں سے صاف کر کے بنایا گیا تھا۔ ایک جانب ایک بڑا سا جنرل اسٹور موجود تھا۔ جہاں سے ضرورت کی ہر چیز خریدی جا سکتی تھی حتیٰ کہ اسپورٹس کا سامان بھی۔ وہ جھاڑیاں جہاں محراب کی گڑیا آ کر گری تھی اسی پٹرول پمپ کے سامنے تھوڑی اونچائی پر موجود تھیں۔ جنرل اسٹور کے پیچھے ایک خوبصورت سا مکان تھا۔ جہاں شاید اس جگہ کے مالک کی رہائش تھی۔

نعمان نے محراب کو احتیاط سے گاڑی سے اتارا اور بظاہر خالی نظر آتے جنرل اسٹور میں داخل ہو گیا۔

ادھیڑ عمر مالک اسے ایک کاؤنٹر کے عقب میں کچھ ڈبے سیٹ کرتا ہوا نظر آ گیا۔ کچھ اور لوگ بھی موجود تھے۔ جو مختلف شیلفوں کے آگے کھڑے خریداری کر رہے تھے۔ وہ مالک سے فیول کے ڈبے اور کچھ ضروری سامان خرید کر فارغ ہوا تو اسے محراب کی غیر موجودگی کا احساس ہوا۔

اس نے تیزی سے پیسے دکاندار کو پکڑائے اور خود دوڑتا ہوا باہر نکل گیا۔ ساتھ ہی وہ محراب کا نام لے کر اسے آواز بھی دے رہا تھا۔

لیکن دور و نزدیک بچی کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ تب ہی جیسے الہام کی طرح اس کے ذہن میں ایک خیال پیدا ہوا۔

اس نے دوڑ لگائی اور اندازہ اس جگہ جا پہنچا جہاں محراب کی گڑیا گری تھی اور تلاش بارآور ثابت ہوئی۔ مگر صورت حال تسلی بخش ہرگز نہیں تھی۔ وہ کسی نہ کسی طرح اس اونچائی تک پہنچ تو گئی تھی مگر اس کا آسانیوں کا عادی جسم خود کو سنبھال نہیں پایا تھا۔ نتیجتاً پیر پھسلنے سے وہ لڑھکتی ہوئی ایک پتھر سے آٹکرائی تھی۔ اب دنیا و مافیہا سے بے خبر بے ہوش پڑی تھی۔ خوبصورت گلابی فراک جھاڑیوں سے الجھ کر جگہ جگہ سے پھٹ چکی تھی۔ مگر اس نے اپنی گڑیا حاصل کر لی تھی۔ جو اس وقت بھی اس کے بازوؤں میں کسی ہوئی تھی۔ شاید اسی کو بچانے کی وجہ سے وہ اپنا توازن کھو بیٹھی تھی۔

اپنی اکلوتی بچی کو اس حال میں دیکھ کر نعمان کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ اس نے احتیاط سے اس کا ننھا سا وجود سنبھالا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا سنبھل سنبھل کر نیچے اتر گیا۔ ڈھلان کے کونے پر پٹرول پمپ کا مالک اور چند ایک دوسرے افراد بھی مدد کی نیت سے جمع ہو چکے تھے۔

اس کے نیچے پہنچتے ہی دکان دار فرسٹ ایڈ کا سامان لے آیا۔ اس کے پاس کوئی تیز اثر محلول بھی موجود تھا۔

جس کو محراب کی ناک سے لگاتے ہی وہ ہوش میں آ کر آنکھیں پٹپٹانے لگی تھی۔ اس کے سر کی چوٹ زیادہ شدید نہیں تھی۔ مگر اس کی طویل بے ہوشی نے نعمان کو پریشان کر دیا تھا۔ وہ ایک زخمی بچی کے ساتھ ٹرپ پر نہیں جا سکتا تھا۔ واپس جانا ضروری تھا تاکہ محراب کو صحیح طور سے میڈیکل ٹریٹمنٹ دیا جا سکے۔ دکان دار سے لے کر اس نے زخم پر بینڈیج لگائی اور گاڑی میں جا بیٹھا۔

گاڑی کو واپسی کے لئے موڑتے ہوئے وہ ان تمام امکانات پر غور کرتا رہا جس کا سامنا اسے بچی کی چوٹ کے گمبھیر ہونے کی صورت میں ہو سکتا تھا۔ جب اچانک اس کی نگاہ ایکسیلیٹر پر پڑی اور اس کا دل ایک لمحے کو رک سا گیا۔ توجہ بٹی تو کچے راستے پر چلتی گاڑی خطرناک انداز میں لہرا گئی۔ زندگی باقی تھی جو پیر خود کار انداز میں بریک پر جا پڑا۔ اس نے جھٹکے سے گاڑی روک دی۔

''اوہ میرے خدا!'' اس نے ایک ہاتھ ماتھے پر رکھ لیا۔ محراب سہمے ہوئے انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے اور کچھ اندازہ نہ تھا مگر باپ کا پریشان چہرہ اسے بھی سہما رہا تھا۔

''محراب اسے تم اندر لائی ہو؟'' اس نے ایکسلریٹر کے پاس دبک کر پڑے سیاہ رنگ کے چھوٹے سے بلی کے بچے کو گردن سے پکڑ کر باہر نکالا۔

محراب کی آنکھوں سے جھانکتی حیرت آمیز خوشی نے اسے بتا دیا کہ بچہ وہ اندر نہیں لائی مگر وہ اس کے لئے اہمیت ضرور رکھتا ہے۔

''ٹھیک ہے اسے تم نہیں لائیں تو یہ ہمارے ساتھ مزید سفر جاری نہیں رکھ سکتا۔ خدا حافظ لٹل بلیک بیوٹی۔'' اس نے ہاتھ کھڑکی سے نکالا تاکہ بچے کو باہر پھینک سکے۔

مگر اسی وقت محراب کی چیختی ہوئی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ اس کے بعد مسلسل چیختی چلی گئی یہ اس کا مخصوص احتجاجی انداز تھا۔ جسے وہ تب اختیار کرتی جب کوئی بات اس کی مرضی کے خلاف واقع ہوتی۔

ایسے میں وہ جنونی ہو کر خود کو یا دوسرے کو چوٹ بھی پہنچا لیا کرتی تھی۔ یہی وجہ تھی جو وہ اسے ابھی تک کسی خصوصی بچوں کے اسکول بھی نہیں بھجوا سکا تھا۔

''اوکے' اوکے محراب میں اسے نہیں پھینک رہا۔ مگر تم اسے کیسے سنبھالو گی؟''

اس نے سوال کیا جس کا جواب محراب نے بچے کو اس کے ہاتھ سے جھپٹ کر اپنی گود میں چھپاتے ہوئے دیا۔ وہ اسے پا کر اتنی خوش تھی کہ اپنی پیاری ڈولی کو بھی بھول چکی تھی۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ محراب نے بچے کو اپنا لیا تھا۔ جسے اس کے دل سے اب نعمان بھی نہیں نکال سکتا تھا۔

اس نے ایک گہری سانس لی اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ محراب کو سنبھالنے کے لیے کوئی مناسب نینی نہیں ملتی تھی۔ لہٰذا کبھی وہ اسے نتاشہ کے پاس چھوڑ آتا کبھی نتاشہ اس کے پاس آ جاتی۔ کبھی وہ خود کاروبار منیجر کے آسرے پر چھوڑ کر گھر بیٹھ جاتا۔ اب اس نے ایک جنگلی بلی کا بچہ اٹھا لیا تھا۔ جس کے متعلق اسے یقین تھا کہ وہ محراب سے زیادہ نعمان کے ہی گلے پڑے گا۔ اس نے

گردن گھما کر بچے کی جانب سرسری سی نگاہ ڈالی' اور وہ نظر جیسے اس سے چپک کر رہ گئی۔ محراب اسے گود میں بٹھائے اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیر رہی تھی۔ مگر وہ اپنی پوری آنکھیں کھولے نعمان کو گھور رہا تھا۔ اس کی سبز بڑی بڑی آنکھوں میں غیر معمولی چمک تھی۔ نعمان کو جھرجھری سی آ گئی۔ اس نے جلدی سے نگاہ ہٹائی اور راستے پر دھیان مرکوز کرلیا۔ ایک دن میں وہ تیسرا حادثہ افورڈ نہیں کرسکتا تھا۔ مگر بلی کا بچہ مسلسل اسی کو گھورتا رہا۔

❖❖❖❖

نتاشہ' معیز کو لے کر رخصت ہو چکی تھی۔

اس نے بڑے گھر میں تمام بندھا ہوا سامان نئے سرے سے کھولنا تھا۔ مگر اس سے پہلے اس نئے مہمان کے کھانے کا کچھ بندوبست کرنا تھا جو محراب کی گود میں اطمینان سے لیٹا ہوا آس پاس کے ماحول کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کے بعد اس بچے کی صفائی کا انتظام بھی ضروری تھا۔

اس نے فرج سے دودھ نکال کر ایک گلاس میں محراب کو تھمایا' اور ایک کٹورہ نکال کر تھوڑا سا دودھ اس میں ڈال کر زمین پر رکھ دیا۔ اس کا خیال تھا کافی دیر سے بھوکا بچہ دودھ دیکھتے ہی اس پر لپک پڑے گا۔ مگر وہ اپنے پرسکون انداز میں اسے دیکھتا رہا۔ نعمان نے اسے نظرانداز کیا اور فون اٹھا کر گیلری میں جا نکلا اسے نتاشہ سے رابطہ کرکے کسی ملازمہ کا بندوبست کرنے کی ہدایت کرنی تھی۔ اس کی اس شہر میں بھی کافی جان پہچان تھی وہ کچھ نہ کچھ بندوبست ضرور کردیتی۔

فون بند کرکے وہ تھوڑی دیر یونہی بالکونی میں کھڑا رہا۔ جب اسے محراب کے چیخنے کی آواز آئی وہ تیزی سے اندر کی جانب لپکا۔

اس نے دیکھا وہ ایک کرسی پر پیر سمیٹے ہوئے خوف زدہ نگاہوں سے زمین پر بیٹھے بلونگڑے کو دیکھ رہی ہے۔ جو فرش پر ایک موٹے سے چوہے کو منہ میں دبوچے اسے کھانے کی تیاری میں تھا۔ نہ جانے اتنی سی دیر میں یہ اس چوہے کو کہاں سے ڈھونڈ لایا تھا۔ اسے معلوم تھا محراب چوہوں سے بہت ڈرتی ہے۔ لہٰذا اس نے فوراً اسے ہشکارتے ہوئے گھر سے نکال دیا۔ اسے امید تھی اس منظر کو دیکھنے کے بعد محراب کا بچے کے لیے پیدا ہوا نیا نیا شوق نابود ہو چکا ہوگا۔ مگر یہ خیال بھی اسی رات خام ثابت ہوگیا۔ جب رات میں بستر پر لیٹے ہی محراب کو بچہ یاد آیا اور نعمان کو گارڈن میں ایک درخت کے نیچے لیٹے ہوئے اس بچے کو اٹھا کر لانا پڑا۔ اسے اندر لاتے ہوئے نعمان کو بلونگڑے کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ واضح طور پر محسوس ہوئی تھی۔

اس نے سر جھٹک کر دوبارہ دیکھا۔ اب وہ مزے سے اپنا پیر چاٹ رہا تھا۔ اس نے وہ بچہ لاکر دکھایا تب وہ پرسکون ہوکر سوئی۔ مگر اس کی اپنی تمام رات عجیب بے سکونی میں کٹ گئی۔

❖❖❖❖

نتاشہ سے پہلے دوستوں سے کیے گئے تذکرے کام آئے اور دوسرے ہی دن ایک ملازمہ کا بندوبست ہوگیا۔ جو کافی حد تک محراب کو بھی سنبھال لیتی۔ اس طرح کم از کم نعمان پر کام کا بوجھ کم ہوجاتا' اور وہ بزنس کو ٹھیک سے وقت دے پاتا جو کافی عرصے سے اس کا منیجر ہی سنبھال رہا تھا۔

وہ ایک سیدھی سادھی دیہاتی عورت تھی۔ جو اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو تنہا چھوڑ کر کام پر آجاتی تھی تاکہ دوسروں کے بچے سنبھال سکے۔

سادہ سے سوتی شلوار قمیض میں ملبوس دوپٹہ لپیٹے وہ نعمان کے سوالات کے جوابات دے رہی تھی۔ محراب دور زمین پر بچھے میٹ پر اپنے کھلونے سجائے ان میں مگن تھی۔ ساتھ ہی رہ رہ کر بلی کے بچے کو بھی دیکھ لیا کرتی۔ اب کے جو اس نے نگاہ اٹھائی تو بچے کو موقع سے غیر موجود پایا۔ وہ بے چین ہو اٹھی۔ مگر آواز دے کر اسے بلانے سے قاصر تھی۔ اس نے ادھر ادھر ڈھونڈا تب وہ اسے باپ کے سامنے کھڑی اس عورت کے پاس نظر آگیا۔ وہ نہ جانے کس وقت وہاں پہنچا تھا اور اب خاموشی سے اس عورت کو گھور رہا تھا۔ اس کی پشت کے بال اور دم عجیب انداز میں کھڑے تھے۔ محراب نے پہلے کبھی کسی بلی کو اس انداز میں نہیں دیکھا تھا۔ وہ ٹھٹک گئی۔ بلی اسی جارحانہ انداز میں دُم اکڑائے کھڑی تھی۔ وہ نعمان کی پشت پر تھی' اور ملازمہ اسے نظرانداز کیے ہوئے تھی۔ قبل اس کے

PakistanPoint

کہ وہ ملازمہ پر چھلانگ لگاتی ملازمہ ہدایات سن کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

محراب نے اسے ہاتھ لگایا تو اس کے پشت کے اکڑے ہوئے بال نارمل ہونے لگے۔ وہ بلی کو لیے اپنی پہلی جگہ پر آبیٹھی۔

نعمان نے فون اٹھایا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ وہ آج کل ویسے بھی کچھ پریشان سا تھا۔ کاروبار میں مسلسل ہوتے نقصان نے اسے ذہنی طور پر منتشر کر رکھا تھا۔ بلی نے جو اسے باہر نکلتے دیکھا تو زقند لگا کر محراب کی گود سے باہر نکلی اور گھر کے اندر جاتی راہداری میں گم ہوگئی جہاں نعمان زور زور سے اپنے منیجر سے بحث میں مصروف تھا۔ کچن میں کام کرتی ملازمہ کن انکھیوں سے غصے میں بولتے نعمان کو دیکھ رہی تھی۔

جو تھوڑی ہی دور بالکونی میں کھڑا تھا۔

''ایسا کیسے ممکن ہے سعد! کہ دو بار ان لوگوں کو پے منٹ کر دینے کے باوجود وہ ڈیلیوری دینے کو تیار نہ ہوں۔ جب تمام رسیدیں ہمارے پاس موجود ہیں تو وہ ڈیلیوری سے انکار کیسے کر سکتے ہیں۔ کیا عذر ہے ان کے پاس۔ تمہیں یہ مسئلہ جلد سے جلد حل کرنا ہوگا۔ کسی بھی طرح سے۔''

اس نے غصے میں فون کاٹا اور ایک گہری سانس لی۔ وہ ایک بڑے جنرل اسٹور کا مالک تھا' اور اسٹور میں ہر آئیٹم کی دستیابی کو ممکن بنانا ہی اس کاروبار کی کامیابی کی ضمانت تھا۔

مگر کچھ عرصے سے ہول سیلر پے منٹ لینے کے باوجود مال بروقت پہنچانے میں جس طرح ٹال مٹول کر رہا تھا۔ وہ اس کے لیے شدید ذہنی دباؤ کا باعث تھا۔ کیونکہ وہ درحقیقت رقم ملنے سے ہی انکاری تھا۔ ایسے میں اس کے لیے اپنے منیجر کی ذات بھی مشکوک ثابت ہو رہی تھی۔ اس کی نگاہ اچانک خود کو گھورتی ملازمہ پر پڑی تو فون بند کرتا محراب کی جانب چل دیا۔ تب اچانک جیسے اس کے قدموں کو بریک سی لگ گئی۔

وہ محراب ہی تھی۔ مگر کچھ اس حال میں کہ دونوں بازو مڑ کر پشت سے جا لگے تھے۔ پیر کمر سے اور بقیہ جسم عجیب غیر قدرتی انداز میں بل کھایا ہوا تھا۔

جیسے جسم میں کوئی ہڈی ہی نہ ہو۔ نعمان کو ایک پل دل کی دھڑکنیں رکتی ہوئی محسوس ہوئی تھیں۔ دوسرے ہی پل وہ دوڑتا ہوا محراب کے پاس پہنچا اور اسے گود میں سمیٹنے کی کوشش کی۔ مگر اس کا نہ صرف جسم بلکہ گردن تک اکڑ چکی تھی۔ چہرہ عجیب انداز میں بدل چکا تھا۔ آنکھوں کی پتلیاں اس حد تک پھیلی ہوئی تھیں کہ سفیدی کہیں چھپ سی گئی تھی۔

اس نے چیخ کر ملازمہ کو آواز دی تاکہ لکڑی کی طرح اکڑی ہوئی بچی کو اٹھا کر صوفے پر لٹا سکے۔ مگر جیسے ہی ملازمہ قریب پہنچی محراب کا جسم ایک جھٹکے سے نارمل حالت میں آگیا۔ جیسے کسی اسپرنگ کو کھینچ کر چھوڑ دیا جائے۔ اب وہ اس کی گود میں لیٹی یوں آنکھیں پٹپٹا رہی تھی۔ جیسے کسی خواب سے جاگی ہو۔ چہرے پر اضمحلال کے آثار تھے۔ مگر بظاہر وہ ٹھیک تھی۔ اگر محراب ذہنی طور پر نارمل ہوتی تو وہ سمجھتا کہ اس نے شرارتاً ایسی حرکت کی مگر اب وہ الجھ کر رہ گیا بہرحال جو بھی تھا اسے ڈاکٹر کو دکھانا ضروری تھا۔ مگر اس سے پہلے ہی ایک عجیب واقعے نے اسے ازحد مصروف کر دیا۔

❖❖❖❖

اس نے محراب کے مستقل ڈاکٹر سے وقت حاصل کر لیا تھا۔ ملازمہ کا آزمائشی پیریڈ مکمل ہونے تک محراب کو پڑنے والے دوروں کے درمیانی وقفوں میں کمی آچکی تھی۔ جبکہ حالت بگڑنے کے دورانیے بڑھ چکے تھے۔ دورہ ختم ہونے کے بعد وہ کتنی ہی دیر ناسمجھی کے عالم میں ادھر ادھر دیکھتی رہتی۔ ساتھ ہی اس میں آنے والی ایک اور تبدیلی جس نے نعمان کو ازحد پریشان کر چھوڑا تھا کہ وہ کچھ غیر مرئی ہیولوں سے اشاروں میں باتیں کرتی نظر آتی۔

محراب کو ڈاکٹر کے پاس لے جانے کے لئے ابھی ایک دن باقی تھا۔ جب نعمان نے بچی کی حالت بگڑنے کے پیش نظر اسے اپنے پاس سلانا شروع کر دیا تھا۔

وہ رات کا کوئی تیسرا پہر ہوگا جب اس کی آنکھ کسی کھٹکے سے کھلی تھی۔ اس نے آنکھیں کھول کر ادھر ادھر دیکھا۔ وہ شاید دروازہ بجنے کی آواز تھی جس نے اسے متوجہ کیا تھا۔

اس نے برابر بستر پر نگاہ دوڑائی محراب وہاں موجود

Pakistanipoint

نہیں تھی۔ وہ جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا پانی کا جگ سائیڈ ٹیبل پر موجود تھا۔ واش روم کی لائٹ بھی بند تھی۔ وہ یقیناً دروازہ کھول کر باہر نکل گئی تھی۔ اس کے کمرے کا دروازہ ایک راہداری میں کھلتا تھا۔ جس کے ایک سرے پر بالکونی سامنے کچن اور دوسرے سرے پر ڈرائنگ روم تھا۔ کچن کے برابر ایک اور کمرا تھا۔ جب کہ اس کے اپنے کمرے کا دروازہ محراب کے بیڈروم میں بھی نکلتا تھا۔ جسے وہ ہمہ وقت کھلا رکھتا تھا۔

مگر اس وقت وہ اپنے کمرے میں بھی موجود نہیں تھی۔ نعمان نے دروازہ کھول کر سامنے والے کمرے میں جھانکا حالانکہ وہاں اس کے ہونے کا امکان نہ ہونے کے برابر تھا محراب اندھیرے سے ڈرتی تھی۔ جب کہ پورا گھر اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔

وہ زور زور سے دھڑکتے دل کو سنبھالتا ہوا راہداری میں آگے بڑھا جب اسے کسی کے بولنے کی آواز سنائی دی۔ وہ خاموشی سے مزید آگے بڑھا اور پھر اپنی جگہ ساکت سا رہ گیا۔ وہ محراب تھی جو گھپ اندھیرے میں بنا اس سے خوف کھائے' بلی کو گود میں لیے اس سے باتیں کر رہی تھی۔ بڑی سی کھڑکی سے آتی چاند کی روشنی میں وہ بالکل عام سی تندرست بچی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ محراب جو بول بھی نہیں پاتی تھی۔ جس کی رال اکثر دوسروں کو صاف کرنی پڑتی تھی۔ اس وقت بالکل نارمل نظر آ رہی تھی۔ وہ شاید وہیں کھڑا رہ جاتا جب محراب کی نگاہ اس پر پڑی اور اسی وقت بلی نے اس کی گود سے باہر چھلانگ لگائی' اور محراب کا جسم اسی جانکنی والی کیفیت میں مڑنے لگا نعمان نے بورڈ پر ہاتھ مار کر تمام لائٹیں جلائیں اور محراب کی جانب دوڑا۔ بلی پاس ہی کھڑی غرا رہی تھی۔ دھیرے دھیرے محراب کی پتلیوں کی سیاہی پوری آنکھ پر محیط ہو گئی' اور زبان سے ایک بھاری بھرکم آواز خارج ہوئی۔

وہ آواز کوئی عجیب سے الفاظ دہرا رہی تھی۔ جو نعمان کی سمجھ سے بالاتر تھے۔ وہ دہشت زدہ سا بچی کی بدتر ہوتی حالت کو دیکھتا رہا۔ وہ اس قدر بھاری محسوس ہو رہی تھی کہ وہ اکیلا اسے اٹھا نہیں پا رہا تھا۔ کم و بیش آدھ گھنٹہ اس تکلیف دہ حالت میں گزر گیا۔ تب اس نے محراب کو اٹھایا اور بستر پر جا لٹایا۔ اس کی باقی رات یونہی آنکھوں میں کٹ گئی' اور صبح آنے والی کال نے اسے فوراً اپنے اسٹور پہنچنے پر مجبور کر دیا۔

وہ سر پر ہاتھ رکھے میز کی ایک جانب بیٹھا تھا۔ دوسری جانب اس کا منیجر کم و بیش اسی پوزیشن میں بیٹھا اسے بغور گھور رہا تھا۔ جیسا منتظر ہو کہ وہ اب کیا کرے گا۔

''یار! یہ کیسے ممکن ہے؟ ایک اتنا زخمی انسان اتنی طویل ڈرائیو کر کے ہمارے پاس پہنچا تا کہ رقم ہمیں دے سکے۔ کیسے آخر کیسے؟''

اس نے حیرت سے دونوں ہاتھ اٹھا کر منیجر سے استفسار کیا۔

''یہی تو میں بھی صبح سے سوچ رہا ہوں۔'' منیجر پیشانی کے نیچے رکھا ہاتھ ہٹا کر سیدھا بیٹھتا ہوا بولا۔

''مگر یہ بھی ہے کہ اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ وہ بے ایمانی کر رہا تھا' اور کسی اندرونی تحریک نے اسے یہاں آ کر رقم واپس کرنے پر مجبور کیا۔ اب دعا ہے کہ پولیس اس واقعے کو ہم سے نہ جوڑے۔''

منیجر نے ایک نئی پریشانی کی جانب توجہ دلائی تو وہ اس کے متعلق سوچنے لگا۔ صبح ہی صبح آنے والی کال اس کے اسٹور کے منیجر کی تھی۔ جہاں ایک عجیب واقعہ اس کا منتظر تھا۔

وہ ہول سیلر جو ان کے اسٹور کو کافی اقسام کی چیزیں فراہم کرتا تھا۔ اسٹور کھلنے کے تھوڑی ہی دیر بعد اپنی کار میں وہاں پہنچا اور پھر اس وقت تک ہارن پر ہاتھ رکھے بیٹھا رہا جب تک اسٹور میں موجود ہر فرد باہر نہ نکل گیا۔ اس کی اس قدر بے تابی کی وجہ بھی سمجھ آ گئی جب انہوں نے اسے دیکھا۔ وہ بے انتہا زخمی تھا۔ سب سے بڑا گھاؤ گردن پر موجود تھا۔ مگر زخمی سے زیادہ وہ خوفزدہ تھا' اور کچھ بھی بتانے سے منکر اس نے پاس رکھا ایک تھیلا منیجر کو تھمایا اور تیزی سے گاڑی آگے بڑھا گیا۔

یہ تفصیل انہیں بیگ میں موجود پرچے سے ملی کہ یہ درحقیقت وہی رقم تھی جو منیجر سے وصول کر کے بھی وہ سامان پہنچانے میں لیت و لعل سے کام لے رہا تھا۔ بہرحال جو بھی تھا نعمان کا ایک بڑا مسئلہ حل ہو گیا تھا' اور امید نہیں تھی کہ پولیس اس میں مداخلت کرے گی۔ مگر ایک اور مسئلہ باقی تھا' اور اسی وقت گھر سے آنے

بہت جلد آنچل
کے صفحات پر
ملاحظہ کیجئے

ماہِ نور

نادیہ احمد

کی اچھوتی اور دل کے نازک تاروں کو چھوتی ایک نادر و نایاب سلسلہ وار کہانی

بغض نفرت، حسد کے لبادے میں لپٹی، وصل اور ہجر کو فصاحت سے کھوجتی تحریر

ماں کی مجبوری و بے بسی اور لاچاری کو للکارتی ممتا کی تشنہ لبی کو بیان کرتی اچھوتی داستان

رشتوں کے تقدس کو بچاتی اور پامال کرتی، ہمدردی، ترس

اور رحمدلی جیسے جذبوں کو عیاں کرتی خوبصورت کہانی

روایات کی پرستش کرنے والے اور ذات پات کے مقید لوگوں کا احوال

محبت و نفرت، عزت و انا کے
درمیان پنپنے والے لوگوں کی کہانی

دولت و طاقت کے نشے میں چور ایسے لوگوں کی داستان جو زمین کے خدا تھے

رشتوں کی پائیداری اور ناپائیداری کا احسن طرز میں امتیاز کرتی ایک دلچسپ کہانی

ایک ایسی تحریر جو لمحہ بہ لمحہ تجسس کے دہانے پر آپ کو کھڑا کر دے گی

پیار محبت اور انسانیت کو اولین ترجیحی دینے والے گھرانے کا احوال

رابطہ:
81 نیپئر ریکس، ہائی
کلب آف پاکستان
اسٹیڈیم، ڈاکٹل پریس
کراچی 75510

www.naeyufaq.com. Email:editor_aa@naeyufaq.com

03008264242

PakistaniPoint

والی کال نے اسے بتا دیا کہ ابھی بے فکر ہونے کا وقت نہیں آیا۔ وہ ملازمہ کا فون تھا اور اس نے جو بتایا وہ اتنا دہشت ناک تھا کہ ایک وہ فوراً وہاں سے نکل کھڑا ہوا۔

وہ آندھی طوفان کی مانند گاڑی دوڑاتا ہوا وہاں پہنچا تھا۔

ملازمہ اسے گھر سے باہر ہی سڑک کنارے بنی پتھر کی بنچ پر بیٹھی ہوئی نظر آ گئی۔ حالانکہ فون پر جس طرح اس کی آواز خوف سے کانپ رہی تھی نعمان کو محسوس ہوا وہ اپنے گھر جا چکی ہوگی۔

''کیا ہوا سکینہ بی بی! تم ٹھیک ہو؟ محراب کہاں ہے؟'' وہ گاڑی وہیں روک کر اس سے سوال جواب کرنے لگا۔

''صاحب جی! میں اب کام پر نہیں آؤں گی جی۔ آپ میرا حساب کر دیجیے۔'' وہ چھوٹتے ہی بولی۔

''ارے چھری تلے دم تو لو۔ ہوا کیا مجھے بتاؤ۔ کام کرنے میں کیا مسئلہ ہے۔ کیا پیسے کم ہیں؟ میں جانتا ہوں محراب تھوڑی مشکل بچی ہے۔ مگر اس پر جس طرح کا الزام تم نے لگایا ہے۔ تمہیں ذرا خوف خدا نہ آیا سکینہ بی بی؟'' وہ کچھ رنج سے بولا۔

ملازمہ کے اچانک کام چھوڑنے کے اعلان اور وہ بھی اس اطلاع کے ساتھ کہ محراب پر آسیبی اثرات ہیں۔ نعمان پریشان ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ کسی بھی طرح اس ملازمہ کو روک لینا چاہتا تھا۔

''صاحب جی! اللہ کو حاضر ناظر جان کر کہتی ہوں۔ بی بی کے ساتھ کوئی دماغی مسئلہ نہیں ہے۔ یہ دیکھیے جی۔'' اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔

''یہ ہاتھ پکڑ کر انہوں نے مجھے ہوا میں اوپر اٹھا لیا۔ صرف اس لیے کہ میں نے اس بلی کے بچے کو آپ کے کمرے سے باہر نکالا۔ وہ اندر گندگی کر دیتا۔ اسی بات پر بی بی غصہ ہو گئیں۔ پہلے تو میرا گلا پکڑ لیا۔ اس کے بعد بازو سے تھام کر ہوا میں اٹھا لیا' اور بول بھی مرد کی آواز میں رہی تھیں۔ بہت بھیانک چہرہ تھا ان کا۔ آپ بس میرا حساب کر دیں۔ میں اب یہاں کام نہیں کر سکتی۔'' اس نے کچھ ڈرتے ڈرتے کچھ رو رو کر اپنی بات مکمل کی۔ گاہے بگاہے مکان کی جانب بھی ایک نظر دیکھ لیتی۔ اب کی بار جو وہاں دیکھا تو ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے انداز میں دہشت تھی۔

''میں چلتی ہوں جی۔ مجھے پیسے بھی نہیں چاہیں۔''

اس نے تیزی سے دوپٹہ سر پر سنبھالا اور تیزی سے ڈھلوان سے اترتی چلی گئی۔ نعمان نے اس کی نگاہ کے تعاقب میں گھر کی جانب دیکھا۔ بالکونی میں محراب بلی کا بچہ گود میں لیے کھڑی تھی۔ اسی کو دیکھ کر سکینہ ڈر کر بھاگی تھی۔

نعمان کو اس سے پہلے بھی ملازموں سے اسی قسم کے بہانے سننے کو ملتے تھے۔ کہ محراب ان سے بدتمیزی کرتی ہے یا بات نہیں مانتی۔ مگر پہلی بار کسی نے اس پر اس قسم کا الزام لگایا تھا۔ پھر وہ ملازمہ کا خوفزدہ چہرہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔ وہ اندر ہی اندر الجھتا مکان میں داخل ہوا۔ مکان میں مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ایک ابنارمل بچی گھر میں بالکل اکیلی تھی۔ وہ یک دم خوفزدہ سا ہو گیا' اور ساتھ ہی اسے ملازمہ کا رویہ یاد آیا۔ وہ اتنی غیر ذمہ دار اور کام چور ہوتی تو گھر سے باہر نہ بیٹھی رہتی بلکہ واپس جا چکی ہوتی۔ لیکن شاید پیسے لینے کے لیے بیٹھی ہو۔ اس نے خود کلامی کی۔ پھر اسے یاد آیا کہ محراب کا آج ڈاکٹر کے ساتھ وقت طے ہے' اور دل کو کچھ تسلی محسوس ہوئی۔

وہ سیدھا محراب کے بیڈروم کی جانب بڑھا۔ تب ہی وہ اوپر سے آتی ہوئی نظر آئی۔ اس میں ایک واضح تبدیلی سی محسوس ہونے لگی تھی۔ اس کی چال جو ہمیشہ اس کی ذہنی حالت کی عکاسی کرتی تھی۔ اب بالکل متوازن اور رواں ہوتی تھی۔ اس کے ساتھ ہی اس کے منہ سے کچھ الفاظ بھی برآمد ہونے لگے تھے۔ بے شک وہ انہیں سمجھ نہیں پاتا تھا۔

نعمان کو دیکھ کر وہ مسکرائی اور تیزی سے نیچے آئی۔

''کیسا ہے میرا بچہ؟'' نعمان نے اس کے سلکی بالوں کی پونی کو ہلایا۔

وہ جواب دینے کے بجائے مسکراتی رہی۔ وہ اسے کندھے سے تھام کر کچن میں لے آیا۔ ملازمہ جس طرح افراتفری میں بھاگی تھی مشکل تھا کہ اس نے کچھ تیار کیا ہو۔ اس کا ارادہ خود ہی کچھ بنانے کا تھا۔ وہ دھیرے دھیرے چلتا کچن کے دروازے تک پہنچا اور وہیں

PakistaniPoint

ساکت ہوگیا۔ کچن کی حالت سے محسوس ہوتا تھا جیسے وہاں کسی طوفان کا گزر ہوا ہو۔ فرج کے لوازمات زمین پر ڈھیر تھے۔ جبکہ تمام اقسام کے گوشت کے شاپر خالی ہو چکے تھے۔

تمام برتن عجیب قسم کی گندگی سے بھرے تھے یہاں تک کہ فرش اور چھت تک۔ جیسے کسی کٹی ہوئی گائے کو فرش سے لے کر چھت تک گھسیٹا گیا ہو۔ اس کا دماغ گھوم کر رہ گیا۔ غصے نے ایک دم ہی اس پر یلغار کی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ملازمہ جانے سے پہلے اس طرح کی حرکت کرے گی۔ اسے اس عورت کی ذہنی صحت مشکوک لگنے لگی تھی۔

وہ اسٹور سے تھکا ہوا آیا تھا اور اب یہاں یہ گندگی اس کی منتظر تھی۔ وہ الٹے قدموں واپس ہوا۔ محراب کو ساتھ لیا تاکہ کسی ریسٹورنٹ میں کھانا کھا سکے' اور نتاشہ کو فون کھڑکا دیا۔ وہ ان تمام مسائل سے اکیلے نہیں نمٹ سکتا تھا۔

وہ اس وقت محراب کے نفسیاتی معالج کے سامنے بیٹھا تھا جس کے سامنے محراب کی ایک ضخیم فائل رکھی تھی۔ جو اس کے ابتدائی ریکارڈ سے لے کر موجودہ ٹیسٹوں تک پر مبنی تھی۔ آنکھوں میں امید و بیم کی کیفیت لئے وہ کسی امید افزاء خبر کا منتظر تھا۔ مگر ڈاکٹر کے چہرے کے گھمبیر تاثرات بار بار اس کی امید کی نیا کو ڈانواں ڈول کر رہے تھے۔

''سب کچھ ٹھیک ہے نا ڈاکٹر صاحب؟'' آخر کار اس سے رہا نہیں گیا تو پوچھ بیٹھا۔ محراب بچوں کے لئے بنائے گئے پلے روم میں اپنے دوستوں کے ساتھ مگن تھی۔

اس کا سوال سن کر ڈاکٹر نے سر اوپر اٹھایا۔ کچھ دیر خاموش رہا جیسے الفاظ کو تول رہا ہو۔

''امیزنگ۔ اٹس ریئلی امیزنگ نعمان صاحب۔ یقین نہیں آتا۔ میڈیکل سائنس کی تاریخ میں یہ کیس تو تہلکہ مچا دیگا۔ اگر میرا خیال صحیح ثابت ہوا۔ لیکن ایک امکان یہ بھی ہے کہ میرا خیال غلط ثابت ہو۔ محراب کے دماغ کے ایکسریز اور اس کی ظاہری حالت میں زمین و آسمان کا فرق نظر آرہا ہے۔ اس کے دماغ کی پروگریس بہتر ہو رہی ہے۔ یہ دیکھئے۔'' اس نے ایکسرے پر ایک جانب اشارہ کیا۔

''یہاں آپ کو فرق نظر آئے گا۔ دماغ کی پروگریس کے ساتھ اس کی زبان و بیان میں بھی فرق نظر آرہا ہے۔ جیسا کہ آپ نے بتایا۔ مگر سوال یہ ہے کہ پھر یہ جسمانی دورے جو صاف اور صریح مرگی کی جانب اشارہ کرتے ہیں اسے کیوں پڑ رہے ہیں؟ اس کی پروگریس کی رفتار بھی معجزاتی طور پر تیز ہے۔ اس لحاظ سے میں خود الجھ چکا ہوں۔ میں اس کی رپورٹس اپنے سینئرز کو دکھانا چاہتا ہوں۔ بہتر ہے ابھی حتمی طور پر کوئی علاج شروع کرنے کے بجائے اسے محض مرگی کے دورے کم کرنے کی دوائیں دی جائیں۔'' ڈاکٹر نے تفصیل سے اسے سمجھاتے ہوئے ایک پرچے کی دوائیں لکھ کر اسے تھماتے ہوئے کندھا تھپتھپایا۔

''ڈونٹ وری نعمان صاحب! محراب میں آنے والی یہ تبدیلی انتہائی نایاب ہے۔ کروڑوں میں کوئی ایک بچہ اس سے مستفید ہو پاتا ہے' اور محراب ان میں سے ایک ہے۔''

اس کی بات سن کر نعمان مسکرا دیا۔ یہ اس کے لئے دو دن میں ملنے والی دوسری بڑی خوشخبری تھی۔ حالانکہ محراب کبھی مرگی کی مریضہ نہیں رہی تھی۔ مگر ایک تعلیم یافتہ شخص ہونے کے ناتے وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ دماغ کی پیچیدگیاں سمجھنا کسی عام انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔

نعمان محراب کو لے کر گھر آگیا۔ نتاشہ پہلے سے وہاں موجود تھی اور نعمان کے بیڈ روم کی صفائی کے بعد وہاں سے جو کچھ نکلا تو وہ خود بھی حیران تھی جب اس نے نعمان کو بتایا تو اسے یقین نہیں آیا تو نتاشہ بولی۔

''آف کورس..... کیا میں اپنے گھر سے لائی ہوں؟ یہیں سے تمہارے بیڈ کے نیچے سے نکلا ہے بھئی۔'' وہ بھی اتنی غلاظت سے نمٹنے کے بعد بیزار سی تھی۔

نعمان کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اس نے خون آلود کپڑوں کو بغور دیکھا اس کا ذہن ایک عجیب ہی بات سوچ رہا تھا۔ وہ ایک شرٹ تھی۔ مگر جہاں جہاں سے خون آلود تھی۔ وہاں وہاں سے اس میں سوراخ موجود تھے جیسے اس کے پہننے والے کو اس جگہ چوٹ آئی ہو۔ یا کٹ لگایا گیا ہو یا پھر نوچا گیا ہو۔ وہ چھوٹے جانوروں کے کھائے ہوئے ڈھانچے۔ بڑے چوہے' چھوٹی بلیاں مختلف وضع

pakistanipoint

کی ہڈیاں۔اس نے نتاشہ کی ہمت کو داد دی جس نے یہ سب غلاظت نکال باہر کی۔اسے خود پر حیرت ہوئی وہ کیسے اس تمام کے اوپر سوتا رہا' اور اس کے پلنگ کے نیچے یہ سب ڈھیر جمع ہوتا رہا' اور وہ کبھی بساند تک نہ محسوس کر پایا۔

اس نے محراب کے ہاتھ میں موجود بلی کو دیکھا۔اسے نہ جانے کیوں یقین سا تھا کہ یہ سب کیا دھرا اس بلی کا ہے۔مگر افسوس یہ تھا کہ وہ محراب سے اسے الگ نہیں کرسکتا تھا۔لیکن اس جنگلی جانور کو اس گھر سے دور رکھنا ضروری تھا۔اس نے سوچ لیا تھا۔

''اچھا ٹھیک ہے میں اس کے متعلق کچھ کرتا ہوں۔ ابھی چلو کھانا کھاتے ہیں۔میں آتے ہوئے ریسٹورنٹ سے پیک کروالایا ہوں۔پھر محراب کے متعلق ایک خوشخبری دینی ہے' اور معیز کہاں ہے؟'' وہ کہتا ہوا گھر کے اندر داخل ہوگیا۔تو نتاشہ بھی سر جھٹکتی اس کے پیچھے ہولی۔

رات دیر تک وہ محراب کی صحت یابی کے متعلق باتیں کرتے رہے۔محراب اپنے کھلونے پھیلائے وہیں کارپٹ پر کھیلتے کھیلتے کسی وقت کمرے میں اٹھ کر چلی گئی۔معیز' نعمان کے کمرے میں بیٹھا اس کے ٹی وی پر کوئی گیم لگائے بیٹھا تھا۔وہ محراب سے چند سال بڑا تھا۔

اگر محراب کی ذہنی حالت نارمل ہوتی تو شاید وہ اچھے دوست ثابت ہوتے۔مگر موجودہ صورت حال میں وہ کبھی براہ راست اس سے زیادہ بات بھی نہیں کرتا تھا۔ویسے بھی وہ اپنی چیزوں کے متعلق بہت حساس تھی۔

اس وقت بھی وہ نعمان کے کمرے میں ٹی وی پر گیم سیٹ کیے مگن سا تھا۔جب اسے اپنے پیچھے دروازے پر آہٹ محسوس ہوئی۔

اس نے پلٹ کر دیکھا۔وہ محراب تھی۔وہ اسے دیکھ کر ہلکا سا مسکرایا اور دوبارہ گیم میں مگن ہوگیا۔

''یہاں سے باہر نکلو۔'' اسے اپنے پیچھے ایک بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔اس نے گھبرا کر پیچھے دیکھا۔وہ اس کے انتہائی نزدیک کھڑی تھی۔اپنے رات کے ڈھیلے ڈھالے شرٹ اور پاجامے میں وہ جیسے کوئی ڈھانچہ ہو۔مگر اس کا چہرہ۔خدا کی پناہ وہ لرز کر رہ گیا۔

اس کی آنکھوں کی سیاہی پوری آنکھ میں پھیل چکی تھی۔ گالوں کے گڑھوں کی زردی اس وقت سیاہی میں بدل رہی تھی۔وہ خوفزدہ سا ہوکر پیچھے ہٹا۔

''میں گیم کھیل رہا ہوں محراب! تم اپنے کمرے میں جاؤ۔'' معیز نے اسے پچکارا۔

''میں نے کہا کمرے سے دفع ہوجاؤ۔'' ایک چنگھاڑتی ہوئی آواز محراب کے منہ سے برآمد ہوئی۔

اس نے کہتے ہی معیز کو سینے سے دھکا دیا۔اس کے مدقوق سے جسم میں نہ جانے اس وقت کتنی طاقت تھی۔معیز کئی قدم دور جا گرا۔وہ ڈر کر باہر بھاگا۔

نتاشہ اس وقت نعمان کو اپنے بچپن کا کوئی واقعہ سناتے ہوئے ہنس رہی تھی۔جب اس نے معیز کو گرتے پڑتے باہر نعمان کے کمرے سے نکلتے دیکھا۔وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔نعمان نے آگے بڑھ کر معیز کو سہارا دیا۔

''کیا ہوا تمہیں..... کوئی بھوت دیکھ لیا؟'' اس نے اسے صوفے پر بٹھاتے ہوئے پوچھا۔

''ماموں..... !وہ..... وہ محراب..... وہ بالکل چینج ہوگئی ہے۔بالکل الگ..... اور اس کی آواز..... اس نے کہا کہ پاپا کے روم سے نکل جاؤ۔اس نے مجھے دھکا دے کر دور پھینک دیا۔'' اس نے شرٹ ہٹائی۔سینے پر سرخ نشان موجود تھا جیسے کسی سخت چیز سے ٹکرانے سے بنا ہو۔

''معیز !اس سے بحث نہ کیا کرو۔وہ آج کل بیمار ہے۔اس کے دماغ میں عجیب سی تبدیلیاں ہورہی ہیں وہ بچی ان سے کیسے نمٹ رہی ہے۔وہ جو کہے اسے مان لیا کرو' اور تم نے کیا کہا؟ اس نے تم سے بات کی؟'' وہ جیسے اب معیز کے الفاظ کا مطلب سمجھی۔

''یس مام! شی واز لکنگ سو ویرڈ۔وہ بہت عجیب لگ رہی تھی' اور اس کی آواز..... مام..... اسے کیا ہورہا ہے۔ وہ بہت کمزور ہوگئی ہے۔'' وہ خود بھی پریشان تھا۔

''تم اسے دیکھو۔میں محراب کو دیکھتا ہوں۔'' نعمان کو یک دم عجیب سی بے چینی نے آگھیرا' اور اپنے کمرے میں پہنچتے ہی اسے اندازہ ہوگیا کہ وہ بے چینی کیوں تھی۔

محراب پھر سے مرگی کے دورے کے زیر اثر تھی' اور اسی حالت میں زور زور سے عجیب ناقابل فہم الفاظ دہرا رہی تھی۔نتاشہ اور معیز اس کے پیچھے ہی کمرے میں آگئے تھے۔معیز نے فوراً موبائل نکالا اور محراب کی ویڈیو بنانے

Pakistanipoint

لگا۔ نتاشہ نے تیزی سے اس کے ہاتھ سے موبائل جھپٹا۔
غنیمت رہا کہ نعمان اس کی اس حرکت سے بے خبر تھا۔ وہ بچی کو سنبھالنے میں مصروف تھا۔
ان کی یہ رات بھی خاصی ہنگامہ خیز رہی تھی۔ کافی دیر تک بچی کے ساتھ جاگنے کے بعد انہیں اپنے بستروں پر جانے کا موقع ملا۔
نتاشہ اور معیز اوپری منزل پر بنے مہمان خانے میں قیام پذیر تھے۔
نعمان دو راتوں سے جاگا ہوا تھا لیٹنے کا جو موقع ملا تو محراب کو دھیرے دھیرے تھپکتے وہ کس وقت نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔ اسے علم ہی نہ ہوا۔
رات کے کسی پہر اس کی آنکھ گھٹن کے شدید احساس سے کھلی تھی۔ جیسے کوئی سینے پر سوار ہو۔ نیند میں بھرا دماغ اسے محراب کی حرکت سمجھا۔ مگر جلد ہی پھیپھڑے ہوا کی کمی سے پھٹنے لگے تو اس کا سویا ہوا دماغ پوری طرح بیدار ہوگیا۔ وزن ناقابل برداشت تھا۔ کمرے میں ڈم لائٹ جل رہی تھی' اور اس کی روشنی میں وہ واضح طور پر دیکھ سکتا تھا کہ محراب اس سے کافی دور سو رہی تھی۔ اس کے باوجود بوجھ سے اس کے اوپر رکھی چادر تک دب چکی تھی۔ اس کے دائیں بائیں کا گدا یوں دبا ہوا تھا۔ جیسے کوئی وزنی چیز وہاں براجمان ہو۔ اس نے پوری طاقت سے سانس لینے کی کوشش کی۔ اس کوشش میں اس کا منہ پوری طرح کھل گیا' اور تب ہی جیسے کوئی شے انتہائی تیزی سے اس کے حلق میں اتر گئی۔ سینے سے بوجھ ہٹا تو وہ ایک دم کھانستا ہوا بستر سے نیچے پلٹ گیا۔
حلق میں انگلی ڈال کر اس نے نگلی گئی شے نکالنے کی کوشش کی مگر وہ کسی سیال کی طرح اس کے اندر اتر چکی تھی۔
تھوڑی ہی دیر میں وہ کیفیت ختم ہوئی تو اس نے پانی کا گلاس بھر کر پیا' اور بستر پر لیٹ کر گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ وہ پسینے میں شرابور ہو چکا تھا۔ اگر واقعات اس قدر حقیقی نہ ہوتے تو وہ اسے خواب سمجھتا۔ مگر حیرت انگیز طور پر تھوڑی ہی دیر میں یونہی چھت کو تکتے تکتے وہ دوبارہ نیند کی آغوش میں جا چکا تھا۔ یونہی سوتا رہتا اگر دوپہر میں اس کی آنکھ نتاشہ کے ہذیانی انداز میں چیخنے سے نہ کھلتی۔

وہ کچھ دیر بستر پر لیٹا سمجھنے کی کوشش کرتا رہا کہ ہوا کیا۔ پھر جیسے ہی دماغ حاضر ہوا وہ تیزی سے چھلانگ لگا کر بستر سے نکلا۔ محراب رات اس کے کمرے میں سوئی تھی۔ مگر اس وقت وہ کمرے سے باہر تھی۔ وہ تیزی سے باہر نکلا۔
لاؤنج خالی تھا۔ وہ اوپر کی جانب لپکا۔ وہاں بھی سناٹا تھا۔ تب ہی معیز کے تیزی سے بولنے کی آواز آئی۔ وہ کسی بات سے نتاشہ کو روک رہا تھا۔
وہ تیزی سے باہر لپکا' اور نیچے جو منظر نظر آیا اس نے پل بھر کو اس کے حواس مختل کر کے رکھ دیے۔ نتاشہ دوپٹے سے اور معیز بازو سے ناک منہ دبائے کھڑے تھے۔
ان کی توجہ کا مرکز محراب تھی' اور کراہیت کا سبب اس کے پیچھے مردہ پڑا وہ کتا جسے وہ گھسیٹ کر گھر کے اندر لے آئی تھی' اور اب دونوں ہاتھوں سے اسے کھسوڑ رہی تھی۔ اس کے خون آلود ہاتھ۔ شرٹ اور سب سے بڑی بات منہ پر لگا خون۔ اسے اُبکائی سی آنے لگی تیزی سے بچی کے نزدیک جا کر اس نے اسے مردہ کتے سے دور ہٹایا۔
بچی کو صاف ستھرا کرنے اور کتے کی باقیات کو پھینکنے تک وہ مسلسل سوچتا رہا۔ اس نے ایک دن قبل محراب کی بلی کو پھینکنے کے متعلق سوچا اور تب سے ہی وہ اسے نظر نہیں آئی تھی' اور آج کا واقعہ دیکھ کر محسوس ہوا کہ وہ محراب تھی جو دراصل مردہ جانوروں کو گھر لا رہی تھی۔
اسے بادی النظر میں یوں محسوس ہوا جیسے وہ خود اس لاش کو نوچ کر کھانا چاہتی ہے۔ مگر بعد میں غور کرنے پر اندازہ ہوا کہ وہ اس لاش میں سے گوشت کے پارچے الگ کر رہی تھی۔ حالانکہ یہ بھی کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ کہ اس کی نرم و نازک سی بیمار بچی ایک جسیم کتے کو مار کر گھر میں لے آئی۔
پھر اسے کسی درندے کی مانند بھنبھوڑ رہی تھی۔ اس تمام افراتفری میں وہ اپنے ساتھ رات میں ہوئے واقعات بالکل فراموش کر چکا تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ محراب کو کسی اور ڈاکٹر کے پاس لے جائے گا۔ دوپہر کے کھانے تک اس نے محراب کو ٹرنکولائزر دے کر سلا دیا۔ تاکہ مزید کوئی ہنگامہ جنم نہ لے۔
البتہ نتاشہ اسے کام میں مصروفیت کے باوجود کھوئی

PakistaniPoint

کھوئی سی نظر آرہی تھی۔ وہ اسے محراب سے خوفزدہ بھی نظر آئی۔ اسے افسوس ہونے لگا۔ اس کی بہن اس کی سگی بیٹی سے خوفزدہ تھی۔ مگر وہ بھی اس معاملے میں بے بس تھی۔ نعمان کے اپنے اعصاب اس مسلسل کشمکش سے جواب دینے لگے تھے۔

وہ انہی سوچوں میں گم تھا جب اسے معیز اپنے پاس کھڑا ہوا نظر آیا۔ اس نے سوالیہ انداز میں معیز کو دیکھا۔

''ماموں! اگر آپ ناراض نہ ہوں تو میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ میں نے ماما سے بات کی تو انہوں نے کہا میں آپ کو بتاؤں۔''

''کیا بات ہے؟'' اس نے الجھن بھرے انداز میں معیز اور پھر نتاشہ کو دیکھا جو اپنا کام چھوڑ کر ان کے پاس آ کھڑی ہوئی تھی۔

''ماموں! کل جب محراب کی حالت بگڑی تو میں نے تھوڑی سی ویڈیو بنالی۔ آپ ناراض نہ ہونا۔ اس کا چہرہ واضح نہیں ہے۔ وہ..... میں نے نیٹ پر ڈال دی۔'' وہ لحہ بھر کو چپ ہوا تو نعمان کا دل چاہا اسے گریبان سے پکڑ کر جھنجھوڑ دے۔

''تم نے..... تم نے اپنی بیمار بہن کی ویڈیو نیٹ پر ڈال دی..... تاکہ دنیا اسے دیکھے..... کیسے لڑکے ہو تم..... کیسے کر سکتے ہو ایسا؟'' وہ غصے میں کھورنے لگا تھا۔

''نعمان پلیز اس کی بات سنو۔ اسے بعد میں ڈانٹ لینا۔'' نتاشہ نے مداخلت کی تو وہ جو وہاں سے اٹھنے لگا تھا۔ پھر بیٹھ گیا۔

''میں نے اس ویڈیو کو ایک خاص سائٹ پر ڈالا تھا۔ جہاں پیرانارمل ویڈیوز لگتی ہیں' اور آج وہاں ایک کمنٹ آیا۔ آپ یقین کریں گے؟ وہ ایک یونیورسٹی کا اسٹوڈنٹ تھا۔ جو مختلف زبانوں پر تحقیق کر رہا ہے۔ اس نے بتایا محراب جو ورڈز بول رہی ہے۔ وہ کوئی عام ورڈز نہیں۔ بلکہ پرانی آریا زبان ہے۔ اس کا مطلب بھی ہے۔ جو وہ نہیں بتا سکا۔'' معیز اپنی بات کہہ کر خاموش ہو گیا۔ تو نعمان نے سوالیہ انداز میں نتاشہ کو دیکھا۔

''اس سے کیا ثابت ہوتا ہے؟''

''مطلب تم کچھ نہیں سمجھے؟'' نتاشہ حیرت سے بولی۔

''نعمان! ایک بات مانو محراب کا ایک بار صرف ایک بار روحانی علاج کروا کر دیکھو۔ ہزاروں سال پرانی زبان بول پانا۔ اچانک بے انتہا طاقت آجانا یہ بیماری کی علامتیں نہیں ہیں۔ میری ایک دوست نے مجھے بہت اچھے ایک عامل کا پتہ بتایا ہے۔ بس ایک بار اس سے بات کرلو۔'' وہ اس سے رسان سے بولی۔

''یقین نہیں آتا' میرے خدا۔ تم ایسی باتوں پر کب سے یقین کرنے لگیں نتاشہ۔ یہ اکیسویں صدی ہے۔ تم آج بھی اسی چکر میں پڑی ہو۔ ایک بڑبولے نے کمنٹ کر کے جھوٹ بول دیا کہ یہ آریا زبان ہے اور تم نے بنا تحقیق یقین کرلیا۔ وہ صرف بیمار ہے اور کچھ نہیں۔'' وہ جو حیرت سے نتاشہ کی بات سن رہا تھا ناگواری سے بول اٹھا۔

''خود کو دھوکا دینا بند کرو نعمان۔ یہ تم بھی اچھی طرح جانتے ہو کہ پیدائشی طور پر ذہنی معذور بچے اس طرح ٹھیک نہیں ہوتے' ایک دن میں اچانک' یہ کچھ اور ہے۔ تمہارے جھٹلانے سے حقیقت نہیں بدلے گی۔''

''میں ان فضولیات پر بالکل یقین نہیں رکھتا نہ ہی کہیں جاؤں گا۔ میں اسے آج ہی دوسرے ڈاکٹر کے پاس لے کر جا رہا ہوں۔''

اس نے حتمی انداز میں بات ختم کی اور اٹھ کر اپنے کمرے میں جا گھسا۔ ایک یہی مناسب طریقہ تھا اس بحث سے بچنے کا اور اس نے واقعی یہی کیا۔

وہ کافی دن سے ایک بڑے نفسیاتی معالج سے رابطے میں تھا۔ مگر اس کے غیر ملکی دوروں کی وجہ سے وقت نہیں لے پا رہا تھا۔ اب جبکہ وہ پاکستان میں تھا تو یہ اچھا موقع تھا محراب کی رپورٹس اسے دکھانے کا۔ اس نے فون پر رابطہ کیا اور اسے فوراً بلا لیا گیا۔ اس نے معیز پر غصہ کرنے کے باوجود اس کی بنائی گئی محراب کی ویڈیو ڈاکٹر کو بھیج دی تھی' اور اسی کی وجہ سے اسے فوراً شرف باریابی حاصل ہوا تھا۔

اس وقت وہ ڈاکٹر کے کمرے میں ایک جانب بیٹھا تھا۔ جب کہ محراب ایک کاؤچ پر لیٹی ہوئی تھی۔ ہاتھ میں ٹارچ لیے ڈاکٹر اس کی آنکھوں کا جائزہ لے رہا تھا۔

پھر کافی دیر اس کے کاغذات کا مطالعہ کرتا رہا۔ نعمان سے اس کی پیدائش' بچپن اور حالیہ تبدیلیوں کے متعلق

PakistaniPoint

سوالات کرتا رہا۔

''مسٹر نعمان کسی مریض کے کاغذات پڑھ کر اسے محض کیس کی طرح اسٹڈی کرنا' اور مریض کے لواحقین سے ملاقات کر کے اسے پہچان کر اس کا علاج کرنا بالکل الگ کیفیت طاری کرتا ہے۔ کچھ دن پہلے محراب میرے لیے محض ایک انوکھا کیس تھی۔ مگر اس کی رپورٹس میں بتدریج' اس کی گرتی ہوئی صحت کے متعلق پڑھنے کے بعد اب میں آپ کی پریشانی کو زیادہ بہتر طور سے محسوس کر سکتا ہوں۔ محراب کی بیماری میڈیکل کی دنیا میں شاید اپنی نوعیت کا واحد کیس ہے۔ یہ شیزوفرینیا کی ایک قسم ہے۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ شیزوفرینیا کے مریضوں میں مرگی اور دہری شخصیت کی بیماری ایک ساتھ موجود ہیں۔ یا کم از کم ان کی علامات ظاہر ہیں۔ دماغ میں ظاہری طور پر آنے والی تبدیلیاں اس خیال کو جھٹلاتی ہیں تو مریض میں ظاہر ہوتی علامات اس خیال پر صاد کرتی ہیں۔''

''مگر ڈاکٹر صاحب میری بیٹی ٹھیک ہوگی یا نہیں؟'' اس نے بے چینی سے پہلو بدلا

''مجھے افسوس ہے نعمان صاحب۔ مستقل علاج میں عموماً مریض کو جنون سے دور رکھنے کے لئے دماغ کو سن کرنے والی ادویات دی جاتی ہیں مگر اتنی چھوٹی بچی پر ان کا استعمال اس کی نشوونما کو شدید نقصان پہنچائے گا۔'' ڈاکٹر نے بے بسی سے کہا۔

''مگر آپ چاہیں تو ہم اسے انڈر آبزرویشن رکھ کر اس کی اسٹڈی کر سکتے ہیں۔'' نعمان کے بگڑتے تاثرات دیکھے تو ڈاکٹر نے تسلی دینے والے انداز میں کہا۔

''مجھے افسوس ہے ڈاکٹر صاحب میں اپنی بچی کو ڈاکٹروں کے ہاتھوں تختۂ مشق نہیں بنا سکتا۔ آپ کا وقت دینے کا شکریہ۔'' اس نے کہتے ہوئے محراب کے کاؤچ کی جانب دیکھا۔

وہ کسی اسپرنگ کی مانند اچھلی اور ڈاکٹر پر آپڑی۔ اس کے کاؤچ اور ڈاکٹر کے درمیان کم و بیش تین گز کا فاصلہ تھا' اور اتنی دور سے اس نے سیدھا ڈاکٹر کے نرخرے کو نشانہ بنایا تھا۔ وہ مستقل انتہائی غلیظ زبان میں ڈاکٹر کو کوس رہی تھی۔ جو محض اسے پریشان کر رہا تھا۔ اس کے بقول وہ ایک ریپسٹ اور مولسٹ تھا جو محض رشوت دے کر نیک نامی قائم رکھے ہوئے تھا۔

نعمان تیز رفتاری سے گھر کی جانب جا رہا تھا۔ محراب کو بمشکل ڈاکٹر سے الگ کیا گیا تھا' اور نفسیات کا وہ ڈاکٹر نہیں بتا سکا کہ ایک بیمار بچی کس نفسیاتی گنجی کے تحت اتنی دور سے چھلانگ لگانے اور کسی کے متعلق انتہائی نجی باتیں جاننے کی صلاحیت پیدا کر سکتی ہے۔ وہ بے انتہا الجھ چکا تھا۔ محراب نے جو زبان استعمال کی وہ کسی گلی کے غنڈے کی تو ہو سکتی تھی ایک بچے کی نہیں۔ اس نے ڈاکٹر کے متعلق گوگل کیا تو حیرت انگیز انکشاف ہوا کہ وہ واقعی ان الزامات کا سامنا کر چکا ہے۔ جو محراب نے اس پر لگائے تھے۔ گھر پہنچا تو نتاشہ لاؤنج میں صوفے پر براجمان نظر آئی۔ جبکہ معیز نیچے کارپٹ پر بیٹھا فون میں مصروف تھا۔ وہ کسی کو مخاطب کیے بنا سیدھا کمرے میں جا گھسا۔

نتاشہ اور معیز نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا' اور وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

وہ کمرے میں جا کر الماری سے کپڑے نکال رہا تھا جب دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے دروازہ کھولا۔ وہ نتاشہ تھی۔ جونہی دروازہ کھلا وہ ناک پر ہاتھ رکھ کر کئی قدم پیچھے ہٹ گئی۔

محراب جو نیند کے انجیکشن کے زیر اثر سونے لگی تھی۔ اچانک آنکھیں کھول کر اٹھ بیٹھی۔

''نعمان اگر تم میری بات نہیں مان سکتے تو بہتر ہے میں یہاں سے رخصت ہو جاؤں کیوں کہ میں اس ماحول میں یہاں نہیں رہ سکتی۔'' وہ چھوٹتے ہی بولی تو نعمان نے ایک گہری سانس لی۔

''ٹھیک ہے۔ میں باہر آ کر بات کرتا ہوں۔'' اس نے کہتے ہوئے بنا نتاشہ کے تاثرات دیکھے دروازہ بند کر دیا۔ اور آگے بڑھ کر بیڈ کی چادر کا کونا الٹ دیا۔

اس کا اندازہ صحیح نکلا۔ بیڈ کے نیچے پھر جانوروں کی آلائشوں کا ڈھیر جمع ہو چکا تھا' اور اچنبھے کی بات یہ تھی کہ کمرے سے باہر نتاشہ جو بو محسوس کر لیتی تھی وہ کمرے کے اندر اسے نہیں سونگھ پاتا تھا۔ اسے حیرت تھی اگر یہ محراب کی حرکت تھی تو آخر وہ کس وقت اور کس طرح یہ کام کر پا رہی تھی۔ جب کہ تھوڑی تھوڑی دیر میں اسے نجی دورے پڑ جاتے تھے' اور ہمہ وقت وہ گھر کے افراد کی نگاہ

میں رہتی تھی۔

اس نے پلنگ پر کہنی کے بل خود کو اونچا کر کے لیٹی ہوئی محراب کو دیکھا۔ وہ بے تاثر نگاہوں سے اسے جانچ پڑتال کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ آخر اس نے محراب سے براہ راست بات کرنے کی ٹھان لی۔

''محراب جانی! یہ بیڈ کے نیچے سب آپ نے کیا ہے؟''

وہ جھوٹ نہیں بولتی تھی۔ اس میں اتنی صلاحیت ہی نہیں تھی۔ کہ بات کو گھما سکتی۔ نعمان کو اس سے اثبات میں جواب ملنے کی امید تھی۔ اس لئے جب محراب نے نفی میں گردن ہلائی تو وہ ایک لمحے کو چپ سا رہ گیا۔

''تو پھر کس نے کیا آپ کے کٹی نے؟'' جواب پھر سے نفی میں تھا۔

وہ بیزار ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ کلینک میں جو کچھ ہوا وہ اس کے اعصاب کے لئے بہت زیادہ تھا مزید کشاکش اس کے بس سے باہر تھی۔ قریب تھا کہ وہ ہٹ جاتا۔ تب ہی محراب کی کمزور سی انگلی نے اس کی پشت پر ایک جانب اشارہ کیا' اور اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ کیونکہ اسے محراب کے سرہانے لگے آرائشی لیمپ میں ایک کوئلے کی مانند سیاہ ہیولہ تیزی سے دیوار پر چل کر چھت میں اوجھل ہوتا ہوا نظر آیا تھا۔ وہ کسی انسانی جسم کے برابر تھا' اور چھپکلی ہی کی طرح دیوار پر رینگتا ہوا غائب ہو گیا تھا۔

نعمان نے بھڑک کر پیچھے دیکھا۔ دیوار بالکل صاف تھی۔

وہاں موجود ٹیبل پر رکھی کتابیں جوں کی توں موجود تھیں۔ کمرے کی واحد کھڑکی پر اس نے پردے لگا رکھے تھے۔ جس کی وجہ سے کمرے میں دن میں بھی رات کا سا سماں تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر تیزی سے پردہ سمیٹ دیا۔ سہ پہر کی دھوپ نے دور تک کمرے کو اجلی روشنی سے بھر دیا۔ اس نے باہر جا کر جھاڑو اٹھائی اور بیڈ کے نیچے سے تمام آلائشیں باہر نکالیں۔ وہ یہ تمام کام مشینی انداز میں انتہائی غصے کے عالم میں کر رہا تھا۔

نتاشہ خاموشی سے اسے مصروف عمل دیکھ رہی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ بٹانے کی کوشش نہیں کی۔ نہ ہی کچھ پوچھا۔ شاید وہ نعمان کے خود ہی کسی فیصلے پر پہنچنے کی منتظر تھی۔

اس نے تمام آلودگی سے چھٹکارا پایا اور پسینہ پونچھتا نتاشہ کے برابر جا بیٹھا۔

''تم لوگ تنہا جاؤ گے یا محراب کو بھی ساتھ جانا ہوگا؟'' اس نے بنا نتاشہ کی جانب دیکھے اسے مخاطب کیا۔

''ہم سب جائیں گے۔ میں اکیلی محراب کو کیسے سنبھالوں گی۔'' اس نے فوراً جواب دیا تھا۔

پھر باقی کام بہت تیزی سے ہوئے تھے۔ انہیں تیاری میں آدھا گھنٹہ لگا تھا' اور تھوڑی ہی دیر بعد وہ اسلام آباد کے لیے عازم سفر تھے۔

جہاں بقول نتاشہ کے اس پیر کامل کا گھر واقع تھا۔ انہیں سفر کرتے ہوئے ایک گھنٹے سے زائد ہو چکا تھا۔ نتاشہ کا گھر بھی بہت پیچھے رہ چکا تھا۔ وہ اسے مضافات کی جانب لے آئی تھی' اور اب سورج غروب ہونے لگا تھا۔ ان گھنے درختوں میں شام تیزی سے اتر رہی تھی۔

''کتنا اور آگے جانا ہے یار۔'' اس نے ایک کچی پگڈنڈی سے گاڑی گھمائی تو وہ کسی گڑھے میں جا پھنسی۔

''بس یہ آ گیا یہیں رہتے ہیں علیم الدین صاحب۔'' وہاں ایک چھوٹا سا پختہ اینٹوں سے بنا مکان تھا۔ جس کے احاطے میں رکھے مٹی کے برتن بتاتے تھے کہ اس گھر کا مکین فن کوزہ گری سے وابستہ ہے۔

''چلو نعمان۔'' نتاشہ گاڑی سے اترتے ہوئے بولی۔

''نہیں تم جاؤ۔ میں یہیں ٹھیک ہوں۔ مجھے اس ماحول سے الجھن ہو رہی ہے۔'' اس نے واقعی الجھن بھرے انداز میں کہا۔ اسے اس جگہ سے گھبراہٹ محسوس ہو رہی تھی۔ جیسے اندر سے کوئی آواز مسلسل پکار رہی ہو۔ کہ اسے یہاں سے بھاگ جانا چاہیے۔

وہ کچھ دیر اصرار کرتی رہی۔ مگر اس کا حتمی انکار دیکھ کر انہیں وہیں بیٹھے رہنے کا اشارہ کرتی ہوئی تنہا ہی نیچے اتر کر مکان کی جانب بڑھ گئی۔ نعمان نے اردگرد نگاہ دوڑائی دیودار اور چیڑ کے درختوں سے گرا' سناٹے میں ڈوبا مکان عجیب پراسرار تاثر پیش کر رہا تھا۔ معیز کو وہ اپنے ساتھ نہیں لانا چاہتی تھی۔ مگر وہ ضد کر کے ان کے ساتھ ہی یہاں تک پہنچا تھا' اور اب گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھا ٹکر ٹکر آس پاس کا جائزہ لے رہا تھا۔

pakistanipoint

نعمان دیکھ نہیں پایا نتاشہ کی دستک کے جواب میں دروازہ کس نے کھولا۔ کیونکہ اس وقت اس کی تمام تر توجہ درختوں کے درمیان منڈلاتے اس سائے کی جانب تھی۔ جو کبھی نظر آتا تو کبھی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا۔ اسے محسوس ہوا کہ یہ محض اس کا واہمہ ہے۔ درحقیقت وہ اشتباہ نظر کا شکار ہو رہا تھا۔

اس نے سر جھٹکا اور اپنی توجہ مکان کی جانب مرکوز کرلی۔ نتاشہ اندر جا چکی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد وہ محراب کو بھی اندر لے گئی۔

وہ یونہی گاڑی میں بیٹھا۔ گھڑی کی سوئیوں کو تکتا رہا۔ ماحول میں اندھیرا حاوی ہونے لگا تو اس نے لائٹ جلالی۔

معیز مسلسل اپنے موبائل میں مگن تھا۔ اسے یہ پراسرار ماحول بیزار کرنے کے بجائے محظوظ کر رہا تھا۔

وہاں بیٹھے بیٹھے انہیں کم و بیش بیس منٹ گزر چکے تھے۔ تب ہی دروازہ کھلتا ہوا نظر آیا۔

نتاشہ محراب کا ہاتھ تھامے باہر نکلی۔ تب ہی اس نے پہلی مرتبہ علیم الدین کو دیکھا۔ اس کی توقع کے برعکس وہ ایک تقریباً ادھیڑ عمر چہرے پر ہلکی سی داڑھی سجائے عام سا نظر آتا انسان تھا۔

اس میں عام جھاڑ پھونک کرنے والے باباؤں کے مروجہ حلیے جیسا کچھ نہیں تھا۔ نہ مریدوں کا رش نہ لمبا گہرے رنگ کا چوغہ۔ گاڑی کی جلتی ہیڈ لائٹس نے مکان تک جاتی پگڈنڈی کو روشن کر رکھا تھا۔

''کتنے اینٹھے اس ڈھونگی بابے نے؟'' اس نے نتاشہ کے بیٹھتے ہی طنزیہ انداز میں پوچھا۔

''نتاشہ نے ناگواری سے اس کی جانب سے دیکھا۔

''نعمان! وہ ایک ٹیچر ہیں۔ گورنمنٹ ٹیچر۔ اس کے علاوہ تم دیکھ سکتے ہو وہ برتن بھی بناتے ہیں۔ شاید تمہیں یہ غلط فہمی ہے کہ وہ ہر ایک کی رسائی میں ہیں تو جان لو کہ ان تک پہنچنا ہر ایک کے بس میں نہیں۔ وہ بس ان ہی لوگوں کا کیس لیتے ہیں۔ جن کے ساتھ واقعی ایسا کچھ مسئلہ ہو اور میرے لاکھ اصرار کے باوجود انہوں نے مجھ سے کچھ نہیں لیا۔''

''اچھا تو پھر کیا کہا اس نے۔ محراب پر کسی نے جادو کروادیا ہے؟ یا پھر اسے نظر لگی ہے؟'' نعمان نے تمسخرانہ انداز جاری رکھا۔

نتاشہ نے بھڑک کر اس کی جانب دیکھا۔

''نہیں' محراب کو کوئی مسئلہ نہیں۔ وہ اب بالکل ٹھیک ہے۔ علیم صاحب نے خود حاضرات بلائی اور معلوم کیا۔'' اس نے ایک لمحہ توقف کیا۔ معیز اور محراب دم سادھے ان کی گفتگو سن رہے تھے۔

''مسئلہ دراصل تمہارے ساتھ ہے۔ وہ تمہارے پیچھے ہے۔ گھر میں جو کچھ ہو رہا ہے۔ اس کی وجہ تم ہو محراب نہیں۔'' وہ جیسے پھٹ پڑی۔

نعمان کا رنگ ایک پل کو بالکل سفید پڑ گیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ سفید سے سرخی میں تبدیل ہوا۔

''بکواس کرتا ہے وہ شخص محض اپنا کاروبار بنانے کے طریقے ہیں ان لوگوں کے میں ایسی کوئی چیز نہیں مانتا۔''

''تو جا کر اس شخص سے مل کیوں نہیں لیتے خوفزدہ کس بات سے ہو؟'' نتاشہ کا انداز چیلنج کرتا ہوا تھا۔

''میں ضرور ملتا اگر مجھے اس سے کچھ فائدہ ملنے کی امید ہوتی۔'' اس نے ایک جھٹکے سے گاڑی آگے بڑھا دی۔

''یہ تم نہیں تمہارے اندر بیٹھا وہ بول رہا ہے۔'' نتاشہ نے بے خوفی سے کہا۔

تو اس نے جواباً غصے میں گاڑی کو دائیں بائیں لہرایا۔ گاڑی میں پاپا اور ماموں کے نام کی متعدد چیخیں بلند ہوئیں۔ نتاشہ نے مضبوطی سے ڈیش بورڈ کو تھام لیا۔ اس کے جبڑے بھینچے ہوئے تھے۔ باقی کا سفر خاموشی سے طے ہوا۔ رات گئے جب وہ گھر پہنچا تو اس کی گاڑی میں بس وہ اور محراب تھے۔ نتاشہ نے اس کے ساتھ واپس آنے سے معذرت کرتے ہوئے گھر جانے کو ترجیح دی تھی۔ وہ اس گھر میں رہنے سے خوفزدہ تھی۔

گھر آ کر اسے اس بے چینی اور بے کیفی سے نجات مل گئی تھی جو مسلسل اس کے وجود کا احاطہ کیے ہوئے تھی۔ اسے احساس تک نہ تھا کہ اس نے اپنی اکلوتی بڑی بہن سے کس درجہ بدلحاظی سے بات کی ہے۔

اس نے منیجر سے بات کی پھر کھانا کھایا اور محراب کو دوا دے کر سلا دیا۔ اس کا ارادہ کوئی کتاب پڑھنے کا تھا۔ اس

PakistaniPoint

نے کتاب نکالی اور بیڈ پر لیٹ کر سائڈ لیمپ آن کرلیا۔ مگر اس سے پہلے وہ احتیاطاً بیڈ کے نیچے جھانکنا نہیں بھولا تھا۔ اس کا ذہن کوئی بھی ناگوار منظر دیکھنے کو تیار تھا۔ مگر وہاں کچھ نہیں تھا۔ اس نے اطمینان کی ایک گہری سانس لی محراب کو ایک نظر دیکھا اور تمام واقعات ذہن سے جھٹک کر مطالعے میں مگن ہوگیا۔

❖❖❖❖

وہ ایک گہرے سبزے سے بھرا جنگل تھا۔ کہر میں ڈوبا ہوا۔ جہاں کی زمین پر قدم یوں پڑ رہے تھے جیسے بادلوں پر محو خرام ہوں۔ وہ ہلکی سبز گھاس پر پیر دھرتا دھیرے دھیرے اس اونچے درخت کی جانب بڑھا جس کے پیچھے اس نے اس پیکر حسن وادا کو اوجھل ہوتے دیکھا تھا۔

وہ نہ جانے کب سے اس کے ساتھ آنکھ مچولی کھیل رہی تھی۔ ہاتھ آتے آتے مچھلی کی طرح پھسل جاتی تھی۔ اس کے گلابی مرمریں جسم پر سفید حریری لبادہ لہرا رہا تھا۔ پھولوں سے گندھے ہوئے کھلے سرخی مائل سیاہ بال ہلکورے لیتے ہوئے اس کے کندھوں اور کمر پر لہرا رہے تھے۔ وہ بالکل ایسی تھی جیسا اس نے چاہا تھا۔ اب اپنی تمنا کو مجسم دیکھ کر اسے اس سے ایک پل کو دور رہنا بھی ناممکن تھا۔

وہ پھر سے اس کی جانب بڑھا۔ وہ اسی درخت کے پیچھے تھی۔ آخر کار وہ اس تک پہنچ ہی گیا۔ اس نے اسے بازو سے تھاما اور دھیرے سے اپنی جانب گھمایا' اور تب ہی نہ جانے کیا ہوا۔ اس کے چہرے کا گوشت یوں گھلنے لگا جیسے اس پر تیزاب پڑ گیا ہو۔ سفید موتیوں جیسے دانت ایک دم تیز دھار آریوں میں بدلنے لگے۔ وہ ایک دم خوفزدہ ہوکر پیچھے ہٹا۔

''مجھے چھوڑ کر مت جاؤ۔'' اس بھیانک چہرے پر بے بسی کے تاثرات نمودار ہوئے۔ اس نے ہاتھ نعمان کی جانب بڑھایا اور وہ تیز نوکیلے ناخنوں سے سجا ہاتھ یکدم اس کی گردن کی جانب بڑھا اور اسے گردن سے دبوچ لیا۔ اس کا دم گھٹنے لگا۔ اس نے گردن چھڑانے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے چاہے اور تب ہی ایک جھٹکے سے اس کی آنکھ کھل گئی۔

اور آنکھ کھلتے ہی اسے کمرے میں گہرے اندھیرے اور سینے پر شدید بوجھ اور گھٹن کا احساس ہوا۔ اسے یاد تھا وہ کتاب پڑھتے پڑھتے سوگیا تھا۔ اس نے بنا سوچے سمجھے لیمپ پر ہاتھ مارا کمرے میں پیلی روشنی پھیل گئی' اور تب اسے اپنے سینے پر دھرے بوجھ کی حقیقت نظر آئی۔

وہی بھیانک چہرہ جسے وہ خواب میں دیکھ کر ڈر گیا تھا۔ اس وقت اس کے سینے پر براجمان تھا۔ بدنما سیاہ جلے ہوئے چہرے پر چمکتی دو سبز آنکھیں جو اسے کسی چیتے کی مانند گھور رہی تھیں وہ سیاہ ہیولہ جسے اس نے چھت میں غائب ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ نعمان کی آنکھ کھلتے اور اس کے چہرے پر خوف نمودار ہوتے دیکھ کر اس کوئلہ نما جسم نے پک دم ایک چھلانگ لگائی اور چھت سے جا چپکا' اور پھر یونہی چاروں ہاتھوں پیروں پر چلتا ہوا چھت کی ایک درز میں غائب ہوگیا۔

سینے سے بوجھ ہٹا تو وہ کھانسنے لگا' اور پھر خوف کے شدید احساس نے اسے برسوں سے بھولی ایک سورہ یاد دلا دی۔ جو وہ بچپن میں پڑھ کر سویا کرتا تھا۔

لاشعور سے شعور میں آئی تو بے اختیار زبان سے آیت الکرسی کا ورد رواں ہوگیا۔ اسے یک دم کمرے میں ناقابل برداشت قسم کی سڑاند کا احساس ہوا۔ اس نے پلنگ کے نیچے جھانکا' اور حیرت سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں بیڈ کے نیچے مردہ جانوروں کی آنتوں کے علاوہ اسے ایک عدد انسانی ہڈی بھی نظر آئی تھی۔ اسے زور کی ابکائی آئی۔ وہ تیزی سے دوڑتا ہوا باتھ روم میں جا گھسا۔

اس نے شیشے میں اپنا چہرہ دیکھا وہ اتنا سفید تھا جیسے کسی نے خون کا آخری قطرہ تک کھینچ لیا ہو۔ اپنے خواب کی اس قدر بھیانک تعبیر نے اسے نچوڑ کر رکھ دیا تھا۔ وہ اس کے ذہن کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ اس کی خواہشوں کو مجسم کرکے وہ اس کے جسم کو استعمال کرنا چاہتا تھا۔ یہ خیال ہی بہت بھیانک تھا۔ اس نے چہرے پر پانی کے چھپاکے مارے اور باہر نکل آیا۔ محراب پرسکون انداز میں سو رہی تھی۔ اس نے بچی کو اٹھایا اور باہر نکل آیا۔ اب اس کمرے میں رہنا ناممکن ہوچکا تھا۔ وہ اس کے ذہن کو کنٹرول کرکے تمام غلاظت کو اس کی حسیات سے اوجھل رکھتا تھا۔ نہ وہ اسے سونگھ پاتا تھا۔ نہ ہی دیکھ پاتا تھا۔ شاید وہ اسکول ماسٹر ٹھیک کہہ رہا تھا کہ مسئلہ محراب کے ساتھ نہیں بلکہ اس کے اپنے ساتھ ہے۔ وہ تمام رات لاؤنج

Pakistanipoint

میں صوفے پر بیٹھا سوچتا رہا' اور قریب اذانوں کے وقت وہ ایک فیصلہ کر کے مطمئن ہو کر نماز پڑھنے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

❖❖❖❖

نتاشہ کو بات سمجھانا اس کے لیے ذرا بھی مشکل ثابت نہیں ہوا تھا۔ وہ بآسانی دوبارہ اس کے ساتھ علیم صاحب کے پاس جانے کو تیار ہو گئی تھی۔ ان ہی راستوں پر سفر کرتے وہ دوسرے ہی دن اس جگہ جا پہنچے جہاں سے لڑتے جھگڑتے نکلے تھے۔

اس دن کے مقابلے میں یہ ایک پرسکون سفر تھا۔ صبح کی اجلی کرنیں فطرت کے حسن کو پوری طرح آشکار کر رہی تھیں۔ اپنی پریشانی اور افراتفری میں وہ بالکل نہیں سوچ پائے کہ ایک اسکول کا استاد انہیں صبح کے وقت گھر میں کیسے مل سکتا ہے۔

یہ بات انہیں تب سمجھ آئی جب ان کا استقبال بجائے علیم صاحب کے بجائے ایک نسوانی آواز نے کیا۔ اس دن کے مقابلے میں آج وہ نتاشہ سے بھی پہلے دروازے پر پہنچا تھا۔ وہ محراب کا ہاتھ تھامے اس کے پیچھے تھی۔ اس نے دروازے پر پہنچ کر دستک دی تو اندر ہلکی سی ہلچل محسوس ہوئی۔ شاید اندر موجود فرد کسی جگہ سے ان کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس ویرانے میں رہنے والے کو اتنی احتیاط تو ضروری تھی پھر شاید نتاشہ کو پہچان کر ایک نسوانی آواز نے انہیں خوش آمدید کہا۔ آواز نے اس لیے کہ اس کا چہرہ اور پورا وجود ایک بڑی سی چادر میں لپٹا ہوا تھا۔ اگر وہ آواز سے پیکر تراشنے کی کوشش کرتے تو شاید وہ مثل حور نکلتی۔ مگر کچھ معلوم نہیں تھا وہ محترم خاتون علیم صاحب کی کس حوالے سے قرابت دار ہے۔ لہٰذا بہتر تھا اپنی سوچ کو بھی اس خاتون کیلیے محتاط رکھا' جاتا۔

چادر نشین خاتون نے انہیں مختصر سے گھر کے مرکزی کمرے میں بٹھایا' اور خود اسی کمرے کے دوسرے حصے میں اوجھل ہو گئی جسے تختے لگا کر اس حصے سے الگ کیا گیا تھا۔

"یہ علیم صاحب کی بیوہ بہن ہیں۔ ان کے ساتھ ہی رہائش پذیر ہیں۔" نتاشہ نے خاتون کے اوجھل ہوتے ہی نعمان کے کان میں سرگوشی کی۔

naeyufaq.com

آنچل کی جانب سے ایک اور آنچل

ماہنامہ حجاب کراچی

محبت' نفرت کی آمیزش سے مزین ناقابل فراموش کہانیاں

عشق دی بازی

خاندانی رسم و رواج کس طرح لڑکیوں کو باغی کرتا ہے ریحانہ آفتاب کے نوک قلم نکلی ایک خوب صورت تحریر

عشق نگر کے مسافر

ایک حادثے نے اسے عشق نگر کا مسافر بنا دیا ندا حسین کی دلکش اور مدتوں یاد رہے جانے والی کہانی

آنگن کی چڑیا

قارئین کے تعارف پر مبنی سلسلہ

عالم میں انتخاب

ہر ماہ ایک شاعر کا انتخاب

اس کے علاوہ

بزم سخن' کچن کارنر' دوست کا پیغام آئے' منتخب اشعار' غزلیں' اقتباسات اور دیگر قارئین کی دلچسپی کے مدنظر مستقل سلسلے

Info@naeyufaq.com

(021)35620771/2

0300-8264242

PakistaniPoint

اس نے بنا کوئی ردعمل ظاہر کیے کھڑکی سے باہر دیکھنا شروع کر دیا۔ مکان ایک بڑے سے ہال پر مشتمل تھا جسے تختے لگا کر تین حصوں میں بانٹا گیا تھا۔ پیچھے بنا کمرہ شاید خواب گاہ تھی۔ مرکزی حصہ جو بیٹھک کہی جاسکتی تھی۔ فرنیچر کے نام پر چند کرسیوں اور ایک میز سے آراستہ تھی۔ دیوار میں ایک بڑی سی کھڑکی سے باہر کا منظر جھلک دکھلا رہا تھا۔ یہ مکان کی جنگل والے رخ پر بنی کھڑکی تھی۔ دروازے کے برابر رکھی لکڑی کی میز پر کچھ کتابیں اور ایک گلدان سجا ہوا تھا۔ مجموعی طور پر وہ ایک سادگی سے سجا چھوٹا سا مکان تھا۔ جس کی ہر شے سے صفائی جھلک رہی تھی۔

کچھ ہی دیر میں خاتون ہاتھ میں ٹرے تھامے کچن سے برآمد ہوئیں اور ٹرے میں موجود چائے کے لوازمات میز پر سجا دیے۔

نعمان کی نگاہ ایک پل کو ان ہاتھوں پر پڑی۔ کبوتر جیسے نازک اور سپید ہاتھ۔ اس نے جلدی سے نگاہ ہٹالی۔ انسانی فطرت ہے ڈھکی چیز کو دیکھنے کا تجسس بڑھتا ہے۔ ایسے میں ذہن کو جو چیز روک سکتی ہے۔ اشتہا انگیز شے سے نگاہ ہٹالینا نہ کہ اسے گھورتے رہنا۔

اس نے بھی فطری شرافت اور تربیت کے زیر اثر فوراً نگاہ ہٹالی' اور گلدان میں سجے پھولوں کو دیکھنے لگا۔

نتاشہ البتہ خاتون سے تفصیلی بات چیت کے موڈ میں تھی۔ وہ اس کے ساتھ ہی کچن تک گئی' اور باتیں کرنے لگی۔

کچھ ہی دیر میں علیم صاحب بھی آپہنچے۔ نتاشہ کو دیکھتے ہی وہ نعمان کو پہچان گئے۔ اسے بس ایک نظر دیکھا' اور پھر خوش اخلاقی سے حال احوال پوچھنے لگے نعمان کو بہت حیرت ہوئی۔ یہ کس قسم کا عامل تھا۔ جو نہ رقم لیتا تھا نہ شہرت کا خواہش مند تھا۔ بلکہ گھر آنے والوں کی تواضع اپنی جیب سے کرتا تھا۔ اس نے محراب کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کچھ دیر تک کچھ پڑھ کر پھونکتا رہا۔ پھر نعمان سے مخاطب ہوا۔

''جی نعمان صاحب۔ کیسی گزر رہی ہے اس اجنبی زبردستی کے مہمان کے ساتھ؟'' علیم صاحب کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ حالانکہ سوال بہت سنگین تھا۔

نعمان کے ذہن میں ایک پل کو رات والا خواب گھوم گیا۔ مگر وہ اس خواب کو اپنی بہن کے سامنے دہرا نہیں سکتا تھا۔ اس نے ڈھکے چھپے لفظوں کا سہارا لیا اور تمام صورت حال واضح کر دی۔ علیم صاحب خاموشی سے سنتے رہے۔ درمیان میں ٹوکنے کی کوشش نہیں کی۔

''نعمان صاحب! پہلے تو میں ایک بات کی وضاحت کر دوں۔ میں کوئی عامل نہیں ہوں۔ میرے والد صاحب صاحب علم تھے' اور میں اس علم کا باغی نہ ہی صلاحیت تھی نہ ہی اتنی ریاضت کا حوصلہ اور ضرورت سمجھتا تھا۔

اس کے بجائے اسکول کالج جانے کا شوق تھا۔ والد صاحب کے انتہائی اصرار پر محض اتنا ہی سیکھ پایا کہ خدا کی مرضی کے مطابق اس کا نام لینے پر کچھ پردے نگاہوں سے ہٹ جاتے ہیں۔ البتہ میری ہمشیرہ کو قدرت نے کچھ اضافی صلاحیتیں ایسی ودیعت کی ہیں کہ کل جب نتاشہ بہن نے مجھ سے آپ کا حال اور کیفیت بیان فرمائی تو میں نے معاملہ اللہ پر چھوڑا مگر ہمشیرہ نے نماز کے بعد ایک مختصر وظیفہ پڑھا جو آپ کے اس گلاس کی مدد سے پڑھا گیا جو آپ کے ذاتی استعمال میں رہتا ہے۔ اسی وظیفے کی وجہ سے وہ مکمل طور پر آپ پر حاوی آنے سے قاصر رہی۔'' علیم صاحب نے پانی کا گلاس اٹھایا اور ایک گھونٹ لے کر حلق کو تر کیا۔

''اب ایک بات کہوں گا جو ہوسکتا ہے آپ کو ناگوار گزرے۔ مگر میرا فرض ہے آپ کو بتانا۔ یہ جن' جس کی صنف میں تا حال جاننے سے قاصر ہوں۔ جو کئی صدی پہلے سے یہاں موجود تھا یا تھی۔ آپ کو پریشان کر کے حظ کشید کر رہا ہے' اور اسی لئے میں اسے شیطان کہہ رہا ہوں۔ آپ یقیناً اس کا پہلا شکار نہیں ہیں۔ مگر اب یہ سوچئے کہ اسے آپ پر حاوی آنے کا موقع کیوں کر ملا؟''

''میں سمجھا نہیں جناب۔ کیا اس میں میری غلطی ہے؟'' نعمان نے الجھ کر انہیں دیکھا۔

''نعمان صاحب اللہ رب العزت نے ہر بیماری کا علاج رکھا ہے' اور نفس کی بیماری کا علاج یہ ہے کہ اسے دبا کر رکھا جائے۔ مگر آپ سمجھئے یہ ایک حد تک ممکن ہے۔ ورنہ ترک دنیا ہمارے مذہب کا حصہ ہوتا۔ آپ نے بیوی کے انتقال کے بعد بچی کی خاطر شادی نہیں کی مگر آپ

کی فطرت تو اپنی جگہ موجود ہے۔ آپ نے ایک خیالی پیکر تراش لیا' اور شیطان کا کام ہی دماغ سے شروع ہوتا ہے۔ اب میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ آپ شادی کرلیں۔ مگر اسے اپنے دماغ تک پہنچنے سے آپ خود روک سکتے ہیں ہم نہیں۔ میں آج آپ کو کچھ وظائف دیتا ہوں۔ جو آپ کو گھر سے دور رہ کر کرنے ہوں گے' اور آپ کے گھر مجھے جانا ہوگا۔ تاکہ جانا جاسکے کہ وہ درحقیقت چاہتا کیا ہے۔''

علیم صاحب نے تسکین قلب کے لیے نعمان کو پڑھا ہوا پانی دیا' اور ایک پرچہ جو مختلف ہدایات پر مشتمل تھا۔ نعمان کو باوضو رہ کر نماز کے بعد مستقل ان کا ورد کرنا تھا۔ بقول علیم صاحب کے وہ اسے روکنے کی کوشش کرے گا۔ مگر اسے ہر رکاوٹ کا سامنا کرنا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک کمرے میں غائب ہوگئے۔ واپس آئے تو ہاتھ میں ایک چادر تھی۔ انہوں نے اشارہ کیا۔ نتاشہ وہاں سے اٹھ کر دور چلی گئی۔

انہوں نے کرسی گھسیٹ کر نعمان کے نزدیک رکھی اور خود چادر سر پر اوڑھ کر خیمہ سا بن کر بیٹھ گئے۔ نعمان کا ہاتھ تھاما اور کچھ پڑھنا شروع کردیا۔

تھوڑی ہی دیر میں نعمان کو ہاتھ پر پسینے کا احساس ہو مگر وہ اس کا پسینہ نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد چادر کو ایک جھٹکے سے الٹ کر وہ زور زور سے گہرے سانس لینے لگے۔ وہ محض دس منٹ اندر رہے ہوں گے' اور پسینے میں شرابور ہوچکے تھے۔

''اب آپ کو رخصت ہوجانا چاہیے۔ یہاں سے دن کی روشنی میں نکل جانا بہتر ہے۔'' کچھ دیر بعد حالت سنبھلی اور وہ بولے تو بس اتنا۔ نعمان نے ناسمجھی سے انہیں دیکھا مگر کچھ کہنے سے گریز کرتا اٹھ کھڑا ہوا۔

ویسے بھی اپنے نفسیاتی تجزیے نے اسے اندر سے بے چین کردیا تھا۔ شادی کرلینا اس مسئلے کا حل ہوتا مگر کئی اور مسلے پیدا ہوجاتے۔

وہ گھر واپس جانے کے بجائے نتاشہ کے گھر پہنچا اور وہ رات محراب کی بستر پر' تو اس کی جائے نماز پر گزری تھی۔ نتاشہ کا شوہر تمام احوال سے واقف نہیں تھا۔ اسے بس یہی علم تھا کہ محراب کا کوئی روحانی علاج نتاشہ کے توسط سے جاری ہے۔ لہٰذا اس کا رویہ نعمان اور محراب کے ساتھ بالکل نارمل تھا۔

وظیفہ شروع کرنے کا وقت مغرب کے بعد سے طلوع سحر تک کا تھا بقول علیم صاحب یہی وقت شیاطین کے کار عمل کا ہے۔ ابتداء تو بہت پرسکون تھی۔ مگر وقت گزرنے لگا تو اس پر نیند کا غلبہ ہونے لگا۔ وہ کبھی نیند کا اتنا شیدائی نہیں تھا۔ وہ بمشکل آنکھیں کھولے کھڑا رہا' اور وظیفے کا ورد جاری رکھا۔ کچھ دیر بعد دماغ سے دھند چھٹنے لگی۔

کچھ ہی دیر بعد اسے یوں محسوس ہوا جیسے محراب نے آواز دی ہو۔ قریب تھا کہ وہ وظیفہ روک کر جواب دے دیتا۔ مگر دماغ میں اچانک گھنٹی بجی محراب نتاشہ کے ساتھ سو رہی تھی۔ وہ رات کے تین بجے نہیں آسکتی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اسے کھٹکا سا سنائی دیا' اور ایک پل کو وہ لڑکھڑا سا گیا۔ وہ کوئی آدمی تھا۔ خون آلود لباس میں گردن پر گہرا گھاؤ لیے۔ سفید آنکھوں کے ساتھ وہ ایک مردہ تھا۔ نیم اندھیرے میں اس نے بغور دیکھا تو اسے احساس ہوا کہ یہ وہی ہول سیلر تھا۔ جو لڑکھڑاتے ہوئے اس کی جانب بڑھا چلا آرہا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کرکے ورد تیز کردیا۔

یک دم وہ مردہ وہاں سے غائب ہوگیا۔ وہ پوری رات اسے منتشر کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ مگر ناکام رہا۔ صبح

مجھے اس کو بھلانا ہے دعائیں چاہتی ہوں
وفائیں کر کے دیکھی ہیں جفائیں چاہتی ہوں
وہ اسکا سرد لہجہ، تلخ باتیں، دل میں نفرت
میں خود میں اس کی اب ساری ادائیں چاہتی ہوں
عمل کوئی، وظیفہ ہو یا پھر آیت
بھگانا عشق کی ساری بلائیں چاہتی ہوں
یہ اک دو دن کی فرقت بھی ہے آخر کیا تماشا
ملیں جو ہجر کی دائم سزائیں چاہتی ہوں
بتاؤ زندگی کے دام لگتے ہیں کہیں کیا؟
میں سانسیں بیچ کر اسکی وفائیں چاہتی ہوں
یہ سورج آج مجھکو ساتھ اپنے لے کے ڈوبے
نہ سن پائیں وہ اب میری صدائیں چاہتی ہوں

شاعرہ: مالا راجپوت

ایمان فاطمہ..... بہاولپور

PakistaniPoint

کی اذان کے ساتھ ہی اس نے وظیفہ ختم کیا اور نڈھال سا صوفے پر گر پڑا۔ تمام رات قیام میں رہنا آسان نہیں تھا۔

وہ علیم صاحب سے بات کرنے کو بے چین تھا۔ ان کے مطابق وہ اس کے گھر میں تھے۔ اس نے سوچا کہ وہیں ان سے ملاقات کی جائے۔ اس نے نتاشہ کو ڈسٹرب کرنا مناسب نہ سمجھا اور اکیلا ہی گاڑی کی چابی لیکر باہر لپکا۔ مگر مین گیٹ پر پہنچتے ہی اس کی نگاہوں میں دھندسی لہرائی اور وہ لڑکھڑاتا ہوا زمین پر جا گرا۔

وہ کچھ عجیب سے خواب تھے۔ کبھی دو کبوتر جیسے ہاتھ آگے بڑھتے اور جھولے میں لیٹی ننھی محراب کو جھلانے لگتے۔ کبھی سفید چادر کا پردہ سا نگاہوں میں لہرانے لگتا۔ وہ جاگا تو نتاشہ اس کے سامنے بیٹھی تھی۔ اسی نے صبح اسے گیٹ سے اٹھوایا تھا۔ جہاں وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر پڑا تھا۔

اس نے خوابوں کا مطلب بخوبی سمجھ لیا تھا' اور اب علیم صاحب سے ملاقات کا متمنی تھا۔ اسے ان کی خیریت کی بھی فکر تھی۔ وہ پھر صبح سویرے وہاں پہنچے تھے۔ مگر اس بار علیم صاحب وہاں موجود تھے۔ وہ ان کے چہرے پر موجود کھرونچے اور بینڈیج دیکھ کر چونکا تھا۔

''خیریت تو رہی علیم صاحب۔ اس نے تشویش سے پوچھا۔'' وہ جواباً ہلکا سا ہنس دیے۔

''خیریت کیسے ہوگی بھئی شر پسند کو شر پسندی سے روکے جانا برا لگتا ہے' اور وہ تو پوری طرح آپ کو اپنا مانے بیٹھی ہے سننے کو ہی تیار نہیں کہ آپ اسے دیس نکالا دیں۔'' وہ شگفتہ انداز میں اس کے سر ہر بم پھوڑ رہے تھے۔

''یعنی..... یعنی وہ عورت ہے؟'' اس نے اچنبھے سے پوچھا۔

''نہ..... عورت کہہ کر عورت کی توہین نہ کریں۔ وہ ایک شیطان ہے۔ مگر اب اس سے چھٹکارے کا وقت آچکا ہے۔ بہتر ہوگا وہ آدم زادوں کے بجائے اپنی نسل میں جا کر بسے۔ ہمیں مری جانا ہوگا۔'' انہوں نے اندر جا کر اپنی ہمشیرہ سے کچھ کہا۔ وہ خاتون ایک چھوٹا سا بیگ لیے ان کے ساتھ گاڑی میں آبیٹھیں۔ اس طرح تھوڑی ہی دیر میں وہ دوبارہ علیم صاحب ان کی بہن اور محراب کے ساتھ اپنے گھر جا رہا تھا۔

اس کا مکان اسی نحوست آمیز سناٹے میں ڈوبا ہوا تھا۔ علیم صاحب نے اس کے مکان کے لاؤنج میں ایک چادر بچھا رکھی تھی۔

''آپ یہاں تشریف رکھیے۔'' انہوں نے دری پر ایک جگہ اشارہ کیا۔ جہاں کچھ بوتلیں' اگر بتیاں اور تسبیحات وغیرہ موجود تھیں۔

انہوں نے محراب کو دیکھا اس کے چہرے پر تجسس کے آثار تھے۔ اسے بھی نعمان سے کچھ دور بٹھا دیا گیا۔ وہ خود اس کے پاس بیٹھ گئے اور ان کی چادر پوش ہمشیرہ ایک عجیب وضع کا مرتبان لیے اس کے سامنے آبیٹھی۔ تھوڑی دیر تک وہ پڑھ پڑھ کو سب پر کچھ پھونکتے رہے۔

''اب میں جو کچھ کرنے لگا ہوں۔ اس کے لئے پیشگی معذرت خواہ ہوں نعمان صاحب۔ اس سے دو باتیں ہوں گی یا تو یہ ہمیشہ کے لئے آپ کا پیچھا چھوڑ دے گی۔ یا پھر جان سے جائے گی۔''

''اچھا! ایسا آپ کیا کرنے لگے ہیں؟'' نعمان نے حیرت سے پوچھا۔

''آپ کا قتل.....'' یہ کہتے ہی علیم الدین صاحب نے ہاتھ میں تھامی بوتل پوری قوت سے نعمان کے سر پر دے ماری۔

وہ ایک کراہ کے ساتھ زمین بوس ہوا' اور بغور ان کی باتیں سنتی محراب کے لبوں سے بے ساختہ ایک چیخ خارج ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی مختلف واقعات ہوئے۔ نعمان لڑھک کر علیم صاحب کی گود میں گرا' اور ایک سیاہ بلی محراب کے لباس کے اندر سے برآمد ہو کر علیم صاحب کے نرخرے کی جانب جھپٹی۔ جبکہ خود محراب لڑھک کر ایک جانب بے حس و حرکت ہو کر گر گئی۔ مگر ان کی ہمشیرہ پہلے سے تیار تھی جونہی وہ نمودار ہوئی فوراً وہ مرتبان اس پر الٹ دیا گیا۔ وہ جسیم بلی اس چھوٹے سے مرتبان میں یوں قید ہوگئی جیسے فوم سے بنی ہو۔ علیم صاحب نے فوراً مرتبان پر ایک ڈھکن لگا کر اسے باریک سے دھاگے سے لپیٹ دیا۔

مرتبان زور زور سے ہل رہا تھا مگر وہ باریک دھاگہ اس کے لیے لوہے کی زنجیر سے زیادہ طاقتور تھا۔

ہمشیرہ نے فوراً ہی ایک سفوف نکال کر نعمان کے سر پر چھڑک دیا۔ جس سے اس کے سر سے بہتا خون رک گیا۔

وہ سر پر ہاتھ رکھے ایک صوفے پر بیٹھا تھا۔ سر سے اٹھتی ٹیسوں کے ساتھ اس کے چہرے کے زاویے بن اور بگڑ رہے تھے۔ نتاشہ خاموشی سے صوفے پر بیٹھی علیم الدین اور اس کی بہن کی جانب متوجہ تھی۔ محراب سو رہی تھی۔ جبکہ معیز اور نتاشہ کا خاوند ناصر جو علیم الدین کے فون کرنے پر فوراً انہیں لینے گاڑی لے کر نعمان کے گھر پہنچ گیا تھا۔ زمین پر رکھے کاؤچ پر بیٹھے انہیں منتظر نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ ہر ایک اس پہیلی کے سلجھنے کا منتظر تھا کہ آخر اس بلا نے گھیراؤ نعمان کا کیا تھا تو وہ محراب کے لباس سے کیوں کر نکلی۔

نعمان سے انہوں نے اتنے سارے جھوٹ کیوں بولے اور وہ جو عامل ہونے سے انکاری تھے۔ اس جنیہ کو کیوں کر قابو کر پائے۔ علیم صاحب خاموشی سے ان کی بے چینی دیکھ رہے تھے۔ ''آخر کار نعمان سے رہا نہ گیا۔

''علیم صاحب! مجھے اس تمام واردات سے لاعلم رکھنے کے پیچھے آخر کیا لاجک تھی۔ آپ مجھے بتا بھی تو سکتے تھے اور شروع سے آپ کہتے رہے کہ وہ مجھ پر حاوی ہے جبکہ اس کا ٹھکانہ تو محراب نکلی؟''

علیم صاحب خاموشی سے اس کی بات مکمل ہونے کا انتظار کرتے رہے۔

''حضرات! ایک بات تو آپ سب جانتے ہی ہیں کہ شیطان دماغ پڑھ لیا کرتا ہے۔ اب آپ بتائیں جو دماغ پڑھ کر تمام چالیں جان لے اسے کیسے گھیرا جائے؟ جی ہاں مجھے اسی لیے آپ لوگوں سے غلط بیانی کرنی پڑی کہ کہیں وہ بدک کر محراب کو نقصان نہ پہنچا دے۔ وہ ہر ہر ملاقات کے وقت بچی کے لباس میں چھپی ہمارے درمیان موجود تھی اور مطمئن بھی۔ بس مجھے اس کا اطمینان قائم رکھنا تھا۔ اگر میں آپ کو بتا کر زخمی کرتا تو وہ آپ کے ذہن کو پڑھ لیتی۔ مگر ہمارا ذہن پڑھنا اس کے لیے ناممکن تھا۔ وہ جذباتی ہو کر مجھ پر جھپٹی اور پکڑی گئی۔'' وہ مسکرائے۔ ''اب ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں چلتا ہوں زندگی رہی تو پھر ملیں گے۔'' وہ ان سے ہاتھ ملا کر اس بلا کو مرتبان میں بند کیے وہاں سے رخصت ہو گئے۔

یہ ان کی زندگی کی آخری ملاقات رہی۔ اسی دن ایک حادثے میں وہ اپنی جان کی بازی ہار گئے۔

خوبصورت چھوٹی سی گاڑی خوبصورت مکینوں کو لیے روشن کشادہ سڑکوں پر رواں دواں تھی۔ مختلف دکانوں کے سامنے رکتی اور اندر بیٹھے مکین دس سالہ محراب' نعمان' اس کا ایک سالہ بیٹا اور سفید چادر میں سرتا پا لپٹی مسز نعمان۔ فیصلہ کرتے رہے کہ باہر نکلا جائے یا اندر بیٹھا رہا جائے۔ آخر کار جیسے وہ اس بھاگ دوڑ سے تھک کر اس ریستوران میں آ بیٹھے۔

مسز نعمان یعنی مرحوم علیم صاحب کی ہمشیرہ نے جو اس حادثے میں معجزاتی طور پر محفوظ رہی تھی۔

ذرا سی چادر ہٹا کر پانی کا گلاس منہ سے لگایا تو اس کے سرخی مائل سیاہ بالوں کو دیکھ کر نعمان کے ذہن میں اس کو پہلی بار دیکھنے پر اپنی کیفیت یاد آنے لگی۔ وہ آج بھی اس بات پر حیران ہوتا تھا۔ علیم صاحب کی موت کے بعد جب اس نے شیریں کو شادی کا پیغام بھجوایا تو اس کے دل میں بس ایک تنہا عورت کو سہارا دینے کا خیال تھا۔ کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ علیم صاحب اسی منحوس جنی کا شکار بنے تھے جس سے نعمان کو آزاد کروایا تھا۔ مگر شادی کے دن اس کو پہلی بار دیکھ کر اول تو وہ خوف زدہ سا ہو گیا تھا۔ وہ ہو بہو اس کے خوابوں کے مطابق تھی اسی خواب کے مطابق جس کو بنیاد بنا کر وہ شیطان اس پر قابو پانا چاہتی تھی۔ مگر یہ محض اس کی تقدیر کی پرچھائیں تھی جو اسے خواب کی صورت دکھائی دی۔ اس نے مسکرا کر باہر دیکھا' اور ایک پل کو دہل کر رہ گیا۔ وہ ایک چھوٹا سا بلی کا بچہ تھا۔ جو شیشے کی دیوار کے پار سے انہیں گھور رہا تھا۔

''بے فکر رہیے۔ یہ محض ایک بلی ہی ہے۔'' ایک نرم دلاسہ دیتا ہاتھ اس کے ہاتھ پر آ ٹھہرا تو اس نے چونک کر شیریں کی جانب دیکھا وہ نرم سی روشن مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔

جواباً وہ بھی مسکرا دیا۔ تو انہیں ہنستے دیکھ کر بچے بھی مسکرانے لگے۔

Pakistanipoint

قاتل محبت

مونا شہزاد

کیلگری کی پری کی آپ بیتی جس کا واسطہ ایک جادوگر سے پڑ گیا تھا۔ وہ راپنزل کی طرح قید کردی گئی۔اس کی زندگی' شخصیت' رشتے ناتے سب اس سے چھین لئے گئے وہ بے بسی سے ہاتھ ملتی رہ گئی مگر پھر اس نے ایک نیا جنم لیا اور ظالم کے خلاف ڈٹ گئی۔

چونکا دینے والی ایک خوفناک حقیقت

برف کے طوفان نے سڑک کا حلیہ ہی بدل کر رکھ دیا تھا۔ بلیک آئس کے باعث گاڑی پھسلتی جارہی تھی۔ دور دور تک دھند کے مرغولے رقص کرتے بھوتوں کی طرح نظر آرہے تھے۔ پاگل ہوا کی آواز سے ایسا گمان ہوتا تھا جیسے کئی بدروحیں ماتم کررہی ہوں۔ سردی اپنے عروج پر تھی۔ گاڑی میں ہیٹر چلنے کے باوجود سردی محسوس ہورہی تھی۔ سنتھیا نے فکرمندی سے ایڈم کو مخاطب کیا۔

''ایڈم! مجھے لگتا ہے ہم بھٹک گئے ہیں۔ میری مانو تو گاڑی سڑک کے کنارے پر روک کر نقشہ دیکھو۔ ہمارے جی پی ایس نے بھی آج ہی خراب ہونا تھا۔''

ایڈم نے بادل ناخواستہ گاڑی کھڑی کی اور نقشہ دیکھنے لگا۔ اچانک سنتھیا نے اس کا کوٹ پکڑ کر کھینچا اور خوف زدہ لہجے میں بولی۔

''یہ واقعی کوئی عورت ہے یا اشتباہ نظر ہے۔ کہیں میں پاگل تو نہیں ہوگئی؟''

ایڈم نے سر اٹھایا تو دنگ رہ گیا۔ ان کی گاڑی کی طرف ایک زخمی عریاں عورت چلی آرہی تھی۔ وہ عورت کسی خواب کی سی کیفیت میں چل رہی تھی۔ منفی چالیس ڈگری درجہ حرارت میں یہ عورت مادر زاد عریاں تھی۔ اس کا بازو کاندھے کے ساتھ بے جان لٹک رہا تھا۔ اس کی ناک کی ہڈی بھی ٹوٹی ہوئی لگ رہی تھی' شاید اس کی کچھ پسلیاں بھی ٹوٹی ہوئی تھیں۔ اس کی جسمانی حالت نہایت ناگفتہ تھی۔ ایڈم کو فوراً خطرے کا احساس ہوا اس نے فوراً سنتھیا کو 911 پر کال کرنے کا کہا اور خود گاڑی سے نکل کر عورت کو آوازیں دینے لگا۔

''ایکسکیوزمی.....میڈم!''

عورت اس کے پکارنے سے بے نیاز چلی جارہی تھی ایسے لگتا تھا جیسے وہ کسی اور جہان میں تھی۔ اچانک اس کا پیر پھسلا اور وہ زمین پر گر کر بے سدھ ہوگئی۔ ایڈم بھاگ کر اس کے قریب پہنچا۔ اس کا دل لرز اٹھا۔ وہ عورت کسی وقت میں حسین رہی ہوگی مگر ابھی وہ ایک ٹوٹی پھوٹی گڑیا لگ رہی تھی۔ کسی نے اس پر بہیمانہ تشدد کیا تھا۔ اس کی انگلیوں کے ناخن بھی کھینچ کر نکالے گئے تھے۔ عورت بے ہوش تھی اور اسے رک رک کر سانس آرہا تھا۔ عورت کے ہونٹ اور چہرہ نیلا پڑ چکا تھا۔ ایڈم نے اسے اپنے گرم کوٹ میں لپیٹا اور اٹھا کر اپنی گاڑی تک لے آیا۔ اگلے بیس منٹ کے اندر اندر وہاں پولیس اور ایمبولینس پہنچ چکی تھی۔ جلد ہی عورت کو اسپتال منتقل کردیا گیا۔

ایڈم سی بی سی ریڈیو اسٹیشن کے ساتھ منسلک ایک مشہور رپورٹر تھا۔ اس کی بیوی سنتھیا ایک نرس تھی۔ ایمبولینس کے

PakistaniPoint

آنے سے پہلے تک وہی عورت کو ابتدائی طبی امداد دیتی رہی تھی۔ ایڈم کو یقین ہو چلا تھا کہ عورت کے ساتھ کوئی بڑا حادثہ رونما ہوا تھا۔ وہ ایک بڑی کہانی کی موجودگی محسوس کرسکتا تھا۔ ایڈم اگلے دن اسپتال گیا اور اس عورت سے ملا۔ عورت کی دماغی اور جسمانی حالت شدید خراب تھی۔ اس کی اس حالت کے پیش نظر ایڈم کو واپس آنا پڑا۔ آنے والے دنوں میں وہ زندگی کے کاموں میں مصروف ہوگیا مگر اب بھی اسے اکثر وہ منظر ڈراتا جب انھیں وہ بے بس زخمی عورت ایک ویران سڑک پر ملی تھی۔

کافی دنوں بعد وہ خود دوبارہ اسپتال گیا۔ مگر اس وقت تک وہ عورت ڈسچارج ہو کر اسپتال سے جا چکی تھی۔ ایڈم کے ذہن میں یہ گتھی سلجھ نہیں سکی کہ اس عورت کے ساتھ کون سا واقعہ پیش آیا تھا جس نے اس کو موت کے قریب پہنچا دیا تھا۔

❖❖❖❖

وہ خالی خالی ذہن سے بیٹھی ان اعلیٰ افسران کو گھور رہی تھی۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ اسے کیا کہہ رہے ہیں۔ اس نے سامنے پڑے شناختی کاغذات اور پاسپورٹ کو دیکھا۔ اس پر موجود تصویر، نام سب اجنبی تھا۔ وہ بے یقینی سے سر ہلاتے ہوئے بولی۔

”یہ میں نہیں ہوں..... آپ کیسے میری کو قتل کر کے لنڈا کو جنم دے سکتے ہیں؟ میں اپنے بال نہیں کٹواؤں گی۔ میں اپنا حلیہ نہیں بدلوں گی۔“

”تمہاری فلاح اسی میں ہے۔ اب اگر تم اس کے ہاتھ لگ گئی تو بچو گی نہیں۔ دو بار تم خوش قسمت رہی ہو مگر ہر بار نصیب تمھارا ساتھ نہیں دے گا۔“ ایجنسی کے افسر نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”میرے والدین..... میرے کزنز..... میرے دوست..... میری شخصیت..... میری آزادی..... آپ لوگ مجھے بے نشان کر رہے ہیں۔ میں ساری عمر خوف کی حکمرانی میں زندگی بسر کروں۔ یہ ناانصافی ہے۔ میں سب کے لئے جیتے جی مر جاؤں گی۔ میرا وجود تحلیل ہو جائے

Pakistanipoint

گا۔نہیں..... یہ غلط ہے۔ مجھے تحفظ ملنا چاہیے۔ 2019 میں بھی یہ اندھیر..... مجھے تحفظ چاہیے۔ مجھے آزادی چاہیے۔'' اس نے پھٹی پھٹی آواز میں کہا۔

''ہمیں افسوس ہے مگر اسی میں تمہاری فلاح ہے۔ یہ نیا نام' نئی شناخت ہی تمہیں زندہ رکھ سکتی ہے۔ تمہیں یہ شہر یہ صوبہ چھوڑ کر دوسری جگہ شفٹ ہونا پڑے گا۔ تم اپنے والدین' اپنے دوستوں' اپنے رشتے داروں کسی سے نہیں ملو گی کیونکہ ان کے ذریعے وہ درندہ تم تک پہنچ جائے گا۔'' افسران نے شرمندگی سے سر جھکا کر کہا۔

''یعنی کہ اس صدی میں بھی جادوگر آزاد اور طاقتور ہے جب کہ رلپنزل ٹاور میں قید ہے۔'' اس نے بے بسی سے سب کو دیکھا اور بولی۔

''ہمیں افسوس ہے مگر اس معاملے میں ہم اس سے زیادہ تمھاری مدد نہیں کر سکتے۔ گڈ لک۔'' ایک اعلیٰ افسر نے شناختی کاغذات اور پاسپورٹ اسے پکڑائے اور کہا۔

اس نے کاغذ پکڑے اور دروازے سے باہر نکل گئی۔ متعلقہ عملے نے اس کے ہاتھ سے کاغذات لئے اور اسے ایک کرسی پر بٹھا دیا۔ ماہر سیلون گرل نے قینچی اس کے بالوں پر چلانی شروع کر دی۔ اس کے خوبصورت سنہرے بال کٹ کٹ کر نیچے گرنے لگے۔ وہ حسرت سے انھیں کٹتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اسے پتا تھا کہ اگلے مرحلے میں اس کے بال سیاہ رنگ کے رنگ دیئے جانے تھے۔ اس نے کس کر آنکھیں بند کر لیں۔ اسے پتا تھا کہ اس کی شخصیت کے تحلیل ہونے کا مرحلہ شروع ہو چکا تھا۔

اس کے ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ دو مہینے پہلے وہ اپنے دوست کی پارٹی سے گھر پہنچی تو اس کے گھر میں صوفے پر وہی جادوگر بیٹھا تھا جس کی محبت کبھی اس کے لئے حاصل زندگی تھی مگر اب اس کا تصور اسے خواب میں بھی خوف زدہ کر دیتا تھا۔ اسے یاد آیا کہ وہ کیسے بدک کر باہر کی جانب بھاگ کھڑی ہوئی تھی مگر اس نے جست لگا کر اسے پکڑ کر بے بس کر دیا تھا۔ سب سے پہلے اس نے اپنی مردانگی کی تسکین اس طرح کی کہ اپنی شکست کا خراج اس سے سود سمیت وصول کیا۔

وہ چیختی چلاتی رہی مگر اس ظالم کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ اپنی بھوک مٹانے کے بعد پھر اس ظالم نے اس پر بدترین تشدد شروع کر دیا۔ اس کے کانوں میں اپنی ہی ہڈیاں ٹوٹنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ نجانے کیسے اس کی پڑوسن کو اس کی درد بھری چیخیں سنائی دے گئیں۔ اس نے پولیس کو کال کر دی۔ پولیس کی بروقت آمد نے اس کی زندگی بچالی تھی اور وقتی طور پر وہ حیوان پکڑا گیا۔ وہ جاتے ہوئے اعلانیہ کہہ گیا تھا کہ وہ جلد واپس آ کر اپنا ادھورا کام پورا کرے گا۔ وہ قسم کھا کر گیا تھا کہ اس سے ناتہ توڑ کر وہ کبھی بھی سکھ سے زندہ نہیں رہ پائے گی۔ کیونکہ وہ اسے زندہ رہنے نہیں دے گا' وہ صرف اس کی ملکیت تھی وہ اسے کسی غیر کے تصرف میں جیتے جی نہیں آنے دے گا۔

وہ خوف و ہراس اور تکلیف کے عالم میں سوچتی رہ گئی کہ یہ کیسا سسٹم ہے جس میں ایک شکاری سب کے سامنے شکار کرنے کا ارادہ کرتا ہے مگر اسے روکنے والا کوئی نہیں ہے۔ وہ اس حادثے کے بعد ایک ماہ اسپتال میں داخل رہی تھی۔ پچھلے ایک ماہ سے وہ اپنے والدین کے ساتھ رہ کر اپنی زندگی کے بکھرے اوراق کو سمیٹنے کی کوشش کر رہی تھی کہ آج اسے ہنگامی طور پر پولیس اور ایجنسی کے لوگوں نے گھر سے اٹھایا تھا اور اسے یہ مژدہ سنایا تھا کہ وہ اب واپس گھر نہیں جا سکتی تھی کیونکہ وہ درندہ پھر ضمانت پر رہا ہو گیا تھا اور وہ اس کی بو سونگھتا پھر رہا تھا۔ اچانک اس کے خیالات کا تانا بانا ہیر ڈریسر کی آواز سے ٹوٹ گیا اس نے اسے آنکھیں کھولنے کو کہا' اس نے دھیرے دھیرے آنکھیں کھولیں۔ سامنے شیشے میں ایک نئی صورت نظر آ رہی تھی۔ لنڈا جنم لے چکی تھی اور میری بے کسی کی موت مر چکی تھی۔

❖❖❖❖

میری نے تیار ہو کر آئینے میں نظر ڈالی۔ وہ سرخ اسکرٹ اور سیاہ کوٹ میں بہت حسین لگ رہی تھی۔ اس نے ہونٹوں پر سرخ لپ اسٹک کو گہرا کیا۔ بالوں میں اوپر اوپر برش پھیرا۔ وہ تھوڑی سی گھبراہٹ محسوس کر رہی تھی۔

Pakistanipoint

آج اس کی نوکری کا پہلا دن تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ بطور سیکرٹری اس کا اچھا تاثر اس کے باس پر پڑے۔ اس نے آئینے میں اپنا عکس دیکھا تو ڈپٹ کر بولی۔

''میری! مسکرا ہر وقت تو ٹینشن میں رہتی ہے۔ اب نوکری مل گئی ہے تو پریشانی کی کیا بات ہے۔ کس بات کی گھبراہٹ ہے؟'' اپنے نصیحت آموز لہجے اور پریشان شکل پر اسے خود ہی بے ساختہ ہنسی آگئی اس نے مسکراتے ہوئے اپنے عکس کو دیکھا اور اپنی گاڑی کی چابیاں اٹھائیں اور فلیٹ سے نکل گئی۔

میری نے رواں سال میں ہی آفس اسسٹنٹ کا ڈپلومہ ختم کیا تھا۔ وہ بیس سال کی خوبصورت طرح دار لڑکی تھی۔ اس کا حسن بہت ہی ملکوتی تھا۔ اس کی جلد بہت شفاف اور بے داغ تھی۔ آنکھیں گہری سبز تھیں جن کو دیکھ کر کسی پرسکون جھیل کا خیال ذہن میں آتا تھا۔ اس کا جسم انتہائی متناسب اور پرکشش تھا۔ سب سے خوب صورت اس کے لمبے بال تھے جن کو دیکھ کر لوگ ٹھٹک جاتے تھے۔ چمکدار سنہرے بال جو اس کی کمر تک آتے تھے۔ وہ ان کو عموماً چٹیا کی شکل میں گوندھ کر رکھتی تھی یا کبھی کبھی جوڑے کی شکل میں باندھ لیتی تھی۔ کیلگری شہر میں جو کوئی اس کے بال دیکھتا ایک بار ضرور اس کی تعریف کرتا۔ وہ اکثر راہ چلتے لوگوں سے اپنی تعریف سن کر جھینپ سی جاتی اور مسکرا کر کہتی۔

''آج کل کے دور میں خواتین اپنے بال نت نئے اسٹائل میں کٹوا لیتی ہیں۔ شاید اسی باعث آپ لوگوں کو میرے لمبے بال پسند آتے ہیں۔''

اس کے کالج میں اسے اس کی سہیلیاں اسے میری راپنزل کہہ کر بلاتی تھیں اور وہ اکثر خفگی سے کہتی تھی۔

''پلیز! مجھے راپنزل مت کہہ کر بلایا کرو۔ مجھے گھبراہٹ سی ہوتی ہے۔ یاد ہے نا کہ راپنزل کو ایک مینار میں جادو کے زور سے قید کر دیا تھا۔ مجھے قید کے تصور سے بھی ڈر لگتا ہے۔ میرا تو دم نکل جائے اگر مجھے بیچاری راپنزل کی طرح قید کر دیا جائے۔''

مگر اس کی سہیلیاں اس کی بات مذاق میں اڑا دیتی تھیں۔

آج بھی میری صبح جب آفس کے لئے نکلی تو اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس کے ساتھ آئندہ دنوں میں کیا صورت حال پیش آنے والی تھی؟ انسان اپنی کوششوں سے اپنی زندگی کے معمے کو حل کرنے میں مصروف ہوتا ہے اور تقدیر دور بیٹھی کچھ اور ہی منصوبہ بنا رہی ہوتی ہے۔

میری وقت مقررہ پر نوکری پر پہنچ گئی۔ آفس میں تمام لوگوں سے ابتدائی تعارف کے بعد اسے اس کی ذمہ داریوں کی سمجھ کے لئے تین روزہ اورینٹیشن کا آغاز کیا گیا۔ میری کی ملاقات ابھی تک اپنے باس سے نہیں ہوئی تھی کیونکہ وہ کسی غیر ملکی وفد سے ملاقات کرنے کے لئے شکاگو گیا ہوا تھا۔ میری کو آفس جاتے ہوئے مہینہ ہو چکا تھا۔ وہ اپنی نئی نوکری اور زندگی سے بہت خوش تھی۔ وہ اب اکثر سوچتی کہ وہ جلد از جلد ایک رہائشی فلیٹ ہی خرید لے۔ اس کے حوصلے بلند تھے۔ اس کی ہنس مکھ اور ملنسار طبیعت کے باعث دفتر میں بھی اس کی دوستی تقریباً سب سے ہو گئی تھی۔ میری اپنی زندگی سے مطمئن اور خوش تھی۔ پورا ہفتہ نوکری پر گزر جاتا۔ ویک اینڈ پر وہ اپنے والدین کے گھر چلی جاتی۔ اس کے والدین اور انکل' آنٹیاں تقریباً ایک ہی محلے میں رہتے تھے۔ اس طرح جب وہ والدین کے گھر جاتی تو اس کی ملاقات نہ صرف اپنے رشتے داروں سے ہو جاتی بلکہ وہ اپنے کزنز کے ساتھ مل کر بہت ہلا گلا کرتی۔ کبھی وہ مل کر کسی بار میں چلے جاتے' کبھی کسی نائٹ کلب کی رنگینیوں سے لطف اندوز ہوتے۔ عام طور پر سالگرہیں اور اینورسریز بھی وہ خاندان ویک اینڈ پر ہی مناتا۔ اس طرح سب کو اکٹھا ہونے کا موقع مل جاتا۔ زندگی اپنی رنگارنگ تنوع کے ساتھ چلتی جا رہی تھی۔ ایک پرلطف ویک اینڈ گزار کر میری جب پیر کو آفس پہنچی تو آفس کا ماحول ہی بدلا ہوا تھا۔ وہ آفس جہاں سب لوگ مسکراتے ہوئے نظر آتے تھے۔ وہ سب کے سب آج بہت سنجیدگی سے اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔

PakistaniPoint

''شیلا! خیریت تو ہے۔کون مرگیا؟'' میری نے شیلا سے پوچھا۔

''جیک یعنی کہ بگ باس واپس آگیا ہے۔تمہیں اپنے کمرے میں بلا رہا ہے ذرا دھیان کرنا' انتہائی بدمزاج اور کھڑوس شخص ہے۔اب آفس میں یہی سنجیدہ ماحول رہے گا۔کیونکہ وہ شخص نہ خود ہنستا ہے اور نہ کسی کو ہنسنے دیتا ہے۔ وہ ذہنی مریض ہے جو ہر شخص سے زندگی اور خوشی نچوڑنے کا فن جانتا ہے۔'' شیلا نے سر اٹھایا اور اس کا مذاق انجوائے کرنے کے بجائے سنجیدگی سے بولی۔

یہ کہہ کر وہ تندہی سے اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔ میری دھڑکتے دل سے بگ باس کے کمرے کی طرف چل پڑی۔دروازے پر رک کر اس نے اپنے اوسان بحال کئے اور دستک دی۔اندر سے ایک بھاری مردانہ آواز ابھری۔

''کم ان۔'' وہ اندر داخل ہوئی۔باس کی کرسی کا رخ کھڑکی کی جانب تھا اس لئے وہ اس کا چہرہ نہیں دیکھ پائی۔ کرسی کی پشت اس کی جانب تھی۔وہ دو منٹ خاموش کھڑی رہی۔پھر ہمت کر کے بولی۔

''جی سر! آپ نے بلایا مجھے۔''

جواب میں ہلکے سے ہنکارہ بھرنے کی آواز آئی اور پھر خاموشی سی چھا گئی۔میری کی ہتھیلیوں پر پسینہ آنے لگا۔ اسے گھبراہٹ سی شروع ہوگئی۔اس کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔اچانک کرسی کے پیچھے سے آواز آئی۔

''مس میری! میں آپ کے کام سے بہت متاثر ہوا ہوں۔آپ نے بہت اچھے سے کام کو سمجھ لیا ہے۔ مجھے متاثر کرنا آسان نہیں ہے۔مگر مجھے یہ اعتراف کرنے میں عار نہیں ہے کہ آئی ایم امپریسڈ۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے کرسی کا رخ میری کی طرف موڑا۔

میری کے تصور میں شیلا کے بیان کی روشنی میں جیک ایک بڈھا اور کھڑوس سا شخص تھا۔مگر اسے یہ دیکھ کر جھٹکا لگا اس کے سامنے ستائیس' اٹھائیس سالہ وجاہت سے بھرپور ایک نوجوان موجود تھا۔اس کی آنکھوں کا رنگ گہرا نیلا تھا۔ اس کے بال اخروٹی رنگ کے تھے۔اسے یقین ہوگیا کہ مسٹر جیک کی آڑ میں کوئی آفس اسٹاف اس سے مذاق کر رہا تھا۔

''تم کون ہو۔مسٹر جیک کے کمرے میں کیسے داخل ہوگئے؟ جلدی بولو ورنہ میں سیکیورٹی کو بلاتی ہوں۔'' میری تند آواز میں بولی۔

''میں ہی جیک ہوں۔آپ سیکیورٹی کو بلا لیجئے اگر یقین نہیں آرہا۔'' نوجوان مسکرایا۔اس کی مسکراہٹ بھی بہت کشش انگیز تھی۔اس کے دونوں گالوں میں ڈمپل پڑ رہے تھے۔وہ گہری آواز میں بولا۔

''آئی ایم سوری سر' وہ میں سمجھی.....'' میری بوکھلا کر بولی۔

''مس میری! حیران تو میں ہوا ہوں یہ دیکھ کر کہ پہلی بار آپ جیسی طرح دار اور خوبصورت نوجوان حسینہ میری سیکرٹری بنی ہے۔ورنہ ماضی میں میرے حصے میں بوڑھی خواتین ہی بطور سیکرٹری آتی رہی ہیں۔ویسے آپ کی حیرت بھی بجا ہے کیونکہ میں آپ کے تصور کے برخلاف جوان بھی ہوں اور ہینڈسم بھی.....اور آفس کے لوگوں کے بتائے ہوئے حلیے کے مطابق بوڑھا اور کھڑوس تو ہرگز نہیں ہوں۔''

میری اس کی بات پر بے اختیار ہی کھلکھلا کر ہنس دی۔ جیک اس کی مسکراہٹ دیکھ کر سحر زدہ سا ہو کر رہ گیا۔

آنے والے دنوں میں دفتر کا ماحول دوبارہ سے بہت خوشگوار ہوگیا۔اکثر اوقات جیک بھی باہر آجاتا اور سب سے ہنسی مذاق کرتا۔دفتر میں کام کرنے والے تمام ملازمین جیک کے مزاج میں اس تبدیلی پر بہت خوش تھے۔جیک میری کو تین چار بار باہر کھانے پر بھی لے کر جا چکا تھا۔میری اور جیک بہت تیزی سے قریب آتے جا رہے تھے۔میری کے قدموں تلے قوس قزح کے رنگ تھے اور وہ ان سے رنگی جا رہی تھی۔میری محبت پا کر بہت سرشار تھی۔وہ اب پہلے سے بھی زیادہ حسین ہوگئی تھی۔یوں لگتا تھا جیسے اسے پر لگ گئے تھے اور وہ پری بن کر نگر نگر گھومتی پھر رہی تھی۔

اس کے لئے وہ دن بہت یادگار تھا جب ڈنر کے بعد

PakistaniPoint

جیک نے اسے نہ صرف شادی کی درخواست کرتے ہوئے اس کے سامنے ہیرے کی خوبصورت انگوٹھی رکھی بلکہ شادی سے قبل ہی اسے اپنے گھر میں بطور شریک حیات شفٹ ہوجانے کی درخواست کی۔ میری نے خوشی سے پھولے نہ سماتے ہوئے اس کی دونوں درخواستیں قبول کرلیں۔ میری نے فون پر اپنے والدین کو خوش خبری سنائی۔ اس کے والد ایک روایتی کیتھولک عیسائی تھے انھیں شادی سے قبل جیک کے گھر منتقل ہونے کا فیصلہ پسند نہیں آیا۔ مگر میری کی ضد پر انھوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔

وہ ویک اینڈ میری کے لئے بہت خاص تھا جب اس نے اپنے سامان سمیت جیک کے گھر شفٹ ہونا تھا۔ شادی کی تقریب کے لئے انھیں چھ ماہ بعد کی بکنگ ملی تھی۔ میری کا خیال تھا کہ وہ اس وقت میں شادی کی تقریب کے سارے انتظامات مکمل کرلیں گے۔

جیک مقررہ تاریخ پر یو ہال کا ٹرک لے کر اس کے اپارٹمینٹ آپہنچا۔ چند مزدوروں کی مدد سے انھوں نے ٹرک سامان سے بھرا اور جیک کے گھر پہنچ گئے۔ جیک نے اس کا سامان ایک طرف بنے گیراج میں رکھوادیا۔ میری کو یہ دیکھ کر بہت حیرت ہوئی کہ جیک کا گھر کیلگری شہر سے باہر کافی دور ایک نواحی علاقے میں واقع تھا۔ گھر تین ایکڑ رقبے کی زمین کے وسط میں تعمیر کیا گیا تھا۔ گھر کا رقبہ تقریباً دو کنال کے لگ بھگ تھا۔ جب کہ باقی اردگرد چھوڑی زمین پر باغ بنا ہوا تھا۔ باغ کے بیچوں بیچ ایک بہت خوبصورت تالاب بنا ہوا تھا۔ جس میں بطخیں اور راج ہنس تیر رہے تھے۔ باغ میں کئی خوبصورت پھول دار اور پھل دار درخت لگے ہوئے تھے۔ رہائشی گھر کی تین منزلیں تھیں۔

میری گھر کی سجاوٹ دیکھ کر حیران رہ گئی۔ جیک نے اسے پورا گھر بہت شوق سے دکھایا۔ جیک نے اس کا اٹیچی کیس اپنے بیڈروم میں رکھ دیا۔

''ڈارلنگ! آج سے یہ ہمارا کمرہ ہے۔ ہمارے خوابوں کی جنت۔ ہماری آرام گاہ۔ جہاں یہ شہزادی اپنے شہزادے کے ساتھ مل کر سپنے بنا کرے گی۔'' وہ ہنس کر بولا۔

میری ٹھٹک سی گئی۔ اس کا تعلق قدامت پسند کیتھولک عیسائی فیملی سے تھا۔ جس میں شادی سے پہلے ازدواجی تعلقات کو اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ میری کی ہچکچاہٹ دیکھ کر جیک نے اسے گلے سے لگایا اور ہنس کر بولا۔

''ڈارلنگ! اب تو تم میری ہوچکی ہو۔ دیکھو میرے پیار کی نشانی تمہاری انگلی میں جگمگا رہی ہے۔ پھر کیوں ہچکچا رہی ہو۔'' اس نے اس کی انگلی میں پہنی بیش قیمت ہیرے کی انگوٹھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

میری نے شرما کر اثبات میں سر ہلا کر اس کے سینے پر سر رکھ دیا۔ رات آئی تو جیسے خوشیوں کی بارات لے آئی۔ میری خوشی کے ہنڈولے میں جھول رہی تھی۔ صبح میری کی آنکھ جلدی کھل گئی۔ اس نے کروٹ بدلی تو جیک کو اپنے پہلو میں لیٹے دیکھ کر شرما سی گئی اسے گزشتہ رات کی اس کی بے تابیاں یاد آگئیں۔ وہ دبے پاؤں اٹھ کر کمرے سے باہر آگئی۔ اس نے کمرے سے باہر آکر فون کی تلاش میں نظریں دوڑائیں۔ اسے جلد احساس ہوگیا کہ اس عالیشان گھر میں لینڈ لائن کی سہولت موجود نہیں تھی۔ اسے یہ بات بہت عجیب سی محسوس ہوئی مگر اس نے سر جھٹکا اور بیڈروم سے اپنا سیل فون لے آئی۔ جیک بہت گہری نیند سویا ہوا تھا۔ وہ سوتے میں بھی کسی یونانی دیوتا کی طرح حسین لگ رہا تھا۔ وہ مسکراتی ہوئی دبے پاؤں کمرے سے باہر آگئی۔ گھر کے باہر لان میں لگے جھولے پر بیٹھ کر اس نے اپنی اکلوتی بہن شیرل کو فون کیا۔

''میری جان' تیری تو لاٹری نکل آئی ہے۔ یہ منگیتر کہاں سے ڈھونڈ لیا؟ کب ممی' ڈیڈی اور ہم سب کو ملوا رہی ہے اس ہینڈسم پرنس سے..... سچ سچ بتا سب کچھ اچھا جا رہا ہے؟'' شیرل نے اس سے چہک کر پوچھا۔

میری مسکرا کر اس سے باتوں میں مصروف ہوگئی۔ وہ فون بند کرکے جھولے سے اٹھی۔ اس نے خوبصورت باغ میں کھلے پھولوں کو دیکھا تو اس نے گنگناتے ہوئے چند

PakistaniPoint

پھولوں کا گلدستہ بنالیا۔ وہ گلدستہ ہاتھ میں لے کر پلٹی تو ٹھٹک سی گئی۔ جیک اس کے بالکل پیچھے کافی کے دو مگ پکڑے کھڑا تھا۔ اسے پتا ہی نہیں چلا تھا کہ کب سے وہ اس کے پیچھے خاموشی سے کھڑا تھا۔ اس کے تاثرات بہت پتھریلے اور اجنبی سے تھے۔ میری کچھ کنفیوز سی ہوگئی مگر پھر اس نے مسکرا کر اسے مخاطب کیا۔

''مجھے پھولوں کا توڑنا پسند نہیں ہے۔ یہ بہت نایاب اقسام ہیں جو میں نے دنیا بھر سے منگوائے ہیں۔ میں ہر خوبصورت' نایاب شے کو حفاظت سے رکھنا چاہتا ہوں تاکہ اس کی خوبصورتی' تازگی برقرار رہے۔ میں اپنے تصرف میں آئی چیزوں کو ضائع ہوتا نہیں دیکھ سکتا اور نہ ہی انھیں کسی کے استعمال میں دیکھ سکتا ہوں۔ یہ میری عادت ہے۔''

جیک بھی جیسے اجنبیت کے ٹرانس سے باہر آگیا اور جوابی طور پر مسکرایا مگر پھر لئے دیئے انداز میں بولا۔

''وہ میں ناشتے کی میز پر تمہیں یہ گلدستہ پیش کرنا چاہتی تھی۔'' میری شرمندہ سی ہوگئی اور بولی۔

جیک نارمل ہو کر مسکرا دیا۔ اگلے کچھ روز میری کو یہی محسوس ہوتا رہا جیسے اس سے خوش قسمت عورت دنیا بھر میں کوئی اور نہیں تھی۔ جیک نے نرمی سے اسے نوکری چھوڑنے کا کہہ دیا تھا۔ کیونکہ اس کے مطابق میری جیسی شہزادی نوکری کرنے کے لئے پیدا نہیں ہوئی تھی بلکہ حکومت کرنے کے لئے پیدا ہوئی تھی۔ میری اپنی خوش نصیبی پر بہت نازاں تھی۔

جیک نے آہستہ آہستہ اس کی زندگی کی باگ ڈور مکمل طور پر اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔ میری بھی اس کی محبت' توجہ پا کر سب کچھ بھول گئی تھی وہ اب ویک اینڈ پر اپنے والدین کے گھر بھی نہیں جاتی تھی۔ وہ رفتہ رفتہ اپنے دوستوں اور کزنز سے کٹتی جارہی تھی کیونکہ جیک کو اس کا کسی اور کو توجہ دینا یا باتیں کرکے وقت ضائع کرنا ہرگز پسند نہیں تھا۔ ایک روز جیک کی غلطی کے باعث میری کا سیل فون بھی پانی میں گر گیا۔ یوں دوستوں اور اس کے خاندان سے تعلق کا آخری ذریعہ بھی ختم ہوگیا۔

زندگی اتنے ناچ نچاتی ہے کہ دنیا کو تماشائی ہونا ہی پڑتا ہے۔ دل کرتا ہے زندگی سے ضد لگا کر اب وہ، وہ تماشے کردوں کہ درشن کور کا اک ایک شخص و فرد ساکن، ساکت اور منجمد سا ہو کر صدیوں میری کہانی پڑھے۔

نیر سلاسل..... عقیل شیرازی

انتخاب. زمل نور..... لاہور

جیک مرمت کے بہانے وہ فون لے گیا مگر واپس لانا جیسے بھول ہی گیا۔ میری نے محسوس کیا کہ جیک حد درجے کا صفائی پسند اور ترتیب و تنظیم کا رسیا تھا۔ اگر وہ گھر میں تھوڑی سی بھی بے ترتیبی کردیتی تھی تو وہ غصے میں آجاتا تھا۔ میری نے اس سے ایک دو بار فون مانگا تاکہ وہ اپنے خاندان والوں سے رابطہ کرلے مگر جیک کے تاثرات سے اسے لگا جیسے اس نے کوئی بہت ہی ناروا بات کہہ ڈالی۔ ہر دفعہ اس نے اسے دوسری باتوں میں مشغول کردیا' اس کے اپنے ذاتی فون پر پاس ورڈ موجود تھا۔ میری کو احساس ہوا کہ جیک نہیں چاہتا کہ وہ کسی سے بھی رابطہ کرے۔ اسے یہ سب عجب سا محسوس ہوتا کبھی کبھی وہ فرسٹریشن کا شکار بھی ہوجاتی مگر پھر جیک کی وارفتگیاں اسے سب کچھ بھلا دیتیں۔ وہ اس کے عشق کی بے تابیاں دیکھ کر خاموش رہ جاتی۔

جیک نے چند دنوں بعد اپنے دفتر جانا شروع کردیا۔ روز صبح اب وہ دفتر چلا جاتا اور شام ڈھلے گھر واپس آتا۔ میری بہت شوق سے اس کے لئے کھانا بناتی' گھر کی صفائی ستھرائی کرتی' باغبانی کرتی مگر جلد ہی میری کی تمام مصروفیات ختم ہونے لگیں۔ اس گھر میں انٹرنیٹ کی بھی سہولت موجود نہیں تھی۔ جیک کے بقول اس دیہی علاقے میں کسی گھر میں انٹرنیٹ کے سگنل نہیں آتے تھے۔ میری نے ایک دو بار گھر سے باہر نکلنے کی کوشش کی مگر بڑے آہنی گیٹ کا پاس ورڈ نہ ہونے کے باعث وہ گھر سے نہ نکل پائی۔ شام کو جیک نے دفتر سے واپس آکر اس سے سختی سے باز پرس کی کہ اس نے اکیلے باہر نکلنے کی کوشش کیوں کی تھی تو

PakistaniPoint

اسے پہلی بار اندازہ ہوا کہ جیک جھوٹ بول رہا تھا۔

گھر میں سیکیورٹی کیمرے نصب تھے جو انٹرنیٹ کی موجودگی کے بغیر ممکن نہیں تھے۔ اسے محسوس ہوا کہ وہ جیک کی محبت کے زندان خانے میں قید ہو کر رہ گئی تھی۔ ایک روز وہ چھپتے چھپاتے گیراج کھولنے میں کامیاب ہوگئی اس کا خیال تھا کہ وہ اپنا لیپ ٹاپ لے کر اپنی بہن شیرل سے رابطہ کرے گی۔ مگر اسے یہ دیکھ کر دھچکا لگا سامان میں سے اس کا لیپ ٹاپ اور پرانا سیل فون غائب تھا۔ اس کی چھٹی حس چیخ چیخ کر اسے احساس دلا رہی تھی کہ وہ ایک باندی بنا دی گئی تھی۔ جس کا کام گھر کی صفائی ستھرائی اور کھانا پکانا تھا۔ جیک نے بیرونی دنیا سے اس کا رابطہ توڑ دیا تھا۔ وہ جیک کی جنسی غلام بھی تھی۔ وہ جب چاہتا اور جتنی دفعہ چاہتا اسے اپنی خلوت کا ساتھی بناتا۔ اس کی مرضی کبھی جیک نے نہیں پوچھی تھی۔

ایک دو دفعہ میری کے انکار کرنے پر وہ جانوروں کی طرح اس پر ٹوٹ پڑا تھا۔ اس نے میری کو بہت اذیت دی تھی اور اسے باور کروایا تھا کہ وہ اس کی کسی خواہش کے خلاف سر نہیں اٹھا سکتی تھی۔ میری کو اپنا آپ بے وقعت سا محسوس ہوتا۔ اسے لگتا تھا جیسے وہ واقعی راپنزل ہو جسے جادوگر نے اپنے جادو کے زور سے آبادی سے دور جنگل میں ایک دور افتادہ ٹاور میں قید کر لیا تھا۔

میری پر اب تنہائی شدت سے حملہ آور ہونے لگی تھی۔ جیک کا رویہ بھی دن بدن اس سے خراب ہوتا جا رہا تھا۔ اب اکثر اس نے میری پر ہاتھ بھی اٹھانا شروع کر دیا تھا۔ میری بے چاری سسکتی بلکتی رہ جاتی وہ اسے کمرے سے دھکے دے کر نکال دیتا تھا۔ اگلی صبح اٹھ کر جیک نارمل ہوتا تھا۔ بلکہ وہ ناشتے کی میز پر میری کو احساس دلاتا کہ میری کی غلطیوں کے باعث اسے اتنا غصہ آ گیا تھا کہ اس کا ہاتھ اٹھ گیا۔

میری اپنے آپ کو برا بھلا کہتی اور از سر نو اسے خوش رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتی مگر ہزار کوشش کے باوجود جیک کوئی نہ کوئی بہانہ نکال کر اسے روئی کی طرح دھنک کر رکھ دیتا تھا۔ وہ اس پر جنسی تشدد بھی کرتا تھا۔ اکثر اس کے نازک اعضاء کو سگریٹ سے جلا دیتا۔ ایک رات قربت کے لمحات میں اسے پتا نہیں کیا جنون چڑھا کہ اس نے اسے دھکا دے کر زمین پر لٹا کر بیڈ کے پائے اس کے ہاتھوں پر دھر دیئے۔ میری سسکتی بلکتی رہی اور وہ اسی بیڈ پر رات بھر سویا رہا۔

صبح تک میری کی ہتھیلیاں نیلی ہو گئیں تھیں۔ جب وہ صبح بیدار ہوا تو اس نے مسکراتے ہوئے بہت پیار سے نیم بیہوش عریاں میری کو زمین سے اٹھایا۔ میری کے حواس اس وقت ساتھ چھوڑ رہے تھے مگر اس کی تابناک مسکراہٹ اور گنگناہٹ سے اس کو پتا چل چکا تھا کہ جیک ایک نفسیاتی مریض تھا۔ شادی کی تاریخ قریب آتی جا رہی تھی اور میری کی ذہنی حالت تباہ ہوتی جا رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اگر وہ جیک کے ساتھ بیاہی گئی تو وہ اسے کسی روز تشدد کر کے قتل کر دے گا۔ موسم سرما کا آغاز ہو چکا تھا۔ اب میری کی دنیا صرف گھر کی چار دیواری تھی۔ کیلگری کی سردی اور منفی درجہ حرارت اب اسے باغ میں بیٹھنے کی اجازت بھی نہیں دیتے تھے۔

''میرے والدین اور خاندان والوں سے اس جیک نے کیا کہا ہوگا؟ کیا بہانہ میری گمشدگی کا رچایا ہوگا۔'' وہ اکثر سوچتی۔

مگر پھر اسے اپنی بے وقوفی پر رونا آتا' اسے یاد تھا کہ اس کے ملازمت کے دفتر کے پتے سے بھی اس کے گھر والے واقف نہیں تھے۔ وہ صرف جیک نام جانتے تھے اس کے علاوہ وہ اس درندے کے متعلق کوئی معلومات نہیں رکھتے تھے۔ یہاں تک اس گھر کا ایڈریس' جیک کا مکمل نام وہ کسی چیز سے واقف نہیں تھے۔ وہ جانتی تھی کہ جیک ایک عام نام تھا۔ اسے احساس ہوا کہ اپنی سادگی اور روایتی محبت پر یقین رکھنے کے باعث ایک معصوم اور خوش رنگ تتلی کی طرح مکڑے کے بچھائے ہوئے رنگین جال میں پھنس چکی تھی۔ اب مکڑا اس کے رنگین پر نوچ نوچ کر کھا رہا تھا۔ اسے معلوم ہو چکا تھا کہ اب اگر اس نے کوئی دفاعی قدم جلد

PakistaniPoint

نہ اٹھایا تو وہ ہمیشہ کے لئے جیک کی مرہون منت رہ جائے گی۔

جمعے کی شام جیسے ہی سر پر آئی میری کا دل گھبرانے لگا۔ اگلے دو روز وہ وحشی جنسی درندہ گھر پر موجود ہونا تھا۔ اس کے گھر رہنے کا مطلب اذیتوں کا سفر تھا۔ میری کو اب اس کے قرب کے خیال سے بھی گھن آتی تھی۔ وہ اگر ذرا سی بھی بے اعتنائی دکھاتی تھی تو وہ اسے مزید ٹارچر کرتا تھا۔ وہ تشدد برداشت نہیں کر پاتی تھی اسی لئے محبت کی جھوٹی اداکاری کرتی رہتی تھی۔ میری کی اب تمام توانائی فرار کے منصوبوں پر مرکوز تھی۔

رات آئی تو میری کے اندیشے درست ثابت ہوئے۔ جیک اس رات شراب کے نشے میں دھت دفتر سے واپس آیا۔ دفتر سے واپس آتے ہی کھانے کی میز پر اسے میری کے بنائے ہوئے کھانے کے ذائقے پر اعتراض ہوگیا۔ اس نے دیوانگی میں چیخنا چلانا شروع کردیا اور پھر وہ بھیڑیئے کی طرح میری پر ٹوٹ پڑا۔ اس نے میری کو لاتوں گھونسوں سے پیٹنا شروع کردیا۔ جب وہ اسے پیٹ پیٹ کر تھک چکا تو اس نے میری کو حکم دیا کہ وہ کپڑے اتارے اور برہنہ حالت میں گھر سے باہر نکل جائے۔ باہر برف کا طوفان عروج پر تھا۔ میری جانتی تھی کہ منفی چالیس ڈگری درجہ حرارت میں عریاں باہر جانے کا مطلب موت تھا۔ وہ بہت گڑگڑائی اور روئی دھوئی۔ اس نے جیک سے رحم کی بھیک مانگی مگر جیک نے نشے کی حالت میں اس کی ایک نہ سنی اور گھر کے داخلی گیٹ کھول کر اسے دھکے دے کر باہر نکال دیا۔

میری عریاں حالت میں گھر سے باہر نکل گئی۔ مار پیٹ نے ویسے ہی اس کی جسمانی حالت بدتر کردی تھی۔ اس کے جسم سے جابجا خون نکل رہا تھا۔ اس کے بازو کی ہڈی شاید ٹوٹ گئی تھی۔ وہ ننگے پاؤں سن دماغ سے پیدل چلتی سڑک تک آ پہنچی۔ اس کے دماغ پر عجب دھند سی طاری تھی۔ اب اسے نہ تکلیف کا احساس تھا اور نہ ہی ٹھنڈ کا وہ ایک عجب خود فراموشی میں چلی جارہی تھی۔

''تم خیریت سے ہو؟'' اچانک میری واپس حال میں آگئی۔ ایک نوجوان اس پر جھکا پوچھ رہا تھا۔

وہ لڑکھڑاتے ہوئے اٹھی۔ اسے ادراک ہوا کہ وہ اپنے ماضی کے فلیش بیک میں اس قدر مگن تھی کہ وہ بے خیالی میں اس نوجوان کی گاڑی سے جا ٹکرائی تھی۔ اس نے دل ہی دل میں شکر کیا کہ وہ عفریت واقعی اب اس کے ماضی میں رہ گیا تھا۔ وہ زندہ تھی اور محفوظ تھی' یہی اہم بات تھی۔ نوجوان نے اسے سہارا دیا اور سامنے بنے کیفے میں لے گیا۔ نوجوان نے اپنا تعارف ایڈم کہ نام سے کروایا۔ میری مشکل سے مسکرائی اور بولی۔

''میرا نام.....'' اس کا دل کیا کہ وہ اپنا اصل نام بتائے مگر ایجنسیوں کی ہدایت اور شناختی کاغذات کے مطابق وہ لنڈا تھی' میری نہیں۔ چنانچہ وہ بولی۔ ''میرا نام لنڈا ہے۔''

''تم ٹھیک ہو۔ ورنہ میں تمہیں ہسپتال لے چلتا ہوں؟'' ایڈم نے فکرمندی سے پوچھا۔

میری نے مسکرا کر نفی میں سر ہلایا۔

''لنڈا! مجھے لگتا ہے کہ ہم پہلے کیلگری میں کہیں مل چکے ہیں۔ کیا تم کبھی کیلگری میں رہی ہو؟'' وہ مسکرایا اور بولا۔

میری کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ اس نے نوجوان کی جانب غور سے دیکھا اور اسے وہ مہربان شخص یاد آگیا جس نے اسے ہائی وے سے اٹھایا تھا اور پولیس کو کال کی تھی۔ وہ جان چکی تھی کہ ایڈم ہی وہ شخص تھا۔ اس کا دل کیا کہ وہ اپنی کہانی اس مہربان نوجوان کو سنا دے مگر اس نے دل کڑا کر نفی میں سر ہلایا۔ ایڈم نے اسے کافی پلائی اور بتایا کہ وہ سی بی سی ریڈیو اسٹیشن کا رپورٹر تھا۔ وہ کیلگری سے چند دنوں کے لئے شارلٹ ٹاؤن ایک رپورٹ کے سلسلے میں آیا ہوا تھا۔ اس نے اپنا ٹیلیفون نمبر بھی اسے دیا اور رخصت ہوگیا۔

❖❖❖❖

لنڈا (میری) نے گھر جا کر اپنی ڈائری کھولی اور آج کے اپنے خیالات کو نظم کی صورت میں لکھنا شروع کردیا۔ وہ گزشتہ کئی مہینوں سے اکیلی بطور لنڈا جینے کی کوشش کررہی

تھی۔ اس کی پچھلی زندگی' اس کی محبتیں' اس کی دوستیاں سب پیچھے رہ گئی تھیں۔ وہ اب ایسٹ کوسٹ کینیڈا کے اس ساحلی شہر میں دوبارہ سے ازسرنو اپنی زندگی شروع کررہی تھی۔ اس کی شاعری وہ واحد ذریعہ تھا جس نے اسے ذہنی مریضہ بننے سے بچایا ہوا تھا۔ اس نے ڈائری میں رقم نظموں پر ایک نظر ڈالی۔ اسے لگا جیسے الفاظ اس سے پوچھ رہے تھے کہ تمھاری کہانی صرف تمھاری نہیں ہے۔ اس جدید زمانے میں ابھی بھی عورت مصلوب ہے اس کی آواز دبادی جاتی ہے۔ لنڈا نے ایک فیصلہ کیا اور ایڈم کو فون کیا۔ اس نے ایڈم کو تفصیل بتانی شروع کردی۔ وہ جیسے جیسے بولتی جارہی تھی' ایڈم کا جوش و جذبہ بڑھتا جارہا تھا۔ اسے جاتے سال 2019 کی سب سے بڑی کہانی مل گئی تھی۔ وہ کہانی جس نے ایوان ہلا دینے تھے۔ جس نے ہر شخص کے دل کو پگھلا دینا تھا۔ یہ کہانی نہیں معاشرے سے ایک سوال تھا؟

یہ کہانی نہیں ایک مدد کی بازگشت کی صدا تھی؟

آج سی بی سی ریڈیو اسٹیشن پر پروگرام شروع ہوا تو پورے کینیڈا سے لوگ اس پروگرام کے انتظار میں بیٹھے تھے کیونکہ اس پروگرام کی تشہیر بہت دنوں سے کی جارہی تھی۔ عورتوں کے حقوق کی بہت سی انجمنیں بھی بہت متحرک تھیں کیونکہ یہ پروگرام نہیں ایک عورت کی آپ بیتی تھی۔ جو اس آزاد معاشرے میں بھی رہ کر آزاد نہیں تھی۔

ایڈم نے پروگرام کا آغاز بہت بھرپور انداز میں کیا۔ پھر مائیک میری کو دے دیا گیا۔ میری نے پہلی بار خوف کی چادر اتار پھینکی اور اپنی گزشتہ زندگی کے بارے میں ایک تفصیلی انٹرویو دیا۔ سامعین دم بخود تھے۔ آج کے دور میں بھی ایسی قاتل محبت موجود تھی اور جیک جیسے مرد موجود تھے جو عورت کو ایک شے سمجھتے تھے۔ سب حیران تھے۔ میری کے والدین' رشتے دار اور دوست ریڈیو سے آتی اس کی آواز سن کر رو رہے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اس کہانی کا ایک ایک لفظ سچ پر مبنی تھا۔ میری نے اپنے انٹرویو کا اختتام ان الفاظ کے ساتھ کیا۔

''جیک نے مجھ سے میرا ماضی' میری زندگی میرے رشتے ناطے' دوستیاں سب کچھ چھین لیا مگر وہ مجھ سے میری آزادی نہیں چھین پایا۔ میری نظمیں اب پبلشر کے پاس جا چکی ہیں اور جلد ہی میری کتاب مارکیٹ میں دستیاب ہوگی۔ اس کتاب سے حاصل ہونے والی آمدنی تمام ان عورتوں اور بچوں کے لئے استعمال کی جائے گی جو مردم گزیدہ ہیں۔ میں جیک کو بھی ایک پیغام دینا چاہتی ہوں کہ محبت ایثار اور قربانی کا نام ہے نہ کہ ملکیت کا نام۔ میں آج اس سسٹم کو ماننے سے قطعی انکار کرتی ہوں جو ایک درندے کو پنجرے میں بند کرنے کے بجائے ایک عورت سے اس کا تشخص اور آزادی چھین لیتا ہے۔''

پورا اسٹوڈیو تالیوں سے گونج اٹھا۔ ریڈیو سننے والوں کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

جیک گاڑی چلاتے ہوئے یہ پروگرام سن رہا تھا۔ اس کے اعصاب بری طرح کھنچ گئے تھے۔ اسے میری سے اس دلیری کی امید نہیں تھی۔ غصے اور نفرت نے اسے دیوانہ سا کردیا۔ وہ میری کو قتل کرکے اپنی بیمارانا کی تسکین کرنا چاہتا تھا۔ غصے میں اس کی گاڑی کی رفتار تیز سے تیز تر ہوتی گئی۔ اسے ہوش تب آیا جب اس کی گاڑی سامنے سے آتے تیل کے ٹریلر سے ٹکرا گئی۔ اس نے بریک لگانا چاہا مگر تب تک بہت دیر ہوچکی تھی۔ اس کی گاڑی کو آگ لگ چکی تھی۔ شکاری خود شکار ہوچکا تھا۔

PakistaniPoint

رازِ سربستہ

ثناء اللہ خان احسن

آپ نے اکثر آسمان پر انتہائی بلندیوں پر اس پرندے کو بغیر پر پھڑپھڑائے پرواز کرتے دیکھا ہوگا۔ خاص طور پر بارش سے پہلے آسمان پر اس کا نظر آنا اس بات کی علامت ہوتا ہے کہ اب بارش لازمی ہوگی۔یہ ایک چھوٹی سی چڑیا جس کے پر سیاہ اور سینہ سفید ہوتا ہے۔ پرانے گنبدوں۔ کھنڈروں ' اونچے ٹیلوں اور پہاڑیوں کی چٹانوں میں اور تاریک مقامات پر مٹی کا گھونسلا بنا کر رہتی ہیں۔اس کے اڑنے کی طاقت بے مثال ہوتی ہے۔ یہ پرندہ اپنی پرواز کے دوران کھا بھی سکتا ہے۔

ایک پراسرار پرندہ اور پراسرار پتھر' کیا ابرہہ کے لشکر پر حملہ کرنے والے پرندے ابابیل تھے؟

واضح رہے کہ چھوٹی جسامت ہونے کے باوجود ابابیل (سوئفٹ) کا شمار دنیا کے بلند پرواز اور تیز رفتار پرندوں میں کیا جاتا ہے۔ اس سے پہلے مسلسل طویل ترین مدت تک پرواز کا ریکارڈ 6 ماہ تھا جو ابابیل ہی کی ایک قسم ''الپائن سوئفٹ'' کے پاس تھا۔ عام ابابیل نے' جسے سائنسی زبان میں ''ایپس ایپس'' (apus Apus) کہا جاتا ہے' یہ ریکارڈ بھی توڑ دیا ہے۔ یورپ سے افریقہ تک موسمی نقل مکانی (سیزنل مائیگریشن) کرتے ہوئے یہ ابابیل مسلسل 10 ماہ تک بغیر رُکے اور بغیر زمین پر اُترے پرواز کرتی ہے۔سویڈن کی لیونڈ یونیورسٹی نے ڈیٹا حاصل کرنے کا ایک نیا طریقہ اختیار کرتے ہوئے 19 سوئفٹ پرندوں کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ جب یہ پرندہ اپنی نسل نہیں بڑھاتا تو اس دوران 10 ماہ کے عرصے میں 99 فیصد وقت میں پرواز ہی کرتا رہتا ہے۔دلچسپ امر یہ ہے کہ سوئفٹ پرندوں کی زندگی بھی طویل ہوتی ہے اور ایک پرندہ اوسطاً 20 سال تک زندہ رہتا ہے۔ ان کے مسلسل سفر کو دیکھ کر کہا جاسکتا ہے کہ الپائن سوئفٹ اور عام ابابیل' دونوں پرندے ہی اپنی 20 سالہ زندگی میں اتنے فاصلے تک پرواز کرلیتے ہیں جو چاند تک آنے اور جانے کے 7 چکروں جتنا طویل ہوتا ہے۔

دنیا بھر میں ابابیل کی مختلف اقسام پائی جاتی ہیں جن میں سرد علاقوں کی ابابیلیں سرفہرست ہیں۔ دو قسم کی ابابیلیں گرمی کے موسم میں سرد علاقوں سے ہجرت کرکے ایشیائی ممالک میں آتی ہیں۔ جبکہ دوسری قسم کی مستقل طور پر یہاں پائی جاتی ہیں۔ ابابیل ایک چھوٹا اور نازک پرندہ ہے لیکن غیر معمولی طور پر اس کے پر لمبے ہوتے ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ عام پرندوں کی نسبت زیادہ سفر کرتی ہے۔ اس کے پنجے نہایت کمزور ہوتے ہیں جس کی وجہ سے یہ دوسرے پرندوں کی طرح زمین پر بھاگ دوڑ نہیں کرسکتے۔ البتہ درختوں کی پتلی شاخوں اور بجلی کے باریک تاروں پر بیٹھنے میں یہ پنجے اسے بے حد مدد دیتے ہیں۔ اس کے پروں میں چمک دمک پیدا کرنے والے کیمیائی ذرات ہوتے ہیں جو مختلف رنگوں میں منعکس ہوکر اس کی خوبصورتی میں اضافہ کرتے ہیں۔ ہر سال اس کے پر جھڑتے جاتے ہیں اور نئے پر نکل آتے ہیں۔ اس کے گھونسلے عام طور پر غیر آباد جگہوں جیسے دریاؤں' تالاب کے کناروں' پہاڑوں' غاروں اور درخت کے اندر بنے ہوئے سوراخوں میں پائے جاتے ہیں۔ کسانوں کیلئے یہ بہت فائدہ مند پرندہ ہے کیونکہ یہ فصلوں کو نقصان پہنچانے والے کیڑوں کا سخت دشمن ہے۔ جہاں انہیں پاتا ہے چٹ

PakistaniPoint

کر جاتا ہے۔ اس کی اڑان ہمیشہ جھنڈ کی شکل میں ہوتی ہے۔ اڑتے وقت یہ منہ سے مختلف قسم کی آوازیں نکالتے ہیں۔ خوراک کی تلاش اور کھانے کا عمل یہ دوران پرواز ہی سرانجام دیتے ہیں۔ اڑتے وقت یہ اڑنے والی چیونٹیوں کو اس طرح اپنی غذا بناتی ہے کہ پورا منہ کھول لیتی ہے جس کی وجہ سے ڈھیروں چیونٹیاں ایک ہی وقت میں اس کے منہ میں چلی جاتی ہیں۔

عربی میں ابابیل کو خطاف کہا جاتا ہے۔ عربی زبان میں ابابیل کے معنی گروہ اور جھنڈ کے ہیں اور یہ اسم جمع ہے۔ بعض کے نزدیک اس کا واحد ابل' ابالہ یا ابول ہے اور بعض کے نزدیک اس کا واحد کوئی لفظ نہیں۔ یعنی کہ عربی میں ابابیل کسی پرندے کا نام نہیں بلکہ پرندوں کے جھنڈ یا غول کو کہا جاتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اردو میں یہ تصور کہاں سے آیا جب کہ قرآن مجید کے تقریباً سارے ہی اردو تراجم ''ابابیل'' کا ترجمہ غول در غول' جھنڈ در جھنڈ' گروہ در گروہ یا جیسا کہ مولانا آزاد نے ابابیل کا ترجمہ جھلڑ کے جھلڑ' سے کیا ہے پھر ابابیل پرندہ کے معنی میں کیسے مشہور ہو گیا؟ میرا خیال یہ ہے کہ ہو سکتا ہے برصغیر میں ابتداء میں اصحاب فیل کا واقعہ بیان کرتے وقت یہ کہا جاتا رہا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ابرہہ کی ہلاکت کے لیے طیراً ابابیل یعنی غول در غول پرندے بھیج دیے جنہوں نے اسے اور اس کے لشکر کو ہلاک کر دیا' پھر اس واقعے کی شہرت کی وجہ سے طیر ابابیل کو صرف ابابیل کہنا شروع کر دیا گیا۔

لفظ ''ابابیل'' قرآن مجید میں صرف ایک بار یعنی سورۃ الفیل میں وارد ہوا ہے۔ یہ سورت اصحاب الفیل کے واقعے کو بیان کرتی ہے جو عوام و خواص میں مشہور و معروف ہے۔ ابرہہ کے اس حملے کے موقع پر مکہ کے باشندے عبد المطلب کی رائے سے جان بچانے کے لیے گھاٹیوں میں بکھر گئے۔ اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر جا چھپے۔ جب لشکر پر عذاب نازل ہو چکا تو اطمینان سے اپنے گھروں کو واپس آ گئے۔ یہ ایک عظیم الشان نشان تھا جس کا ظہور مسلمان اور عیسائی دونوں تسلیم کرتے ہیں بلکہ یہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا نشان تھا۔ جن کی ذات حقیقی طور پر بیت

PakistaniPoint

اللہ کی حفاظت کی کفیل تھی۔

اس معجزے کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں خاص طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے کیا ہے

ترجمہ: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا' کیا؟ کیا اس نے ان کی تدبیر کو اکارت نہیں کر دیا اور ان پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیے۔ جو ان پر پکی ہوئی مٹی کے کنکر پھینک رہے تھے۔ پھر ان کا یہ حال کر دیا جیسے جانوروں کا کھایا ہوا بھوسہ۔

(سورۃ الفیل)

سورۃ الفیل اس واقعہ کے تقریباً 45 سال بعد نازل ہوئی۔ غالباً اس وقت متعدد لوگ زندہ موجود ہوں گے جو اس واقعہ کے چشم دید گواہ ہوں گے اور ایسے تو ہزاروں ہوں گے جنہوں نے یہ واقعہ خود دیکھنے والوں سے سنا ہوگا۔ کفار جو ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلانے کی کوشش میں رہتے تھے اگر یہ واقعہ غلط ہوتا تو ضرور اس کی تکذیب کرتے اور اعلانیہ اس کی تردید کرتے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس لیے اس واقعہ کی سچائی میں کوئی شبہ نہیں۔ کعبہ پر حملہ کرنے والا ابرہہ عیسائی تھا چنانچہ واقعہ کی خبر اس وقت کی متمدن دنیا کے بیشتر علاقوں تک فوراً پہنچ گئی۔ اور دنیا کی نگاہیں کعبہ کی طرف متوجہ ہوگئیں۔ انہیں بیت اللہ کی عظمت اور بڑائی سے آگاہی ہوئی اور یہ بات ثابت ہوگئی کہ اس گھر کی عظمت میں کوئی شبہ نہیں۔ یہ اللہ جل جلالہ کا منتخب مقام ہے لہٰذا یہاں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ نبوت کے ساتھ اٹھنا بیت اللہ کے تقدس کے عین مطابق ہوگا۔ اس واقعے کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ حبشہ کے بادشاہ کی طرف سے یمن میں ابرہہ الاشرم گورنر تھا اس نے صنعاء میں ایک بہت بڑا گرجا گھر تعمیر کیا اور کوشش کی کہ لوگ خانہء کعبہ کے بجائے عبادت اور حج وعمرے کے لیے ادھر آیا کریں۔ یہ بات اہل مکہ اور دیگر قبائل عرب کے لیے سخت ناگوار تھی چنانچہ ان میں سے ایک شخص نے ابرہہ کے بنائے ہوئے عبادت خانے کو غلاظت سے پلید کر دیا جس کی اطلاع اس کو کر دی گئی کہ کسی نے اس طرح اس گرجا کو ناپاک کر دیا ہے جس پر اس نے خانہء کعبہ کو ڈھانے کا عزم کر لیا اور ایک لشکر جرار لے کر مکہ پر حملہ آور ہوا' کچھ ہاتھی بھی اس کے ساتھ تھے جب لشکر وادیء محشر کے پاس پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے پرندوں کے غول بھیج دیے جن کی چونچوں اور پنجوں میں کنکریاں تھیں جو چنے یا مسور کے برابر تھیں جس فوجی کو یہ کنکری لگتی وہ پگھل جاتا اور اس کا گوشت جھڑ جاتا اور بالآخر ابرہہ کا بھی مکہ پہنچتے پہنچتے یہی انجام ہوا اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی حفاظت کی۔ یہ واقعہ مشہور قول کے مطابق اُس سال پیش آیا جس سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تھی اس لیے عربوں میں اس کی خبریں مشہور تھیں۔ اب وہ پرندے جو غول در غول آئے وہ کیا تھے اور کیسے تھے یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

ابابیل کے گھونسلے کا پتھر حجر الخطاف

خطاف عربی میں ابابیل کو کہتے ہیں یہ پرندہ اپنے آشیانے میں دو قسم کے پتھر رکھتا ہے ان دونوں پتھروں کا رنگ سرخ اور سفید ہوتا ہے۔ اس پتھر کو حجر الصنوبر بھی کہتے ہیں۔ اس پتھر سے بہت سی پراسرار داستانیں جڑی ہیں۔ اکثر بوڑھے جوگی حضرات بھی اپنے پاس یہ پتھر رکھتے ہیں۔ حکیم اور طبیب حضرات اس پتھر کے بہت سے طبی خواص بیان کرتے ہیں۔ سفید پتھر مرگی کے مریض کے گلے میں مثل لاکٹ ڈالنے سے اس مرض کا دورہ نہیں پڑتا۔ قوت باہ میں معاون ہے اور دافع یرقان ہے' چشم بد کو دور کرتا ہے یعنی کہ اسے پاس رکھنے والے کو نظر بد نہیں لگتی۔ واللہ عالم..... اکثر بچوں کو سوتے میں ڈرنے کی بیماری ہوتی ہے سُرخ پتھر بچے کے سرہانے رکھنے سے بچہ ڈر اور خوف سے محفوظ رہتا ہے۔

ایک بہت بوڑھے اور تجربہ کار سنیاسی جوگی نے بتایا کہ یہ پتھر ہر ابابیل کے گھونسلے میں نہیں ہوتا بلکہ اس کو منگوانا پڑتا ہے۔ سنگ خطاطیف کے لئے مشہور ہے کہ ابابیل کے گھونسلے سے یہ پتھر حاصل کرنے کے لئے اس پرندے کے بچوں کو زرد رنگ میں رنگ کر گھونسلے میں رکھ دیا جاتا ہے۔ ابابیل اسے بچوں کی بیماری سمجھ کر یہ پتھر خدا جانے کہاں سے لاتی ہے.....؟ وہ اس پتھر کو تلاش کر کے اپنے گھونسلے میں لا کر رکھ دیتی ہے تاکہ اس کے بچوں کا مرض یرقان یعنی پیلیا جاتا رہتا ہے۔ قدرت نے اس پتھر میں یہ خاص صفت رکھی ہے کہ مرض یرقان دفع کرتا ہے۔

لیکن کچھ تجربہ کار حضرات یہ بتاتے ہیں کہ یہ پتھر ابابیل کے پوٹے میں پایا جاتا ہے۔ ابابیل کو مار کر اس کے پوٹے

یا سنگدانے کو چیرا جائے تو اس میں یہ پتھر ملتا ہے۔ ابابیل کے بچوں کے پوٹے میں بھی یہ پتھر پایا جاتا ہے۔ بعض عامل حضرات اس پتھر کے کچھ طلسمات وغیرہ بھی تیار کرتے ہیں جو اسٹاک اور حصص کا کاروبار کرنے والے افراد کے لئے خوش بختی لاتا ہے۔ اب اس پتھر کے طبی فوائد تو آزمودہ ہیں لیکن یہ بدبختی اور خوش بختی وغیرہ محض ضعیف العقیدہ افراد کی نفسیات سے کھیلنے کے مترادف ہے۔ ہر وہ چیز جس کا حصول انتہاء دشوار ہو یا عام آدمی کی پہنچ سے دور ہو تو اسے عجیب وغریب فوائد کا حامل بتا کر لوگوں سے پیسے بٹورے جاتے ہیں۔

اب تو جدید دور ہے' یرقان کا علاج بھی ہو جاتا ہے اور مرگی کا بھی لیکن جس زمانے میں ان بیماریوں کا مکمل علاج نہ تھا لوگ اکثر اس پتھر کی تلاش میں رہتے تھے۔ اس پتھر کو حاصل کرنا آسان نہ تھا کیونکہ ابابیل عموماً ''انتہاء بلندی پر عمودی چٹانوں پر اپنا گھونسلہ بناتا ہے جہاں تک پہنچنا انسان کے لئے تقریباً ''ناممکن ہوتا ہے۔ ابابیل کا گھونسلہ بھی کچی مٹی کی ہانڈی جیسا ہوتا ہے جسے یہ پرندہ بڑی مہارت سے دریا یا جھیل سے گیلی مٹی لا لا کر بناتا ہے۔ اس کی وڈیو آپ گوگل پر دیکھ سکتے ہیں۔

علامہ دمیری نے اپنی کتاب حیات الحیوان میں ابابیل کے بارے میں بڑی دلچسپ باتیں لکھی ہیں جن کا جدید سائنسی حقائق سے کوئی تعلق نہیں لیکن ابابیل سے متعلق کچھ عجیب وغریب حقائق کا علم ضرور ہوتا ہے۔

علامہ لکھتے ہیں کہ ابابیل کا سب سے بڑا دشمن چمگادڑ ہے اور اکثر ابابیل کے گھونسلے میں اس کے بچوں کی تاک میں رہتا ہے۔ ابابیل چمگادڑ سے بچنے کے لئے اپنے گھونسلے میں اجوائن کے پودے کی لکڑیاں لا کر رکھتا ہے جس کی وجہ سے چمگادڑ گھونسلے کے قریب نہیں آتا۔ ابابیل اپنا گھونسلہ گیلی مٹی اور تنکوں کی مدد سے بناتی ہے۔ یہ گیلی مٹی میں تنکے ملا کر اس مٹی سے گھونسلہ لیپتی ہے۔

اگر ابابیل کے بچے بیمار ہو جائیں تو یہ کہیں سے دو عدد پتھر کی کنکریاں اپنے گھونسلے میں لا کر رکھتی ہے جن کے اثرات سے بیماری ختم ہو جاتی ہے۔ یہ ایک چھوٹی سی پتھری ہے جو سنگ سنونو (سنگ ابابیل) کے نام سے مشہور ہے۔ پرانے زمانے میں سنیاسی اور فقیر اس پتھر کی تلاش میں

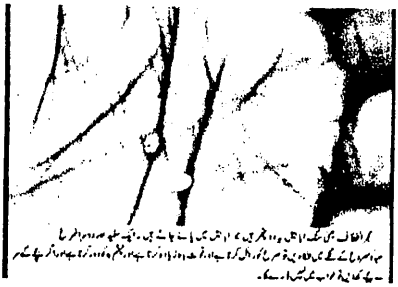

رہتے تھے کیونکہ اس کے گلے میں لٹکانے یا پانی میں گھس کر پلانے سے مرض یرقان دور ہو جاتا ہے۔

حکیم ارسطو نے لکھا ہے کہ اگر ابابیل کی آنکھ کسی کپڑے میں باندھ کر کسی کے پلنگ سے باندھ دی جائے تو اس شخص کو نیند نہیں آئے گی۔

اگر ابابیل کی آنکھ کسی عمدہ قسم کے تیل میں گھس کر وہ تیل کسی عورت کو پلا دیا جائے تو وہ تیل پلانے والے سے شدید محبت کرنے لگے گی۔ ابابیل کا دل سکھا کر پانی میں گھس کر پلانا مرد کی قوت باہ کے لئے بہت مفید ہے۔ ابن الدقاق کا کہنا ہے کہ ابابیل کے گھونسلے کی مٹی پانی میں گھس کر پلانا سلسل البول یعنی پیشاب کی زیادتی کی بیماری میں مجرب ہے۔ ابابیل کا خواب میں نظر آنے کو بھی مرد یا عورت یا مال سے تشبیہہ دی جاتی ہے۔ اگر کوئی خواب میں ابابیل کو پکڑے تو یہ مال حرام ملنے کا اشارہ ہے جبکہ اگر ابابیل خود گھر میں داخل ہوتے دیکھے تو یہ مال حلال ملنے کا اشارہ ہے۔ واللہ اعلم!

(اس مضمون کی تیاری میں مختلف کتب' ویب سائٹس' بلاگز اور انسائیکلوپیڈیا سے مدد لی گئی ہے)

Pakistanipoint

ذوق آگہی

عثمان عبداللہ

فلسفۂ زندگی

زندگی کو جب بھی دیکھا عجب ہی پایا' کبھی یہ دھنک کی طرح سات رنگ بکھیرتے ہوئے نظر آئی' کبھی گہرے بادل کی طرح اپنے اوپر اداسی کا گہرا خول لیے نظر آئی' کبھی میں نے زندگی کو دریاؤں اور سمندروں کی جوش مارتی ہوئی لہروں کی طرح متحرک پایا۔ کبھی میں نے زندگی کو برف پوش پہاڑوں کی مثل منجمد پایا' جو حرارت ملتے ہی چیخ جاتے ہیں کبھی زندگی کو برستی ہوئی موسلا دھار بارش کی مانند پایا جو دکھوں اور غموں کی کثافت کو شفاف کر دیتا ہے۔ کبھی زندگی کو الجھی ہوئی ڈور کی مانند پایا جو رشتوں میں الجھی ہوتی ہے' کبھی زندگی کو میں نے خوب صورت تتلی کی مانند دیکھا جو اُڑتی ہوئی سب کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لیتی ہے لیکن جب میں نے زندگی کی حقیقت کو بہت قریب سے جانا تو سمجھ میں آیا کہ یہ تو خدا کی لازوال نعمت ہے جس کا ہم شکر ادا نہیں کرتے۔

شازیہ ہاشم.....کھڈیاں خاص' قصور

یقین تعداد

اللہ کے حضور ایک عام شخص اور ایک عالم کے درمیان اور اس کے ادا کیے ورد اسماء یا وظیفے کے درمیان کرنٹ انرجی کا تبادلہ ہوتا ہے جسے عامل اپنے جسم میں جذب کر کے اس حاصل شدہ توانائی کو خیال کی لامحدود قوت پر لوڈ کر کے کسی انسان کو فائدہ پہنچانے کے لیے استعمال کرتا ہے ورد، اسماء یا وظیفے میں یقین تعداد بہت بنیادی حیثیت کی حامل ہے۔ تعداد کا یہ راز صدیوں سے سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے۔ تعداد کے راز کی حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی اسم یا دعا معین کردہ مخصوص تعداد میں نہ پڑھی جائے تو اس اسم یا دعا کی طاقت ایکٹی ویٹ نہیں ہوگی۔ یا تعداد اگر بتائی گئی تعداد سے زیادہ کر دی گئی تو وہ کرنٹ جو اس اسم اور عامل کے درمیان انرجی پاور بن رہا ہے وہ تباہ کن انرجی میں تبدیل ہو جائے گا چنانچہ جب عامل اسماء کا یا دعا کا ورد یا یوں کہہ لیں کہ ان انرجی یونٹس کا ورد صادق نیت اور امور خیر کے لیے کرتا ہے۔ ایک غیبی قوت اور توانائی ایک نورانی پوٹینشل اس عامل سے مانوس ہوتی چلی جاتی ہے آہستہ آہستہ وہ عامل اس قوت توانائی کی پکار اپنے پاس محسوس کرنے لگتا ہے جو اس کو ماورائی دنیا سے وابستہ کراتی ہے۔

گل مہر.....کراچی

احسان

احسان کرنا آدمی کو انسان اور دنیا کو جنت بنا دیتا ہے۔ جس معاشرے میں اس صفت کا فقدان ہو وہ معاشرہ انسانیت سوزی کا نمونہ بن جاتا ہے ایسے معاشرے میں امیر غریبوں کا خون چوستے نظر آتے ہیں۔ تاخیر اور ذخیرہ اندوز ضرورت مندوں کی مجبوری خرید کر انہیں ضروریات زندگی مہیا کر کے اپنی تجوریاں بھر لیتے ہیں طاقتور کمزور کو بے بس کر دیتا ہے۔ مادیت پسندی سے روحانیت کی شمع بجھ رہی ہے بزرگوں کے دیے اس سبق کو بھی بھول بیٹھے ہیں کہ خود بھی امن سے جیو اور دوسروں کو بھی جینے دو مگر افسوس کہ ہم نے اس مقدمے کا پہلا حصہ تو یاد رکھا مگر دوسرے کو بار گراں سمجھتے ہوئے نظر انداز کر دیا ہے۔ یاد رکھو، اگر تم آزاد زندگی گزارنا چاہتے ہو تو دوسروں کی آزادی میں بھی مداخلت نہ کرو اگر سکون کی طلب ہے تو کسی کو بے سکون نہ کرو اگر مسرت چاہتے ہو تو دوسروں کے دکھ درد سمیٹنے کی کوشش کرو لیکن یہ بھی خیال رہے کہ دوسروں پر احسان کرو مگر اپنے احسان کو یاد نہ رکھو اور اگر کوئی دوسرا تم پر احسان کرے تو اسے فراموش نہ کرو۔

عبدالجبار رومی انصاری.....لاہور

ڈاکٹر

آج کے اس معاشرے میں ڈاکٹروں کی بے حسی پر حیرت ہوتی ہے۔ دل خون کے آنسو روتا ہے بظاہر جو مسیحا ہیں ان کے اندر خدمت خلق کا جذبہ مر چکا ہے ڈاکٹرز حضرات کو صرف اپنی جیب گرم کرنے سے غرض ہے۔ اے کاش لوگوں میں آج پھر جذبہ ایمانی پیدا ہو جائے انسانی دل جس طرح ساخت کے اعتبار سے نرم ہوتا ہے اسی طرح ہمدردی کے لحاظ سے بھی نرم ہو جائے۔ میں جب ڈاکٹروں کی غلفت کی وجہ سے لوگوں کو مرتے دیکھتا ہوں تو میرا دل خون کے آنسو روتا ہے کہ اس مسیحاؤں کو کیا ہو گیا ہے۔ ڈاکٹر حضرات کیوں اپنا مثبت کردار چھوڑ چکے ہیں میری اپنے

Pakistanipoint

رب سے دعا ہے کہ ہمارے مسیحاؤں کے دلوں میں وہی جذبہ ایمانی پھر سے پیدا فرمادے، آج کے اس نفسانفسی دور میں انسان کو خطرہ سب سے زیادہ لاحق انسان سے ہی ہے قدرت حق نے انسان کو انسان کی مدد کے لیے بھیجا ہے جو انسان اس دنیا میں فقط دوسرے لوگوں کے لیے رہبر اور رہنما بنا کر بھیجا گیا ہے دراصل وہی انسانیت کو سب سے زیادہ دکھ اور تکلیف دے رہا ہے۔ اگر ڈاکٹرز حضرات لالچ سے بے لوث خدمت خلق کو اپنا منشور بنالیں اور تہہ دل سے ارادہ کرلے کہ میری زندگی کا مقصد فقط لوگوں کی بھلائی کا ہی ہے تو اس معاشرے میں کافی حد تک سدھار پیدا ہوجائے گا کبھی کبھی بہت افسوس ہوتا ہے جب ڈاکٹرز کے نزدیک ایک انسانی جان سے زیادہ انہیں اپنی جیب زیادہ عزیز ہوتی ہے میری اپنے رب کریم سے دعا ہے کہ اے باری تعالیٰ مسیحاؤں کو جذبہ ایمانی عطا فرما، آمین۔

علی رضا.....منچن آباد

انمول موتی

❁ قلم امانت ہے اسے نیک مقصد کے لیے چلا۔

❁ آزادی کے چراغ تیل سے نہیں لہو سے جلتے ہیں۔

❁ مجاہد موت سے نہیں ڈرتا بلکہ موت اس سے ڈرتی ہے۔

❁ جب تم کسی سے دوستی کرو تو اس پر شک نہ کرو۔

❁ وفادار ہونا اہم ہے خوب صورت ہونا نہیں جس طرح کئی خوب صورت بادلوں میں پانی نہیں ہوتا اس طرح کئی خوب صورت لوگوں میں وفا نہیں ہوتی۔

ریاض بٹ.....حسن ابدال

ماں باپ کا پیغام اولاد کے نام

○ جس دن تم ہمیں بوڑھا دیکھو تب صبر کرنا اور ہمیں سمجھنے کی کوشش کرنا۔

○ جب ہم کوئی بات بھول جائیں تو ہم پر غصہ نہ کرنا اور اپنا بچپن یاد کرنا۔

○ جب ہم بوڑھے ہو کر چل نہ پائیں تو ہمارا سہارا بننا اور اپنا پہلا قدم یاد کرنا۔

○ جب ہم بیمار ہوجائیں تو وہ دن یاد کرکے ہم پر اپنے پیسے خرچ کرنا۔

○ جب ہم تمہاری خواہش پوری کرنے کے لیے اپنی خواہشیں قربان کرتے تھے۔

محمد یاسر اعوان.....رحیم یار خان

حقوق حاکم و محکوم

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعا کرتے سنا ہے کہ ”اے اللہ جس شخص کو میری امت کا کسی کام کا والی اور متصرف بنایا گیا ہو اور وہ میری امت پر مشقت اور مصیبت ڈالے تو تو بھی اس پر مشقت و مصیبت ڈال اور جو شخص حاکم و والی میری امت پر رحم و نرمی کرے تو تو بھی اس پر رحم و نرمی کر۔

(مسلم و مشکوٰۃ)

(کتاب اسوہ رسول اکرم ﷺ)

ایس حبیب خان.....کراچی

خوب صورت

ایک دن سونے نے لوہے سے کہا ہم دونوں ہی لوہے کی ہتھوڑی سے پیٹے جاتے ہیں پر تم اتنا چلاتے کیوں ہوں؟ لوہے نے جواب میں بہت ہی خوب صورت بات کہی کہ جب اپنا ہی اپنے کو مارتا ہے تو درد زیادہ ہوتا ہے۔

مصروف زندگی میں نماز پڑھنا دشوار ہوتا ہے لیکن نماز پڑھنے سے دشوار زندگی آسان ہوجاتی ہے۔

انسان جب کسی چیز سے ڈرتا ہے تو اس سے دور بھاگتا ہے لیکن جب اللہ سے ڈرتا ہے تو اس کے قریب ہوجاتا ہے۔

انسان کو خود اپنی غلطیاں وہ سبق دیتی ہیں جو اسے کسی درس گاہ سے نہیں مل سکتا۔

اپنے رب کو مت بتا کہ تمہاری مشکل کتنی بڑی ہے اپنی مشکل کو بتا کہ تمہارا رب کتنا بڑا ہے۔

صرف پیسے کا ہونا رزق نہیں ہے۔

نیک اولاد، اچھا اخلاق، اچھے رشتے اور مخلص دوست بھی بہترین رزق میں شامل ہیں۔

گل مہر.....کراچی

جدید لغت

بوڑھا مگر مچھ جو خشکی پر بھی زندہ رہ سکتا ہے۔

عبھوکھے کھلا نعرہ جو اصل مقصد سے توجہ ہٹا کرنا کامیوں کی سمت لے جاتا ہے۔

PakistaniPoint

عاشق بادل جو گرجتا تو ہے مگر برستا نہیں۔
عشق وہ خوراک جس سے ذیابیطس کا عارضہ لاحق ہو جائے۔
: وہ ظلم جو نہ تو ہضم ہی ہوتی ہے اور نہ اگلی جا سکتی ہے۔
محبوب شعور کا وہ حصہ جو انسان سے حماقتیں کراتا ہے۔
: وہ طلسمی تلوار جو دولت مند کے ہاتھ میں ہو تو فولاد کی کاٹ رکھتی ہے اور غریب کے ہاتھ میں آ کر لکڑی بن جاتی ہے۔
ظلم کی تجارت جس میں نفع ہی نفع ہے۔
جو وہ اوزار جس سے آدمی اپنی قبر کھود سکتا ہے گھر نہیں تعمیر کر سکتا۔
بھیک چھینے ہوئے حقوق کو واپس حاصل کرنے کا اکلوتا حربہ۔

ریاض حسین قمر.....منگلا ڈیم

اچھی باتیں

۞ ہمیشہ اس انسان کے قریب رہو جو تمہیں خوش رکھے لیکن اس انسان کے اور بھی قریب رہو جو تمہارے بغیر خوش رہ پائے۔
۞ اچھی سوچ رکھو سوچ سے الفاظ بنتے ہیں الفاظ سے اعمال بنتے ہیں اعمال سے کردار بنتا ہے کردار سے آپ کی پہچان بنتی ہے۔
۞ اپنی زندگی میں ہر کسی کو اہمیت دو جو اچھا ہوگا وہ خوشی دے گا اور جو برا ہوگا وہ سبق دے گا۔
۞ خدا پر بھروسہ کرنا اس پرندے سے سیکھو جو شام کو آتا ہے تو اس کی چونچ میں کل کے لیے کچھ نہیں ہوتا۔
۞ اگر کوئی تمہیں صرف اپنی ضرورت کے وقت یاد کرے تو پریشان مت ہوا کرو بلکہ فخر کیا کرو کہ اسے اندھیرے میں روشنی کی ضرورت ہے اور وہ روشنی تم ہو۔

پرنس افضل شاہین.....بہاولنگر

والدین کا ادب

حضرت ابو ہریرہؓ نے ایک بار دو آدمیوں کو دیکھو تو ایک سے پوچھا یہ دوسرے تمہارے کون ہیں؟ اس نے کہا یہ میرے والد ہیں آپؓ نے فرمایا دیکھو ان کا نام نہ لینا یعنی ان کو نام سے مت پکارو جیسے بعض اوقات ہمارے ہاں دیہاتی علاقوں میں بچے ماں باپ کا نام لے کر بلاتے ہیں جب دوسرے ان کو نام لیتے ہوئے دیکھتے ہیں تو وہ بھی نام لینا شروع کر دیتے ہیں ہو سکتا ہے آپ کے ملازمین میں سے بعض کے بچے ایسا کرتے ہوں یا بعض علاقوں کا کلچر ایسا ہوتا ہے لیکن اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ والدین کو نام سے کبھی نہیں پکارا جائے پھر فرمایا کبھی ان سے آگے نہ چلنا اور نہ کبھی ان سے پہلے بیٹھنا پہلے ان کے بیٹھنے کا انتظام کرو پھر خود بیٹھو۔
ایک راوی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ اے موسیٰ اپنے ماں باپ کی عزت کہ اس لیے کہ جو کوئی ماں باپ کی عزت کرتا ہے میں اس کی عمر بڑھا دیتا ہوں اور اس کو ایسا بچہ عطا کرتا ہوں جو اس کے ساتھ نیکی کرے اور جو ماں باپ کو ستاتا ہے میں اس کی عمر کم کر دیتا ہے اور اس کو ایسی اولاد دیتا ہوں جو اس کو ستائے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اور والدین کے ساتھ احسان کرو اگر ان میں سے تمہارے پاس ایک یا دونوں بڑھاپے کی عمر کو پہنچیں تو ان کو اف تک نہ کہو ان کو جھڑکو نہیں اور ان سے عزت سے بات کرو)بنی اسرائیل ۲۴(

ماہ رخ.....لاہور

بڑی لوگوں کی بڑی باتیں

۞ عجیب بات ہے کہ سکھ کی خواہش میرے دکھ کا ایک جزو ہے۔(خلیل جبران)
۞ کس قدر اندھا ہے وہ شخص جو اپنی جیب سے دوسروں کا دل خریدنا چاہتا ہے۔(خلیل جبران)
۞ جدوجہد نہ کرنا محتاجی کا باعث ہوتا ہے(لقمان)
۞ سرمایہ دارانہ پارلیمنٹ یا جسے عرف عام میں جمہوری حکومت کے نام سے پکارا جاتا ہے آیئے آپ کو بتائیں کہ دراصل کیا ہے ہر تیسرے چوتھے یا پانچویں سال غریب اور بے کس عوام سے دریافت کیا جائے کہ سرمایہ داروں میں سے کون فرد تم پر حکومت کرے اور تمہیں لوٹ کھسوٹ کا نشانہ بنائے۔(کارل مارکس)
۞ جنگ وحشی انسانوں کا پیشہ ہے۔(نپولین)
مصیبتیں اور دکھ ہمیں اپنی کم ہمتی کے باعث زیادہ خوفناک نظر آتے ہیں۔(ارسطو)

ریاض تحسین.....حسن ابدال

انمول موتی

☆ جہاں تمہاری عزت کا لحاظ نہ ہوتا ہو، وہاں ہرگز نہ جاؤ۔

Pakistanipoint

☆ تنگ دست قرض دار کا اعتبار اس کے دوست بھی نہیں کرتے۔

☆ خوشی چاہتے ہو تو دنیا کا خیال چھوڑ دو۔

☆ حیات انسانی اس شمع کی مانند ہے جو ہوا میں رکھی ہوئی ہے۔

☆ سب سے اچھے لوگ وہ ہیں جو دوسروں کو اپنی ضرورت پر مقدم رکھیں۔

☆ سچ کبھی جھوٹ سے شکست نہیں کھاتا۔

☆ ضمیر ہمارے اندر اس آواز کا نام ہے جو متنبہ کرتی ہے کہ کوئی دیکھ رہا ہے۔

☆ باپ بے اعتنائی کر سکتا ہے بھائی دشمن بن سکتا ہے۔ لیکن ماں کی محبت میں کبھی فتور نہیں پڑ سکتا۔

سوہنا خان.....کوٹ ادو

بد قسمتی

وہ دیر سے بار میں بیٹھا بھرے گلاس کو گھور رہا تھا۔ قوی الجثہ ٹرک ڈرائیور بھی اسے دیکھ رہا تھا وہ اٹھا اور اس کے سامنے پڑا گلاس اٹھا کر ایک ہی گھونٹ میں چڑھا گیا۔ نوجوان اچانک بلک بلک کر رونے لگا۔ ڈرائیور سے دیکھا نہ گیا بولا کچھ بتا تو سہی کیوں رو رہے ہو؟ میں نیا پیگ بنوا دیتا ہوں۔

نوجوان بولا نہیں یہ بات نہیں ہے۔ میرے لیے آج کا دن ہی منحوس ہے۔ صبح دیر سے اٹھا، دفتر میں باس پر برس پڑا اور نوکری سے نکال دیا۔ باہر نکلا تو گاڑی غائب تھی پولیس والے بھی فوری ایکشن نہ لے سکے ٹیکسی لے کر گھر پہنچا۔

اندر داخل ہوا تو اچانک معلوم ہوا کہ کریڈٹ کارڈ سمیت اپنا پرس ٹیکسی میں بھول آیا ہوں۔ گھر میں گھس کر دیکھا تو وہاں میری بیوی میرے مالی کے ساتھ فری ہو رہی تھی۔

یہ سب میرے لیے ناقابل برداشت تھا میں ایک نکما اور بے کار نوجوان تھا جس کی بیوی بھی بے وفا نکلی۔ میں اپنی زندگی کو ختم کرنے کے لیے یہاں آ گیا میری بد قسمتی تمہاری صورت میں نازل ہوگئی۔ میں نے اپنا پیگ خالی کر کے اس میں زہر ڈال دیا تھا اور میرے سے پہلے وہ بھی تم جلدی میں آ کر اسے پی گئے۔

زین عابد.....پاک پتن

دل اور زبان

ایک دن حکیم لقمان نے اپنے ملازم سے کہا کہ آج کھانے میں بکری کے وہ اعضا پکا کر لاؤ جو جسم انسانی میں سب سے بہتر عضو خیال کیے جاتے ہوں۔ ملازم نے دل اور زبان پکا کر پیش کر دیئے۔

دوسرے دن لقمان نے بدترین اعضا پکانے کا حکم دیا تو ملازم اُس روز بھی دل اور زبان پکا کر لے آیا۔

لقمان نے اس سے سوال کیا کہ "یہ کیا بات ہے کہ جب میں نے بہترین اعضا پکانے کو کہا تو تم دل اور زبان لے کر آئے اور جب میں نے بدترین اعضا کی تاکید کی تب بھی تم یہی دونوں چیزیں پکا کر لے آئے۔" ملازم نے جواب دیا کہ "اے حضرت اگر دل اور زبان ذکر الٰہی معمور اور ارشادِ خداوندی کے تابع ہوں تو یہ بہترین حصہ جسم ہیں اور اگر اس کے برعکس صورت حال ہو تو یہ بدترین حصہ جسم ہیں۔"

ساجد علی.....ملتان

اقوال زریں

۱۔ گلے اور شکوے سے زبان بند رکھو راحت نصیب ہوگی۔

۲۔ جس پر نصیحت کا اثر نہ ہو وہ جانے کہ میرا دل ایمان سے خالی ہے۔

۳۔ حصول علم کے لیے دلجمعی درکار ہے اور دلجمعی معلومات کو بڑھانے سے نہیں گھٹانے سے حاصل ہوتی ہے۔

۴۔ جو علم کو دنیا کمانے کے لیے حاصل کرتا ہے علم اس کے قلب میں جگہ نہیں پاتا۔

۵۔ سب سے بڑی فتح اپنے آپ کو فتح کرنا ہے۔

۶۔ صورت بغیر سیرت کے ایک پھول ہے جس میں کانٹے زیادہ ہوں اور خوشبو بالکل نہ ہو۔

۷۔ خامیوں کا احساس کامیابی کی کنجی ہے۔

سید عتیق الرحمٰن.....کراچی

Pakistanipoint

خوشبوئے سخن

نوشین اقبال نوشی

غزل

خیال کہکشاں غائب، کمالِ این و آں غائب
زمیں کی قید سے نکلے، تو نیلا آسماں غائب
میں اپنے آپ کو پانے کی دھن میں مست رہتا ہوں
یہاں غائب، وہاں غائب، عیاں غائب، نہاں غائب
گری برقِ تپاں ایسے، جلا ڈالے سبھی تنکے
مچاں غائب، دھواں غائب، رمادِ آشیاں غائب
کتابِ زیست ہے روشن ترے اسمِ منوّر سے
جہاں بھی نام ہے میرا وہاں سے داستاں غائب
میں اس کو دیکھتا ہوں چار سُو، بس مل نہیں پاتا
اِدھر غائب، اُدھر غائب، نہ جانے کب کہاں غائب
یہی ادراک ہے تحت الثریٰ، تحت الشعوری کا
جہاں منڈی فراست کی، دکانِ عاشقاں غائب
مجھے افسوس ہے اس کا کہ تنہا ہوں سرِ منزل
جو کرتے تھے نشاں غائب، ہوا ان کا نشاں غائب
کچھ ایسے اوج و رجعت میں رہے تارے مقدر کے
عطا غائب، دعا غائب، صدا غائب، فغاں غائب
پروھت، پنڈت و ملّا، سکندر، گوتم و دارا
سوائے ذاتِ یزداں کے، حیاتِ جاوداں غائب
اَمر کامل یقیں ہے ان کی نسبت کی نگہبانی
وہیں پہ آستاں حاضر، جہاں سے سائباں غائب

ام رُوحانی.....

غزل

کیا زمیں پر گر گیا؟ کیوں آسماں خاموش ہے؟
ساری کائنات چُپ اور کہکشاں خاموش ہے
جس طرف دیکھو وہاں اِک بھیڑ ہے چُپ کی لگی
جانی! ایسا کیا ہُوا ہے؟ کیوں جہاں خاموش ہے؟
چُپ کا یہ کہسار دونوں سَر کریں تو کسطرح؟
مَیں یہاں خاموش ہُوں اور تُو وہاں خاموش ہے
جانے والا یُوں ہوا رخصت ہمیشہ کے لیے
اہلِ خانہ دَم بخُود ہیں اور مَکاں خاموش ہے
دِل بھی آخر سیکھ بیٹھا ہے زمانے کا چلن
چیخ اُٹھتا تھا جہاں، یہ بھی وہاں خاموش ہے
مصلحت کی داشتہ ہی بن چکی ہے زندگی
ظلم ہوتا دیکھ کر بھی ہر زباں خاموش ہے
داستاں یہ تو بتاتی ہے شروع میں کیا ہُوا
کیا ہُوا انجام؟ اِس پر داستاں خاموش ہے
ایسی صُورت میں تو حاصل کوئی اِستغنا نہیں
ایسی صُورت میں حدیثِ دِلبراں خاموش ہے

مرزا رضی الرّحمان.....

غزل

قضائے جاں، گل احمر سے تو سنوار مجھے
کہ عشق لے کے چلا آج سوئے دار مجھے
بسی ہوئی تھی رگ جاں میں کب سے ویرانی
سو راس آنے ہی تھے دشت و ریگزار مجھے
زباں پہ میرے جہاں پر بھی حرف سچ آیا
کیا وہیں پہ زمانے نے سنگسار مجھے
تری جفاؤں سے ہرگز نہ ٹوٹ پاؤنگی
ترا گریز بناتا ہے پائدار مجھے
میں دسترس سے خود اپنی نکل بھی جاؤں اگر
کہاں ملے گا تری یاد سے فرار مجھے
سنو، قصاص کی یہ پیشکش مجھے منظور
رکو، کہ کرنا ہے زخموں کو اب شمار مجھے
حصار ذات میں کر لوں اسیر وصل ترا
بس ایک شام ملے اتنا اختیار مجھے
وہ وحشتیں ہیں کہ اب صرف سانس چلتی ہے
ترے جنوں نے کیا جیتے جی مزار مجھے
اگچہ لفظ بھی کچھ سخت تھے مگر شازی
وہ تلخ لہجہ کیا جس نے دلفگار مجھے

شہناز شازی.....

غزل

کلام کیجیے صاحب مگر دھیان کے ساتھ
ہیں اُس نے خواب دبوچے مرے مکان کے ساتھ
ہنر سکھاتے رہے ہیں جو زندگی کا مجھے
وہی تو لائیں ہیں مقتل میں سر کمان کے ساتھ

Pakistanipoint

کسی کے غم کا سبب میں بیاں کیسے کروں
حروف چیخ رہے ہیں پڑے دیوان کے ساتھ
وہ پر کتر کے میرے خوش ہیں کوئی بات نہیں
میں لوٹ آؤں گی آخر نئی اڑان کے ساتھ
تصورات میں عالم کنگالنے والے
میں جنگ جیت گئی ہوں فقط زبان کے ساتھ

اسما ہادیہ.....

دسمبر

مری دیوانگی جب بھی قدم رکھے دسمبر میں
تو دل سے ہوک اٹھتی ہے

دسمبر

دیکھ اب دکھ سہنے کی مجھ میں نہیں سکت
مری آنکھوں کے آنسو کھو چکے ہیں روشنی اپنی
گئے لمحوں کے پیچھی تلخ یادیں نوچ بیٹھے ہیں
تری وہ نرم خود لداری دل میں جب دھڑکتی ہے
مری اجڑی ہوئی اس مانگ میں انگارے بھرتی ہے
مرے ہاتھوں کی گرمی میں
گئے ہر پل کا ٹھہرا لمس
وہ محسوس کرتی ہے تو آتشداں سے اٹھتے شعلے بازو
کھول دیتے ہیں سماعت میں تری آواز کا رس گھول دیتے ہیں
میں اپنے آپ میں پھر زندگی محسوس کرتی ہوں

دسمبر

جانے کیوں تم اپنے اپنے لگنے لگتے ہو
تمہاری بے رخی کے جلتے موسم کھلنے لگتے ہیں
مری دیوانگی جب بھی قدم رکھے دسمبر میں

یاسمین سحر.....

غزل

وگرنہ دوستی میں کچھ بھی اختلافی نہیں
منافقت کی مگر ہاں کوئی معافی نہیں
وہ دن بھی تھے کہ تری خامشی تھی دکھ کا علاج
یہ دن بھی ہیں کہ تری گفتگو بھی شافی نہیں
مکان جل رہا ہے اور میں یہ سوچتا ہوں
دھواں اضافی ہے جب آگ کیوں اضافی نہیں
نہ رو رہا ہوں سرِ ہجر میں نہ ہنس رہا ہوں
کوئی بھی کام مرا ضبط کے منافی نہیں
قلم کے ساتھ علم بھی ملا مجھے مرا کام
فروغِ سچ ہے ہمیشہ دروغ بافی نہیں
تو پاؤں پڑ مرے یا ہاتھ جوڑ اب اے شخص
یہ وقت گزرے ہوئے وقت کی تلافی نہیں
ہمارے عشق میں برکت نہیں رہی حیدر
کہ جاں شگافی میسر ہے دل شگافی نہیں

فقیہہ حیدر.....

غزل

ترکِ تعلق ہو کے ہم سے سر اپنا وہ کھول کے روئے
کل رات کسی کے پہلو میں دکھ درد اپنے تول کے روئے
پیڑ کٹا، تو تنے ٹوٹے، شاخیں بکھریں، آشیاں اجڑا
رات گئے تک مل کے پنچھی گیت پرانے بول کے روئے
آج نومبر بائیس کو خوب اولوں کی بارش ہوئی
فرضاً ساتھ شریک بجھیکر کیہم چھتری کھول کے روئے
، برفانی شب تند ہوائیں، کچا کمرہ ،ہم پتھرائے
نا دیپ کوئی نہ مونسِ ہجراں ہم سر ہاتھ ٹٹول کے روئے
ایک سپائی قرضِ فرض وفا کرنے گاؤں سے نکلا
اک نوخیز اسکولن کی آنکھوں میں آنسو ڈول کے روئے
وقتِ آذانِ سحر آیا صد شکر شبِ غم ختم ہوئی
نہر کنارے کاگا جاگا اور ہم سینہ رول کے روئے

سیف خان سیف.....

غزل

کہیں دعاؤں میں ہے نام بار بار مرا
یونہی تو دل نہیں رہتا ہے بیقرار مرا
خسارا دے کے منافع خرید سکتے ہو
کہ ان دنوں ہے محبت کا کاروبار مرا
سنائی دیتا ہوں اُس دل کی دھڑکنوں میں تجھے
تُو اب زمانے لگا چاہے اشتہار مرا
کسی بھی طرح دکھا کوئی معجزہ مرشد
کہ اب تو ٹوٹنے والا ہے اعتبار مرا
خدا کا نام بھی گن گن کے لے رہے ہو تم
کہ تم سے درد بھی ہوگا کہاں شمار مرا
تمہارا عشق سرِ دشت مجھ کو لے آیا
اب اس سے آگے سفر پہ ہے اختیار مرا

Pakistanipoint

میں صدقے جاؤں محبت کے نام پر قیصر
وہ شاہ زادی بھی کرتی ہے انتظار مرا
زبیر قیصر.....

غزل

تمہارے غم نے طبیعت کو شل کیا ہوا ہے
میں خلفشار سے نکلوں تو کوئی بات کروں
کسے سنبھال کے رکھنا ہے، کیا گنوانا ہے
ترے شمار سے نکلوں تو کوئی بات کروں
خزاں کی دھوپ نے گلشن میں کیا تباہی کی
میں اس بہار سے نکلوں تو کوئی بات کروں
جو بے قراری تھی دل کو وہ راس تھی کتنی
کبھی قرار سے نکلوں تو کوئی بات کروں
اڑا کے خاک کسی دشت میں قرار ہے کیا
ترے دیار سے نکلوں تو کوئی بات کروں
اداسی آج بھی بیٹھی ہے منتظر میری
مگر خمار سے نکلوں تو کوئی بات کروں
کہاں کے رستے کدھر لے کے جا رہے تھے مجھے
ذرا غبار سے نکلوں تو کوئی بات کروں
عنبرین عنبر.....

غزل

راس آیا نہ تجھے عشق عبادت کرنا
خیر اب زخم ہیں دینے تو رعایت کرنا
ہم ترے کوچے سے کچھ ایسے گزرتے ہیں صنم
جیسے اِس جاں سے گزرنے کی ریاضت کرنا
زلف کو کھینچ کے گردن کو صراحی کرنا
خوب آتا ہے ہمیں وصل میں بدعت کرنا
یار مقتول کے یہ آخری الفاظ سنو
بعد میرے مرے بچوں کی حفاظت کرنا
اور جب تجھ سے ہی شکوہ نہیں کر سکتا میں
پھر کسی غیر سے کیا تیری شکایت کرنا
وقاص اکمل جام.....

غزل

تڑپتے دل کو کافی ہے بس اتنا واہمہ رکھنا
بچھڑنے والا لوٹے گا ہمیشہ حوصلہ رکھنا
چلے جائیں گے ہم بھی دوستو دنیائے فانی سے
فقط اتنی گزارش ہے دعا کا سلسلہ رکھنا
کہ ہم بد بخت لوگوں میں بس اِک یہ ہی برائی ہے
دعائیں دیر سے لگتی ہیں جانی حوصلہ رکھنا
تمہیں خوشیاں مبارک ہوں ہمارے غم زیادہ ہیں
تمہیں تلقین ہے اتنی کہ ہم سے فاصلہ رکھنا
کہ پانی جتنا گدلا ہو بجھا دیتا ہے آتش کو
ہمارے جیسوں سے بھی یار تھوڑا واسطہ رکھنا
بچھڑ کر تم کہیں ملنا تو ہنس کر بات کر لینا
بجز اِس کے نہیں کوئی ہمیں بھی ضابطہ رکھنا
عظیم کامل.....

غزل

بس اک خیال کے زیرِ اثر نہیں روکا
وہ دور جانے لگا تھا مگر نہیں روکا
بچھڑتے وقت دعائیں تو ساتھ کر دیں پر
کسی دعا نے کسی موڑ پر نہیں روکا
تمہارے بعد وہ کمرہ پڑا رہا ویراں
تمہارے بعد کسی کو ادھر نہیں روکا
میں چاہتا تھا کہ لمحات وصل رک جائیں
سوارِ وقت نے لیکن سفر نہیں روکا
اس ایک خوف نے اٹھنے دیا نہ محفل سے
بچے گا کچھ نہیں، اس نے اگر نہیں روکا
روانہ کر دیا گھر اس کو رات ڈھلتے ہی
تمہاری یاد کو تا بہ سحر نہیں روکا
غمِ معاش کی یہ مہربانی کافی ہے
کہ شعر کہنے سے مجھ کو قمر نہیں روکا
قمر آسی.....

غزل

خواب سننے سے گئے عشق بتانے سے گئے
زندگی، ہم تری توقیر بڑھانے سے گئے
گھر کے آنگن میں لگا پیڑ کٹا ہے جب سے
ہم تری بات پرندوں کو سنانے سے گئے
جب سے وحشت نے نئی شکل نکالی اپنی
ہم جنوں زاد کسی دشت میں جانے سے گئے
وقت پر اس نے پہنچنے کا کہلوایا تھا
ہم ہی تاخیر سے پہنچے، سو ٹھکانے سے گئے

PakistaniPoint

دل کی تنہائی میں وحشت کی دراڑیں ہیں سعید
ہم دراڑوں میں ترا ہجر بسانے سے گئے

مبشر سعید.....

غزل

بتائیں کس طرح ، کس حال پر ہیں
نگاہیں اک پری تمثال پر ہیں
نہ سمجھو ان کو کوئی غم نہیں ہے
بظاہر خوش جو اپنے حال پر ہیں
غموں نے آج کل دھرنا دیا ہے
مری خوش بختیاں ہڑتال پر ہیں
نکلتی ریلیاں اشکوں کی دیکھو
سدا نوحہ کناں ہر گال پر ہیں
اِدھر دیکھو مرا نخلِ تمنا
پرندے آس کی ہر ڈال پر ہیں
نہیں آئے گا جھانسے میں تمھارے
نگاہِ صید اب کے جال پر ہیں
مری قسمت کے تارے کب سے عاکف!
کسی گم گشتہ الٹی چال پر ہیں

عاکف غنی.....

سردیاں

سردیاں ہیں دوست پنکھا بند کر
کپکپانے والا رستہ بند کر
منزلیں دینی نہیں ہیں تو نہ دے
شاہراؤں پر تماشہ بند کر
یہ سوالی آئیں ،مت آئے ہوا
در کھلا رکھ دریچہ بند کر
لڑنا ھے تو جوڑ سے اپنے لڑو
غم کے ماروں سے تو جھگڑا بند کر
بند کرنا ہے اگر دروازہ دوست
آدھا مت کر ہم پہ سارا بند کر

احسان فارس

مشکل جب آئے

جب بھی مشکل ہو، یہی پڑھتی ہوں
باوضو نادِ علیؑ پڑھتی ہوں
تم مناتے ہو نیا سال مگر
میں اسے غم کی گھڑی پڑھتی ہوں
تذکرہ آئے ،حیا کا جب بھی
میں اسے بنتِ علیؑ پڑھتی ہوں
میرے شبیرؑ تیرے روضے کو
باغِ جنت کی گلی پڑھتی ہوں
کوئی گر شہرِ منافق کا لکھے
میں اسے کوفہ گلی پڑھتی ہوں
آنکھ جو نم نہ محرم میں ہوئی
میں اسے سوکھی ندی پڑھتی ہوں
جس نے کربل میں بہایا تھا لہو
اس کا دامن ہے تہی پڑھتی ہوں

رابعہ بصری.....

غزل

جاری تھی کب سے کُن کی صدا ،روک دی گئی
لیکھک کا دل بھرا تو کتھا روک دی گئی
اس نے تو صرف مجھ کو اشارہ کیا کہ رک!
ہر چیز اپنی اپنی جگہ روک دی گئی
ہر شب ہوا سے بجتی تھیں سب بند کھڑکیاں
اک شب وہ کھول دیں تو ہوا روک دی گئی
جانے ہیں کتنی چوکیاں، عرشِ بریں تلک؟
جانے کہاں ہماری دعا روک دی گئی؟
میں لاعلاج ہو گیا ہوں، یوں پتہ چلا
اک دن، بنا بتائے، دوا روک دی گئی
گریے کو ترک کر کے میں خوش باش ہو گیا
غم مر گیا جب اس کی غذا روک دی گئی
میری سزائے موت پہ سب غمزدہ تھے اور
میں خوش کہ زندگی کی سزا روک دی گئی

عمیر نجمی.....

PakistaniPoint

طلسم ہوشربا

شہزاد خان

خیر و شر کے درمیان ہونے والے معرکے کا احوال ایک ظالم جادوگر کا احوال، وہ ابدی زندگی پانے کے لیے ہر ماہ چودھویں کی رات ایک دوشیزہ کی بلی چڑھاتا تھا اس کے خوف سے لوگ نقل مکانی پر مجبور ہوگئے تھے۔

دو ہندو جادوگروں کا قصہ، ایک خیر کا ترجمان تھا دوسرا شیطان کا فرستادہ

پورے چاند کی رات تھی چاند اپنے شباب پر تھا۔ چاندنی کا سحر فضا پر چھایا ہوا تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی دلفریب ہوا چل رہی تھی چاروں طرف ایک سکون کی سی کیفیت طاری تھی خاموشی کا اندازہ آپ اس بات سے بخوبی لگا سکتے ہیں کہ کہیں سے جھینگر تک کے ٹرٹرانے کی آواز تک سنائی نہ دے رہی تھی کہ اچانک فضا گھوڑے کی ٹاپوں سے گونج اٹھی اور پھر جلد ہی ایک جانب سے گرد و غبار کا بادل سا اڑتا دکھائی دیا۔ گھوڑے کی ٹاپوں نے اس پرسکون ماحول میں ایک ارتعاش سا پیدا کر دیا تھا اور اس قسم کے ماحول میں ٹاپوں کی آواز بہت پراسرار لگ رہی تھی جیسے جیسے وہ آواز نزدیک آتی جا رہی تھی ویسے ویسے گھڑ سوار کے خدوخال واضح ہوتے جا رہے تھے اور سیکنڈوں میں ایک عجیب منظر دکھائی دیا سامنے سے ایک انڈے کی مانند سفید گھوڑا جس کی پشت پہ سادہ لبادے میں ملبوس ایک جوان بگٹٹ اس کو بھگائے چلا آ رہا تھا گھڑ سوار کے تمام جسم کے ساتھ ساتھ اس کا چہرہ بھی ایک سیاہ نقاب میں چھپا ہوا تھا۔

چاند کی دودھیا روشنی میں گھڑ سوار کا لباس اور گھوڑے کا رنگ ایک عجیب تاثر پیدا کر رہا تھا اور انہیں دیکھ کر جسم پر کپکپی کا احساس ہو رہا تھا چاروں جانب پھیلے ہوئے بیابان میں جا بجا جنگلی جھاڑیاں اور جھاڑ جھنکار پھیلا ہوا تھا۔ حشرات الارض تک اپنے اپنے ٹھکانوں میں دبکے خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہے تھے گھڑ سوار اس اجنبی ماحول سے بے خبر اپنے دھیان میں بس گھوڑے کو بھگائے چلا جا رہا تھا اسے اس بات کی قطعی پروا نہ تھی کہ آسمان پر چمکنے والے ننھے ننھے ستارے حیرت بھری نظروں سے اسے اور اس کے گھوڑے کو زمین پر دوڑتے دیکھ رہے تھے گھوڑا ناک کی سیدھ میں یوں بھاگے چلا جا رہا تھا جیسے اسے پہلے ہی منزل کا پتا بتا دیا گیا ہو۔ اس لیے وہ تیزی سے اپنی منزل کی جانب بھاگتا چلا جا رہا تھا جلد ہی سامنے کچھ کھنڈرات کے آثار دکھائی دیے۔

گھوڑے نے بھاگتے بھاگتے تھوڑا سا اپنا رخ موڑا اور اب وہ ان مدھم نظر آنے والے کھنڈرات کی جانب بھاگنے لگا گھوڑے کی رفتار نے منٹوں میں فاصلہ طے کر لیا اور دور نظر آنے والے مدھم آثار نے کھنڈرات کا روپ دھار لیا۔ کھنڈرات کی ظاہری حالت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ان کو اس حالت میں صدیاں گزر گئیں ہیں چاند کی چاندنی میں ان کی نحوست ذرا اور نکھر کر سامنے آ گئی تھی اور اس کی طرف دیکھ کر وحشت طاری ہوتی تھی رات ہونے کی وجہ سے اس کے چاروں طرف بڑی بڑی چمگادڑیں اڑتی پھر رہی تھیں ان کی جسامت عام چمگادڑوں سے کہیں زیادہ تھی چہرے ان کے خون آشام ہونے کی غمازی کر رہے تھے گھڑ سوار نے گھوڑے کی لگامیں کھینچ کر اسے روکا اور اچھل کر اس کی پیٹھ سے نیچے آ گیا۔

جیسے ہی اس کے قدموں نے زمین کو چھوا کھنڈرات سے ایک سیٹی کی آواز گونج کی صورت میں سنائی دی اور اس کے ایک ٹوٹے پھوٹے بغیر چوکھٹ کے دروازے سے ایک انسانی ڈھانچہ باہر آتا دکھائی دیا۔ اس کے چلنے

Pakistanipoint

سے ہڈیوں کے کڑکڑانے کی آوازیں رات کی تنہائی میں بہت عجیب لگ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کی جگہ دو گڑھے بہت نمایاں تھے لیکن اس کے باوجود یوں ناک کی سیدھ میں گھڑسوار کی جانب بڑھا چلا آ رہا تھا جیسے وہ باقاعدہ دیکھ رہا ہو۔ وہ چلتا ہوا اس کے نزدیک آ گیا اور اس کا جبڑا ہلا اور ایک باریک سی آواز سنائی دی۔

''سارس حاضر ہے۔ پیغام دینے کی اجازت ہے۔'' گھڑسوار نے غور سے اسے دیکھا اور کہنے لگا۔

''بھولے ناتھ سے کہو نرائن آیا ہے۔'' یہ سن کر ڈھانچے نے اثبات میں سر ہلایا اور واپس اس طرف مڑ گیا جہاں سے آیا تھا۔

ابھی اسے کھڑے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ اندر سے ایک بڑا سا اُلو اپنے بڑے بڑے پر پھڑ پھڑاتا باہر نکلا اور اس کے سامنے پہنچ کر انسانی آواز میں چلانے لگا۔

''گرو کے حضور حاضری دو.....گرو کے حضور حاضری دو۔'' یہ کہتے ہوئے آسمان کی بلندیوں میں گم ہو گیا۔

گھڑسوار نے گھوڑے کو وہیں چھوڑا اور خود جلدی سے کھنڈر کے ایک ٹوٹے پھوٹے دروازے کی جانب پیش قدمی کی۔ کھنڈرات جس طرح باہر سے وحشت زدہ دکھائی دے رہے تھے اس سے کہیں زیادہ نحوست اندر پھیلی ہوئی تھی کھنڈرات کے اندر بہت سے کمرے در کمرے بنے ہوئے تھے اور غلام گردشوں کا ایک جال سا پھیلا ہوا تھا اور کہیں کہیں سے چھتوں میں بڑے بڑے سوراخ ہونے کی وجہ سے روشنی اندر تک پہنچ رہی تھی جس سے ان کے اندر آسانی سے دیکھا جا سکتا تھا۔ وہ تیز تیز چلتا ایک دروازے کے سامنے جا کر ٹھہر گیا جس کی چوکھٹ کا دروازہ ندارد تھا لیکن اس میں رستہ ضرور بنا ہوا تھا وہ ہر چیز سے بے نیاز دروازے کی طرف یوں دیکھ رہا تھا جیسے کوئی اس کے اندر سے آنے والا ہو اب اس قدر خاموشی چھا گئی تھی کہ اسے اپنے دل کی دھڑکن صاف سنائی دے رہی تھی۔

یکا یک دروازے میں ایک شخص کا ہیولا نظر آیا اس نے سر سے پاؤں تک ایک لمبا چغہ زیب تن کیا ہوا تھا وہ اس کے نزدیک آ کر رک گیا اس کے پیچھے وہی انسانی ڈھانچہ موجود تھا جو چند لمحے پہلے اس سے مل چکا تھا۔ قریب آنے پر اس نے دیکھا کہ اس شخص کے چہرے پر جھریاں پڑی ہوئی ہیں اور اس کی عمر کا اندازہ کم و بیش دو سو سال کے قریب ہو رہا تھا کیونکہ اس کے ابرو بڑھاپے کی وجہ سے لٹک کر اس کی آنکھوں کے آگے جھک آئے تھے اور اسے صاف طور پر دکھائی تک نہیں دے رہا تھا۔ قد کسی قدر جھکا ہوا محسوس ہوتا تھا اور پاؤں میں کوئی جوتی وغیرہ نہیں تھی لیکن اس کے باوجود کہ کھنڈرات میں جھاڑ جھنکار تھے وہ ننگے پاؤں اس طرح چل رہا تھا جیسے کسی مخمل کے قالین پر چل رہا ہو۔

''کہو بھولے ناتھ کے پاس کیوں آئے ہو اگر ایشور نے تمہاری سفارش نہ کی ہوتی تو تم اس عمارت سے سو کوس دور ہی جل کر بھسم ہو چکے ہوتے۔'' بھولے ناتھ نے خونخوار لہجے میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

گھڑسوار نے اپنے چہرے سے نقاب اتار دیا تھا اور چاند کی چاندنی میں اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح دمک رہا تھا وہ اٹھائیس برس کا ایک خوبرو نوجوان تھا اور نکلتے ہوئے قد کی بدولت دیکھنے میں بہت بھلا معلوم ہو رہا تھا بوڑھے کی بات سن کر اس کے جسم میں سردی کی ایک لہر دوڑ گئی اور وہ مخاطب ہوا۔

''بھولے ناتھ کا میں بہت شکر گزار ہوں کہ اس نے میرے لئے وقت نکالا اور میں ایشور کا بھی مشکور ہوں کہ اس نے احسان کرتے ہوئے میری سفارش کی۔''

''اچھا آؤ میرے ساتھ۔'' بھولے ناتھ نے اس کو اپنے ساتھ اندر آنے کا اشارہ کیا۔

وہ دونوں ایک دوسرے کے پیچھے چلتے ہوئے کھنڈرات کے اندر بنے ایک تہہ خانے میں اترتے چلے گئے۔ تہہ خانے میں سیڑھیاں نیچے تک چلی گئی تھیں اور کم و بیش وہ پچاس کے لگ بھگ سیڑھیاں اترے ہونگے کہ ان کے سامنے ایک اور کمرہ آ گیا تہہ خانے میں نجانے کہاں سے روشنی اور ہوا آ رہی تھی کہ اسے نہ تو کسی قسم کی گرمی کا احساس ہو رہا تھا اور نہ ہی اندھیرے کا وہ تینوں چلتے ہوئے سامنے نظر آنے والے کمرے میں داخل ہو گئے۔ یہ ایک کافی کشادہ کمرہ تھا جس میں ایک طرف ہڈیوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا اس نے غور سے دیکھا۔

خدا کی پناہ.....وہ سب انسانی ہڈیوں کا ڈھیر تھا نجانے وہ کن بدنصیب انسانوں کی ہڈیاں تھیں اور کس قسم کے حالات سے دو چار ہوئے تھے چھتوں پر جا بجا مکڑی کے جالے تنے ہوئے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ بے شمار چمگادڑیں الٹی لٹکی ہوئیں تھیں جسامت کے لحاظ سے وہ کبوتر کے برابر تھیں اتنی بڑی چمگادڑیں کم از کم اس نے اپنی زندگی میں پہلے نہیں دیکھی تھیں اور ان کی طرف دیکھ کر جسم پر تھرتھری سی چھوٹتی تھی اور پھر جلد ہی یہ احساس جاتا رہا بھولے ناتھ نے اسے ایک طرف بچھی چٹائی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی ایک طرف بیٹھ گیا ڈھانچہ بدستور اسی طرح کھڑا رہا۔

''اب اپنے یہاں آنے کا مقصد بیان کرو جس کے لیے ایشور نے تمہاری سفارش کی ہے۔'' بھولے ناتھ نے اسے مخاطب کیا۔

''میرا نام نرائن ہے اور میں یہاں سے ایک رات دن کی مسافت پر واقع ایک ریاست مورت نگر کے راجہ بہرام داس کا بڑا بیٹا ہوں کچھ عرصے سے ہماری ریاست میں ایک عجیب واقعہ تسلسل سے پیش آ رہا ہے جس کی وجہ سے ساری نگری کے مکین خوف و ہراس میں مبتلا ہو کر رہ گئے ہیں بات دراصل یہ ہے کہ ہر چاند کی چودھویں شب نگری کے کسی ایک گھر میں سے ایک سندر ناری یکا یک غائب ہو جاتی ہے اس کے لیے ہم نے کھوج لگانے کی بہت کوشش کی مگر راتوں کو پہرہ دینے کے باوجود ہم اس کا کوئی سراغ نہیں لگا سکے۔ سب سے بڑی مشکل تو یہ ہے کہ اس بات کا پتہ نہیں چلتا کہ کب اور کس وقت چودھویں رات کون سے گھر کی ناری غائب ہو جائے گی۔ اس لیے سب گھروں پر پہرے بھی نہیں بٹھا سکتے۔ اس پریشانی کی وجہ سے نگری کے لوگ آہستہ آہستہ دوسرے محفوظ علاقوں میں منتقل ہونا شروع ہو گئے ہیں اس وجہ سے راجہ بہرام داس بہت فکر مند ہیں تھک ہار کر میرے پتا نے ایشور سے رابطہ کیا' ایشور سے ہمارے پرکھوں کے بہت گہرے مراسم رہے ہیں جس کی وجہ سے پتا جی نے اس سے مدد چاہی۔ جمنا کے مشرق کی جانب پیلے مرگھٹ کے قریب واقع ایک قدیم گپھا میں ڈیرہ ڈالے ہوئے ہیں جب ہم نے ان کے پاس اپنے کارندے بھیجے تو وہ ایک خاص قسم کا جاپ کرنے جا رہے تھے اس لیے انہوں نے ہمیں آپ کے نام اپنی ایک خاص نشانی دے کر جلد پہنچنے کی تلقین کی جس کے جواب میں' میں فوراً چلا آیا یہاں کا پتہ مجھے انہوں نے پوری تفصیل سے بتا دیا تھا اس لیے مجھے بناء کوئی تکلیف اٹھائے یہاں آنے میں آسانی رہی۔''

یہ کہتے ہوئے اس نے جیب سے ایک مٹی کا مجسمہ نکال کر بھولے ناتھ کے سامنے زمین پر رکھ دیا۔

''یہ انگا دیوی کا مجسمہ تھا جس کے بارے میں یہ روایت عام تھی کہ جس کے پاس یہ مجسمہ ہو گا خوش قسمتی کی دیوی اس پر سدا مہربان رہے گی۔''

بھولے ناتھ جو بڑے غور سے اس کی روداد سن رہا تھا جب اس کی نظر مجسمے پر پڑی تو خوشی سے اس کی چیخ نکل گئی اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے اٹھایا اور کہنے لگا۔

''ایشور کی اس نشانی کو میں سنسار کی سب سے قیمتی شے سمجھوں گا۔ میں جہاں تک ہو سکا مورت نگر کے باسیوں کو اس کشٹ سے نکالوں گا۔ اب اگر تم جانا چاہو تو جا سکتے ہو میں تمہارے جانے کا بندوبست کیے دیتا ہوں۔ میں چاند کی بارہ تاریخ کو مورت نگر پہنچ جاؤں گا اس دوران میں خاص جاپ کرنا چاہتا ہوں' ایشور نے کچھ تو تمہیں اس کا کارن بتایا ہو گا۔'' بھولے ناتھ نے ایک خیال کے تحت پوچھا۔

''انہوں نے ساری روداد سن کر صرف یہی کہا کہ وہ اپنے ایک خاص جاپ میں مصروف ہیں اس لیے انہوں نے فوراً آپ کے پاس پہنچنے کے لیے زور دیا اور ساتھ یہ بھی تاکید کی کہ جس قدر ہو سکے آپ کے پاس پہنچ کر اس کا کوئی اُپائے تلاش کیا جائے۔ اس لیے جیسے ہی انہوں نے ہدایت کی میں بغیر وقت ضائع کیے آپ کے پاس پہنچ گیا ہوں۔'' نرائن تفصیل بتا کر خاموش ہو گیا۔

''ٹھیک ہے میں تمہاری واپسی کے لیے بندوبست کرتا ہوں تم فوراً مورت نگر پہنچ کر راجہ بہرام داس کو تسلی دو میں دو روز پہلے پہنچ کر اس کا کوئی نہ کوئی اپائے تلاش کروں گا۔'' بھولے ناتھ نے یہ کہتے ہوئے ڈھانچے کو اشارہ کیا۔

ڈھانچہ سر ہلاتا ہوا اندر کی طرف چلا گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ واپس لوٹا تو اس کے ہاتھ میں ایک انسانی ہڈی

Pakistanipoint

تھی اس نے وہ ہڈی بھولے ناتھ کو تھمائی اور ایک جانب جا کھڑا ہوا۔ ہڈی ہاتھ میں لیتے ہی بھولے ناتھ منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگا اور پھر اسے نرائن کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

''یہ لو اسے اپنے سیدھے ہاتھ میں تھام لو اور گھوڑے پر بیٹھ کر اپنی آنکھیں بند کر لینا اور اس وقت تک آنکھیں مت کھولنا جب تک گھوڑا رک نہ جائے۔ جیسے ہی گھوڑا رکے گا تو تمہارے ہاتھ سے یہ ہڈی غائب ہو جائے گی۔ بس پھر تم اپنی آنکھیں کھول لینا تم خود کو اپنی ریاست کے قریب پاؤ گے۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے ہڈی اسے تھمادی جسے نرائن نے جلدی سے اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا۔

وہ دونوں چلتے ہوئے کھنڈرات سے باہر نکل آئے۔ ڈھانچہ ان کے پیچھے نہیں آیا تھا شاید بھولے ناتھ نے اسے وہیں رکنے کا اشارہ کر دیا تھا کھنڈرات کے باہر اس کا گھوڑا وہیں کھڑا تھا جہاں نرائن نے اسے چھوڑا تھا اپنے مالک کو دیکھ کر وہ خوشی سے ہنہنایا۔ نرائن نے اسے تھپکی دی اور پھر بھولے ناتھ سے ہاتھ ملا کر اچک کر گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو گیا اور آنکھیں بند کر کے اس کو ایڑ ماری ایڑ مارتے ہی گھوڑا ایک دم ہوا میں اچھلا اور نرائن کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ تیز آندھی میں اڑتا چلا جا رہا ہو ہوا کی رفتار اس قدر تیز تھی کہ اسے اپنا جسم بار بار گھوڑے سے نیچے کی جانب گرتا محسوس ہو رہا تھا جسے سنبھالنا بہت مشکل ہو رہا تھا لیکن ایک ماہر گھڑ سوار کی طرح وہ خود کو سنبھالے ہوئے تھا جلد ہی گھوڑے کی رفتار آہستہ ہونے لگی اور پھر جیسے وہ ایک جگہ رکا اس کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی ہڈی اچانک غائب ہو گئی اس نے جلدی سے اپنی آنکھیں کھول دیں یہ دیکھ کر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہ اپنی ریاست کے قریب ہی کھڑا ہے جو فاصلہ اس نے ایک دن رات کی مسافت سے طے کیا تھا وہ منٹوں میں طے ہو گیا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ گھوڑے کو چلاتا اپنے محل کی جانب بڑھنے لگا۔ صبح ہونے میں ابھی خاصا وقت تھا اس لیے گلیاں اور بازار سنسان پڑے تھے ہر طرف اک خاموشی طاری تھی اور لوگ نیند کے مزے لوٹ رہے تھے جلد وہ اپنے محل کے نزدیک پہنچ گیا گھر کے افراد سوئے ہوئے تھے لیکن جب اس نے پہرے داروں سے کہہ کر اپنے پتا کو اٹھایا تو اس کے ساتھ ساتھ اس کے گھر کے دیگر افراد بھی اٹھ گئے اس نے انہیں تمام واقعہ سنایا اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ چاند کی بارہ تاریخ کو بھولے ناتھ بذات خود یہاں آئے گا اور پھر وہ سب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس پراسرار بلا سے نجات پا جائیں گے۔

دوسرے روز انہوں نے تمام ریاست میں یہ اعلان کرا دیا کہ ایک گیانی چاند کی بارہ تاریخ کو ناریوں کی گمشدگی کے بارے میں کوئی اُپائے کرنے آ رہا ہے۔ اس لیے تمام نگر باسیوں کو یہ اطلاع دی جاتی ہے کہ وہ بے فکر ہو کر اپنے اپنے کام کاج کریں اور کسی قسم کے خوف سے گھبرا کر اپنے بھرے پرے گھروں کو یوں چھوڑ کر نہ جائیں راجہ کے اس اعلان کے ساتھ ہی پوری نگری میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور اس اعلان کے دوسرے دن وہ لوگ جو گھبرا کر اپنے گھروں کو خیر باد کہہ چکے تھے واپس لوٹنے لگے۔

دوسری جانب چاند کی بارہ تاریخ کو بھولے ناتھ اپنے وعدے کے مطابق مورت نگر پہنچ گیا اور اس کے استقبال کے لیے راجہ بہرام داس اور اس کے دونوں بیٹے سرحد پر پہنچے ہوئے تھے وہ اسے عزت و احترام سے محل لے آئے۔ بھولے ناتھ اپنے ساتھ ایک اُلو اور ایک چرمی تھیلا لایا تھا جس میں نجانے کیا کچھ بھرا ہوا تھا اور اُلو عام اُلوؤں کی جسامت سے بڑا تھا اس کی بڑی بڑی اور لال انگارہ آنکھوں کی طرف دیکھ کر جسم پر کپکپی طاری ہوتی تھی۔ راجہ نے اس کے رہنے کے لیے محل کے دائیں جانب ایک قطار میں بنے کمروں میں سے ایک کمرے کا بندوبست کر دیا تھا۔ کمرے میں ضرورت کی ہر چیز پہلے سے ہی رکھوا دی گئی تھی لیکن بھولے ناتھ نے یہ کہہ کر کہ اسے ان مادی چیزوں سے کوئی سروکار نہ ہے انہیں اٹھوا لیا جائے۔

یہ چاند کی بارہ تاریخ تھی آسمان پر گہرے بادل چھائے ہوئے تھے اس قدر اندھیرا تھا کہ ایک فٹ کے فاصلے تک کی چیز واضح دکھائی نہ دے رہی تھی دور جنگل سے کبھی کبھی گیدڑوں اور لگڑ بھگڑوں کے چیخنے کی آوازیں

PakistaniPoint

سنائی دے جاتی تھیں۔ چاروں طرف ہو کا عالم طاری تھا بہت ہی لرزا دینے والی شب تھی اس بھیانک اور پراسرار خاموشی میں بھولے ناتھ ایک جانب بڑھا جا رہا تھا اس کے دائیں کندھے پر اس کا اُلو بیٹھا ہوا تھا اور بائیں کندھے پر اس نے ایک چادر ڈالی ہوئی تھی۔ اس نے ایک ہاتھ میں مٹی کی ہنڈیا اٹھائی ہوئی تھی جس کے منہ پر ایک سفید کپڑا بندھا ہوا تھا رات کے اندھیرے میں وہ یوں آگے بڑھا چلا جا رہا تھا جیسے دن کا سماں ہو۔ چلتے چلتے وہ ایک پرانے برگد کے درخت کے نیچے جا کر ٹھہر گیا اور اُلو کو ہاتھ سے ہلکی سی تھپکی دی اُلو فوراً اس کے کندھے سے اڑ کر برگد کی ایک شاخ پر جا کر بیٹھ گیا۔

بھولے ناتھ نے چادر کندھے سے اتار کر زمین پر بچھا دی اور ہنڈیا کو اپنے سامنے رکھ کر خود آلتی پالتی مار کر چادر پر بیٹھ گیا۔ پھر آنکھیں بند کر کے منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگا۔ اُلو خاموشی سے بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا کچھ دیر تک وہ جاپ میں مصروف رہا اور پھر اس کا جسم یوں لرزنے لگا جیسے اس کو بجلی کا ننگا تار چھو گیا ہو چند لمحوں تک یہی کیفیت رہنے کے بعد اس نے یکدم اپنی آنکھیں کھول دیں اور ہنڈیا پر ایک پھونک مار دی۔ پھونک پڑتے ہی اس پر بندھا ہوا کپڑا غائب ہو گیا اور اس میں سے دھوئیں کی ایک لکیر نکل کر درخت کی شاخوں کی طرف بڑھنے لگی دھواں جیسے ہی درخت کے اندر پہنچا اُلو چیختے ہوئے اس کی شاخ سے اڑا اور لہراتا ہوا بھولے ناتھ کے قدموں میں آن گرا۔

بھولے ناتھ نے لپک کر اس کو قابو کیا اور جلدی سے جیب سے ایک تیز دھار خنجر نکال کر اس کی گردن پر پھیرا اور گردن تن سے جدا کر کے دور پھینک دی۔ پھر جلدی سے اس کے مردہ جسم کو ہاتھوں میں اٹھا کر ہنڈیا کے اوپر کر دیا۔ اُلو کے مردہ جسم سے گاڑھا گاڑھا خون نکل کر ایک دھارے کی صورت میں ہنڈیا میں گرنے لگا اور جیسے ہی اس کے خون سے آدھی ہنڈیا بھری بھولے ناتھ نے اس کے جسم کو پرے پھینک دیا اور جیب سے ایک کاغذ کی پڑیا نکال کر اس کو کھولا اور اسے ہنڈیا میں انڈیل دیا یہ ایک صدی پرانی قبر کے مردے کی ہڈیوں سے حاصل کیا گیا سفوف تھا جسے بڑی مشکل سے اس نے حاصل کیا تھا وہ چونکہ پہلے سے ہی یہ سب بندوبست کر کے چلا تھا اس لیے اسے یہاں کسی قسم کی کوئی پریشانی نہ ہوئی تھی۔

اس نے اپنے طور پر حساب لگانے کی پوری کوشش کی تھی کہ اسی طرح ان پیش آنے والے عجیب و غریب واقعات کا پتہ لگ جائے مگر اسے سوائے اس کے کوئی بات معلوم نہ ہو سکی کہ یہ سب ایک پراسرار پرندے کی کارستانی ہے بعد میں اس نے اپنے گرو سے رابطہ کیا اور اسے تمام حالات بتائے جواب میں اسے ایک خاص جاپ کرنے کے بارے میں کہا گیا جس سے اس کے قبضے میں ایک روح آ جاتی ہے جس سے وہ اس پرندے کو ہلاک کرنے کی مدد لے سکتا تھا۔ پھر اس نے گرو مہاراج کے کہنے کے مطابق ایک بھیانک اور تاریک غار میں انسانی کھوپڑیوں پر بیٹھ کر اور دو معصوم بچوں کا خون پی کر ایک جاپ کیا تھا جس کے جواب میں اس کے قبضے میں ایک روح آ گئی تھی اور اس کے بعد وہ مورت نگر پہنچا تھا۔

ایشور سے اس کا بہت پرانا یارانہ تھا ایک بار ویران علاقے میں اس کے پیچھے ایک خوفناک روح لگ گئی تھی اور اسے اپنی جان بچانا مشکل ہو گئی تھی کہ اچانک ایشور نے وہاں پہنچ کر اسے اس روح سے بچایا تھا اس دن کے بعد وہ ایشور کا دم بھرتا تھا اور اب جب کہ ایشور نے اس سے کام لینے کے لیے کہا تھا تو وہ بھی بے دھڑک اس کا کام کرنے کے لیے تیار ہو گیا تھا اس نے جیسے ہی پڑیا کھول کر ہنڈیا میں انڈیلی یکا یک اس میں سے نکلنے والے دھوئیں کا رنگ گہرے سرخ رنگ میں تبدیل ہو گیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس نے نارنجی شعلوں کا روپ دھار لیا اور اس کے اندر ایک روح کی شبیہہ ابھرنے لگی۔ وہ سفید لبادے میں ملبوس تھی جس کا بدن شیشے کی مانند نظر آ رہا تھا اور اس کے دونوں طرف دیکھا جا سکتا تھا اس نے چہرے پر ایک لمبا سا گھونگٹ نکالا ہوا تھا اور اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ یہ کسی مرد کی روح ہے یا عورت کی وہ جسمانی طور پر تو پوری باہر تھی لیکن اس کے پاؤں ہنڈیا کے اندر ہی تھے اور وہ دیئے کی لو کی مانند تھرتھرا رہی تھی اس کے ہاتھوں کے ناخن کانٹوں کی مانند تھے اور چہرہ مکمل طور پر گھونگٹ میں چھپا ہوا تھا۔

''آ شمال حاضر ہے مہاراج۔'' روح کے منہ سے

ایک غیر مرئی آواز نکلی۔ ''شاہو مہاراج کہ مجھے ملونا مندر کے پجاری سے اجازت طلب کرنے میں دیر ہوئی۔''

کوئی بات نہیں آشال تمہیں کسی قسم کی چنتا کرنے کی ضرورت نہیں ہے ہمیں خوشی ہے کہ تم آ گئیں۔ اب میری طرف غور سے دیکھو اور اپنا چہرہ دکھاؤ۔'' بھولے ناتھ نے خوشی سے جھومتے ہوئے اس سے کہا۔

روح نے ہاتھ سے گھونگٹ الٹ دیا اور بھولے ناتھ جو بڑے تجسس سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا ایک جھٹکے سے پیچھے کی جانب گرتے گرتے بچا۔ گھونگٹ الٹتے ہی اس کا بھیانک چہرہ اپنی تمام تر وحشت کے ساتھ اس کے سامنے آ گیا تھا۔ اس کے منہ سے نکلے ہوئے لمبے لمبے اور پیلے دانت اس کی ٹھوڑی تک جھول رہے تھے اور اس کی آنکھیں ترچھی اور خونخوار تھیں اور اس کے ساتھ ساتھ اس کا بھیانک اور سیاہ رنگ بہت خوفزدہ کر دینے والا تھا۔ بہت ہی لرزا دینے والا منظر تھا بھولے ناتھ جو کہ خود بھی ایک شیطان تھا اور اس قسم کے شعبدوں کا ماہر تھا وہ بھی اپنے ہوش قائم نہ رکھ سکا اور پھر جلدی سے سنبھل گیا کیونکہ وہ روح پر اپنی کمزوری ظاہر نہ کرنا چاہتا تھا کہ کہیں وہ اسے ہی اپنے تابع نہ کر لے۔

''خدا کی پناہ! تم تو بہت ہی بھیانک چہرے کی مالک ہو اور آئندہ میرے سامنے اپنا یہ بدصورت چہرہ لے کر دوبارہ نہ آنا اور اب جلدی سے اپنا چہرہ دوبارہ گھونگٹ میں چھپا لو۔'' بھولے ناتھ نے سنبھلتے ہوئے کہا۔

''جو حکم مہاراج! آپ نے مجھے کس کارن طلب کیا ہے۔'' روح نے ہنستے ہوئے اپنا چہرہ دوبارہ گھونگٹ میں چھپا لیا اور بولی۔

بھولے ناتھ نے اسے تمام حالات بتائے روح تھرکتے انداز میں لہرا لہرا کر اس کی زبانی تمام واقعات سنتی رہی اور بھولے ناتھ تمام تفصیل بتا کر چپ ہو گیا۔

''مہاراج اس پراسرار گمشدگی کے پیچھے ایک سادھو کی روح کارفرما ہے یہ سارا چکر اسی سادھو کی روح کا ہی چلایا ہوا ہے جو کالی پہاڑیوں میں موجود غاروں میں سے ایک تاریک غار میں بیٹھ کر ایک جاپ میں مشغول ہے اس جاپ سے اسے صدیوں تک جیون رکھشا مل جائے گی اس کے بارے میں اسے ایک گیانی نے بتایا تھا اور کہا موت اس کے نزدیک نہ آئے گی اور یہ کہ جاپ کے دوران اسے دس سندر ناریوں کی ہتھیا کرنا ہو گی اور ان کے کلیجے کچے چبانا ہوں گے اور اسی مقصد کی خاطر اس نے ایک خاص عمل کر کے مورت نگر کا پتہ چلا لیا جس میں اسے اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے اکٹھی دس سندر ناریاں مل گئیں اور وہاں ایک ایک کر کے انہیں وہیں بیٹھا اپنے ایک چیلے سروپ کے ذریعے غائب کر رہا ہے اب تک وہ پانچ ناریوں کی ہتھیا کر چکا ہے اور ابھی پانچ رہتی ہیں اگر اسی طرح وہ ہر چاند کی چودھویں رات کو ایک ایک کر کے ناری گم کرتا رہا تو پھر اس کو ہمیشہ کے لیے جیون مل جائے گا اور وہ سنسار میں بڑا شیطان بن جائے گا۔ ناری اٹھانے کے لیے وہ سروپ کو ایک پرندے کی شکل میں روانہ کرتا ہے وہ ہر چودھویں کی رات کو اچانک آتا ہے اور سادھو کی طرف سے نشاندہی کیے ہوئے گھر کی ایک ناری کو اپنے پنجوں میں دبوچ کر لے اڑتا ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ گھر کے افراد کی لاکھ پابندیوں کے باوجود بھی ناری کسی نہ کسی طرح باہر کھلے میدان میں خود بخود چل کر پہنچ جاتی ہے اور پھر اچانک کسی طرف سے وہ پرندہ نمودار ہوتا ہے اور ناری کو اپنے پنجوں میں دبا کر کالی پہاڑیوں میں غائب ہو جاتا ہے پرندے کی جسامت شتر مرغ سے ملتی جلتی ہے اور وہ اپنے بڑے بڑے پروں کی وجہ سے آسانی سے ایک ناری کو دبا کر اپنی منزل پر جا پہنچتا ہے۔''

جیسے جیسے روح تفصیل بتا رہی تھی بھولے ناتھ آنکھیں اور منہ پھاڑے اس کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ تمام تفصیل بتا کر روح چپ ہو گئی۔

''تم نے تفصیل تو بتا دی اب اس کا کوئی اُپائے بھی ساتھ ہی بتا دو۔ اب ان کالی پہاڑیوں تک کیوں کر پہنچا جائے کیا اس سلسلے میں تم میری کچھ مدد کر سکتی ہو؟'' بھولے ناتھ نے روح سے پوچھا۔

''میں صرف اس حد تک تمہارے کام آ سکتی ہوں کہ تمہیں کالی پہاڑیوں تک جانے کا راستہ بتا دوں اور ویسے بھی تم نے جو جاپ کیا ہے اس سے میں صرف تفصیل ہی بتا سکتی تھی اور اس سادھو کی شکتی کو میں کسی طور پر بھی توڑ نہیں سکتی۔'' روح نے تاسف بھرے لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے پھر مجھے ان کالی پہاڑیوں تک جانے کا

راستہ بتاؤ۔'' بھولے ناتھ نے مایوسی سے کہا۔

یہ سب سن کر بہت مایوسی ہوئی تھی اسے اپنا سارا کیا کرایا کام ضائع ہوتا محسوس ہو رہا تھا اس نے تو یہ سمجھا تھا کہ وہ جاپ کر کے روح کی مدد سے اس پر اسرار چکر کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دے گا مگر اب روح کی بات سن کر اس کی اُمیدوں پر پانی پھر گیا تھا اور کافی دیر تک مغز ماری کرنے کے بعد وہ تمام راستہ بخوبی سمجھ گیا۔

''بس اب میں اس سادھو سے نبٹ لوں گا تو اب جا۔'' بھولے ناتھ نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے روح کو واپسی کی اجازت دی۔

روح نے خوشی سے ایک چیخ ماری اور یکدم آسمان کی جانب پرواز کر گئی جیسے ہی وہ ہنڈیا سے نکلی ہنڈیا ایک دھماکے سے پھٹی اور اس میں سے نکلنے والی راکھ اڑ کر بھولے ناتھ کے سر میں جا پڑی بھولے ناتھ نے اسے ایک گالی نکالی اور اپنے ہاتھوں سے راکھ جھاڑتا واپس اپنے ٹھکانے کی جانب چل پڑا۔

یہ چودھویں کی رات تھی چاند اپنے پورے شباب پر تھا چاروں طرف چاندنی چٹکی ہوئی تھی دل کو لبھانے والی خوشگوار ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی قدرت کا حسن بھرپور انداز میں نکھر کر سامنے آ گیا تھا لیکن اس حسن کو دیکھنے والا کوئی بشر نہ تھا کیونکہ آج کی رات مورت نگر کے باسیوں کے لیے قیامت کی رات تھی ہر گھر میں ایک بھیانک سناٹا چھایا ہوا تھا خود مورت نگر کا راجہ بہرام داس بھی فکر مندی کے باعث اپنے محل کے کمرے میں ٹہل رہا تھا نرائن اور اس کا چھوٹا لڑکا نند لعل کرسیوں پر بیٹھے اس کی طرف دیکھ رہے تھے اب سے کچھ ہی دیر قبل بھولے ناتھ محل سے نکل کر جنگل کی طرف چلا گیا تھا اور انہیں تاکید کر گیا تھا کہ کچھ بھی ہو جائے انہوں نے گھروں سے باہر نہیں نکلنا ہے حتیٰ کہ اگر رات کے کسی پہر وہ خود بھی آ کر کسی کا دروازہ بجائے تو کوئی دروازہ نہ کھولے کیونکہ ہو سکتا ہے اس کے بھیس میں کوئی اور شیطانی روح اپنا مقصد پورا کر جائے۔

راجہ بہرام داس ٹہلتے ہوئے بار بار اپنے ہاتھ کی ہتھیلی پر دوسرے ہاتھ کی مٹھی بنائے مارتا جا رہا تھا اس کی سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ بھولے ناتھ اس پر اسرار چکر کو کیونکر ختم کر سکے گا لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسے ایشور کی صلاحیتوں پر بھی یقین تھا کیونکہ اب سے کچھ عرصہ قبل وہ ایشور سے اپنے کچھ مسائل حل کروا چکا تھا اس لیے اب جبکہ وہ خود کسی جاپ میں مصروف تھا تو اس نے یہ کام بھولے ناتھ کے سپرد کر دیا تھا اور اسے اب یہ فکر کھائے جا رہی تھی کہ بھولے ناتھ کی شکتی اس چکر کو بے نقاب کرنے میں کامیاب ہو جائے گی کہ نہیں؟ یا کہیں وہ خود بھی اس گھن چکر میں نہ پھنس جائے۔

''پتا جی! آپ بالکل چنتا نہ کریں بھولے ناتھ بہت گیانی ہیں اور ایشور نے کسی ایسے ویسے منش کے ذمے تو یہ کام نہ لگایا ہو گا انہوں نے بھولے ناتھ کو اس کارن جان کر یہ ذمہ داری سونپی ہو گی۔'' نرائن نے خاموشی کو توڑتے ہوئے اپنے پتا سے کہا۔

''تم ٹھیک کہتے ہو نرائن پر بالک تم ان شیطانی قوتوں کو اچھی طرح نہیں جانتے یہ کس قدر طاقتور ہوتی ہیں ایک بری آتما کو ختم کرنے کے لیے ایک گیانی دھیانی کا ہونا لازمی ہے ورنہ وہ خود اس بری آتما کے ہاتھوں اپنی ہتھیا کروا بیٹھے گا اس لیے میں دل سے چاہتا تھا کہ اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے ایشور مہاراج خود یہاں تشریف لاتے۔'' بہرام داس نے اس کو جواب دیا۔

''لیکن پتا جی بھولے ناتھ نے بہت سارے جاپ اور چلے کاٹے ہیں اور میں خود اس کے ٹھکانے سے ہو کر آیا ہوں میں نے وہاں جو بہت سارے منظر دیکھے وہ اس کی شکتی کو بخوبی ظاہر کرتے تھے۔'' نرائن نے دلیل دیتے ہوئے کہا۔

''تم ٹھیک کہتے ہو بھگوان کرے آج کی رات سکون سے گزر جائے۔'' بہرام داس نے امید بھرے لہجے میں کہا۔

چاروں طرف ہو کا عالم طاری تھا اس قدر اندھیرا چھایا ہوا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دے رہا تھا ایسا لگ رہا تھا جیسے فضا نے اندھیرے کا لبادہ اوڑھ رکھا ہو بھولے ناتھ ایک کڑیل خچر پر سوار اندھیرے میں آگے بڑھا جا رہا تھا وہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر غور سے آگے جانے والے راستے کو دیکھ رہا تھا کہ اچانک خچر کا اگلا دایاں پاؤں ایک لمحے کے لیے مڑا اور پھر یک لخت سیدھا

PakistaniPoint

ہو گیا بھولے ناتھ نے غور سے اس چیز کو دیکھنا چاہا جس سے اس کے خچر کو ٹھوکر لگی تھی تو یہ دیکھ کر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ سامنے ایک انسانی کھوپڑی زمین پر پڑی ہوئی تھی جس کی آنکھوں کا رخ اسی کی جانب تھا۔

''بھولے ناتھ کیوں تنگ کرتے ہو مورکھ! جاؤ اپنا کام کرو اور مجھے اپنا کام کرنے دو۔'' کھوپڑی کے لب ہلے اور اسے ایک آواز سنائی دی۔ بھولے ناتھ جو حیرت سے اسے تک رہا تھا اس کو بولتے دیکھ کر حیران رہ گیا۔

''کون ہو تم اور مجھے کیسے جانتی ہو۔'' بھولے ناتھ نے جواباً پوچھا۔

''حیران ہونے کی ضرورت نہ ہے بھولے ناتھ مجھے تو یہ بھی معلوم ہے کہ تجھے یہاں کس نے اور کیوں بھیجا ہے میں اس سادھو کی روح بول رہی ہوں جسے تم ختم کرنا چاہتے ہو۔'' کھوپڑی نے اسے مزید حیران کر دیا۔

''اچھا تو تم اس سادھو کی روح ہو جس کا ذکر میری ایک تابع روح نے کیا تھا۔'' بھولے ناتھ نے بے دھڑک لہجے میں اسے مخاطب کیا۔

''ہاں اور تم یہ بھی سن لو کہ اگر تم نے کالی پہاڑیوں کا رخ کیا جل کر بھسم ہو جاؤ گے میرے تابع روحیں تمہیں کالی پہاڑیوں سے پہلے ہی ختم کر دیں گی۔'' کھوپڑی نے اسے دھمکی دی۔

''ارے جا جا..... بھولے ناتھ کو دھمکی دیتی ہو میں ایک اور جاپ کرنے لگا ہوں اور آج کے بعد اگر تم نے مورت نگر کی کسی سندر ناری کو لیجانے کی کوشش کی تو کالی پہاڑیوں میں پہنچ کر تمہاری ہتھیا کر دوں گا۔'' بھولے ناتھ نے بھی جواباً اسے دھمکی دی۔

کھوپڑی نے یہ سنتے ہی ایک طنزیہ قہقہہ لگایا اور یکدم نظروں سے غائب ہو گئی۔ بھولے ناتھ نے آگے کا سفر ملتوی کر دیا اور وہیں آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا اور جیب سے ایک چمکدار خنجر نکال کر اسے اپنے سامنے زمین پر گاڑ دیا اور اپنے چاروں طرف ایک حصار کھینچا اور کچھ دیر کے لیے اپنی سانس روک لی اور دل ہی دل میں ایک منتر کا ورد کرنے لگا جیسے جیسے وہ منتر پڑھتا جا رہا تھا ویسے ویسے خنجر کا رنگ سرخی مائل ہوتا جا رہا تھا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس قدر سرخ ہو گیا کہ لگتا تھا کہ ابھی اس میں سے خون ٹپکنے لگے گا۔ بھولے ناتھ نے ایک ہی سانس میں ایک طویل منتر پڑھ لیا تھا اور پھر خنجر پر ایک پھونک مار کر زور سے اپنی سانس خارج کی اس کے پیٹ سے اس طرح کی آواز نکلی جیسے کسی غبارے سے ہوا نکلتے وقت آتی ہے اس نے سانس بحال ہوتے ہی ایک جھٹکے سے خنجر کو زمین سے نکال کر ہاتھ میں تھام لیا اور واپس مورت نگر کی جانب چل پڑا۔

چودھویں رات کا چاند ایک گول شیشے کی مانند آسمان پر دمک رہا تھا اس کی مطر اور ٹھنڈی چاندنی نے چاروں طرف ایک سحر ساطاری کیا ہوا تھا لیکن اس چاندنی کا نظارہ کرنے والے افراد اپنے گھروں کے اندر دبکے آنے والے وقت کا انتظار کر رہے تھے ہر اس گھر میں موت کا سا سناٹا چھایا ہوا تھا جس میں ایک نوجوان اور سندر ناری موجود تھی ایسے میں مشرق کی جانب سے ایک عجیب الخلقت بڑا سا پرندہ جو جسامت کے لحاظ سے شتر مرغ جتنا تھا اور اس کے بڑے بڑے سرمئی رنگ کے پر تھے اور طوطے کی مانند مڑی ہوئی نوکیلی چونچ اس کی وحشت میں بے پناہ اضافہ کر رہی تھی وہ تیزی سے آیا اور مورت نگر کے گھروں پر پرواز کرنے لگا اس کی اُلو کی مانند بڑی بڑی اور گول آنکھوں میں ایک وحشیانہ چمک تھی یہ سروپ تھا جسے سادھو نے اس ایک منحوس پرندے کی شکل میں اپنے مذموم مقاصد کے لیے بھیجا تھا پرندے کی آنکھوں سے ٹپکتی ہوئی وحشیانہ چمک سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس سادھو نے اسے بھولے ناتھ کی دھمکی سے آگاہ کر کے بھیجا تھا ابھی وہ گھروں پر ایک چکر لگا کر سامنے نظر آنے والے میدان کی جانب پرواز کرنے ہی لگا تھا کہ اسے انتہائی بائیں جانب سے بنے ہوئے گھروں کی آخری نکڑ سے ایک نوجوان اور سندر ناری بے تحاشا بھاگتی ہوئی میدان کی جانب بڑھتی دکھائی دی وہ اڑتے اڑتے فضا ہی میں ساکن ہو گیا اور ٹکٹکی باندھے اسے دیکھنے لگا

ناری بھاگتی ہوئی سیدھی میدان میں آن کر رک گئی اور اس کے منہ سے یوں آوازیں نکلیں جیسے وہ اشلوک پڑھ رہی ہو اسے کھلے میدان میں دیکھتے ہی پرندے نے جھپٹا مارا اور اسے اپنے خونخوار پنجوں میں دبوچ کر جیسے ہی بلندی کی جانب پرواز کرنا چاہی کہ اچانک ایک جانب

سے بھولے ناتھ ایک جن کی طرح نمودار ہوا اور اس نے چیختے ہوئے ہاتھ میں پکڑا خنجر تاک کر اس پرندے کو دے مارا خنجر ایک تیر کی مانند اڑتا ہوا گیا اور اس پرندے کے پیٹ میں جا گھسا اور اس کے پنجوں میں دبی لڑکی ریت کی خالی بوری کی مانند زمین کی جانب گری خنجر لگتے ہی پرندے نے ایک جھٹکا کھایا اور پلٹ کر تیزی سے پرواز کرتا ہوا مشرق کی جانب غائب ہو گیا لڑکی سہمی ہوئی کبھی اس پرندے کو غائب ہوتا دیکھ رہی تھی اور کبھی بھولے ناتھ کو بھولے ناتھ والا معاملہ چونکہ اس کو بھی معلوم تھا اس لیے اس کی موجودگی پر اسے حیرت نہ ہوئی مگر اس پرندے کو ناکام لوٹتے دیکھ کر اسے اچنبھا ضرور ہوا تھا۔

بھولے ناتھ نے اسے سہارا دے کر اٹھایا اور اسے لے کر اس کے گھر کی جانب چل پڑا لڑکی کے گھر میں صف ماتم بچھی ہوئی تھی وہ سب اپنی طرف سے اس کی زندگی کی امید ختم کیے بیٹھے تھے ان کے لاکھ پکڑنے اور روکنے کے باوجود وہ ان سے اپنا دامن چھڑا کر یوں بھاگی تھی جیسے وہ اگر مزید روکنے کی کوشش کرتے تو وہ ان میں سے کسی ایک کو ضرور ہلاک کر دیتی لیکن اب جیسے ہی بھولے ناتھ اس کو لے کر گھر میں داخل ہوا تو وہ خوشی سے نعرے مارتے اس کی جانب بڑھے۔ لڑکی کو زندہ سلامت دیکھ کر وہ بھولے ناتھ کے قدموں میں گر گئے۔ ان کے تفصیل پوچھنے پر بھولے ناتھ نے انہیں تمام ماجرا سنا دیا۔

دوسرے دن بھولے ناتھ کی پرندے کے ساتھ مقابلہ کی خبر اور سندر ناری کے زندہ بچنے کی خبر راجہ بہرام داس کے کانوں تک بھی پہنچ گئی اور اس وقت بھولے ناتھ اس کے پاس بیٹھا اپنی رات کی کارروائی کے متعلق اسے بتا رہا تھا جواب میں راجہ نے اسے شاباش دیتے ہوئے تاکید کی کہ وہ مورت نگر کو ہمیشہ کے لیے اس کھٹنا سے نجات دلائے تاکہ آئندہ اس قسم کا کوئی واقعہ دوبارہ رونما نہ ہو سکے بھولے ناتھ کہنے لگا۔

''اس کے لیے مجھے کالی پہاڑیوں میں جا کر اس سادھو کو ختم کرنا ہوگا تاکہ یہ مسئلہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے۔''

''ٹھیک ہے اس کا رن اگر تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو اوش بتاؤ ہم ابھی اسی سے اس کا بندوبست کیے دیتے ہیں۔'' راجہ بہرام داس نے کہا۔

''نہیں مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے بس آپ مجھے کل آگیا دے دیں اب میں چاہتا ہوں کہ جلد از جلد کالی پہاڑیوں میں پہنچ کر اس سادھو کے ٹینٹوے کو دباؤں''

''ٹھیک ہے میری طرف سے تمہیں ابھی سے آگیا ہے۔'' راجہ بہرام داس نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

بھولے ناتھ اس سے آگیا لے کر واپس اپنے ٹھکانے کی جانب چل پڑا۔ یہ ایک بڑی غار تھی جس کی دیواروں کا رنگ زمانہ کی گردش سے گہرا سیاہ پڑ گیا تھا اور اس کے اندر ملگجا اندھیرا پھیلا ہوا تھا اس میں ایک سادھو آلتی پالتی مارے اپنے سامنے دھونی رچائے بیٹھا تھا اس نے صرف ایک لنگوٹ کسا ہوا تھا اور گیروے رنگ کے لنگوٹ میں اور بالوں کی ایک لٹ جو اس کے سر پر واحد چیز تھی دونوں نے مل کر اسے عجیب مضحکہ خیز بنا دیا تھا دائیں طرف کچھ انسانی ہڈیوں کا ڈھیر پڑا تھا جس میں انسانی کھوپڑیاں دور سے ہی نظر آ رہی تھیں سادھو کے گلے میں کوڑیوں سے بنی مالائیں پڑی تھیں اس کے سامنے ایک ترشول زمین میں گڑا ہوا تھا ترشول کے منہ کے رخ بنے سریئے آسمان کی جانب اٹھے ہوئے تھے ان کے بیچ والے سریئے کی نوک پر ایک لڑکی کا سر ٹنگا ہوا تھا جس کی گردن سے گاڑھا گاڑھا خون قطروں کی شکل میں کوئلوں پر ٹپک رہا تھا اور اس کے ٹپکنے سے فضا میں ایک سڑاندی پھیلی ہوئی تھی اور اس کا گہرا سرخ دھواں غار کی چھت کی طرف جا رہا تھا۔

اچانک اس نے ایک جھٹکے سے پوری آنکھیں کھول دیں اف خدایا! اس کی آنکھوں سے سیاہ پتلیاں غائب تھیں اور انہیں دیکھ کر جسم پر ایک کپکپی سی طاری ہو رہی تھی پھر اس نے اپنی گردن غار کے دائیں طرف گھمائی اور اپنے دائیں ہاتھ کو ترچھا کر کے ایک جھٹکے سے لہرایا تو اس کی انگلیوں کی پوروں سے پیلی روشنی کا ایک دھارا نکلا اور غار کے داخلی دروازے کی جانب بڑھا اور یک لخت سروپ لہراتا ہوا اندر آن گرا۔ اس کے پہلو میں ایک سرخ رنگ کا خنجر دستے تک دھنسا ہوا تھا سروپ کے چہرے

Pakistanipoint

پر تکلیف کے آثار نمایاں تھے اس کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ وہ بڑی اذیت اور مشکل سے یہاں تک پہنچا ہے۔

سادھو نے وہیں بیٹھے بیٹھے اس کی جانب پھونکا اور خنجر اچھل کر پرے جا گرا اور یکدم اس کے زخم سے خون کا ایک فوارہ نکلا خنجر نکلتے ہی سروپ کے منہ سے ایک سسکاری سی نکلی اور پھر اس کی سانس دھونکنی کی مانند چلنے لگی پھر یک لخت اس نے ایک جھٹکا کھایا اور اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی یہ دیکھتے ہی سادھو کا چہرہ غصے سے لال ہو گیا اس نے ایک منتر پڑھتے ہوئے اپنے سامنے کی دیوار پر ایک پھونک ماری تو دیوار ٹیلی ویژن کی اسکرین کی مانند روشن ہو گئی اس میں اسے بھولے ناتھ ایک سندر ناری کے ساتھ گلیوں میں جاتا نظر آیا اس نے پرخیال انداز میں سر ہلایا اور اپنے ہاتھ کی مٹھی بند کر کے غار کی جانب کی اور ایک جھٹکے سے کھول دی دیوار دوبارہ تاریک ہو گئی۔

سادھو سمجھ گیا کہ اس کو بھولے ناتھ نے ہی مارا ہے چونکہ بھولے ناتھ کا تعلق بھی شیطان کے چیلوں سے تھا اس لیے وہ اس کے ساتھ سوچ سمجھ کر مقابلہ کرنا چاہتا تھا اس کے لیے وہ اپنے تمام کالے علم کے وار استعمال کرنا چاہتا تھا۔

رات کا پچھلا پہر تھا بھولے ناتھ ایک خچر پر سوار رات کے اندھیرے میں تاریکی کا ایک حصہ ہی معلوم ہو رہا تھا اس نے اپنے پیچھے ایک تھیلا رکھا ہوا تھا جس کے حجم سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس کے اندر بہت سا سامان ٹھنسا ہوا ہے خچر عام جسامت کے خچروں سے کافی بڑا تھا اس کا گہرا سیاہ رنگ رات کی تاریکی میں چھپ کر رہ گیا تھا بھولے ناتھ راجہ بہرام داس سے آ گیا لے کر دوسرے دن کالی پہاڑیوں کی جانب محو سفر تھا وہ چاہتا تھا کہ جس قدر جلدی ہو سکے وہ سادھو تک پہنچ کر اس کی ہتھیا کر دے اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس کا مقابلہ کسی عام منش سے نہیں بلکہ ایک گیانی سے ہے جو بڑا شیطان ہے اس لیے وہ بہت سوچ سمجھ کر اس کے سامنے جانا چاہتا تھا اس کے لیے اس نے کالے علم کا ایک خاص عمل ''مور پنکھ کی موٹھ'' حاصل کرنے کے لئے ایک پرانی قبر میں مسلسل تین راتوں تک بیٹھ کر چلا کاٹا تو اسے حاصل ہوا تھا اسے پورا وشواش تھا کہ سادھو اس جاپ کی مار بمشکل برداشت کر پائے گا۔ پھر وہ موقع ملتے ہی رات کے اندھیرے میں راجہ بہرام داس سے آ گیا ملتے ہی نکل آیا تھا۔ آتے وقت وہ نرائن سے ضرور ملتا آیا تھا۔

خچر خاموشی سے آگے بڑھتا جا رہا تھا اس کی رفتار بہت آہستہ تھی کیونکہ کہیں گڑھے وغیرہ بھی تھے اس لیے انہیں بچ بچا کر چلنا پڑ رہا تھا خچر ناک کی سیدھ میں یوں آگے بڑھا چلا جا رہا تھا جیسے بھولے ناتھ نے اسے منزل کا پتہ پہلے سے ہی بتا دیا ہو بھولے ناتھ کسی خیال میں بیٹھا سوچوں میں گم تھا کہ خچر یکدم اچھل پڑا اگر بھولے ناتھ لپک کر اس کی گردن میں اپنے دونوں ہاتھ نہ ڈال دیتا تو اس وقت وہ زمین چاٹ رہا ہوتا اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر آگے تاریکی میں دیکھا تو اس کی آنکھیں حیرت کی شدت سے پھیلتی چلی گئیں آگے ایک بہت بڑی کھائی تھی اگر خچر بروقت رک نہ گیا ہوتا تو اس وقت تک بھولے ناتھ ہزاروں فٹ گہری کھائی میں گر کر اپنی ہڈیوں کا سرمہ بنا چکا ہوتا اس نے دل ہی دل میں خچر کو دعائیں دیں پھر اس پر سے اتر کر اس کی رسی تھامی اور دائیں طرف جانے والے راستے پر چل پڑا۔ رات کی بھیانک تاریکی میں اسے ایک بلند پہاڑ دکھائی دیا جو ایک دیو کی طرح سر اٹھائے اس کے سامنے کھڑا تھا اور الٹے ہاتھ ایک بیابان چٹیل میدان تھا جس میں جا بجا جنگلی جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں بھولے ناتھ اپنی آنکھیں بند کر کے آشمل روح کا سمجھایا ہوا پتہ ذہن میں لایا۔ آنکھیں بند ہوتے ہی نقشہ ایک سکرین کی مانند اس کے دماغ میں روشن ہو گیا نقشے کے مطابق وہ بائیں طرف جانے کی بجائے دائیں طرف نکل آیا۔

آشمل روح نے اسے ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا تھا کہ سادھو اس کو نظر میں رکھے ہوئے ہے اور اس کی کوشش ہو گی کہ وہ اپنا راستہ بھول کر کسی اور طرف جا نکلے اور پھر تمام عمر یوں ہی بھٹکتا رہے اب جس طرح اچانک وہ رستہ بھٹک کر اس طرف آ نکلا تھا اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ سادھو اس کے پیچھے ہی لگا ہوا ہے اور اس کے آنے کی خبر اس تک برابر پہنچ رہی ہے وہ ذرا سنبھل گیا اس نے یکدم آنکھیں کھولیں اور بائیں طرف کے راستے کو چھوڑ کر دائیں طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ ابھی اس نے ایک فرلانگ کا

PakistaniPoint

فاصلہ ہی طے کیا ہوگا کہ اسے ایک تیز پھنکار سنائی دی اس نے یکدم گھوم کر پیچھے دیکھا تو اسے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوا اسے اپنے سامنے کم و بیش دو فٹ موٹا اور کم از کم بیس بائیس گز لمبا اژدھا منہ پھاڑے دکھائی دیا اژدھے کے منہ میں باریک باریک دانت آری کے دندانوں کی مانند رات کی تاریکی میں بھی نمایاں تھے اژدھے کی پھنکار کے ساتھ ہی اس کے منہ سے آگ کے شعلے نکلے اور ان کی زد میں آنے والی جھاڑیاں راکھ کا ڈھیر بن رہی تھیں۔

بھولے ناتھ نے سنبھلتے ہی منہ ہی منہ میں ایک منتر پڑھ کر اژدھے پر پھونک دیا اژدھا لپک کر پرے ہٹ گیا اور جواباً اس نے بھی ایک زوردار پھنکار ماری اور ایک بڑا سا شعلہ بھولے ناتھ کو اپنی لپیٹ میں لینے کے لیے آگے بڑھا مگر اس کے جواب میں بھولے ناتھ نے ایک اور منتر پڑھ کر اس شعلے پر پھونک دیا اور شعلہ یوں بجھ گیا جیسے اس پر کسی نے پانی پھینک دیا ہو۔

بھولے ناتھ نے فوراً جیب سے وہی سرخ خنجر نکالا اور تاک کر اژدھے کی آنکھ پر مارا خنجر تیر کی طرح اڑتا ہوا اژدھے کی طرف بڑھا اور ٹھیک اس کی آنکھ میں جا گھسا اس نے اذیت سے ایک تیز پھنکار ماری اور تکلیف سے اپنا سر زمین پر پٹکنے لگا بھولے ناتھ دور کھڑا اس کی طرف دیکھ رہا تھا خنجر دستے تک اس کی آنکھ میں گھسا ہوا تھا اور اس میں سے سبزی مائل گندا مواد نکل کر اس کے چاروں طرف جمع ہو رہا تھا اس کی اکلوتی آنکھ میں غیض و غضب کی بجلیاں لپک رہی تھیں اس نے اپنے سر کو ذرا سا اوپر اٹھایا اور بھولے ناتھ کو قابو کرنے کے لیے آگے بڑھا بھولے ناتھ اس کے ارادے کو جان کر اچھل کر دور جا کھڑا ہوا اور پھر منہ ہی منہ میں ایک منتر پڑھ کر اس کی طرف پھونک دیا اچانک ایک طرف سے ایک بڑا سا شیش ناگ نمودار ہوا اور اس نے اژدھے کو دیکھتے ہی ایک تیز سسکاری ماری اور اسکے منہ سے پانی کی ایک موٹی دھاری نکلی اور بارش کے پانی کی طرح اس اژدھے پر جا گری اور دیکھتے ہی دیکھتے اس اژدھے کا جسم گلنا شروع ہو گیا اور کچھ ہی دیر میں جہاں پہلے اژدھا بیٹھا تھا وہاں گدلے پانی کا ایک تالاب سا بن گیا نجانے پانی میں کیا تھا کہ اس نے منٹوں میں اژدھے کے جسم کو تیزاب کی طرح گلا دیا تھا اژدھے کے پانی بنتے ہی شیش ناگ دوبارہ نظروں سے غائب ہو گیا بھولے ناتھ دور کھڑا تماشا دیکھ رہا تھا۔

شیش ناگ کے غائب ہوتے ہی اس نے دوبارہ سفر شروع کر دیا وہ دل ہی دل میں ناگ دیوتا کے بروقت پہنچ جانے پر اس کا شکر ادا کر رہا تھا کیونکہ اس نے مجبور ہو کر ناگ دیوتا کو بلانے کا منتر پڑھا تھا اکثر یوں بھی ہوا تھا کہ اس نے بارہا منتر پڑھا مگر ناگ دیوتا کہیں اور پہنچا ہوتا تھا مگر آج یہ پہلی بار ہوا تھا کہ اس کے ایک بار منتر پڑھتے ہی وہ اچانک حاضر ہو کر اس کی جان بچانے میں کامیاب ہو گیا تھا بھولے ناتھ سمجھ گیا تھا کہ اس اژدھے کو اس سادھو نے ہی اس کے لیے بھیجا تھا وہ اپنے ایک جاپ کے ذریعے اس کے حربے کو ناکام کر چکا تھا۔

بھولے ناتھ کو خچر پر سفر کرتے مسلسل دو روز ہو گئے تھے۔ لیکن ابھی تک کالی پہاڑیوں کے کوئی آثار تک دکھائی نہ دیئے تھے۔ اسے اس بات کا بھی افسوس تھا کہ اس نے خواہ مخواہ مشکل جاپ کر کے آشمل روح کو تابع کیا اور اس سے اسے حاصل کیا ہوا صرف کالی پہاڑیوں تک جانے کا راستہ وہ بھی بہت کٹھن اور شیطان کی آنت کی مانند طویل۔

سادھو کی طرف سے بھیجے گئے اژدھے کو دیکھ کر اسے یہ بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کا مقابلہ بہت زوروں پر ہو گا کیونکہ دوسری طرف ایک عام منش نہیں بلکہ ایک گیانی ہے جسے کالے علم سے ہی مارنا ہو گا۔ سفلی دنیا جسے کالی کے نام دنیا سے بھی پکارا جاتا ہے ایک علیحدہ اور پراسرار دنیا ہے یہ عام انسان کی سوچ سے بہت بالاتر ہے اس دنیا میں کچھ پراسرار قوتیں کارفرما ہیں اور ان کا الگ ہی نظام ہے۔ سائنس اس دنیا کے سامنے آج بھی بے بس رہی ہے بھولے ناتھ کالے علم کے بہت سے عمل کر کے خود بھی ایک بڑا شیطان بن چکا تھا مگر اب جبکہ اس کا واسطہ ایک بڑے گیانی سے پڑا تو اسے پتہ چلا تھا کہ اونٹ جب پہاڑ تلے آتا ہے تو پھر اسے اپنے قد پر شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسے اس بات کی تسلی تھی کہ اس کے پاس کالے علم کا ایک وار ''مور پنکھ کی موٹھ'' تھی۔ وہ دل ہی دل میں اس بات کا بھی فیصلہ کر چکا تھا کہ

PakistaniPoint

موقع ملتے ہی وہ ایک اور جاپ ''جل جوتری'' بھی مکمل کرے گا۔ ''جل جوتری'' بھی سفلی دنیا کا ایک عمل ہے جس سے اس کے مکمل کرنے والے کے پاس ایک ایسی شکتی آجاتی ہے جس سے وہ اپنے دشمن کو بینائی سے محروم کر کے آسانی سے ختم کر سکتا ہے۔ ''جل جوتری'' کا جاپ کرنے کے لیے اسے صرف دو گھنٹے درکار ہوں گے اس میں اسے ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر سورج کو مسلسل دیکھتے ہوئے منتر پڑھنا ہوگا۔ لیکن اس میں یہ مشکل تھی کہ اس دوران اسے آنکھیں ایک لمحے کے لیے بھی نہیں جھپکنی ہوں گی کیونکہ جیسے ہی اس نے آنکھیں جھپکیں ویسے ہی اسے آدھا زمین میں دھنس جانا ہوگا اور اسی حالت میں مزید دوبارہ دو گھنٹوں تک سورج کو مسلسل تکتے ہوئے جاپ مکمل کرنا ہوگا۔ یہ اس جاپ کی کڑی شرط تھی۔

عام حالات میں اسے جاپ کی کبھی ضرورت محسوس نہ ہوئی تھی مگر اب جبکہ اس کا واسطہ ایک بڑے شیطان سے پڑ گیا تھا تو اسے اب اپنی شکتیوں میں اس شکتی کی کمی شدت سے محسوس ہونے لگی تھی۔ وہ ابھی ان خیالوں میں مگن تھا کہ اس کا خچر ایک جھٹکا لے کر رک گیا اس کے کان اس طرح سیدھے کھڑے ہو گئے جیسے کسی نے انہیں رسیوں سے باندھ کر آسمان کی بلندیوں کی جانب کھینچ لیا ہو بھولے ناتھ نے چونک کر آگے کی سمت دیکھا تو اسے خچر کے رکنے کی وجہ سمجھ میں آگئی۔ خچر سے چار پانچ فٹ کے فاصلے پر زمین پر سیکڑوں چھوٹے بڑے سانپ موجود ہونے سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ صرف بھولے ناتھ کا راستہ روکنے کے لیے ہی آئے ہیں مختلف رنگوں کے چھوٹے بڑے سانپ اور بڑے بڑے زرد رنگ کے بچھوؤں کو دیکھ کر جسم پر کپکپی طاری ہوتی تھی۔

بھولے ناتھ نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں بند کیں اور پھر دوبارہ آنکھیں کھول کر اپنے چرمی تھیلے میں ہاتھ ڈال کر ایک پڑیا نکالی ''یہ سفوف ہرناری'' تھا شیش ناگ کی کینچلی سے بنا ہوا اس سفوف کی خوشبو سے ہر قسم کے سانپ یوں دور بھاگتے تھے جیسے غلیل سے کوا دور بھاگتا ہے اس نے خچر کو ایڑھ لگائی اور سانپوں کے قریب لے گیا اب اس کا اور سانپوں کا فاصلہ ایک دو فٹ کے قریب رہ گیا تو اس نے پڑیا کھول کر ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھی اور پورے زور سے اسے پھونک ماردی۔ سفوف اڑ کر سانپوں اور بچھوؤں پر گرا اور اس نے دیکھا کہ سفوف پڑتے ہی سانپوں اور بچھوؤں میں کھلبلی سی مچ گئی اور جس کا جدھر منہ اٹھا اس طرف کو بھاگ گیا اور کچھ ہی دیر میں میدان صاف ہو گیا۔ بھولے ناتھ نے اطمینان کی ایک طویل سانس خارج کی اور خچر کو ہاتھ سے تھپکی دے کر آگے کی جانب چلنے کا اشارہ کیا۔ خچر خطرہ دور ہوتے ہی اپنے کان دوبارہ نارمل حالت میں لے آیا تھا۔ انسان کی نسبت جانور خطرے کی بو کو جلد اور دور سے بھانپ لینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

بھولے ناتھ کو سفر کرتے ہوئے تیسرا روز تھا شام کا جھٹپٹا چھا رہا تھا سورج کو غروب ہوئے آدھا گھنٹہ ہی ہوا تھا اور آسمان پر کہیں کہیں سفید بادل تیرتے پھر رہے تھے کہیں کہیں ان کے اندر سے جھانکتے ستارے زمین پر دیکھنے میں ناکام ہو رہے تھے۔ بھولے ناتھ کے مطابق اسے اب تک کالی پہاڑیوں کی سرحد پر پہنچ جانا چاہیے تھا اور اسی لئے وہ ابھی اِدھر اُدھر ہی دیکھ رہا تھا کہ اچانک سامنے سے ایک سر کٹا برآمد ہوا اس کے کندھوں پر صرف گردن ہی تھی اور جسم سر سے محروم تھا۔ گردن سے خون ایک فوارے کی مانند اُبل رہا تھا۔ جس کے گرنے سے اس کا سارا جسم خون میں نہایا ہوا تھا۔ بھولے ناتھ نے اسے دیکھتے ہی خچر کو روک لیا خچر نے جب اپنے سامنے اس عجیب و غریب مخلوق کو دیکھا تو بدک کر اپنی دونوں ٹانگیں اوپر اٹھا کر زمین پر ماریں اور بھولے ناتھ کو زمین پر گرا کر ایک جانب بھاگ گیا بھولے ناتھ جو ٹکٹکی باندھے سر کٹے کی طرف دیکھ رہا تھا اچانک جھٹکا لگنے سے سیدھا پکے ہوئے پھل کی طرح زمین پر گرا اور خچر کو برا بھلا کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا سر کٹا آہستہ آہستہ چلتا سیدھا اس کی جانب بڑھتا چلا آرہا تھا اس کے چلنے سے محسوس ہوتا تھا کہ اسے راستہ صاف دکھائی دے رہا ہے۔ قریب پہنچ کر اس نے جیسے ہی بھولے ناتھ کو دبوچنے کی کوشش کی بھولے ناتھ اچھل کر دور ہٹا اور منہ ہی منہ میں ایک منتر پڑھ کر اس کی طرف پھونک دیا منتر پڑھتے ہی اسکے منہ سے ایک لہر نکل کر سر کٹے کی جانب بڑھی مگر سر کٹے کے قریب جیسے ہی پہنچی سر کٹے نے ایک طرف ہٹ کر اسکا یہ

حربہ ناکام بنادیا۔

بھولے ناتھ نے یہ دیکھتے ہی دوبارہ ایک اور منتر پڑھا اور اس بار اس نے جیسے ہی اپنے ہاتھوں کو اس کی طرف جھٹکا اس کی انگلیوں سے پانچ تیز دھار خنجر تیر کی طرح اڑتے ہوئے گئے اور سیدھے سرکٹے کے جسم میں پیوست ہو گئے مگر یہ دیکھ کر بھولے ناتھ حیرت کی شدت سے آنکھیں پھاڑے رہ گیا کہ جہاں جہاں خنجر پیوست ہوئے تھے وہاں سے خون کا ایک قطرہ تک نہیں نکلا تھا اور سرکٹا بھی زندہ حالت میں اس کی طرف بڑھا چلا آرہا تھا۔

بھولے ناتھ نے ایک لمحے کے لیے کچھ سوچا اور جلدی سے چرمی تھیلے میں ہاتھ ڈال کر ایک گول لوہے کا کڑا نکالا جس پر مختلف رنگوں کی چنگاریاں حرکت کرتی نظر آرہی تھیں اس نے ایک منتر پڑھ کر اس کڑے پر پھونکا اور گرو مہاراج کا نعرہ لگاتے ہوئے اسے سرکٹے کی طرف اچھال دیا کڑا سیدھا سرکٹے کی گردن میں جا کر فٹ ہو گیا۔

سرکٹے نے گھبرا کر دونوں ہاتھوں سے کڑے کو پکڑ کر گلے سے نکالنے کی کوشش کی مگر کڑا اس طرح اس کی گردن میں فٹ ہو گیا تھا جیسے کسی نادیدہ قوت نے اسے اپنے ہاتھوں سے سختی کے ساتھ جکڑ لیا ہو اور دیکھتے ہی دیکھتے کڑے کا حجم بڑھنے لگا اور کچھ ہی دیر میں وہ ٹائر کے برابر موٹا ہو گیا اور اس کے وزن سے سرکٹے کا آدھا جسم زمین کی جانب جھک گیا۔ اس کے ہاتھ پیر چلانے سے پتہ چلتا تھا کہ اسے بے پناہ تکلیف کا احساس ہو رہا ہے۔

بھولے ناتھ فاتحانہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ سرکٹے کے جھکتے ہی اس نے تھیلے سے وہی سرخ خنجر نکالا اور دیکھتے ہی دیکھتے فضا میں چاروں طرف گوشت کے جلنے کی سڑاند پھیل گئی۔ بھولے ناتھ سادھو کو ایک بار شکست دے چکا تھا۔ سرکٹے کا جسم پگھلنے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے سیاہ مادے میں تبدیل ہو کر ایک تالاب کی شکل اختیار کر گیا۔ رات کا جھٹپٹا ہر سو پھیل گیا تھا آسمان پر کہیں کہیں چمگادڑیں اڑتی پھر رہی تھیں۔ دور کہیں سے لگڑ بھگوؤں کے چیخنے کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھی۔

بھولے ناتھ نے چاروں طرف ایک طائرانہ نظر دوڑائی کہ شاید اسے کہیں اپنا خنجر نظر آجائے مگر وہ تو اس طرح بھاگا تھا جیسے اس نے موت کو اپنے سامنے دیکھ لیا ہو۔

بھولے ناتھ نے منہ ہی منہ میں ایک منتر پڑھ کر فضا میں پھونکا تو ایک ہدہد کہیں سے نمودار ہوا اور پکارنے لگا۔

''تپ دھاری حاضر ہے مہاراج۔''

''تپ دھاری یہ بتاؤ کالی پہاڑیوں تک پہنچنے کے لیے مجھے کس سمت میں سفر کرنا ہوگا۔'' بھولے ناتھ نے اسے دیکھتے ہی مخاطب کیا۔

''مہاراج کالی پہاڑیوں تک پہنچنے کے لیے آپ کو پہلے سرخ چشمے پر پہنچ کر پانچ سندر ناریوں کے کٹے ہوئے سروں سے ٹپکنے والے خون سے غسل کرنا ہوگا کیونکہ سادھو آپ کو کالی پہاڑیوں تک پہنچنے نہ دے گا۔ اس لیے اگر آپ ایسا نہیں کریں گے تو کالی پہاڑیوں تک جانے والے راستے میں آپ کو ''بھیتل ناڑی'' نامی چڑیل سے سامنا کرنا پڑے گا اس لیے جب آپ سندر ناریوں کے سروں سے ٹپکنے والے خون سے غسل کرلیں گے تو آپ ''بھیتل ناڑی'' نامی چڑیل کی نظروں سے اوجھل ہو جائیں گے اور اس طرح آپ ایک بڑی شکتی کو بغیر چھیڑے کالی پہاڑیوں میں داخل ہو سکیں گے۔'' ہدہد نے ہوا میں ساکن پر پھڑپھڑاتے ہوئے انسانی آواز میں تفصیل بتائی۔

''لیکن یہ سرخ چشمہ کہاں ہے اور اس تک کیسے پہنچا جائے۔'' بھولے ناتھ نے سوال کیا۔

''اس کے لیے آپ کو شمال کی طرف سفر کرنا ہوگا یہاں سے دو راتوں کی مسافت پر آپ کو ایک دریا ملے گا آپ کو اس دریا کے اُلٹے رخ چلنا ہوگا تقریباً آدھا دن کی مسافت طے کرنے کے بعد آپ کو ایک آبشار ملے گا اس آبشار کے عین اوپر ایک بڑا سا شاہ بلوط کا گھنا درخت ہوگا اس کی ایک شاخ کے ساتھ پانچ سندر ناریوں کے سر چوٹیوں کے ساتھ اکٹھے بندھے نظر آئیں گے یہ ان ہی سندر ناریوں کے سر ہیں جنہیں سادھو جیون رکھشا کی خاطر ختم کر چکا ہے۔ ان سروں کی گردنوں سے گاڑھا گاڑھا خون ٹپک رہا ہوگا جو سیدھا آبشار کے پانی میں گر رہا ہے اس خون کو ایک طلسمی طریقے سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پابند کر دیا گیا ہے کیونکہ جب تک یہ خون ٹپکتا رہے گا اس وقت تک اس سادھو کی روح کو جیون رکھشا ملتی رہے گی اس سادھو کی روح کالی پہاڑیوں کے ایک تاریک غار

میں موجود ایک زرد بچھو میں بند ہے اس بچھو میں اس قدر زہر بھرا ہوا ہے کہ اس کی وجہ سے اس کا رنگ زرد دکھائی دیتا ہے اور آس پاس کی زمین اس کی زہریلی پھونکوں سے سیاہی مائل ہو گئی ہے۔ اس لیے آپ کو اس تک پہنچنے کے لیے سادھو کی حفاظتی روحوں سے مقابلہ کرنا ہوگا۔ ان سب کو ختم کرنے کے بعد ہی آپ اس زرد بچھو تک پہنچ سکتے ہیں۔'' ہدہد نے پھدکتے ہوئے مزید تفصیل بتائی۔

بھولے ناتھ ہونقوں کی طرح منہ کھولے تفصیل سن رہا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ وہ مورت نگر کے باسیوں اور راجہ بہرام داس پر دل ہی دل میں لعنت بھیج رہا تھا جنہوں نے خواہ مخواہ اسے ان بکھیڑوں میں لا پھنسایا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ اسے ایشور پر بھی غصہ تھا جس نے اپنے گلے سے مصیبت اتار کر اس کے گلے میں ڈال دی تھی۔ وہ اسی شش و پنج میں تھا کہ اپنا سفر آگے شروع کرے یا یہیں سے واپس لوٹ جائے۔ ابھی وہ اسی سوچ میں غرق تھا کہ اسے ہدہد کی آواز سنائی دی۔

''مہاراج اب مجھے آگیا دیں میرے جانے کا وقت ہو گیا ہے۔'' ٹھیک ہے دفع ہو جاؤ۔'' بھولے ناتھ نے حقارت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اسے اس بات کا غصہ تھا کہ وہ جس شکتی سے بھی کام لینے لگتا ہے وہ صرف تفصیل بتانے تک ہی محدود رہتی ہے۔ اب تک کسی شکتی نے اسے فائدہ نہیں پہنچایا تھا۔

کافی دیر سوچ بچار کے بعد اس نے آگے جانے کا فیصلہ کیا کیونکہ واپس لوٹنے سے ایک تو اس کی بے عزتی ہوتی دوسرا ایشور کی ناراضگی بھی مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ یہ کام کرنے سے وہ ایشور کا احسان اتار سکتا تھا۔ اس نے یہ سوچتے ہی شمال کی سمت سفر شروع کر دیا چرمی تھیلا اس نے کاندھے کے ساتھ لٹکا لیا تھا۔ سفلی دنیا میں یہ ایک عجیب بات ہے کہ اگر چھوٹی شکتی رکھنے والا اگر کسی بڑی شکتی مان سے کوئی کام لے گا تو اسے اپنی ایک شکتی بلیدان کرنا پڑتی ہے۔ اس سے پہلے وہ ناگ دیوتا سے مدد لے کر اپنی ایک شکتی اسے دان کر چکا تھا۔ اب اسے پیدل چلنا عذاب لگ رہا تھا حالانکہ وہ اگر چاہتا تو اپنی ایک شکتی دے کر کسی بڑی شکتی مان سے اڑن قالین یا کوئی اور سواری اپنے لیے منگوا سکتا تھا لیکن یہ سوچ کر اس نے پیدل سفر کرنا مناسب سمجھا کہ ابھی پتہ نہیں اسے کالی پہاڑیوں میں کن حالات میں کون کون سی شکتی سے کام لینا پڑے۔ اس لیے اس نے پیدل سفر کرنے کو ترجیح دی اس طرح اسے اپنی منزل تک پہنچنے میں کچھ دیر لگ سکتی تھی مگر اس طرح وہ اپنی ایک شکتی کو بچا سکتا تھا۔

اس نے گرو کو یاد کر کے شمال کی جانب سفر شروع کر دیا اور اسے اس بات کی بھی فکر تھی کہ دو روز بعد چودھویں کی رات تھی اس لیے وہ چاہتا تھا کہ پانچ سندر ناریوں کے سروں میں چھٹے سر کا اضافہ نہ ہو سکے اور اس سے پہلے ہی وہ سادھو کو ہلاک کر کے اس قصے کو پاک کر دے۔ وہ خود بھی اس مسئلہ سے اکتا گیا تھا اس لیے وہ جلد از جلد اس سے جان چھڑا کر واپس اپنی دنیا میں لوٹ جانا چاہتا تھا۔

اسے دن رات سفر کرتے دوسرا روز تھا کہ اسے اپنے سامنے ایک گھنا اور بھیانک جنگل دکھائی دیا۔ وہ چلتا ہوا اس میں داخل ہو گیا جنگل میں درخت آپس میں اس طرح جڑے ہوئے تھے کہ ان میں سے سورج کی روشنی تک نہیں آ رہی تھی جس کی وجہ سے دن کے وقت بھی جنگل میں خوفناک حد تک تاریکی پھیلی ہوئی تھی وہ آہستہ آہستہ چلتا راستہ ٹٹولتا آگے بڑھتا رہا اسے اس بات پر شدید حیرت تھی کہ اس بھیانک جنگل میں اسے کوئی موذی درندہ تک دکھائی نہ دیا تھا حالانکہ اس طرح کے بھیانک اور خوفناک جنگل میں موذی جانوروں کا پایا جانا یقینی تھا۔ وہ یہی سوچتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔

تقریباً دو گھنٹے تک مسلسل پیدل چلنے کے بعد اسے سامنے کے رخ روشنی دکھائی دی اور درختوں کی تعداد بھی کہیں کہیں کم تھی اور اب کہیں کہیں جنگلی گھاس اور جنگلی سیب کی جھاڑیاں دکھائی دینے لگی تھیں اس نے ایک جھاڑی سے دو تین جنگلی سیب توڑے اور انہیں اپنے معدے میں اتار لیا اس سے اسے تازگی کا ایک خوشگوار احساس ہوا۔ کچھ دور اور چلنے کے بعد وہ جنگل سے نکل آیا اب چاروں طرف روشنی پھیل گئی تھی۔ مسلسل اندھیرے میں چلنے سے ایک دم روشنی میں آنے سے اسے عجیب سا احساس ہوا تھا اور یہ دیکھ کر اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی کہ اس کے سامنے ایک چمکدار دریا ٹھاٹھیں مار رہا تھا اس کا سفید سفید پانی جھاگ اڑاتا ہوا بہہ رہا تھا اور اس کا پاٹ کم

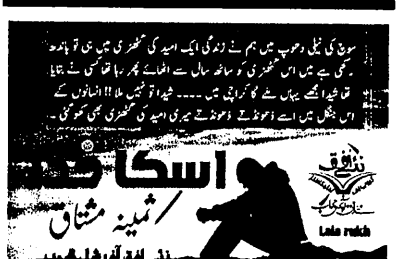

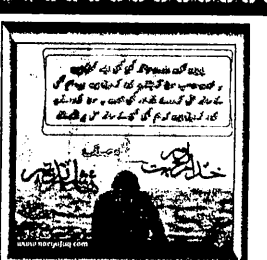

PakistaniPoint

ازکم چالیس فٹ چوڑا ضرور ہوگا۔ وہ دریا کے پانی پر نظریں جمائے اس کی طرف بڑھتا رہا اور پھر اسے اپنی مطلوبہ چیز مل گئی جس طرف سے پانی کا بہاؤ تھا اس طرف سے اسے پانی کے اندر ایک سرخ لکیر جس کی موٹائی تقریباً تین انچ ضرور ہوگی ایک پٹی کی صورت میں بہہ رہی تھی اس نے آہستہ آہستہ خود کو سنبھال کر دریا کے کنارے کے قریب کیا اور ہاتھ بڑھا کر اس سرخ لکیر پر انگلی رکھ کر اس میں سے کچھ لیا اور پھر اس کو سونگھ کر سر ہلانے لگا۔

یہ ان ہی سندر ناریوں کی گردنوں سے ٹپکنے والا خون تھا جسے وہ تلاش کر رہا تھا۔ خون اس قدر گاڑھا تھا کہ وہ پانی میں حل ہونے کی بجائے ایک پٹی کی صورت میں بہہ رہا تھا۔ وہ دوبارہ اٹھا اور دریا کے اس طرف چلنے لگا جہاں سے یہ پٹی آرہی تھی دور دور تک کسی ذی روح کا نام ونشان تک نہ تھا آسمان پر سورج اپنی پوری آب وتاب سے چمک رہا تھا۔ گرمی کی شدت سے چرند پرند بھی اپنے اپنے ٹھکانوں میں دبکے ہوئے تھے۔ وہ دریا کے ساتھ ساتھ چلتا کافی دور نکل آیا تھا جنگل اب بہت پیچھے رہ گیا تھا مسلسل پیدل چلنے سے اس کے پاؤں سوج کر کپا ہو گئے تھے اس نے کچھ دیر آرام کرنے کا سوچا اور دریا کے دائیں کنارے پر لگے ایک بوہڑ کے پیڑ کے نیچے ایک جگہ صاف کر کے چرمی تھیلا اپنے سر کے نیچے رکھ کر آنکھیں موند لیں اور جلد ہی اس کی آنکھ لگ گئی۔

اسے سوئے ہوئے ابھی دس منٹ ہی بمشکل ہوئے ہوں گے کہ اسے اپنے پاؤں میں تکلیف کا احساس ہوا اسے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے ایک تیز دھار خنجر اس کے پاؤں کی چھوٹی انگلی میں گھسیڑ دیا ہو اس نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں تو اسے حیرت کا شدید ترین جھٹکا لگا اس کے پاؤں سے چند انچ کے فاصلے پر ایک عجیب وغریب مکڑی جس کے منہ کی جگہ تیز دھار برے کی مانند چونچ تھی اور اس کا جسم ایک غبارے کی مانند پھول اور پچک رہا تھا اور اس کے اندر سبزی مائل زہر صاف نظر آرہا تھا اس نے اسے دیکھتے ہی جلدی سے چرمی تھیلے میں ہاتھ ڈال کر ایک مرہم نکالا اور اسے جلدی سے اپنی انگلی پر مسل لیا اور اس کے ساتھ ہی اپنی کھڑاؤں اٹھا کر اس مکڑی پر دے ماریں۔ کھڑاؤں کسی اینٹ کی طرح اس مکڑی کے جسم پر پڑیں اور اس کے پھولے ہوئے جسم سے گندا مواد ابل پڑا مکڑی کے آس پاس جو گھاس پھونس لگی تھی اس مواد کے لگتے ہی دھواں بن کر اڑ گئی۔

بھولے ناتھ ہونقوں کی مانند کبھی اس مکڑی کی طرف اور کبھی راکھ بنی گھاس پھونس کو دیکھ رہا تھا اور دل ہی دل میں گرو کا شکر ادا کر رہا تھا اس کی بروقت آنکھ کھل گئی اور اس کے پاس ''لاجونتی مرہم'' بھی موجود تھی ورنہ.....اس سے آگے وہ کچھ نہ سوچ سکا اور اب اس نے آرام کرنا مناسب نہ سمجھا اور اپنا سفر دوبارہ شروع کر دیا۔ تقریباً پانچ چھ کوس چلنے کے بعد اس کے کانوں میں کسی آبشار کے گرنے کی آواز پڑی۔ اس آواز کو سنتے ہی اس نے اپنی رفتار تیز کر دی وہ جلد از جلد اس معاملہ کو ختم کرنا چاہتا تھا۔ دائیں طرف درختوں کا ایک جھنڈ دکھائی دیا اس نے اپنے قدم اس جھنڈ کے جانب بڑھا دیئے اور جب وہ اس کے نزدیک پہنچا تو اسے اس کے اندر ایک بہت بڑا آبشار نیچے زمین پر گرتا دکھائی دیا آبشار کا پانی بھورے رنگ کی ایک چٹان سے چادر کی شکل میں زمین پر گر رہا تھا اور اس کے گرنے سے ایک زوردار آواز پیدا ہو رہی تھی۔

آبشار کے عین اوپر ایک بہت بڑا شاہ بلوط کا درخت نظر آرہا تھا جس پر پیڑے کی شکل کے پھل لگے صاف نظر آرہے تھے۔ درخت کی عین موٹی شاخ پر پانچ عورتوں کے سر لٹک رہے تھے ان کی چوٹیوں کو بل دے کر درخت کی موٹی شاخ کے ساتھ مضبوطی سے باندھ دیا گیا تھا سر گردنوں تک کٹے ہوئے تھے اور ان میں سے نکلی ہوئی رگیں اور نسیں دور سے نظر آرہی تھیں ان کی گردنوں سے مسلسل خون ٹپک کر آبشار کے پانی میں گر رہا تھا خون کے مسلسل گرنے کی وجہ سے نیچے پانی میں خون کے جمنے سے ایک چادر سی بن گئی تھی اور اس میں سے ایک پتلی سی دھار چشمے کے پانی کے ساتھ بل کھاتی آگے تک چلی گئی تھی وہ اس پتلی دھار کے سہارے ہی یہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہوا تھا اس نے اپنا چرمی تھیلا ایک طرف رکھا اور کپڑے اتار کر پانی میں گھس گیا۔ چشمے کا پانی یخ ٹھنڈا تھا اسے نہایت ہی لطف محسوس ہو رہا تھا اس نے اشنان کرنے کے بعد وہ کپڑے پہنے اور چرمی تھیلا ہاتھ میں اٹھا کر جھنڈ سے باہر نکل آیا۔ کچھ دور چلنے کے بعد اس نے

PakistaniPoint

منہ میں ایک منتر پڑھ کر فضا میں پھونکا تو کہیں سے ایک ہدہد نمودار ہوا اور پکارنے لگا۔

''تپ دھاری حاضر ہے مہاراج۔''

''تپ دھاری یہ بتاؤ تمہارے کہنے کے مطابق میں نے سرخ چشمے سے غسل کر لیا ہے اب مجھے کیا کرنا ہوگا۔'' بھولے ناتھ نے اسے دیکھتے ہی کہا۔

''مہاراج اب آپ مشرق کی جانب سفر شروع کر دیں چند کوس تک چلنے کے بعد آپ کو ایک ویران باغ نظر آئے گا اس باغ کو عبور کرنے کے بعد ریتلا علاقہ شروع ہوگا اس میں آپ کو ایک کچا مکان نظر آئے گا اس مکان میں ایک کنواں ہے اس کے پانی میں یہ تاثیر ہے کہ اس کے بدن پر لگتے ہی رات کے وقت بھی آپ دن کی طرح دیکھ سکیں گے۔ اس کے علاوہ آپ چونکہ سرخ چشمے سے غسل کر چکے ہیں اس لیے آپ ''بھیتل ناڑی'' نامی چڑیل کی نظروں سے اوجھل رہیں گے۔ آپ کو اب مسلسل تین روز تک پیدل سفر کرنا ہوگا اور رات دن چلتے رہنا ہوگا اس لیے رات کے اندھیرے میں دیکھنے کے لیے اس کنوئیں کا پانی لازمی حاصل کرنا ہوگا دوسری صورت میں مہاراج آپ کو صرف دن کی روشنی میں ہی سفر کرنا ہوگا۔'' ہدہد نے پھدپھداتے ہوئے کہا۔

''لعنت ہو تم پر اور تمہارے کنوئیں پر تم صرف مشوروں کے سوا اور کوئی کام نہیں کر سکتے۔'' بھولے ناتھ نے منہ بناتے ہوئے غصے سے کہا۔

''شما ہو مہاراج ہماری شکتی صرف اسی کارن جواب دے سکتی ہے اور اس کے سوا ہم بھگوان کے آگے مجبور ہیں۔'' تپ دھاری نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے اب تم اپنی منحوس صورت لے کر دفع ہو جاؤ۔'' بھولے ناتھ نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

اس کی زبان سے یہ الفاظ نکلتے ہی ہدہد غائب ہو گیا۔ اس کے غائب ہوتے ہی بھولے ناتھ نے اپنا سفر مشرق کی جانب شروع کیا اور مسلسل چار کوس تک چلنے کے بعد اسے باغ نظر آیا جس میں جا بجا جھاڑ جھنکاڑ اُگا ہوا تھا ویران باغ کی حالت سے اندازہ ہوتا تھا کہ اسے اس حالت میں صدیاں بیت گئی ہیں۔ کہیں کہیں اکا دکا درخت نظر آ رہے تھے زیادہ تر جنگلی گھاس اگی ہوئی تھی۔

بھولے ناتھ حیرت سے ادھر اُدھر دیکھتا آگے بڑھتا رہا جلد ہی باغ سے نکل کر وہ ایک ریتلے علاقے میں نکل آیا چاروں طرف ریت ہی ریت اڑتی پھر رہی تھی کہیں کہیں ٹنڈ منڈ ڈنڈا تھور کے پودے سر اٹھائے کھڑے تھے اور ریت میں زرد رنگ کی ریگستانی چھپکلیاں بھاگتی صاف نظر آ رہی تھیں بھولے ناتھ آنکھیں میچے ادھر اُدھر تک رہا تھا اسے اس کچے مکان کی تلاش تھی جس کے بارے میں ''تپ دھاری'' نے اسے بتایا تھا ریت کے بگولوں کی وجہ سے اسے آس پاس کا علاقہ صاف طور پر نظر نہیں آ رہا تھا۔

اس نے اندازے سے ایک جانب قدم بڑھا دیے کچھ دور تک چلنے کے بعد اس کو چند فرلانگ کے فاصلے پر ایک کچا مکان نظر آ گیا اس نے دل ہی دل میں اپنے اندازے کی داد دی اور گرو کا شکر ادا کرتے ہوئے اس مکان کی جانب قدم بڑھا دیے مکان مکمل طور پر کچا تھا اور اس کا مین دروازہ ٹوٹا ہوا تھا مکان کی دیواریں شکستہ ہو گئی تھیں یوں لگتا تھا جیسے کسی بھی وقت زمین بوس ہو جائیں گی۔ ایک طرف ایک اونچی منڈیر بنی ہوئی تھی بھولے ناتھ سمجھ گیا کہ یہی کنواں ہے اس نے اپنے قدم اس کی طرف بڑھا دیے۔ یہ ایک صدیوں پرانا کنواں تھا جس پر ایک بوسیدہ رسی اور اس کے ساتھ ایک لوہے کا ڈبہ بندھا ہوا تھا ڈبے میں جا بجا سوراخ نظر آ رہے تھے گردش لیل و نہار کے باعث اس کا زنگ سے برا حال تھا۔ بھولے ناتھ نے رسی کو کھول کر اس کے ساتھ بندھے ڈبے کو کنوئیں میں پھینک دیا کنواں اندر سے تاریک نظر آ رہا تھا نجانے اس میں پانی ہے بھی کہ نہیں یہ تو ڈبے کے واپس آنے پر ہی پتہ چل سکتا تھا بھولے ناتھ نے رسی کو ادھر اُدھر ہلا کر دوبارہ اوپر کھینچ لیا ڈبے میں اسے تھوڑا سا پانی جس میں آدھا کیچڑ ملا ہوا تھا نظر آیا۔

بھولے ناتھ نے جلدی سے اس میں ہاتھ ڈال کر اپنی چلو میں لے کر اپنی قمیض پر مل لیا بعد میں کیچڑ کو ڈبے کے اندر اچھی طرح مل لیا جس سے اس کے سوراخ کسی قدر بند ہو گئے تھے پھر اسے دوبارہ پانی میں ڈال دیا اور ایک جھٹکے سے واپس کھینچ لیا ڈبے میں آدھے سے زیادہ پانی موجود تھا یا نکل گیا تھا اس نے جلدی سے پانی لے کر اپنی قمیض پر مل لیا اسی طرح اس عمل کو مزید دو تین بار

دہرانے کے بعد اس کی قمیض سامنے سے گیلی ہوگئی تو اس نے ڈول کو واپس کنوئیں میں پھینک دیا۔ ہر طرف ہلکا ہلکا غبار اڑ رہا تھا اب شام کے سائے گہرے ہونے لگے تھے بھولے ناتھ اسی نشش و پنج میں تھا کہ اب سفر آگے شروع کرے یا کچھ دیر آرام کرے کچھ سوچنے کے بعد اس نے آگے جانے کو ہی ترجیح دی کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی سستی سے سادھو کوئی فائدہ اٹھالے۔ یہی سوچ کر اس نے رات کے اندھیرے میں آگے بڑھنا ہی مناسب سمجھا تھا۔ کنوئیں کے پانی کی وجہ سے اسے رات کے وقت دیکھنے میں آسانی محسوس ہو رہی تھی۔ ساری رات سفر کرنے کی وجہ سے اس کے بدن میں اب تکلیف ہونے لگی تھی اس نے یہ سوچ کر کہ دن کے وقت کہیں دو تین گھنٹے کے لیے آرام کرلوں گا اپنا سفر جاری رکھا۔

ہر طرف سحر پھوٹنے لگی تھی دن کا اجالا دھیرے دھیرے ہر سو پھیلنے لگا اس نے ریگستان سے چلتے وقت اپنا رخ مشرق کی جانب ہی رکھا تھا اس لیے اسے راستہ بھٹکنے کا کوئی خوف نہ تھا۔ اب وہ ایک بیابان علاقے سے گزر رہا تھا جس میں سوائے سوکھی اور خشک گھاس کے اور کچھ دکھائی نہ دے رہا تھا کچھ دیر چلنے کے بعد اس نے درختوں کا لامتناہی سلسلہ دیکھا درختوں کی بہتات سے پتہ چلتا تھا کہ وہ ایک ذخیرہ ہے اس نے یہ سوچ کر کہ شاید یہاں آرام کرنے کے لیے دو تین گھنٹے میسر آجائیں اپنا رخ ان درختوں کی طرف موڑ لیا۔

درختوں کے نزدیک پہنچ کر اس نے کسی ایسے سایہ دار درخت کو تلاش کیا جس کے نیچے وہ دو گھڑی آرام کر سکے۔ جلد ہی اسے پیپل کا ایک بڑا سا درخت دکھائی دیا جس کے تنے کی گولائی کم از کم دس فٹ ضرور ہوگی اس نے اس کی طرف قدم بڑھائے اور تھوڑی سی جگہ صاف کر کے اپنا چرمی تھیلا سر کے نیچے رکھا اور آنکھیں بند کرلیں۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو شام کے سائے گہرے ہو چلے تھے پرندے آسمان کی بلندیوں پر اپنے آشیانوں کو لوٹ رہے تھے اس نے ایک زوردار انگڑائی لے کر تھیلا بغل میں دبایا اور آگے کا سفر شروع کر دیا۔

مسلسل سفر کرتے اس کا سامنا بہت سے جنگلی جانوروں اور ایک خشک دریا سے ہوا۔ دریا پار کر کے وہ ایک ایسے علاقے میں آن نکلا جہاں ہر طرف میدان میں سنگی مجسمے نصب تھے مجسموں کی شکلیں عجیب و غریب تھیں کسی کی آنکھیں غائب تھیں کسی کا ایک بازو غائب تھا کوئی بغیر سر کے تھا اور کسی کی ٹانگ غائب تھی وہ حیرت سے انہیں دیکھتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ وہ جیسے ہی ان مجسموں کے درمیان پہنچا تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے سب کے سب اچانک زندہ ہوگئے ہوں اور اس کو دبوچنے کے لیے بیقرار ہوں یہ صرف اس کا احساس تھا ورنہ ان مجسموں کو ساکت ہی رہنا تھا اور وہ ساکت ہی تھے۔ اس نے سر کو جھٹکتے ہوئے اپنے قدم تیز کرلیے بعد میں اسے اپنے پیچھے قہقہوں کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ خود جادوگری کا باشندہ تھا اس لیے ایسے شعبدوں پر کان دھرے بغیر آگے بڑھتا رہا۔

❖❖❖❖

رات کے تقریباً دو بجے کا وقت ہوگا جب چاند بادلوں کی اوٹ میں چھپا زمین پر دیکھنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا ایک خونخوار چہرے کی مالک چڑیل جس کے لمبے لمبے دانت اس کے جبڑوں سے باہر نکلے ہوئے تھے اور اس کے بال سرکنڈوں کی مانند آسمان کی جانب اٹھے ہوئے تھے اور ہاتھوں کے ناخن تیز دھار چھریوں کی طرح مڑے ہوئے تھے ایک غار کے دہانے پر ٹہل رہی تھی اس کی نظریں سرچ لائٹ کی مانند ادھر اُدھر گھوم رہی تھیں اس کے ہونٹوں کی لالی سے لگتا تھا جیسے ابھی ابھی کسی کا خون پی کر آئی ہے۔ یہ ''بھیتل ناڑی'' چڑیل تھی جسے سادھو نے کالی پہاڑیوں میں داخل ہونے والے غار کے دہانے پر پہرے پر بٹھایا تھا۔ سادھو نے اس کو ایسی شکتی دی تھی کہ کوئی جاندار اس کی نظروں سے اوجھل نہیں رہ سکتا تھا لیکن یہ سادھو کی خام خیالی تھی کیونکہ ''تپ دھاری'' اس کا توڑ نکال چکا تھا اور بھولے ناتھ کو سرخ چشمے سے غسل کرنے والی ترکیب بتا کر اس کا یہ حربہ ناکام بنا چکا تھا۔ بھولے ناتھ کی شکل میں سادھو کی بھیانک موت لمحہ بہ لمحہ اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔

یہ ایک بڑی سی غار تھی جس کی سیلن زدہ دیواروں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے ایک طرف سادھو دھونی دُھائے آسن جمائے بیٹھا تھا اس کے سامنے پتھر کا

اہم اطلاع

نئے اُفق گروپ آف پبلیکیشنز سے شائع ہونے والے ڈائجسٹ

آنچل نئے اُفق حجاب

کا ویب ایڈریس اور تمام کالموں کے ای میل تبدیل ہو گئے ہیں۔ قارئین نوٹ فرمالیں۔

پرانے ویب اور ای میل ایڈریس پر مسلسل صارفین کی شکایات موصول ہوتی رہیں۔ جس کی بنا پر ادارے نے اپنے ای میل ایڈریس تبدیل کر لیے ہیں۔ تمام سلسلوں کے الگ الگ ایڈریس اس پوسٹ میں لگائے جا رہے ہیں۔ براہ کرم اسے اپنے پاس محفوظ کر لیجیے اور اپنے دوست احباب کو بھی اطلاع کر دیں۔

نیا ویب ایڈریس یہ ہے

www.naeyufaq.com

نئے افق، آنچل اور حجاب سے متعلق معلومات کے لئے یہ ای میل ہے	info@naeyufaq.com
نئے افق کی کہانیاں، سلسلے اور معلومات کے لئے	editorufaq@naeyufaq.com
آنچل کی کہانیاں، سلسلے اور معلومات کے لئے	editor_aa@naeyufaq.com
حجاب کی کہانیاں، سلسلے اور معلومات کے لئے	editorhijab@naeyufaq.com
بیاض دل اور نیرنگ خیال	biazdill@naeyufaq.com
دوست کے پیغام	dkp@naeyufaq.com
یادگار لمحے	yaadgar@naeyufaq.com
آئینہ کے لئے تبصرہ	aayna@naeyufaq.com
بزم سخن (شاعری)	bazsuk@naeyufaq.com
عالم میں انتخاب شاعری منتخب شعرا کا کلام	alam@naeyufaq.com
شوخئ تحریر (اقتباسات)	shukhi@naeyufaq.com
حجاب میں تبصرے کے لئے حسن خیال	husan@naeyufaq.com

اپنی کہانیاں یونی کوڈ، ورڈز اور ان پیج پر ٹائپ کر کے ای میل کر دیں۔ اردو رسم الخط میں موصول ہونے والی کہانیاں قابل قبول ہوں گی۔

نئے افق، آنچل اور حجاب کے کالم میں شریک ہونے کے لئے درست ای میل کا انتخاب کیجیے۔ بصورت دیگر ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔

تمام احباب سے گذارش ہے کہ ای میل ایڈریس محفوظ کر لیں تا کہ بوقت ضرورت آپ کو کسی قسم کی دشواری نہ اٹھانا پڑے۔

PakistaniPoint

ایک بڑا سا پیالہ دھرا تھا جس میں انسانی دماغ کا ملغوبہ اور خون تھا۔ وہ منہ ہی منہ میں ایک منتر پڑھتا جا رہا تھا اور ساتھ ساتھ ہاتھ سے ایک جانب رکھا سیندور لے کر پیالے میں ڈالتا جا رہا تھا سیندور کی وجہ سے غار میں ایک عجیب اور ناگوار سی بو پھیلی ہوئی تھی۔ سادھو کے جسم پر ایک لنگوٹ کے سوا کچھ نہیں تھا اور اس کے سر پر جھولتی واحد بالوں کی لٹ گدھے کی پونچھ کی مانند ادھر اُدھر لہرا رہی تھی۔ وہ بار بار منتر پڑھ کر پیالے پر پھونکیں مارتا جا رہا تھا کہ اچانک اس کے جسم کو جھٹکے لگنے لگے اس کا چہرہ تکلیف کی شدت سے سرخ ہو گیا اور اس کی آنکھیں بے نور ہو گئیں اس کی سفید سفید آنکھیں سیاہ پتلیوں سے عاری تھیں وہ ٹکٹکی جمائے اپنے سامنے والی دیوار کو گھور رہا تھا کہ یکدم ایک جھپاکا ہوا اور سامنے کی دیوار پر ایک بہت بڑی مکڑی کا ہیولا نمودار ہو گیا مکڑی کا سائز کم و بیش گینڈے کی جسامت سے ملتا جلتا تھا اس کا جسم غبارے کی مانند پھول اور پچک رہا تھا سادھو اس پر نظریں جمائے منہ ہی منہ میں عجیب و غریب الفاظ پڑھ رہا تھا کہ اچانک غار میں ایک غیر مرئی آواز گونجی۔

''آنکبوت حاضر ہے مہاراج شما کیجئے کہ سنہری دلدل سے واپسی میں دیر ہوئی۔'' مکڑی کے منہ سے ایک عجیب سے لہجے میں آواز سنائی دی۔

''شما دی مجھے بھولے ناتھ کے بارے میں بہت فکر ہے اس نے ''مورکھ پنکھ کی موٹھ'' قبضے میں کر لی ہے اس لیے مجھ اس کا کوئی اُپائے بتاؤ۔'' سادھو نے جواب میں کہا۔

''مہاراج آپ کو چنتا کرنے کی ضرورت نہ ہے فی الحال بھولے ناتھ آپ کی پہرہ دار ''بھیتل ناڑی'' کے پاس ہی پہنچا ہے اس لیے ابھی اسے کالی پہاڑیوں میں داخل ہو جانے دیں اس کے بعد آپ کی تابع روحیں اس کی ہتھیا کر دیں گی۔'' آنکبوت نے اسے تسلی دی۔

''نہیں اب جبکہ وہ غار کے دہانے کی طرف تیزی سے بڑھ رہا ہے تو میں چاہتا ہوں کہ کالی پہاڑیوں سے پہلے ہی اس کا کریا کرم کر دیا جائے کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ وہ میرے سامنے آ جائے اور مجھے بعد میں کوئی اُپائے کر کے نقصان اٹھانا پڑے۔'' سادھو نے ضد کرتے ہوئے کہا۔

''مہاراج اب جبکہ آپ بضد ہیں تو میں آپ کو یہ بتانے پر مجبور ہوں کہ آپ بھولے ناتھ کے ہاتھوں بہت کشٹ بھوگیں گے کیونکہ اس کے پاس جو شکتیاں ہیں وہ آپ کے لیے بہت زیادہ پریشانی کا کارن بنیں گی اب بھولے ناتھ سرخ چشمے کے پانی سے غسل کر کے آ رہا ہے جس کی وجہ سے وہ ''بھیتل ناڑی'' کو نظر نہیں آئے گا اور ہمیں اس پر بھروسہ کر کے نہیں بیٹھنا ہو گا آپ کو اس کے لیے ایک خاص عمل ''گوگیہ پاشا'' حاصل کرنا ہو گا کیونکہ اس کے بغیر آپ سرخ چشمے کے پانی کا توڑ نہیں کر سکیں گے۔ میں آپ کو یہ تمام تفصیل نہ بتاتی مگر آپ کی خاطر میں نے اپنی جان کی بازی لگاتے ہوئے اپنے گرو کا مان توڑا ہے۔ اس لیے اب میں خود ہتھیا کر رہی ہوں کیونکہ اگر گرو کو یہ معلوم ہو گیا کہ میں نے اپنی شکتی سے بڑھ کر کام لیا ہے تو وہ ہمیشہ کے لیے مجھے ''چاہ بابل ہنجراں'' میں پھینک دیں گے۔ اس لیے وہاں کی دردناک اور بھیانک موت کی بجائے میں آسانی سے اپنی زندگی ختم کرنا پسند کروں گی۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی سانس روک کر ایک جھٹکا لیا اور اس کا جسم غبارے کی مانند پھٹا اور دیوار سپاٹ ہو گئی۔

سادھو ہونقوں کی مانند منہ کھولے سپاٹ دیوار کو تک رہا تھا اس کے جسم پر ایک لرزہ سا طاری ہو گیا تھا اس نے اپنے دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر اپنے سامنے رکھا پیالہ اٹھایا اور اس میں موجود انسانی دماغ کھانے لگا بعد میں اس میں بچ جانے والا ملغوبہ پیا اور ایک ڈکار لے کر اٹھ کھڑا ہوا اس نے جلد از جلد ''گوگیہ پاشا'' حاصل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

❖❖❖❖

بھولے ناتھ جیسے ہی ایک موڑ مڑا اسے رات کے اندھیرے میں ایک سنگی دیوار دکھائی دی غور سے دیکھنے پر پتہ چلا کہ یہ ایک دیو قامت پہاڑ ہے جس کے سامنے کے رخ ایک بڑی سی غار کا دہانہ دکھائی دے رہا تھا اس کے سامنے ایک وحشت ناک چہرے کی مالک چڑیل بے قراری کے عالم میں ٹہل رہی تھی اس کا بھیانک چہرہ چاند کی دودھیا روشنی میں خوفناک منظر پیش کر رہا تھا اس کے

ہاتھوں کی انگلیوں کے ناخن خنجر کی مانند چمک رہے تھے بھولے ناتھ کچھ دیر کھڑا اس کی طرف دیکھتا رہا پھر کچھ سوچ کر اس نے آگے قدم بڑھا دیے جب وہ اس سے تیس چالیس قدم دور رہ گیا تو اس نے دیکھا کہ چڑیل کے دیکھنے اور ٹہلنے کے انداز میں ذرا برابر بھی فرق نہیں پڑا تو اسے کچھ حوصلہ ہوا اور پھر یہ سوچ کر اسے مزید تقویت ملی کہ وہ سرخ چشمے کے پانی سے غسل کر چکا ہے اور ''تپ دھاری'' کے کہنے کے مطابق اسے ''کھیتل ناڑی'' چڑیل دیکھ نہیں پائے گی۔ اس لیے وہ بے فکری سے آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا آگے بڑھتا رہا۔ سامنے ہی غار کا دہانہ منہ پھاڑے کھڑا تھا دور سے دیکھنے پر یوں لگتا تھا جیسے پتھر کا بہت بڑا مجسمہ دونوں کندھے جھکائے زمین پر دیکھ رہا ہو۔ وہ ایک جھکائی دے کر چڑیل کے پہلو سے بچ کر نکل گیا اور غار کے اندر قدم رکھ دیا۔

غار کے اندر تاریکی پھیلی ہوئی تھی اور ایک نامانوس قسم کی بو دور تک پھیلی ہوئی تھی وہ اندر اندھیرے میں آنکھیں پھاڑے راستہ ٹٹولتا آگے بڑھتا رہا اسے اس بات کا بھی ڈر تھا کہ کہیں کسی گڑھے میں نہ جا گرے دور کہیں ایک جگنو سا چمکتا دکھائی دے رہا تھا وہ سمجھ گیا کہ وہ غار کا دوسرا دہانہ ہے وہ اس روشنی کے دائرے پر ٹکٹکی باندھے آگے بڑھتا رہا۔ ابھی اس نے چند قدم ہی چلے ہوں گے کہ اسے اندھیرے میں غراہٹ سنائی دی وہ ٹھٹک گیا اور اندھیرے میں غور سے دیکھنے کی ناکام کوشش کرنے لگا۔ غراہٹ سے اندازہ ہوتا تھا کہ اندر کہیں خطرناک جانور گھسا بیٹھا ہے وہ ایک لمحہ مزید سن گن لینے کے بعد دوبارہ چل پڑا چرمی تھیلے کو اس نے مضبوطی سے اپنے دائیں ہاتھ میں تھاما ہوا تھا کہ اچانک اس کے کندھے پر ایک بھاری ہاتھ آن پڑا وہ اچھل کر ایک طرف ہٹ گیا مگر اتنی سی دیر میں اس کو اپنے کندھے کی ہڈی ٹوٹتی محسوس ہوئی اور اسے اندھیرے میں دو سرخ آنکھیں چمکتی دکھائی دیں آنکھوں کی بناوٹ گول اور گہری سرخ تھیں بھولے ناتھ نے اچھل کر خود کو اس کے دوسرے حملے سے بچایا اور جلدی سے تھیلے میں ہاتھ ڈال کر ایک لوہے کی سلاخ نکال لی سلاخ کا سائز ڈیڑھ ہاتھ کے برابر تھا۔

بھولے ناتھ نے جیسے ہی ایک منتر پڑھ کر اس پر پھونکا اس کا سائز بڑھنا شروع ہو گیا اس نے سلاخ کے بڑا ہوتے ہی اس کو گھما کر ان سرخ آنکھوں کے عین درمیان میں دے مارا مگر سلاخ لگتے ہی ایسی آواز آئی جیسے سلاخ کسی لوہے کی چیز سے جا ٹکرائی ہو بھولے ناتھ بیوقوفوں کی مانند آنکھیں گھماتے ہوئے حیرت سے ادھر اُدھر تکنے لگا ابھی وہ اس مسئلے پر غور کر رہا تھا کہ اس کے سینے پر ایک زوردار تھپڑ پڑا تھپڑ کھاتے ہی بھولے ناتھ اچھل کر پشت کے بل زمین پر جا گرا..... تھیلا اس کے ہاتھ میں رہا جسے اس نے مزید مضبوطی سے تھام لیا وہ سمجھ گیا کہ وہ سادھو کی کسی تابع روح سے الجھ پڑا ہے اب اس نے اس کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لیے کالے علم کا جاپ استعمال کرنا مناسب سمجھا اس لیے یہ سوچتے ہی تھیلا بازو کے ساتھ لٹکایا اور منہ ہی منہ میں ایک منتر پڑھ کر اس بلا کی جانب پھونک دیا اس کے منہ سے ایک سفید رنگ کی گیند نکل کر اس بلا سے جا ٹکرائی اور یکدم ایک چھپاکا سا ہوا اور ایک لمحے کے لیے غار میں روشنی پھیلی اور پھر تاریکی چھا گئی اس ایک لمحے کی روشنی میں ہی اس ان دیکھی بلا کی حقیقت کھل گئی تھی اس کا قد بن مانس کی مانند اور جسم سیاہ بالوں سے ڈھکا ہوا تھا اس کے پاؤں کی چھ انگلیاں تھیں جن کے بڑے بڑے مڑے ہوئے ناخن بہت بھیانک لگ رہے تھے۔

بھولے ناتھ نے صرف اسے دیکھنے کے لیے ہی روشنی کا گولا پھینکا تھا اب جب کہ اس کو اس کی ماہیت کا پتہ چل گیا تھا تو اس نے اس کے لیے ایک طرح کا اُپائے تلاش کر لیا تھا۔ اس نے جلدی سے تھیلے میں ہاتھ ڈال کر ایک رسی نکالی جس کے ایک سرے پر چار کونوں والا ستارہ بندھا ہوا تھا اس میں سے سفید رنگ کی پھلجھڑیاں سی نکل رہی تھیں اس نے رسی گھما کر اندازے سے اس بلا کی طرف اچھال دی رسی کا دوسرا سرا اس کے دوسرے ہاتھ میں ہی رہا۔ ستارہ تیزی سے اڑتا ہوا اس بلا کی جانب بڑھا اور سیدھا اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان میں جا گھسا۔

یہ ''مکھ منڈل'' تھا اس کے گرو کی نشانی اس کے گرو کے کہنے کے مطابق اس میں ایسی تاثیر تھی کہ اگر فولاد میں بھی سوراخ کرنا چاہیں تو اس ستارے کے نوکیلے سرے کی

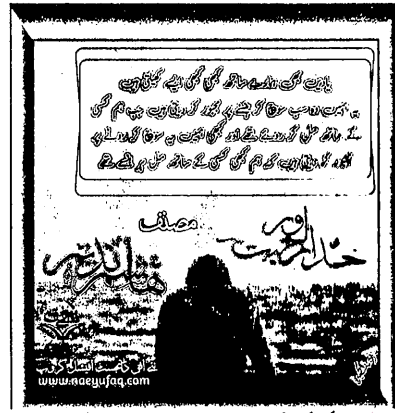

مدد سے وہ بھی کر سکتے ہیں اس نے سب سے پہلے اس چیز کو آزمانے کا فیصلہ کر لیا تھا جو کہ کامیاب رہا ستارے کی نوک گھستے ہی اس کی بھیانک چیخ غار کی خاموشی میں گونج اٹھی نجانے ستارے میں کیا خاص بات تھی کہ اسے اتنی سخت اذیت سے دوچار ہونا پڑا تھا۔

بھولے ناتھ کو ''بھیتل ناڑی'' چڑیل کی بھی فکر تھی کیونکہ اسے اس بات کا قوی امکان تھا کہ اس مرنے والے موذی کی کربناک چیخوں سے کہیں وہ غار کے اندر نہ گھس آئے اور اسے اس کا بھی کوئی اُپائے کرنا پڑے لیکن یہ اس کی خام خیالی تھی کیونکہ غار کے پہلے دہانے پر مسلسل خاموشی تھی۔ اس نے کچھ دیر اِدھر اُدھر دیکھا پھر آگے بڑھ گیا جگنو کا سائز اب آہستہ آہستہ بڑھتا جا رہا تھا وہ غار کے دوسرے دہانے سے دس پندرہ قدم دور ہی تھا کہ اچانک دہانے پر ایک بیون آن کودا بیون کی تھوتھنی چاند کی روشنی میں چمک رہی تھی اس کے ہونٹوں کا رنگ گہرا سرخ تھا جس سے اس کی وحشت میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ اس کی خونخوار آنکھوں میں بے پناہ وحشت چھائی ہوئی تھی پنجوں کے مڑے ہوئے ناخن دور ہی سے صاف نظر آ رہے تھے۔

بھولے ناتھ اسے دیکھتے ہی ٹھٹک گیا دہانے کے نزدیک پہنچ جانے کی وجہ سے وہ بھی بیون کی نظروں میں آ گیا تھا۔ اس لیے اس نے دوبارہ تاریکی میں چھپنا مناسب نہ سمجھا بیون نے اس پر نگاہیں جماتے ہوئے اچھل کر اس کی گردن کو دبوچنا چاہا مگر بھولے ناتھ جھکائی دے کر ایک طرف ہٹ گیا اور بیون اپنی مستی میں آگے نکل گیا۔ اتنے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بھولے ناتھ نے غار کے دہانے کی جانب دوڑ لگا دی کیونکہ غار کے اندر مقابلہ کرنے کی نسبت غار سے باہر مقابلہ کرنا آسان تھا اس لیے وہ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر باہر نکل گیا۔ باہر نکلتے ہی اس نے چرمی تھیلے میں ہاتھ ڈال کر سرخ خنجر نکال لیا اور جیسے ہی بیون دوڑتا ہوا غار سے باہر نکلا اس نے تاک کر خنجر اس کے سینے پر دے مارا مگر بیون بھی شیطانی روح تھا اس لیے صاف بچ نکلا۔ سرخ خنجر اس کے پیچھے غار کے اندر جا گرا۔

بھولے ناتھ نے وار خالی جاتے دیکھ کر ایک منتر پڑھ کر پھونکا تو فضا میں ایک عجیب الخلقت قسم کا پرندہ اچانک نمودار ہو گیا اس کی چونچ دو فٹ لمبی اور دونوں جانب سے آری کے دندانوں کی مانند تیز تھی۔ اس نے بیون کو دیکھتے ہی اس پر حملہ کر دیا۔ بیون نے اپنے بچاؤ کی بہت کوشش کی مگر پرندہ اس پر حملہ کرتے ہی فضا میں بلند ہوا اور کچھ ہی دیر میں سامنے بیون مردہ حالت میں پڑا تھا اور پرندہ اس کے ہلاک ہوتے ہی دوبارہ غائب ہو گیا۔

بھولے ناتھ کو اس پرندے سے مدد لینے کی خاطر سرخ چشمے والی شکتی بلیدان کرنا پڑی تھی اب وہ دوبارہ ''بھیتل ناڑی'' سے بچ کر نہیں نکل سکتا تھا۔

بیون کے مرتے ہی اس نے غور سے اپنے چاروں طرف دیکھا تو اسے چاروں طرف عجیب قسم کی ویرانی پھیلی دکھائی دی ہر طرف بلند و بالا پہاڑ سر اٹھائے کھڑے

Pakistanipoint

تھے ہر پہاڑ میں کم از کم تیس چالیس غار دکھائی دے رہے تھے۔

وہ اسی سوچ میں گم تھا کہ سادھو نجانے کون سی غار میں چھپا ہوا ہے اور وہ پچھو نجانے کون سی تہہ میں قید ہے جس میں اس کی جان ہے۔ ابھی وہ اسی کشمکش و پیچ میں تھا کہ اچانک اسے سامنے سے چار پانچ روحیں آتی دکھائی دیں ان کے چہرے گھونگٹوں میں چھپے ہوئے تھے اور ان کے سیاہ ہاتھ چاند کی روشنی میں عجیب منظر پیش کر رہے تھے وہ ناک کی سیدھ میں اس کی طرف بڑھتی چلی آ رہی تھیں ان کے چلنے سے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ چلنے کی بجائے پانی پر تیرتی آ رہی ہوں بھولے ناتھ منہ پھاڑے ان کی طرف دیکھتا رہا اس کا ذہن ماؤف ہو گیا تھا اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ ان پر کون سا وار کرے۔ اس کے سوچتے ہی روحیں اس کے سر پر آن پہنچیں وہ پانچوں ہاتھ پھیلائے اور گھیرا بنائے اس کو پکڑنے کے انداز میں آگے بڑھیں۔

بھولے ناتھ ایک جھٹکا لیتے ہوئے ہوش میں آیا اور دوڑ کر پرے ہٹ گیا اس کے پرے ہٹتے ہی روحیں دوبارہ چیختی ہوئی اس کی جانب بڑھیں مگر اب بھولے ناتھ کو سنبھلنے کا موقع مل گیا تھا اس نے ایک منتر پڑھ کر ان روحوں پر پھونک دیا تو اس کے منہ سے شعلوں کی ایک قطار نکلی اور سیدھی ان روحوں سے جا ٹکرائی مگر سوائے ایک جھٹکا لگنے کے ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ بھولے ناتھ نے اپنا وار خالی جاتے دیکھ کر دوبارہ ایک اور منتر پڑھ کر ان پر پھونک دیا اس بار اس کے پاؤں کی انگلیوں سے دس اژدھے اپنے اپنے منہ کھولے اور سبز رنگ کے پانی کی پھوار پھینکتے ان روحوں کی طرف بڑھے روحیں انہیں اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر اچھل کر پیچھے ہٹیں ان کے انداز سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ خوفزدہ ہو گئی ہیں۔

بھولے ناتھ نے پیروں کو حرکت دیتے ہوئے اس طرف گھمائے جس طرف روحیں اچھل کر ہو گئی تھیں اژدھے بھی لہراتے ہوئے اسی جانب ہو گئے ان کے منہ سے خوفناک پھنکاریں نکل رہی تھیں اور پانی کی پھواریں ان روحوں پر پڑ رہی تھیں جس کی وجہ سے ان کے چہروں پر تکلیف کے آثار پھیلے ہوئے تھے۔ آس پاس کا علاقہ ان کی بھیانک چیخوں سے گونج اٹھا ان کے چیخنے سے لگتا تھا جیسے کسی ویرانے میں سیکڑوں روحیں مل کر بین کر رہی ہوں۔ کچھ ہی دیر میں وہاں روحوں کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔ بھولے ناتھ نے سکون کا سانس لیا وہ اپنی شکتیوں کی بدولت سادھو کے اس حربے کو بھی ناکام کر چکا تھا۔

❖❖❖❖

یہ ایک تنگ و تاریک کمرہ تھا جس کی دیواروں کا رنگ گہرا نیلا تھا اور اس کی چھت پر ایک اکلوتا بلب جل رہا تھا بلب کا ہونا نہ ہونا برابر تھا کیونکہ اس کی کمزور روشنی کمرے کی تاریکی کو دور کرنے سے قاصر تھی۔ سادھو کمرے کے بیچ ایک دری بچھائے اپنے سامنے ایک ترشول گاڑھے آسن جمائے بیٹھا تھا ترشول کے تینوں کونے آسمان کی طرف اٹھے ہوئے تھے ترشول کے بیچ والے سریے کی نوک پر ایک بندر کی کھوپڑی ٹنگی ہوئی تھی جس کی آنکھیں زندہ تھیں اور اس کے منہ سے اس کی لمبی زبان باہر تک لٹکی ہوئی تھی ترشول کے ساتھ ہی ایک پرات میں کوئلے دہک رہے تھے سادھو منتر پڑھتے ہوئے ایک بھورے رنگ کا سفوف کوئلوں پر پھینکتا جا رہا تھا جس کے جلنے سے کمرے میں عجیب سی بو پھیلی ہوئی تھی۔ ایک گھنٹے تک مسلسل جاپ کرنے کے بعد سادھو نے بندر کی کھوپڑی ترشول سے اتاری اور اس کی باہر تک لٹکتی زبان کو ہاتھ سے پکڑ کر جھٹکے دینے شروع کر دیئے ہر جھٹکے پر بندر کی زندہ آنکھوں میں تکلیف کے آثار ابھرتے صاف دکھائی دیتے مسلسل چھ سات جھٹکے دینے کے بعد اچانک کمرے کا اکلوتا بلب بجھ گیا اور اس کے سامنے دیوار ٹیوب لائٹ کی روشنی کی مانند دودھیا رنگ میں بدل گئی اور پھر اس پر ایک بہت بڑے بندر کی شبیہہ ابھرنے لگی۔

بندر کی دم اس کی جسامت سے پانچ گنا بڑی تھی اور وہ بیٹھنے کے انداز میں پوز بنائے ہوئے تھا اس کی خونخوار آنکھوں میں وحشت ٹپک رہی تھی یہ ہنومان دیوتا تھا جس کے پاس گوگیہ پاشا جادو کا عمل تھا۔ سادھو نے اسے دیکھتے ہی ایک نامانوس زبان میں اشلوک پڑھنے شروع کر دیے۔ ہنومان دیوتا نے اسے دیکھتے ہی منہ کھولا اور کہنے لگا۔

”کیا کشٹ ہے مورکھ ہمیں نیلم وادی کی تاریک

کھوہ سے کیوں آنا پڑا ہے کیا تو نہیں جانتا کہ یہ ہمارے جاپ کرنے کا سمے تھا تم پر کون سی ایسی بپتا آن پڑی ہے کہ ہمیں اچانک اپنا جاپ ادھورا چھوڑ کر یہاں آنا پڑا۔'' ہنومان دیوتا کے لہجے میں بلا کی تیزی تھی۔

''دیوتا کے چرنوں میں اپنا سر رکھتا ہوں دیوتا کی ناراضگی کو دور کرنے کے لیے میں ایک سندر کنیا کا دل پیش کرتا ہوں کہ شاید اس کارن میں نرکھ بھوگنے سے بچ جاؤں۔'' سادھو نے اس کی بات سن کر خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

''کہو کیا بپتا آن پڑی ہے۔'' جواب میں سادھو نے اسے تمام روداد کہہ ڈالی۔

ہنومان دیوتا سر ہلاتے ہوئے اس کی رام کہانی سنتا رہا آدھ گھنٹہ تک مسلسل بولنے کے بعد سادھو خاموش ہو گیا۔

''مورکھ اس سنسار میں تو اکیلا ہی شکتی مان نہیں ہے کچھ ایسے شیطان بھی اس دھرتی پر جنم لیتے رہتے ہیں جو اپنی بڑی بڑی شکتیوں کے کارن چھوٹے چھوٹے شیطانوں کی ہتھیا کرتے رہتے ہیں۔ بھولے ناتھ ایک بڑا شیطان ہے اس کے مقابلے میں تمہارا حاصل کیا ہوا کالا علم ناکافی ہے تم اس کے راستے میں رکاوٹیں تو ڈال سکتے ہو لیکن اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس لیے اب اگر تم گوگیہ پاشا کے کارن اس کو روکنا چاہتے ہو تو مجھ سے لے لو لیکن یہ یاد رکھو کہ وہ تم سے بڑا شیطان ہے اس لیے اس کی شکتی ''مور پنکھ کی موٹھ'' گوگیہ پاشا سے زیادہ طاقتور ہے۔'' ہنومان نے جواب میں اسے تفصیل سے بتایا۔

سادھو آنکھیں پھاڑے اور منہ کھولے اس کی باتیں سن رہا تھا اب تک تو اسے یہ امید تھی کہ ہنومان دیوتا اس کا کوئی اُپائے بتا دے گا تو وہ بھولے ناتھ کا کریا کرم کر دے گا مگر اب اس کی باتیں سن کر اسے اپنی زندگی کی فکر پڑ گئی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس بات کی امید ضرور تھی کہ اس کا زرد بچھو تک پہنچنا مشکل ہو گا کیونکہ اس نے اس بچھو کو کالی پہاڑیوں کے ایک تاریک غار میں چھپا رکھا تھا مگر اسے اس بات کی فکر ضرور تھی کہ اب تک اس کے تابع روحیں مسلسل ہلاک ہوتی جا رہی تھیں اور بھولے ناتھ موت کے کارندے کی طرح مسلسل اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

''میری مانو تو فوراً پاتال کے تیسرے حصے میں جا کر چھپو ورنہ بھولے ناتھ نے اچانک یہاں پہنچ کر تمہارا یقینی خاتمہ کر دینا ہے۔'' دیوتا نے اسے یوں سوچوں میں گم دیکھ کر مشورہ دیا۔

''ٹھیک ہے مجھے یہ بات پسند آئی ہے آپ کا بہت بہت دھنے واد۔'' سادھو نے فوراً اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا اس کی یہ بات سنتے ہی ہنومان کی شبیہہ دیوار سے غائب ہو گئی اور اب پہلے کی طرح دیوار کا رنگ گہرا نیلا ہو گیا اور بلب دوبارہ روشن ہو گیا۔ سادھو نے سامان سمیٹا اور غار سے باہر نکل گیا۔

❖❖❖❖

روحوں کا خاتمہ ہوتے ہی بھولے ناتھ نے دوبارہ سفر شروع کر دیا چاند کی دودھیا روشنی میں بھیانک غار کچھ زیادہ ہی خوفناک لگ رہے تھے کچھ دور چلنے کے بعد اس نے ایک منتر پڑھ کر فضا میں پھونکا تو ''تپ دھاری'' حاضر ہو گیا۔

''کیا حکم ہے مہاراج۔'' اس نے اپنے پر پھڑ پھڑائے۔

''تپ دھاری! اب بتاؤ مجھے کیا کرنا ہو گا اب جبکہ سامنے کالی پہاڑیاں ہیں اب مجھے کیا پتہ کہ سادھو کون سی غار میں چھپا بیٹھا ہے۔'' بھولے ناتھ نے اس کو دیکھتے ہی کہا۔

''مہاراج مجھے آگیا دیں میں ابھی اس کا پتہ چلا لیتا ہوں۔'' تپ دھاری نے اس سے اجازت طلب نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے لیکن جلدی واپس آنا۔'' بھولے ناتھ نے اسے اجازت دیتے ہوئے کہا۔ تپ دھاری غاروں کی طرف اُڑ گیا۔

بھولے ناتھ زمین پر ہی بیٹھ گیا اور اس کا انتظار کرنے لگا۔ چاروں طرف ایک سکون کی کیفیت طاری تھی خاموش فضا میں کہیں کہیں بڑی بڑی سیاہ چمگادڑیں اڑتی پھر رہی تھیں اور چاند ایک گول تھال کی مانند آسمان پر روشن تھا۔ کالی پہاڑیوں کو دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے بہت سے دیو سر اٹھائے کھڑے ہوں اور انہوں نے اپنے بڑے بڑے

Pakistanipoint

منہ کھول رکھے ہوں وہ ٹکٹکی لگائے اس طرف دیکھ رہا تھا جس طرف تپ دھاری پرواز کر گیا تھا۔

تھوڑی دیر میں اسے تپ دھاری واپس آتا دکھائی دیا اس کی پرواز سے لگتا تھا کہ وہ کوئی خاص چیز دیکھ کر آرہا ہے جس کے متعلق وہ بھولے ناتھ کو جلد از جلد آگاہ کرنا چاہتا ہے۔ بھولے ناتھ اس کو واپس آتا دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا تپ دھاری نے آتے ہی اسے بتایا کہ سامنے نظر آنے والی تیسری پہاڑی کے چھٹے غار میں سادھو ایک جاپ کرنے میں مصروف ہے اور اس کی جان والا بچھو آٹھویں پہاڑی کے پندرہویں غار کی تاریک کھوہ میں چھپا ہوا ہے۔ اس لیے بجائے اس سادھو کو خبردار کرنے کے اس زرد بچھو کے پاس پہنچ کر اس کا خاتمہ کرنا چاہیے۔ تپ دھاری نے اس کے پاس پہنچتے ہی تیز تیز لہجے میں اسے بتایا۔

''ٹھیک ہے میں ابھی اس زرد بچھو کے پاس پہنچتا ہوں۔'' بھولے ناتھ اس نے اس کی بات سن کر فوراً ہامی بھرتے ہوئے کہا۔

اس نے جلدی جلدی پہاڑیاں گنی اور آٹھویں پہاڑی کے پندرہویں غار کے دہانے میں داخل ہو گیا۔ غار میں تاریکی پھیلی ہوئی تھی اور اس میں عجیب سی بدبو پھیلی ہوئی تھی یوں لگتا تھا جیسے اس میں بہت سے انسانوں کا خون کیا گیا ہو۔ وہ ناک سکیڑتا آگے بڑھتا رہا جیسے جیسے وہ آگے بڑھ رہا تھا ویسے ویسے تاریکی چھٹتی جا رہی تھی کچھ دیر چلنے کے بعد اس کے سامنے ایک چوراہا آ گیا جس کے چاروں طرف تنگ راہداریاں بنی ہوئی تھیں وہ سوچنے لگا کہ کس طرف چلا جائے اس نے کچھ سوچتے ہوئے دائیں طرف نظر آنے والی راہداری پر قدم رکھ دیے راہداری آگے چل کر تنگ ہو گئی اور آگے مزید جا کر ایک سنگی دیوار تھی وہ واپس پلٹ پڑا دوبارہ چوراہے میں آ کر اس نے بائیں راہداری میں قدم رکھ دیے۔

کچھ دیر چلنے کے بعد اس کے سامنے کچھ سیڑھیاں نیچے تہہ خانے کی طرف جاتی دکھائی دیں ان سے نیچے اترنے کے بعد وہ ایک کشادہ غار میں آ گیا غار کے بیچوں بیچ ایک پیالے نما جگہ بنی ہوئی تھی وہ تیز تیز قدم اٹھاتا جیسے ہی پیالے نما جگہ کے قریب پہنچا تو اسے اس کے اندر ایک بہت بڑا زرد رنگ کا بچھو بے قراری کے عالم میں ٹہلتا نظر آیا۔ بچھو کا حجم بڑی بطخ کے برابر تھا اور اس کے جسم میں زرد رنگ کا پانی دور سے ہی نظر آ رہا تھا یہ زہر تھا بہت مہلک جس کا ڈسا پانی نہ مانگے۔ اس کے آس پاس پتھریلی زمین سیاہ ہو گئی تھی یہ اس کی زہریلی سانسوں کا اثر تھا۔

بھولے ناتھ اور اس کے درمیان تقریباً چالیس پچاس فٹ کا فاصلہ ہو گا اس نے جلدی سے چرمی تھیلے میں ہاتھ ڈال کر ایک تیر نکالا جس کے پیچھے کے حصے پر ایک ربر چڑھی ہوئی تھی اس نے اس تیر کے آگے کے حصہ پر ایک منتر پڑھ کر پھونکا اور اس زرد بچھو کا نشانہ لے کر چھوڑ دیا تیر ہوا کی رفتار سے بھی زیادہ تیزی سے بچھو کی جانب بڑھا اور جیسے ہی وہ اس کے نزدیک پہنچا ایک دم واپس پلٹا اور تیزی سے بھولے ناتھ کی جانب بڑھنے لگا۔

بھولے ناتھ جو تجسس سے اس بچھو پر نگاہیں جمائے بیٹھا تھا تیر کو واپس پلٹتے دیکھ کر بوکھلا کر ایک دم پیچھے ہٹا اور اس کا اس طرح پیچھے ہٹنا ہی اس کے لیے زندگی کا باعث بن گیا ورنہ تیر اس کی پیشانی میں گھس چکا تھا۔ تیر واپس پلٹتے دیکھ کر وہ سمجھ گیا کہ بچھو کو طلسمی طریقے سے محفوظ کر دیا گیا ہے اس لیے اس کا کوئی اور اُپائے کرنا ہو گا۔ ابھی وہ اسی شش و پنج میں مبتلا تھا کہ اچانک غار میں ایک خوفناک آواز گونجی اور اس کے سامنے دھواں سا پھیلنا شروع ہو گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس دھوئیں نے سادھو کا روپ دھار لیا۔

بھولے ناتھ اسے دیکھتے ہی سنبھل گیا۔ سادھو نے نمودار ہوتے ہی اس کی طرف خونخوار نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''بھولے ناتھ تمہاری موت تمہیں یہاں کھینچ لائی ہے میں نے تمہیں خبردار کیا تھا کہ تم میرے راستے میں نہ آؤ مگر تم نے میرے جاپ میں خلل ڈال کر اپنی موت کو خود دعوت دی ہے۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے اس پر ایک منتر پڑھ کر پھونک دیا۔ اس کے منتر پھونکتے ہی فضا میں ایک بہت بڑا گدھ نمودار ہوا اور اس نے چیختے ہوئے بھولے ناتھ پر حملہ کر دیا۔

بھولے ناتھ ابھی اپنے بچاؤ کی کوئی صورت سوچ ہی رہا تھا کہ گدھ نے اچھل کر اس کے سینہ پر پنجہ مار دیا پنجہ کھاتے ہی بھولے ناتھ کو یوں محسوس ہوا جیسے کوئی وزنی ہتھوڑا اس کے سینے پر مارا گیا ہو اس کے منہ سے ایک

سسکاری نکلی اور وہ گھٹنوں کے بل نیچے بیٹھ گیا۔ نیچے جھکتے ہی اس نے یکدم ایک منتر پڑھا اور گدھ کی جانب دیکھتے ہوئے ایک ہاتھ کی مٹھی بند کر کے کھول دی ایسا کرتے ہی اس کے ہاتھ سے چنگاریاں نکل کر گدھ کی جانب بڑھیں مگر سادھو نے بھی جلدی سے کالے علم کا ایک وار ''گوگیہ پاشا'' اس پر پھونک دیا اور بھولے ناتھ کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے جسم میں کسی نے کھولتا ہوا پانی بھر دیا ہو اور پھر یہ پانی اس کے جسم سے باہر نکلنا شروع ہو گیا اس کے جسم پر سیاہی مائل بلبلے بننا شروع ہو گئے اور بلبلہ بنتے ہی وہ پھٹ جاتا اور پھر اس کے گندے مواد سے مزید بلبلے پیدا ہو جاتے یہ کالے علم کا ایک خطرناک اور بھیانک وار تھا جسے ''گوگیہ پاشا'' کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

بھولے ناتھ بھی ایک شیطان تھا اس نے سسکتے ہوئے اور تکلیف سے کراہتے ہوئے جلدی سے ایک منتر پڑھ کر اپنے جسم پر پھونک دیا تو ان بلبلوں میں کمی ہونے لگی اس نے اپنی ایک شکتی کا بلیدان کر کے ''مانگ شیو سران'' کا وار کر دیا تھا سادھو جو دور کھڑا تھا یہ دیکھ رہا تھا اس نے پھر گدھ کو اشارہ کیا مگر اب بھولے ناتھ سنبھل گیا تھا اس نے تھیلے سے ایک سوئی نکالی جس کے سرے پر ایک سفید موتی ٹنگا ہوا تھا اس نے موتی کو پکڑ کر کھینچا تو اس کے ساتھ لگا دھاگہ کھنچتا چلا گیا اور جب وہ گز بھر کا ہو گیا تو اس نے ایک منتر پڑھ کر اسے گدھ کی جانب اچھال دیا موتی سوئی سمیت تیر کی طرح اڑتا ہوا گدھ کی جانب بڑھا اور اس کی گردن میں اس کا دھاگہ پھنس گیا اور سوئی اچھل کر اس کے سینے میں پیوست ہو گئی۔

گدھ ایک جھٹکا کھا کر پیچھے کی جانب اچھلا اور دھک کی آواز سے زمین پر آن گرا..... سادھو نے یہ دیکھتے ہی فرار کی کوشش کی مگر اب بھولے ناتھ اس کو سنبھلنے کا موقع نہ دینا چاہتا تھا اس نے ایک منتر پڑھ کر اس پر پھونک دیا اچانک کہیں سے ایک لوہے کی تار نمودار ہوئی اور اس کے دیکھتے ہی دیکھتے سادھو کے ساتھ لپٹنا شروع ہو گئی سادھو نے ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے اپنے بچاؤ کی بہت کوشش کی مگر تار نے اسے مضبوطی سے جکڑ لیا تھا اسے باندھتے ہی اس نے تھیلے میں ہاتھ ڈال کر ایک لٹو نکالا جس کے اندر کالے رنگ سے دھاریاں بنی ہوئی تھیں اور ان دھاریوں پر سفید سفید نشان بھی نمایاں تھے اس نے لٹو ہاتھ میں لیتے ہوئے بچھو کی جانب اچھال دیا لٹو لڑھکتا ہوا تیزی سے بچھو کی طرف بڑھا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس پر بنی دھاریوں نے چھ کالے ناگوں کا روپ دھار لیا جن کے جسموں پر سفید سفید نشان واضح دکھائی دے رہے تھے وہ یکدم پھنکارتے ہوئے بچھو کی جانب بڑھے اور اسے سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر اچھل کر اس پر حملہ کر دیا اس کے منہ سے آگ کی لپٹیں نکل نکل کر بچھو کے جسم پر پڑ رہی تھیں بچھو نے اپنی جان بچانے کی بہت کوشش کی مگر ان سانپوں کے حملے سے خود کو نہ بچا سکا۔ ادھر بچھو کو جیسے ہی آگ نے گھیرا اُدھر سادھو کے جسم کو آگ لگ گئی اور غار میں اس کی بھیانک چیخیں گونج اٹھیں اور پل بھر میں زرد بچھو کی زرد راکھ وہاں پڑی تھی۔

سادھو بھی راکھ کے ڈھیر کی صورت میں وہاں پڑا تھا اور اس کے مرتے ہی ایک تیز سرخ آندھی چلی اور ایک بھیانک آواز سنائی دی۔ مارا مجھے بھولے ناتھ نے کہ میں جیون رکھشا کے لیے جاپ کر رہا تھا۔ اس کے بعد نہ تو وہاں غار تھی اور نہ ہی کالی پہاڑیاں تھیں۔ بلکہ بھولے ناتھ ایک درختوں کے جھنڈ کے نزدیک کھڑا تھا جھنڈ پار کر کے جیسے ہی وہ باہر نکلا تو سامنے مورت نگر کی سرحد تھی اور اسے راجہ بہرام داس اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ کھڑا نظر آیا اسے دیکھتے ہی وہ دوڑ کر اس سے لپٹ گیا۔

وہ اسے محل میں لے گئے اور بھولے ناتھ نے اسے تمام تفصیلات سنائیں تفصیلات سن کر راجہ بہرام داس کہنے لگا کہ سادھو کے مرتے ہی ایک تیز آندھی آئی اور اس میں سادھو کے مرنے کی آواز سنائی دی تھی تو ہم سمجھ گئے کہ وہ نرکھ میں پہنچ گیا ہے تو ہم دونوں سے تمہارے استقبال کے لیے سرحد پر کھڑے رہے۔ بعد میں ایشور بھی یہاں پہنچ گیا اور اس نے بھی بھولے ناتھ کو شاباش دی بھولے ناتھ نے کچھ دنوں تک مورت نگر رہنے کے بعد واپسی کی آگیا چاہی۔ انہوں نے اسے کچھ دن مزید رکنے کے لیے کہا لیکن وہ واپسی کے لئے بضد رہا وہ سب اسے مورت نگر کی سرحد تک چھوڑ کر واپس لوٹ گئے۔